87

اسلامی دستورِ حیات

غلام احمد حریری

پولیمر پبلیکیشنز

Marfat.com

اسلامی

دستورِ حیات

— جامع —

اسلامی تہذیب — سیرت النبیؐ — خلافتِ راشدہ

— برائے —

ایف اے علومِ اسلامیہ مطابق نصابِ جدید برائے ۱۹۸۱ء و مابعد

— از —

غلام احمد حریری
ایم۔اے (علوم اسلامیہ) ایم۔اے (عربی) ایم۔او۔ایل (عربی)
فاضل السنہ شرقیہ۔ فاضل درس نظامی

ناشر: پولیمر پبلی کیشنز ۱۹ راحت مارکیٹ چوک اردو بازار لاہور

ملنے کا پتہ: کتاب مرکز بھوانہ بازار لائلپور

ڈان بک ڈپو۔ صدر۔ راولپنڈی

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

29764

44815

مطبع ——————— اکیڈیمک پریس لاہور

طباعت ——————— اگست ۱۹۷۹ء

قیمت ——————— سفید کاغذ ۱۵/-

ناشر ——————— ضیا الحق قریشی ایم۔اے

تعداد ایک ہزار

Marfat.com

بنام جهاندارِ جاں آفریں
حکیمے سخن در زباں آفریں
خداوند بخشندۂ دستگیر
کریم خطا بخش پوزش پذیر

حرفِ آغاز

زبان و قلم خداوند رحیم و کریم کی عنایاتِ بے پایاں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہے جس نے "اسلامی دستورِ حیات" کو خلعتِ قبول سے نوازا۔ وہ ارحم و اکرم جسے عزّ و وقار بخشنا چاہتا ہے اپنے بندوں کے دل میں بھی اس کی قدر و محبت پیدا کر دیتا ہے۔ میں بصمیمِ قلب ان مخلص احباب کا سپاس گذار ہوں جنہوں نے اس کتاب کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کی اشاعتِ عام کے سلسلہ میں تعاون کا ہاتھ بڑھایا۔

بارگاہِ ربانی سے اس ناچیز کاوش کو جو حسنِ قبول عطا ہوا۔ یہ اسی کی کرشمہ سازی ہے کہ اب ہم اس کو آفسٹ کی حسین و جمیل طباعت سے آراستہ و پیراستہ کر کے اساتذہ و طلبہ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ کتاب ایف۔ اے علومِ اسلامیہ کے نصابِ جدید برائے ۱۹۷۵ء و مابعد کی جامع ہے۔ کوئی انسانی کاوش نہ خطا و نسیان سے پاک ہو سکتی ہے نہ اپنے موضوع پر حرفِ آخر کہلانے کی مستحق ہے۔ البتہ یہ بات کامل وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ فاضل اساتذہ و طلبہ اس کتاب پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ اس کے مندرجات کا مرکز و محور کتاب و سنت کے نصوص و دلائل اور علماءِ سلف کی تصریحات ہیں۔ بہر کیف یہ کتاب اصحابِ ذوق کے لیے ایک مستند و دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ بارگاہِ رب العزت میں ملتجی ہوں کہ خداوندِ رحیم کریم اس ناچیز خدمت کو قبول فرمائے

راقم آثم

غلام احمد حریری

صدر شعبۂ اسلامیات
زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد

Marfat.com

نصاب علوم اسلامیہ برائے ایف۔ اے ۱۹۸۱ء و مابعد

پرچہ الف

اسلام کا ثقافتی نظام

۱۔ اسلام کا نظام تہذیب و تمدن ۵۰ نمبر

۲۔ اسلام کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ
از آغاز اسلام تا اختتام خلافتِ راشدہ } ۵۰

کل نمبر ۱۰۰

پرچہ الف کا تفصیلی نصاب حسب ذیل ہے :۔

الف۔ اسلامی تہذیب

۱۔ اسلامی تہذیب کا مفہوم

۲۔ اسلامی تہذیب کی خصوصیات

ب۔ فرد

کتاب و سنت اور مفکرینِ اسلام کے افکار کی روشنی میں مندرجہ ذیل اسلامی اخلاق کا مفہوم اور ان کی اہمیت۔

۱۔ تقویٰ ۲۔ تدبر ۳۔ تحمل ۴۔ ذکر ۵۔ شکر ۶۔ صبر ۷۔ عفو ۸۔ عدل ۹۔ احسان ۱۰۔ خدمتِ خلق

(۵ تا ۹ سرگودھا بورڈ کے نصاب سے خارج)

ج۔ عائلی زندگی

۱۔ عائلی زندگی اور اس کی اہمیت و مقصد

۲۔ والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض (سرگودھا بورڈ کے نصاب سے خارج)

۳۔ زوجین کے حقوق و فرائض (خاوند اور بیوی)

د۔ مکتب و مسجد

۱۔ اسلامی معاشرے میں تعلیم کی نوعیت اور اہمیت (اسلامی نظامِ تعلیم)

۲۔ اسلامی معاشرے میں مکتب کی اہمیت

Marfat.com

۳- استاد اور شاگرد کے حقوق و فرائض (سرگودھا بورڈ کے نصاب سے خارج)

۴- اسلامی معاشرے میں مسجد کی اہمیت

۵- اسلامی معاشرہ

۱- اقارب کے حقوق و فرائض (رشتہ دار)

۲- ہمسایہ کے حقوق و فرائض

۳- شہری کے حقوق و فرائض

۴- اسلامی حکومت (ریاست)

۶- عالم اسلام

۱- اُمت
۲- اخوّت
(خارج از سرگودھا نصاب)

۳- تبلیغ

۴- جہاد

پرچہ الف جزو دوم

اسلام کی سیاسی و ثقافتی تاریخ

۱- اسلام کا پس منظر

۱- عرب کا جغرافیہ

۲- اسلام سے قبل عربوں کی سیاسی، سماجی اور تمدنی زندگی

۲- سیرت النبیؐ

آنحضرتؐ کی ابتدائی زندگی۔ آپؐ کی بعثت و تبلیغ دین اور ابتدائی مشکلات، ہجرت و غزوات اور فتوحات تعلیمات نبوی۔ ایک عظیم مصلح اور بانئ ملت اسلامیہ ہونے کے لحاظ سے آپؐ کی سیرت و اخلاق

Marfat.com

۳۔ خلافتِ راشدہ

۱۔ حضرت ابوبکرؓ ۔ انتخابِ خلافت ۔ حضرت اسامہ کی مہم ۔ فتنۂ ارتداد اور باغیوں کی سرکوبی ۔ ایران و روم کی سلطنتوں سے آویزش کی ابتداء ۔ سیرت و اخلاق ، کارہائے نمایاں

۲۔ حضرت عمرؓ ۔ انتخاب خلافت ۔ عراق و ایران اور مصر و شام میں فروغِ اسلام، اسلام بحیثیت قوتِ سیاسی ۔ شہری اور فوجی نظامِ حکومت کا ارتقاء ۔ غیر مسلموں سے سلوک شہادت ۔ سیرت و اخلاق ۔ کارہائے نمایاں ۔

۳۔ حضرت عثمان رضؓ ۔ انتخابِ خلافت ۔ اشاعتِ اسلام ۔ شہادت، سیرت و اخلاق کارہائے نمایاں ۔

۴۔ حضرت علی رضؓ ۔ انتخابِ خلافت ۔ انتشارِ اُمت کا آغاز ۔ انتظامِ حکومت ۔ شہادت سیرت و اخلاق ۔ کارہائے نمایاں ۔

۵۔ خلفائے راشدین کے عہد میں اسلام کی ترقی اور اس کے سیاسی، سماجی، اقتصادی اور تمدنی پہلو ۔

Marfat.com

فہرست

باب ۱	تہذیب و ثقافت	
باب ۲	اسلامی تہذیب	۲۰
باب ۳	اخلاق و آداب	۴۴
باب ۴	انسانی زندگی کے ارتقائی مراحل	۵۶
باب ۵	تدبر } خارج لاہور، ملتان بورڈ	۵۹
باب ۶	تحمل	۶۶
باب ۷	تقویٰ	۷۴
باب ۸	ذکر	۸۲
باب ۹	شکر	۹۲
باب ۱۰	صبر	۱۰۱
باب ۱۱	عفو	۱۱۱
باب ۱۲	عدل	۱۲۰
باب ۱۳	احسان	۱۲۸
باب ۱۴	خدمتِ خلق	۱۲۹
	عائلی زندگی	
باب ۱۵	کنبہ	۱۴۷
باب ۱۶	حقوقِ والدین و اولاد	۱۵۷
باب ۱۷	حقوقِ زوجین	۱۶۲
	مسجد و مکتب	
باب ۱۸	اسلامی نظام	۱۸۲
باب ۱۹	مکتب	۱۸۹
	استاد و شاگرد کے حقوق و فرائض	
باب ۲۰	دینِ اسلام اور علم	۱۹۶

Marfat.com

باب ۲۱	مسجد	۲۰۹
باب ۲۲	اسلامی معاشرہ	
باب ۲۳	اقارب	۲۱۹
باب ۲۴	ہمسایہ	۲۲۶
باب ۲۵	شہری	۲۳۵
باب ۲۶	اسلامی حکومت	۲۴۵
باب ۲۷	اُمّت	۲۵۴
باب ۲۸	اخوت — خارج از سرگودھا بورڈ	۲۶۴
باب ۲۹	تبلیغ	۲۶۶
باب ۳۰	جہاد	۲۶۹
		۲۹۱

حصہ دوم

باب ۱	جزیرۃ العرب	۳
باب ۲	سیرۃ النبیؐ	۲۳
باب ۳	آنحضرتؐ کی بعثت	۲۸۱
باب ۴	ہجرتِ مدینہ	۴۲
باب ۵	غزوات النبیؐ	۵۶
باب ۶	صلح حدیبیہ	۸۰
باب ۷	فتح مکہ اور دیگر غزوات	۹۴
باب ۸	حجۃ الوداع	۱۰۶
باب ۹	اخلاق النبیؐ	۱۲۱

حصہ سوئم

خلافتِ راشدہ

باب ۱	حضرت ابو بکر صدیق رضؓ	۲
باب ۲	حضرت فاروق اعظم رضؓ	۲۳
باب ۳	حضرت عثمان غنی رضؓ	۸۲
باب ۴	حضرت علی بن ابی طالب رضؓ	۱۱۴
	خلافتِ راشدہ پر ایک نظر	۱۴۲

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

باب ۱

۱- تہذیب و ثقافت

اسلام کا نظامِ تہذیب و ثقافت ہم سب سے پہلے یہ بتائیں گے کہ تہذیب یا کلچر کیا چیز ہے؟ پھر یہ حقیقت واضح کی جائے گی کہ اسلامی تہذیب کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں جو اسے غیر اسلامی تہذیب سے ممتاز کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا جائے گا کہ اسلامی تہذیب کن عناصر سے ترتیب پاتی اور کون سے عوامل اس کو جنم دیتے ہیں۔ نیز یہ کہ تہذیب و تمدّن کے الفاظ آیا ہم معنی ہیں یا ان میں کوئی فرق و امتیاز بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اب کلچر کا مفہوم واضح کیا جاتا ہے

کلچر کا لغوی مفہوم بعض اُمور ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں محسوس کیا جا سکتا ہے مگر ان کی جامع تعریف کرنا بڑا دشوار کام ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر محبت کے لفظ کو لیجئے۔ ظاہر ہے کہ کوئی دل محبّت سے خالی نہیں۔ والدین کی اولاد سے محبت۔ بھائی بہنوں کی محبّت۔ خاوند بیوی کی محبّت۔ مخلص احباب کی محبت۔ خلاصہ یہ کہ محبت کی بے شمار قسمیں ہیں اور ہر دل میں کسی نہ کسی قسم کی محبت کا وجود ناگزیر ہے تاہم محبت کی تعریف آسان نہیں۔ ایک صاحب اولاد جانتا ہے کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ لیکن وہ محبت کی کوئی ایسی تعریف نہیں کر سکتا کہ ایک بے اولاد شخص کو بھی اس کا احساس ہو جائے۔

اسی طرح کلچر کی جامع مانع تعریف کر کے اس کے مفہوم سے طلبہ کو آگاہ کرنا بھی آسان نہیں۔ دشواری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کلچر کا مفہوم بیان کرنے میں خود محققین کے یہاں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم حتی المقدور یہ کوشش کی جائے گی کہ طلبہ پر کلچر کا مفہوم

Marfat.com

واضح ہوجائے۔

کلچر انگریزی زبان کا لفظ ہے اور اس کی اصل (CULTIVATION) ہے۔ جس کے معنی کاشت کرنے اور بونے کے ہیں۔ بدیں وجہ لغوی اعتبار سے کلچر کا لفظ ان معانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

۱۔ کاشت کاری

۲۔ کسی چیز کو سنوارنا اور ترقی دینا۔

۳۔ تعلیم و تربیت سے مہذب و شائستہ بنانا۔

۴۔ کسی کے اخلاق و عادات کو سنوارنا۔

۵۔ کسی قوم کی تہذیب و ثقافت۔

۶۔ عیوب و نقائص سے پاک کرنا۔

کلچر کے ان لغوی معانی سے یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ صفائی و نفاست (RE-FINEMENT) کا مفہوم قدرِ مشترک کے طور پر اس لفظ کے ہر معنی میں پایا جاتا ہے۔ خواہ یہ صفائی کسی فردِ واحد کی شخصی (PERSONAL) زندگی میں پائی جاتی ہو یا قومی و اجتماعی طرزِ حیات میں۔ اسی بناء پر جو شخص طرزِ زندگی لباس و خوراک عادات و اطوار اور دیگر امور میں صفائی و نفاست کا خوگر ہوتا ہے اسے کلچرڈ (CULTURED) یعنی مہذب کہا جاتا ہے۔

کلچر کا اصطلاحی مفہوم

لفظ کلچر کے یہ معانی لغت کے اعتبار سے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کلچر کے اصطلاحی معنی کیا ہیں؟

اصل بات یہ ہے کہ کلچر کی تعریف میں علماء یک زبان نہیں ہیں۔ بخلاف ازیں ہر فن کے علماء نے اپنے مخصوص دائرہ علم کے مطابق کلچر کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ مثلاً مؤرخین کے نزدیک کلچر کی تعریف یہ ہے:۔

"تاریخ کے کسی دَور میں کوئی قوم مجموعی حیثیت سے آرٹ۔ موسیقی۔ ادب۔ فلسفہ اور مذہب و سائنس وغیرہ میں سے جو کچھ حاصل کر لیتی ہے وہ اس قوم کا کلچر کہلاتا ہے۔"

Marfat.com

اس تعریف کا مطلب یہ ہے کہ تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت جب کسی مخصوص خاندان کے کلچر کا جائزہ لینا مقصود ہو تو اس وقت دیکھا جائے گا کہ اس دور کے لوگوں نے ادب و آرٹ، مذہب و سائنس اور موسیقی میں کہاں تک ترقی کی ۔ یہی ان کا کلچر ہے۔

معاشرتی علوم (SOCIAL SCIENCES) کے علماء کے نزدیک کلچر کی تعریف یہ ہے :-

"کلچر کسی قوم کے افکار و اعمال اور نتائج کے مجموعے کو کہتے ہیں۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرتی علوم کے ماہرین جب کسی معاشرہ کے کلچر سے متعلق بحث کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یہ معاشرہ کن افکار و نظریات کا حامل اور ان پر کس حد تک عامل تھا۔ نیز یہ کہ اس سے کیا نتائج برآمد ہوئے ۔ بنا بریں ان کے نزدیک کلچر کی خصوصیات یہ ہیں :-

۱۔ معاشرہ کے تمام افراد کلچر میں شریک ہوتے ہیں اور وہ کسی فردِ واحد کی ملکیت نہیں ہوتا۔

۲۔ کلچر ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ہر نسل اسے منتقل کرتے وقت اس میں سے کچھ حصہ ضائع کر دیتی ہے اور اس پر بعض اُمور کا اضافہ کرتی ہے۔

۳۔ کلچر جغرافیائی حالات اور دیگر امور کے بدل جانے سے تبدیل ہو جاتا کرتا ہے۔

۴۔ ایک ہی زمانہ میں مختلف مقامات پر مختلف معاشرے اپنا مختلف کلچر رکھتے ہیں اسی طرح ایک ہی مقام پر مختلف زمانوں میں کلچر مختلف ہوتا ہے

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار لکھتا ہے :-

"کلچر کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ انسانی زندگی کے تمام تر مظاہر مثلاً ذہنی، اخلاقی اور مذہبی اُمور سب اس میں شامل ہیں۔"

اِس تعریف سے کلچر کے لفظ کی وسعت و جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ گویا کلچر اتنی ہمہ گیر چیز ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اس سے باہر نہیں ۔ اس میں کسی قوم کے تمام لوازمِ حیات مثلاً طرزِ زندگی، لباس، خوراک، عبادات، رسوم معاملات

Marfat.com

سب داخل ہیں۔ لفظ کلچر کے اسی مفہوم کو بعض لوگ (WAY OF LIFE OF A NATION) یعنی کسی قوم کے طرزِ حیات سے تعبیر کرتے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز کے مقالہ نگار نے کلچر کے مفہوم میں اس سے زیادہ وسعت پیدا کی ہے۔ اس کے نزدیک نہ صرف معاشی تنظیم قانون۔ علم کھیل اور زیب وزینت ہی کلچر میں داخل ہے۔ بلکہ مذہب بھی کلچر کا لازمی جزو ہے۔ حالانکہ اب تک مغرب میں مذہب کو ایک پرائیویٹ اور عملی زندگی سے الگ تھلگ چیز سمجھا جاتا تھا۔ مقالہ نگار کا خیال ہے کہ جو چیز بھی فرد یا معاشرہ کی اصلاح وارتقاء کے لیے مفید ہے وہ کلچر میں داخل ہے

ٹائلر کلچر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"کلچر میں علم، عقیدہ، فن، اخلاق، مذہب، زبان، قانون، رسم اور وہ تمام صلاحیتیں، عادتیں اور طور طریقے شامل ہیں جو انسان معاشرے کا ایک رکن ہونے کی حیثیت سے اختیار کرتا ہے۔"

ورلڈ سکوپ انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے:-

"کلچر کسی قوم کی پختہ عادات وروایات، سماجی رسومات، اخلاقی اقدار اور معاشرتی معاملات میں روحانی، علمی اور فنی رجحانات کا مجموعی نام ہے جو بڑوں سے چھوٹوں کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔"

ان تمام تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ کلچر کا مفہوم خاصا وسیع ہے۔ اس میں کسی قوم کا ادب و آرٹ، افکار و اعمال، ذہنی و اخلاقی رجحانات، طرزِ بود و ماند بلکہ وہ تمام طور و طریقے شامل ہیں جو کسی معاشرہ کی اصلاح و ترقی میں معاون ہو سکتے ہیں۔ گویا یہ تعریفیں متعدد تو ہیں لیکن باہم متضاد نہیں۔ ان سب کا قدر مشترک یہ ہے کہ جو چیز بھی کسی معاشرہ کے ارتقاء میں مفید ہو سکتی ہے وہ کلچر میں داخل ہے۔ سابقہ بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ کلچر کا مفہوم لفظِ اقدار (VALUES) سے قریبی مماثلت رکھتا ہے۔ اقدارِ حیات ہی کسی قوم و معاشرہ کی رُوح رواں ہوتی ہیں۔ ان کو اصول و ضوابط بھی کہا جاتا ہے۔ اصولِ حیات ہی کے زیرِ اثر عملی زندگی اوجِ کمال پر فائز ہوتی ہے۔

Marfat.com

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ لفظ کلچر کے مفہوم میں یہ وسعت و جامعیت بعد میں پیدا ہوئی پہلے یہ لفظ بڑے محدود معنوں میں استعمال ہوا کرتا تھا۔ دورِ حاضر میں کلچر سے جو مفہوم مراد لیا جاتا ہے۔ اس کے اظہار و بیان کے لیے پہلے سولائزیشن (CIVILIZATION) کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ اس دور میں کلچر کو سولائزیشن کا ایک جزو خیال کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ کلچر کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوئی اور وہ سولائزیشن کا ہم معنی بن گیا۔ اب کلچر کا لفظ سولائزیشن کے دسیع تر معانی میں استعمال کیا جاتا ہے اور سولائزیشن کی حیثیت اس کے ایک جزو سے زیادہ نہیں۔

تہذیب کا مفہوم کلچر کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے عربی سے اُردو میں تین الفاظ درآمد کیے گئے ہیں۔ ۱۔ تہذیب ۲۔ تمدّن ۳۔ ثقافت۔ اب ہم بتائیں گے کہ ان ہر سہ الفاظ کے اصلی معنی کیا ہیں؟ اور آیا ان میں کوئی معنوی فرق پایا جاتا ہے یا نہیں؟

تہذیب۔ تہذیب کا لفظ مصدر ہے اور اس کے معنی کانٹ چھانٹ اور اصلاح کے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس کے معنی میں وسعت پیدا ہوتی چلی گئی۔ اب یہ لفظ طرز زندگی اور طریق معاشرت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر قوم ایک مخصوص طرز زندگی اور جداگانہ عادات و اطوار کی حامل ہوتی ہے جو اسے دوسری قوموں سے ممتاز کرتے ہیں۔ اسی ظاہری شکل و صورت کو تہذیب کہا جاتا ہے۔ گویا آج کل تہذیب کا لفظ کلچر کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس میں بھی وہی وسعت پیدا کر دی گئی ہے جو کلچر کے لفظ میں موجود ہے۔ مفہوم کی اسی وسعت کے پیشِ نظر ہم اس کتاب میں کلچر کے لئے تہذیب کا لفظ استعمال کریں گے۔

اچھی اور بُری تہذیب۔ تہذیب کے لغوی معنی چونکہ کانٹ چھانٹ اور اصلاح کے ہیں۔ اس لیے لغوی معنی کا تقاضا یہ ہے کہ یہ لفظ ہمیشہ اچھی تہذیب کے لئے بولا جائے مگر معنوی وسعت کے پیشِ نظر اس کا اطلاق اچھی اور بُری دونوں کی تہذیبوں پر کیا جاتا ہے۔ اچھی تہذیب وہ ہے جو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہو

Marfat.com

اگلا باب اسلامی تہذیب سے متعلق ہے۔ اس کے مطالعہ سے اچھی اور بری تہذیب کا فرق خود بخود نمایاں ہو جائے گا۔

تمدّن

تمدّن کے لغوی معنی حسب ذیل ہیں :۔
۱۔ شہر میں سکونت اختیار کرنا۔
۲۔ شہری لوازمات اختیار کرنا۔
۳۔ مہذب اور خوش اخلاق ہونا۔ (المنجد)

یہ لفظِ تمدّن کے لغوی معنی ہیں۔ اصطلاحی اعتبار سے تمدّن ضروریاتِ زندگی کی پیداوار ہے۔ ایک معمولی پہیئے سے لے کر بھاری مشینوں تک ہر چیز تمدّن کا مظہر ہے۔ انسانی زندگی میں جن مادی اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ رفتہ رفتہ ایک تمدن کو جنم دیتی ہیں۔

تہذیب و تمدّن کا باہمی فرق

تہذیب و تمدّن کا فرق یوں سمجھئے کہ تہذیب کا تعلق نظریات سے ہوتا ہے اور تمدّن کا اعمال اور ان کے نتائج سے۔ اعمال اور نتائج چونکہ افکار و نظریات سے جنم لیتے ہیں۔ اس لئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ تہذیب اصل و اساس ہے اور تمدّن اس کی شاخ ہے۔ ظاہر ہے کہ شاخیں اگرچہ مختلف سمتوں میں پھیلی ہوئی ہوں لیکن جڑ ایک ہونے کی وجہ سے ان میں قریبی مماثلت پائی جاتی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مختلف علاقوں میں بسنے والے لوگوں کا تہذیبی ورثہ ایک ہونے کے باوجود ان میں تمدّنی اختلاف موجود ہوتا ہے اور یہ اختلاف جغرافیائی حدود کے اختلاف پر مبنی ہوتا ہے۔

تہذیب و تمدّن کے فرق کو اس طرح بھی واضح کیا جا سکتا ہے کہ ظہورِ اسلام سے پہلے اہلِ ایران، اہلِ روما اور اہلِ مصر نے مادی ضروریاتِ زندگی کے اعتبار سے جو مقام حاصل کیا وہ تمدّن ہے۔ اس کے برخلاف سالارِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انقلابی ارشادات اور حکیمانہ تعلیمات کے ذریعہ جو ذہنی انقلاب برپا کیا اس کا نام

Marfat.com

اسلامی تہذیب ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ لفظِ تہذیب (کلچر) مادّی ترقی کے مفہوم میں شامل نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں تمدّن کا لفظ مادّی ارتقاء کے نکتہ عروج کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ چنانچہ ایک معاشرہ جہاں بہترین معاشرتی ادارے ہوں۔ مواصلات کا عمدہ انتظام ہو۔ تحفظِ صحت کا اعلیٰ اہتمام ہو صنعت وحرفت رُو بہ ترقی ہو۔ قابلِ تعریف انتظامیہ ہو۔ وہاں تمدّن تو اونچے درجے کا ضرور ہے مگر تہذیب کا پایا جانا ضروری نہیں۔ دوسرے لفظوں میں جو لوگ فنونِ لطیفہ سائنس فلسفہ اور مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے وہ کوئی تہذیب نہیں رکھتے خلاصہ یہ کہ معاشرتی و فنی ترقی کا نام تمدّن ہے اور روحانی و ذہنی ارتقاء کو تہذیب کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا فرق و امتیاز کے باوصف تہذیب و تمدّن دونوں کا اطلاق ایک دوسرے پر ہوتا ہے۔ اہلِ یورپ بھی بعض اوقات ان میں فرق نہیں کرتے۔ وہ تہذیب و تمدّن دونوں کے لئے سولائزیشن (CIVILIZATION) کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے جُدا کرنا دُشوار ہے۔ اس لئے کہ کوئی تہذیب ایک درجہ تمدّن کے بغیر عالمِ وجود میں نہیں آسکتی اور کوئی تمدّن تہذیب سے بے تعلق نہیں ہوسکتا۔ لفظِ تمدّن (CIVILIZATION) کا قریب تر ترجمہ ہے اور کلچر (CULTURE) کا مفہوم تہذیب کا لفظ بہتر ادا کرتا ہے۔

ثقافت کلچر (تہذیب) کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ثقافت کا لفظ اُردو میں عربی سے درآمد کیا گیا ہے۔ یہ مصدر ہے اور مندرجہ ذیل معانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

۱۔ دانش مند ہونا۔

۲۔ ہلکا پھلکا ہونا۔

۳۔ پکڑنا اور پالینا۔

Marfat.com

۴۔ قابو پانا۔

۵۔ ذہانت و فطانت (القاموس و صراح)

اصطلاحاً "ثقافت" کا لفظ اُردو میں کلچر کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ہم اس کے لیے تہذیب کا لفظ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

تہذیب کے عوامل و عناصر

کلچر کی تعریف و توضیح کے بعد قابلِ غور بات ہے کہ اس کے عوامل و محرکات کیا ہوتے ہیں؛ بالفاظِ دیگر کون سے امور کسی تہذیب کو جنم دیتے اور اسے معرضِ ظہور میں لاتے ہیں؛

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہر ثقافت کا مرکز و محور کوئی عقیدہ اور یقین ہوتا ہے۔ زندگی اور کائنات کے بارے میں جس قوم کا جو تصور ہوگا۔ اُسی تصور کے گرد اس کی تہذیب گردش کرے گی۔ یہ ناممکن ہے کہ عقیدہ کچھ اور ہو اور عمل کچھ اور۔ عقیدہ کی بجائے یہاں موزوں تر لفظ ایمان ہے۔ انسان پہلے ایمان لاتا ہے اس کے بعد عمل کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر عمل ناقص ہو تو اسے ناقص ایمان ہی کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ کسی قوم کی اجتماعی زندگی کی بنیاد کچھ افکار و عقائد پر ہوتی ہے ان نظریات پر ایمان لانے سے اس قوم کے افراد میں ایک خاص قسم کا ذہنی میلان و رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اس ذہنی میلان کی بناء پر اُن سے خاص قسم کے اعمال کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ اعمال ان سے اس حد تک صادر ہوتے ہیں کہ ان کی عادت بن جاتے ہیں۔ یعنی وہ اعمال خود بخود کسی کاوش کے بغیر اُن سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بعد ازاں یہ عادت پختہ ہو کر سیرت و کردار بن جاتی ہے۔ یہی ذہنی رجحان و میلان جو کسی قوم کے مخصوص نظریات کی پیداوار ہوتا ہے اور ان میں خاص قسم کی سیرت و کردار کو جنم دیتا ہے۔ اس قوم کی تہذیب کہلاتا ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ انسان کے اعمال ہمیشہ کسی عقیدے یا ایمان کے تابع ہوتے ہیں اور یہی ایمان و عقیدہ کلچر کی تخلیق کرتا ہے۔ کلچر

Marfat.com

دراصل عقیدہ وایمان کا مظہر ہے۔ زندگی کے ہر چھوٹے بڑے کام پر کوئی عقیدہ ہی اثرانداز ہوتا ہے۔ مثلاً جس قوم کے افراد کا عقیدہ وطن، نسل، زبان یا پیشے پر ہوگا۔ اس قوم کی قومیت کی بنیاد بھی یہی چیزیں ہوں گی اور وہ زندگی کے تمام اعمال کو اسی عینک سے دیکھے گی اور اسی کسوٹی پر پرکھے گی۔ اس کے افراد کے تمام حرکات وسکنات پر یہی عقیدہ اثرانداز ہوگا اور اس کے کردار وعمل کے تمام گوشے اسی عمل کے مظاہر ہوں گے۔

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ جس طرح ایک شخص کو بانس کی تیلیوں سے چاول کھاتے دیکھ کر آپ فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ یہ چینی قوم کا فرد ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص چھینک کر الحمد للہ کہے تو آپ بلا تامل یہ فیصلہ کریں گے کہ یہ مسلم قوم کا فرد ہے۔ آپ کسی کا لباس دیکھ کر [illegible] کر، کسی کا طریقہ عبادت دیکھ کر کسی کا رہن سہن دیکھ کر بخوبی یہ اندازہ کر لیتے ہیں کہ اس کا تعلق فلاں قوم سے ہے۔

عقائد وافکار اور کلچر میں وہی نسبت ہے جو بیج اور درخت میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دو بیج بظاہر یکساں نظر آئیں لیکن درخت بننے کے بعد دونوں کی شکل، مزے، رنگ خاصیت وغیرہ میں زمین وآسمان کا فرق پیدا ہو جائے کیونکہ دونوں بیجوں کی اندرونی صلاحیت جداگانہ ہے۔ اگرچہ ہر شخص کا ارادہ خیال اور پسند اسی طرح ایک دوسرے سے مختلف ہے جیسے ان کی شکل وصورت۔ تاہم بعض چیزیں ان میں مشترک بھی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے ان کی زندگی میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ طرزِ زندگی کی یہی مشابہت اس قوم کو دوسری قوم سے ممتاز کرتی ہے۔ اسی کا نام کلچر ہے۔ بلاشبہ بعض چیزیں دنیا کی مختلف قوموں میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ بہت سی چیزیں ایسی بھی ملیں گی جو ایک قوم کو دوسری سے ممتاز کر دیتی ہیں۔ اگر ان کا رنگ ملتا ہے تو زبان میں فرق ہوگا۔ لباس میں کھانے میں طرزِ معاشرت میں، مذہبی تصورات میں غرض کہیں نہ کہیں یہ فرق ضرور محسوس ہو جائے گا۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ کوئی تہذیب یکایک پیدا نہیں [illegible] قوم کی تہذیب ماضی میں جنم لیتی اور حال کی گود میں پروان چڑھ[illegible]

Marfat.com

اپنے ماضی سے کٹ کر کبھی کسی نئے تمدّن کی بنیاد نہیں ڈالی ۔ ہر قوم اپنے اسلاف سے ، ایک تہذیبی ورثہ حاصل کرتی ہے ۔ پھر اپنے مخصوص حالات کے سانچہ میں ڈھالتی اور اس میں ضروری تبدیلیاں کر کے اپنے مخصوص تمدّن کی صورت میں آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ جاتی ہے ۔

مندرجہ بالا بیانات اس حقیقت کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ تہذیب کسی معاشرے کے عقائد و افکار کا ہم آہنگ ظہور ہے جو لوگوں میں معاشرتی وحدت کا یقین پیدا کرتا اور اجتماعی زندگی کا نصب العین متعین کر کے تمدّن سیاست علوم وفنون اور عملی زندگی کے بقیہ عناصر کی ترقی کے لیے راہیں ہموار کرتا ہے ۔

بنا بریں کسی تہذیب کے بقاء و ارتقاء کا انحصار مندرجہ ذیل اُمور پر ہے ۔

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ تہذیب کن عقائد و افکار کی پیداوار ہے ؟ کن نظریات نے اسے جنم دیا ؟ وہ نظریات کس حد تک حق و صداقت سے ہم آہنگ ہیں

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس مخصوص تہذیب کے حامل اِن نظریات و افکار سے کس حد تک دلبستگی و وابستگی رکھتے ہیں جنہوں نے اس تہذیب کو جنم دیا ۔ نیز یہ کہ ان نظریات کو بروئے کار لانے میں ان کے اندر ایثار و قربانی کا جذبہ کس حد تک پایا جاتا ہے ؟

۳۔ تیسرے یہ کہ اس تہذیب کی رائے میں انسان کی وجہِ تخلیق اور مقصدِ حیات کیا ہے ؟ انسان دنیا میں کس لئے آیا ؟ تاکہ یہ معلوم ہو کہ انسان زندگی بھر جس جہد و سعی میں مشغول رہتا ہے ۔ آخر اس کا مدّعا کیا ہے اور وہ کس نتیجہ کا منتظر ہے ؟

یہ ہیں وہ عناصر و عوامل جن کے بل بوتے پر کوئی تہذیب معرضِ وجود میں آتی اور قائم رہتی یا فنا پذیر ہو جاتی ہے ۔

چونکہ کتاب ہذا کا مقصدِ تالیف اسلامی تہذیب کا ذکر و بیان ہے ۔ لہٰذا اب ہم بیان کریں گے کہ اسلامی تہذیب کن خصوصیات کی حامل ہے اور اس کے عناصرِ ترکیبی کیا ہیں ؟

Marfat.com

سوالات

۱۔ کلچر کسے کہتے ہیں؟ مفکرینِ عالم کے نظریات کے مطابق اس کا مفہوم بیان کیجئے
۲۔ تہذیب سے کیا مراد ہے۔ تہذیب و تمدن کا فرق واضح کیجئے۔
۳۔ وہ کون سے عوامل و عناصر ہیں جو کسی کلچر کو جنم دیتے ہیں۔
۴۔ کسی تہذیب کی بقاء وارتقاء کا انحصار کن امور پر ہوتا ہے۔ تفصیلاً لکھئے۔

Marfat.com

باب ۲

اسلامی تہذیب

اب تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کلچر کا عام معنی و مفہوم کیا ہے؟ ثقافت کسے کہتے ہیں؟ تہذیب و تمدن کے الفاظ آیا ہم معنی ہیں یا ان میں کوئی معنوی فرق و امتیاز پایا جاتا ہے؟

تہذیب کا تصوّر

یہ اصل مقصد کی تمہید تھی۔ اس کتاب کا موضوع و مقصود اسلامی تہذیب ہے۔ جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ تہذیب بحیثیت عمومی ہے کیا چیز تب تک اسلامی تہذیب اور اس کی خصوصیات پر قلم اٹھانا ممکن نہیں۔

اسلامی تہذیب کی خصوصی علامات کی نشاندہی کرنے سے قبل یہ بتانا ضروری ہے کہ کسی قوم یا ملک کی تہذیب کا انحصار و مدار مندرجہ ذیل باتوں پر ہوتا ہے۔

۱۔ سب سے پہلی چیز جس کا کسی تہذیب میں تلاش کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے متعلق اس کا تصور کیا ہے؟

۲۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اس تہذیب کی نگاہ میں انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انسان کی یہ سب جدّ و جہد کس لئے ہے؟

۳۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ زیر بحث تہذیب میں انسانی سیرت کی تعمیر کن بنیادی نظریات و عقائد پر کی گئی ہے؟ انسانی ذہن کو وہ کس سانچے میں ڈھالتی ہے؟

۴۔ چوتھا سوال یہ ہے کہ وہ تہذیب انسان کو بحیثیت انسان کے کس طرح کا آدمی بناتی ہے؟ وہ کون سے اخلاق و اطوار ہیں جنہیں وہ انسان میں پیدا کرنا چاہتی ہے؟ اور اس کی مخصوص اخلاقی تربیت سے انسان کیا بنتا ہے؟

۵۔ پانچواں سوال یہ ہے کہ اس تہذیب میں انسان کے تعلقات اور اس کے حقوق

Marfat.com

دوسروں پر اور دوسروں کے حقوق اس پر کیا قرار دیئے گئے ہیں؟ اس کو کن حدود کا پابند کیا گیا ہے؟ مندرجہ صدر بیان سے معلوم ہوا کہ تہذیب کی تکوین پانچ عناصر سے ہوتی ہے

۱۔ دنیوی زندگی کا تصوّر

۲۔ اسلامی تہذیب کا نصب العین

۳۔ بنیادی افکار و عقائد (اجزاءِ ایمان)۔

۴۔ ارکانِ اسلام

۵۔ اخلاق و آداب

دنیا کی ہر تہذیب انہی پانچ عناصر سے بنی ہے اور اسی طرح اسلامی تہذیب کی تکوین بھی ان ہی سے ہوتی ہے۔ مندرجہ صدر عناصرِ خمسہ کا مختصر ذکر و بیان حسب ذیل ہے:۔

اسلامی تہذیب کے عناصرِ خمسہ

۱۔ دنیوی زندگی کا تصوّر:۔ مختلف مذاہب میں انسانی زندگی کے مختلف تصورات بیان کئے گئے ہیں۔ جس کو جو پہلو نمایاں نظر آیا اس نے حیاتِ دُنیا کے متعلق یہی نظریہ قائم کرلیا اور دوسرے پہلوؤں پر نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

دیگر مذاہب میں تصوّرِ حیات:۔ بعض مذاہب کا خیال ہے کہ انسان ایک نہایت ہی حقیر چیز ہے۔ یہ تخیل ان کے ذہن پر اتنا غالب آیا کہ انسانی شرف و عظمت کا پہلو ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بُت پرستی، شجر پرستی (درختوں کی پوجا) اور حجر پرستی (پتھروں کی پوجا) کے مرض میں گرفتار ہوئے۔

۲۔ ایک دوسرے گروہ نے دُنیا کو اس نظر سے دیکھا کہ اس میں بس فساد ہی فساد ہے۔ دنیا کے سب معاملات انسان کو پریشانیوں اور مصیبتوں میں پھانسنے والے پھندے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیا سے نفرت کرنے لگے اور انہوں نے اپنے لئے نجات کی راہ اسی میں دیکھی کہ دنیا سے کنارہ کش ہوجائیں۔

Marfat.com

۳۔ ایک اور گروہ نے دنیا کو اس نظر سے دیکھا کہ انسان کے لیے عیش و لذّت کے سامان جمع ہیں۔ انسان کے لئے جو کچھ بھی ہے یہی دُنیا ہے اور اس کو جو کچھ مزے اُڑانے ہیں اسی دُنیوی زندگی میں اڑانے ہیں۔ گویا وہ ؎

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

کے قائل ہیں۔

۴۔ اس کے مقابلہ میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو دُنیا اور اس کی لذّتوں کو سراسر گناہ سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک انسانی رُوح کے لئے دُنیا کی مادی آسائشیں نجاست کا حکم رکھتی ہیں۔

۵۔ ایک اور گروہ نے انسان کو مجبورِ محض خیال کیا۔ ان کی رائے میں فطرت کے قانون نے اس کو بالکل جکڑ رکھا ہے۔ وہ اس قانون کے خلاف نہ کچھ سوچ سکتا ہے نہ کسی بات کا ارادہ کر سکتا ہے۔

۶۔ اس کے بالکل برعکس ایک گروہ کی نگاہ میں انسان مطلق العنان ہستی ہے اور کسی اعلیٰ طاقت کا فرمانبردار نہیں ہے۔ کوئی بالاتر ہستی اس سے بازپرس کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔

یہ دنیوی زندگی کے متعلق مختلف اہلِ مذاہب کے جُداگانہ تصوّرات ہیں۔

اسلام کا تصوّرِ حیات

بخلاف ازیں دینِ اسلام نے حیاتِ دنیا کا جو تصوّر پیش کیا ہے وہ فطرت کے عین مطابق ہے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو دنیا کوئی قابلِ نفرت چیز ہے اور نہ ایسی چیز ہے کہ انسان اس کا فریفتہ اور اس کی لذتوں میں گم ہو جائے۔ نہ وہ بالکل نجاست و آلودگی ہے اور نہ تمام تر پاکیزہ و طیّب۔ نہ انسان اتنا حقیر ہے کہ ہر ادنیٰ چیز کے سامنے سرِ نیاز جُھکا دے اور نہ اتنا طاقت ور کہ دنیا کی ہر چیز اس کے سامنے سربسجود ہو جائے۔ نہ وہ اتنا بے بس ہے کہ اس کا ذاتی ارادہ کوئی چیز نہ ہو اور نہ اتنا زبردست ہے کہ بس اسی کا ارادہ سب کچھ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں فطرت اور عقلِ سلیم کے مطابق ہیں۔

Marfat.com

اسلام اس سے آگے بڑھ کر انسان کو اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ تو عام مخلوقات کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ روئے زمین پر خدا کا ذمہ دار نائب ہے۔ دُنیا اور اس کی طاقتوں کو تیرے لیے مسخر کیا گیا ہے۔ تو سب کا حاکم ہے اور صرف اللہ تعالےٰ کا محکوم ہے تجھے تمام مخلوقات میں عزّت و شرف حاصل ہے۔ مگر عزّت کا صحیح استحقاق تجھے اس وقت حاصل ہو سکتا ہے۔ جب تو اس کا فرمانبردار ہو اور اس کے احکام کا اتباع کرے جس نے تجھے خلافت کا منصب عطا کر کے دنیا پر شرف بخشا ہے۔

دنیوی زندگی کا یہ تصوّر اسلامی تہذیب کی اصل و اساس ہے۔ ایک مسلم جس نے اسلامی تہذیب کے ماحول میں تربیت پائی ہو۔ اس کا عمل خواہ کتنا ہی ناقص ہو لیکن خودداری عزّتِ نفس کا احساس خدا کے سوا کسی کے آگے نہ جھکنا۔ خدا کے سوا کسی کو اپنا مالک و آقا نہ سمجھنا یہ ایسے اُمور ہیں جو اس کے رگ و ریشے میں سرایت کئے ہوئے ہوں گے۔

اسلامی تہذیب کا نصب العین

تصوّرِ حیات کے بعد دوسری چیز جو ایک تہذیب کی اچھائی یا بُرائی کو جانچنے میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہ ہے کہ وہ انسان کے سامنے کونسا نصب العین پیش کرتی ہے۔ اس چیز کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ انسان اسی کام کے لیے محنت و کاوش انجام دیتا ہے جس کو اس نے اپنا نصب العین قرار دیا ہو نصب العین کے بلند یا پست ہونے پر افکار و تخیلات کی بلندی و پستی اخلاق و آداب کی فضیلت و رذیلت اور معیشت کی اچھائی یا بُرائی کا مدار ہے۔ لہٰذا جب ہم کسی تہذیب کو جانچنا پرکھنا چاہیں تو ہمارے لیے اس کے نصب العین کی جستجو ناگزیر ہے۔

ظاہر ہے کہ ہم دنیوی زندگی کے متعلق جو تصوّر رکھتے ہیں وہی فطری طور پر زندگی کا ایک نصب العین پیدا کر دیتا ہے اور ہم اپنی تمام قوتیں اسی نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے صرف کرنے لگتے ہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے انسان کو خدا کا خلیفہ اور روئے زمین پر اس کا نائب قرار دیا ہے تو اس تصوّرِ حیات سے

Marfat.com

جو نصب العین فطری طور پر پیدا ہونا چاہئے۔ اس تک آپ کی عقل خود بخود پہنچ جائے گی۔ ایک نائب کا اس کے سوا کیا نصب العین ہونا چاہئے کہ جس کا نائب ہو اس کی خوشنودی حاصل کرے اور اس کی نظر میں ایک اچھا وفادار اور فرض شناس خادم قرار پائے۔ یہی وہ نصب العین ہے جو اسلام نے انسان کے سامنے پیش کیا ہے۔ اسلام نے ہر قسم کی دُنیوی اور اُخروی اغراض کو چھوڑ کر ایک چیز کو زندگی کا نصب العین اور انسان کی تمام کوششوں کا مقصود قرار دیا ہے اور وہ چیز اللہ تعالےٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کا حصول ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی تہذیب کو ایک جُداگانہ اور مخصوص تہذیب بنانے میں اس کے نصب العین کا کیا حصّہ ہے؟ اسی نصب العین نے اسلامی تہذیب کو ایک ایسی مخصوص تہذیب بنا دیا ہے۔ جو بنیادی طور پر دوسری تہذیبوں کے راستہ سے الگ ہے۔ زندگی بسر کرنے کے بہت سے طریقے دوسری تہذیبوں کے نزدیک نہ صرف جائز بلکہ لازمۂ تہذیب ہیں مگر اسلام ان کو ناجائز مکروہ اور بعض حالات میں حرام قرار دیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ان تہذیبوں کے تصوّرِ حیات سے عین مطابقت رکھتے ہیں مگر اسلام کے تصورِ حیات سے ان کو کوئی لگاؤ نہیں۔

بنیادی افکار و عقائد

انسان کی عملی زندگی میں ایک قابلِ اعتماد نظم و ترتیب اسی وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب وہ ایک مستقل سیرت رکھتا ہو اور سیرت سازی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اُس کا ذہن پراگندہ خیالی سے پاک ہو اور چند مخصوص خیالات اُس میں پختہ ہو جائیں۔ یہ خیالات جتنے زیادہ گہرے ہوں گے سیرت اتنی ہی زیادہ مضبوط ہوگی۔ اور انسان کی عملی زندگی اتنی زیادہ منظّم ہوگی۔ ان ہی پختہ خیالات کو اسلام کی اصطلاح میں عقائد کہتے ہیں۔

اسلام کے بنیادی عقائد پانچ ہیں۔

۱۔ ایمان باللہ

Marfat.com

۲۔ ایمان بالملائکۃ

۳۔ ایمان بالرسل

۴۔ ایمان بالیوم الآخر ۵۔ ایمان بالکتب،

اسلام کے پورے عقائد اور عملی نظام میں پہلی اور بنیادی چیز ایمان باللہ ہے۔ باقی جتنے عقائد و ایمانیات ہیں سب اسی کے زیرِ اثر ہیں۔ ملائکہ پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ خدا کے ملائکہ ہیں۔ کتابوں پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ خدا کی نازل کی ہوئی ہیں۔ رسولوں پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں۔ آخری دن پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ خدا کے انصاف کا دن ہے۔ غرض اسلام کی ہر چیز وہ عقیدہ ہو یا عمل اس کی بناء صرف ایمان باللہ پر ہے۔

مذکورہ بالا پانچوں بنیادی عقائد پر ایک نگاہ ڈالئے کہ یہ مل جُل کر کس قسم کی تہذیب پیدا کرتے ہیں۔ قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ اسلامی تہذیب کا سنگِ بنیاد دنیوی زندگی کے اس تصوّر پر رکھا گیا ہے کہ انسان باقی مخلوقات کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ خداوندِ عالم کی طرف سے یہاں نائب بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس تصور سے انسانی زندگی کا یہ نصب العین قرار پایا کہ وہ اپنے خالق اور آقا کی خوشنودی حاصل کرے اور اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اُمور کو پیشِ نظر رکھے۔

۱۔ وہ خدا کی صحیح معرفت حاصل کرے۔

۲۔ وہ صرف خدا کو حاکم اور مُطاع سمجھے اور اپنے آپ کو احکامِ خداوندی کے تابع کر دے۔

۳۔ وہ ان طریقوں کے مطابق زندگی بسر کرے جن سے خدا کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے۔

۴۔ وہ خدا کی خوشنودی کے ثمرات اور اس کی ناخوشی کے نتائج سے آگاہ ہو۔

مذکورہ صدر پانچ عقائد اس ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔

Marfat.com

۴۔ ارکانِ اسلام

کسی تہذیب کے بارے میں ایک اہم سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ وہ تہذیب انسان کو بحیثیت ایک انسان کے کس طرح کا آدمی بناتی ہے ؛ یعنی وہ کس قسم کی اخلاقی تربیت دے کر انسان کو اپنے نظریہ کے مطابق کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے تیار کرتی ہے ۔ وہ کونسے خصائل و اوصاف ہیں جنہیں وہ انسان میں پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے ؛ اور اس کی مخصوص اخلاقی تربیت سے انسان کیسا انسان بنتا ہے ؛ گو تہذیب کا اصل مقصد نظامِ اجتماعی کی تعمیر ہے ۔ لیکن افراد کی اصلاح کے بغیر اجتماعی اصلاح ممکن نہیں ۔

اسلام نے اخلاقی تربیت کے لئے ایک نظامِ عبادات وضع کیا ہے ۔ جو شخص یہ ٹریننگ اچھی طرح سے لے گا وہ اسلامی اخلاق کا مجسّم بن جائے گا ۔ ان خاص عبادتوں کو فرضِ عین قرار دیا گیا ہے اور انہیں ارکانِ دین یعنی دین کے ستون کہا گیا ہے ۔ جس طرح ایک عمارت چند ستونوں پر قائم ہوتی ہے ۔ اسی طرح اسلامی تہذیب کی عمارت بھی ان ستونوں پر قائم ہے ۔ یہ ارکانِ خمسہ وہ بنیادی امور ہیں جو افراد کو عمدہ تربیت دے کر ان کی زندگی کو اسلامی سانچہ میں ڈھال دیتے ہیں ۔ ان کی وجہ سے زندگی کے بقیہ اعمال میں حسن و کمال پیدا ہوجاتا ہے ۔ جس طرح بنیادی عقائد انسان کی ذہنی دُنیا کی بنیاد ہیں ۔ اسی طرح ارکانِ اسلام عملی زندگی کی اساس ہیں ۔

بنیادی عقائد کی طرح ارکانِ اسلام بھی پانچ ہیں ۔

۱۔ کلمہ طیبہ
۲۔ اقامتِ صلوٰۃ
۳۔ زکوٰۃ
۴۔ روزہ
۵۔ حج

ارکانِ اسلام پر بحیثیت مجموعی ایک نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ دینِ اسلام میں عمل کو کس قدر اہمیت حاصل ہے ۔ ارکانِ اسلام دراصل جذبۂ عمل کی

Marfat.com

تکمیل کی ایک صورت ہیں۔ دینِ اسلام کی تعلیم نے ایمان و عمل کو باہم لازم و ملزوم قرار دیا۔ مگر اصلی زور عمل پر صرف کیا ہے۔ دینِ اسلام ایمان کو محض ایمان کی بنا پر اہمیت نہیں دیتا بلکہ اس لئے ایمان عملِ صالح کے لیے راستہ بناتا ہے اور اس کی تخم ریزی کے لئے زمین ہموار کرتا ہے۔ مشہور مثل ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ دینِ اسلام عمل کو ایمان کا پھل قرار دیتا ہے۔ جو شخص ایمان کا مدعی ہے مگر اس کے ارکان پر عامل نہیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایمان نے اس کی زبان سے اُتر کر اس کے دل کی گہرائیوں میں برگ و بار پیدا نہیں کیا۔ اس سے واضح ہوا کہ ایمان اصل ہے اور عمل اس کی فرع ہے۔ ایمان ملزوم اور اعمالِ صالحہ اس کے لوازم ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہو سکتے۔ جس طرح ایمان کے بغیر عمل سرسبز نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح عمل کے بغیر ایمان ایک بے پھل درخت ہے۔

مندرجہ صدر بیان سے واضح ہوا کہ ارکانِ اسلام اسلامی تہذیب کے وہ عناصرِ ترکیبی ہیں جن کے امتزاج سے اس کا مجسمہ ترکیب پاتا ہے اور انسانی زندگی ایک خاص سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ پانچوں ارکان میں سے ہر رکن لاتعداد عبادات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ گویا یہ پانچ باب ہیں جن میں بے شمار مضامینِ عبادت پائے جاتے ہیں یہ فرائض درحقیقت انسان کے تمام نیک اعمال کو پانچ مختلف عنوانات میں الگ الگ تقسیم کر دیتے ہیں۔

۱۔ کلمہ طیبہ توحیدِ خداوندی اور اثباتِ رسالت پر مشتمل ہے۔ جس میں جملہ شرعی احکام و اوامر آجاتے ہیں۔

۲۔ بندوں کے وہ تمام اعمالِ صالحہ جن کا تعلق خالق و مخلوق سے ہے نماز میں داخل ہیں۔

۳۔ وہ تمام اعمال جو ایک انسان دوسرے کی بھلائی اور نفع رسانی کے لئے انجام دیتا ہے زکوٰۃ میں آگئے۔

۴۔ خدا کی راہ میں ہر قسم کی جانی و مالی قربانی کرنا، کسی پاکیزہ مقصد کے لیے مشقت

Marfat.com

جھیلنا، نفس کو تن پروری کی نجاست سے پاک رکھنا روزہ ہے۔

۵۔ دنیائے اسلام میں ملتِ ابراہیمی کی برادری کی تشکیل اسلامی اتحاد کے لئے جہد و سعی اور کسبِ معاش کے لئے کدّوکاوش کا سرعنوان حج ہے۔

مذکورہ بالا سطور سے یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ جملہ اعمالِ صالحہ و اخلاقِ حسنہ ارکانِ اسلام کے زیرِ اثر ہیں۔ بنا بریں ارکانِ اسلام اسلامی تہذیب کی تشکیل و تعمیر میں بے حد اہم پارٹ ادا کرتے ہیں۔

۵۔ اخلاق و آداب

کسی تہذیب کو جانچنے کے لئے ایک ضروری سوال یہ بھی ہے کہ اس تہذیب میں انسانوں کے باہمی تعلقات کو کس طرح قائم کیا گیا ہے؛ انسان کے تعلقات اس کے خاندان اس کے ہمسایوں اس کے دوستوں، اس کے ماتحتوں اور اس کے افسروں کے ساتھ کس قسم کے رکھے گئے ہیں! اسی کا نام حقوق العباد ہے۔ اس سوال کے ضمن میں اخلاقِ معاشرت قانون سیاست اور بین الاقوامی تعلقات کے تمام مسائل آجاتے ہیں اور اسی سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ زیرِ بحث تہذیب خاندان سوسائٹی اور حکومت کی تنظیم کس ڈھنگ پر کرتی ہے۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیات

مندرجہ صدر بیانات سے یہ حقیقت روشن ہوئی کہ اسلامی تہذیب کا ڈھانچہ پانچ اجزاء ترکیبی سے مل کر بنتا ہے۔ ان پانچ عناصر کا اصلی منبع دینِ اسلام ہے۔ لہذا اسلامی تہذیب کا مرکز و محور دینِ اسلام ہی ہے۔ ہر ملت کی تہذیب اس کے مذہب سے پھوٹتی ہے۔ بعد ازاں دیگر عوامل اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لیکن اس کی بنیادی اصل بہرحال دین ہی رہتا ہے۔ ہر وہ قوم جس کا مذہب سے کچھ تعلق ہو وہ زندگی کے اطوار و آداب اور رسم و رواج میں اپنے مذہب سے ضرور متاثر ہوتی ہے۔ لباس سوسائٹی کے آداب گھریلو نظام تعمیرات نظامِ تعلیم اور نظامِ حکومت وغیرہ لامحالہ مذہب سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسلام اس حقیقت سے آنکھ بند نہیں کرتا اور اپنے پیروؤں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ تہذیب و تمدّن کو اسلامی سانچہ میں ڈھالیں۔

Marfat.com

جو مذہب تہذیب و تمدن کا محافظ نہ ہو وہ فطری نہیں ہو سکتا۔ اسلام فطری مذہب ہے۔ وہ ایک جامع نظامِ حیات ہے۔ اس لئے وہ سب شعبہ ہائے حیات کا نگران ہے جو شخص اس نگرانی سے آزاد ہونا چاہے وہ اگر زبان سے دین کی صداقت کا دم بھرتا ہے تو سمجھ لو کہ منافق ہے۔ تہذیب کا سرچشمہ چونکہ دین ہے۔ اس لئے دین کی طرح اس کا بھی خالص ہونا ضروری ہے۔ اگر اس میں کسی اور مذہب کی تہذیب کے اجزاء شامل کر دیئے جائیں تو یہ تہذیب خالص نہیں رہے گی۔ جن لوگوں کو اس غیر خالص تہذیب سے محبت ہو جائے دین سے ان کا تعلق کم ہو جائے گا۔ اسلامی تہذیب سے غیر اسلامی تہذیب کا پیوند کبھی نہیں لگ سکتا۔ اس سے مذہبی حس کمزور پڑ جاتی ہے۔ لہذا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔

اب ہم یہ بتائیں گے کہ اسلامی تہذیب کن خصوصیات کی حامل ہوتی ہے۔ اسلامی تہذیب کے نمایاں خدوخال حسب ذیل ہیں:۔

ا۔ توحید اسلامی تہذیب کی بنیاد نظریۂ توحید پر استوار کی گئی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ اصلی حاکم و مُطاع ہے۔ اس کے احکام و اوامر کی اطاعت ضروری ہے۔ دینی احکام کا مآخذ و مصدر کتاب و سُنت ہے۔ ان دونوں کے علاوہ ایک مسلم پر کسی کی اطاعت فرض نہیں۔ اسلامی تمدن میں بُت پرستی اور شرک کی کوئی گنجائش نہیں۔ محرماتِ شرعیہ مثلاً شراب جوا وغیرہ اسلامی تمدن میں راہ نہیں پا سکتے۔ توحید کی پانچ بڑی قسمیں ہیں۔

ا۔ توحید ربانی۔ یہ ہے کہ خدا ایک ہے۔ اس کی ذات و صفات میں دوسرا کوئی شخص شریک نہیں۔ وہی ہم سب کا خالق و مالک، رازق و آقا، مختار و پروردگار حامی و ناصر، ممدو معاون حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ اسی کا ہر جگہ اور ہر وقت قبضہ و اقتدار ہے۔ اس کے سوا کسی کا حکم اور زور ہر جگہ اور ہر وقت نہیں چلتا۔

ب۔ توحید انسانی۔ یہ ہے کہ "خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ" کے مطابق سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ سب کو ایک اُمت قرار دیا۔ سب کو حقوق اللہ

Marfat.com

اور حقوق العباد کا پابند بنا دیا اور اس طرح حسب نسب گورے کالے اور عربی عجمی کا فرق و امتیاز ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" کا خلعت پہنا کر مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا اور اس طرح تمام جغرافیائی حدود کا خاتمہ کر دیا یہاں تک کہ ان کے آغاز و انجام کو بھی ایک ہی سطح پر رکھا یعنی ہر انسان کا خمیر مٹی سے اٹھایا۔ مٹی سے ہی اس کی خوراک پیدا کی اور مٹی کی ہی اسے خوراک بنا دیا۔

۴۔ توحیدِ لسانی۔ یہ ہے کہ عبد و معبود کے درمیان صرف ایک ہی زبان یعنی عربی کو واسطہ بنایا گیا۔ اسی میں کلامِ الٰہی نازل ہوا۔ اسی میں فرائض عبادات ادا ہوتے ہیں۔ وہی عالمِ اسلام کی مبلغ اتملیّ زبان ہے۔ وہی فرشتوں کی زبان ہے۔ وہی اہلِ جنت کی زبان ہوگی۔

۵۔ توحیدِ مکانی۔ یہ ہے کہ مسلمانوں کا کعبہ ایک ہے۔ اسی کی طرف رُخ کرکے سب نماز ادا کرتے ہیں۔ اسی رُخ پر مساجد تعمیر کرتے ہیں۔ اسی رُخ پر مسافرِ آخرت کو ابدی نیند سُلاتے ہیں۔ سب کو ایک ہی طول و عرض کی زیرِ زمین آخری آرام گاہ ملتی ہے اور اس میں سب کو ایک ہی قسم کا لباس پہنا کر داخل کیا جاتا ہے۔

۶۔ توحیدِ ایمانی یہ ہے کہ ہر نومولود کو صفحۂ ہستی پر قدم رکھتے ہی پہلے دن اس کے کان میں اذان کہہ کر اسے خدا پر ایمان لانے اور اس کے رب ہونے کی خبر سنائی جاتی اور اسے صلاح و فلاح کی طرف رجوع کرنے کا پیغامِ الٰہی دیا جاتا ہے۔ سب اہلِ اسلام کے بنیادی عقائد ایک ہیں۔ خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک اور خانہ کعبہ ایک ہے۔ ارکانِ دین یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد یکساں طور سے سب پر فرض ہیں۔ جملہ اسلامی احکام و اوامر اور حلال و حرام میں کسی کی تخصیص نہیں۔

توحید کے یہ اقسامِ پنجگانہ اہلِ اسلام کی شیرازہ بندی کرکے اسلامی تہذیب میں اجتماعی شان پیدا کرتے ہیں۔

۲۔ **ذکرِ الٰہی** اسلامی نقطۂ نگاہ سے زندگی کا اوّلین مقصد اللہ تعالےٰ کی عبادت ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا۔

Marfat.com

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" (الذاریات)
اور میں نے جن و انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اسلام نے جو زندگی کا نصب العین پیش کیا ہے وہ اجازت نہیں دیتا کہ انسان ایک لمحہ کے لیے بھی اس کو پس پشت ڈال دے۔ دنیوی مال و متاع اپنے اندر بہت کشش رکھتا ہے۔ اپنی ظاہری زیبائی اور رعنائی سے دلوں کو اپنی طرف موہ لیتا ہے کہ آدمی اپنی اصل منزل کو بھول کر اسی کو نصب العین بنا لیتا ہے۔ اس لئے دنیا کے جال سے بچ نکلنا بہت بڑی کامیابی ہے۔ اسی نصب العین کا تقاضا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے چلتے پھرتے غرض یہ کہ زندگی کے تمام مشاغل میں منہمک ہوتے وقت اسلامی ہدایات کو فراموش نہ کیا جائے۔ اسلام کے نزدیک زندگی سراپا جہد و عمل اور مقصودِ رضائے الٰہی ہے اس لئے ضروری ہے کہ بزم میں، رزم میں، سفر میں، حضر میں یادِ الٰہی سے غافل نہ ہوں۔

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اگر جملہ مشاغلِ حیات میں اس کی ہدایات کو ملحوظ رکھا جائے تو انسان کی پوری زندگی عبادت بن جاتی ہے حتیٰ کہ وہ امور و افعال جن کو ہم خالص دنیوی تصور کرتے ہیں۔ وہ بھی یادِ الٰہی کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔

۳۔ مساوات اسلامی تہذیب کی ایک بڑی خصوصیت مساوات ہے۔ اسلام طبقاتی تقسیم قوم و قبیلہ رنگ و نسل کے فرق و امتیاز کا قائل نہیں۔ جس شخص نے کلمۂ طیبہ پڑھ لیا وہ بڑے سے بڑے مسلم کے دوش بدوش کھڑا ہونے کا اہل بن گیا۔ چنانچہ اسلامی تہذیب میں امیر و غریب آقا و غلام اور عربی و عجمی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ خلیفۂ وقت بھی نماز میں عام مسلمانوں کے برابر کھڑا ہوگا۔ اسلام میں عزت و عظمت کا مدار و انحصار خوفِ خداوندی پر ہے۔ ایک غلام بھی اپنے ذاتی اوصاف کی بنا پر اعلیٰ سے اعلیٰ منصب پر فائز ہو سکتا ہے۔ اس کی مثالیں قرونِ اولیٰ میں تو بہت ہیں۔ ہندوستان میں غلاموں کے ایک پورے خاندان نے حکومت کی ہے جو تہذیب مساوات و یکسانی کی علمبردار نہ ہو وہ دیرپا ثابت نہیں ہو سکتی۔ اسلامی تہذیب کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ۔

Marfat.com

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

۴۔ سادگی

اسلامی تہذیب کی ایک اور بڑی امتیازی خصوصیت سادگی اور تعیش سے بیزاری ہے۔ اس میں فضول خرچی کو ممنوع قرار دیا گیا اور نمود و نمائش کے کاموں سے روکا گیا ہے۔ اسلام نے روزمرہ کی زندگی میں سادگی کو سرِ فہرست رکھا اور تاکید کی ہے کہ سادہ کھاؤ اور سادہ پہنو۔ تکلف فضول خرچی اور عیاشی کا شیوہ اختیار نہ کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دولت کی فراوانی کو امت کے اسبابِ زوال میں شمار کیا ہے کیونکہ اس سے فخر و غرور اور نخوت کے جذبات کو ہوا ملتی ہے۔ متاعِ دنیا کی حریص قوم موت کا سامنا کرنے ڈرتی اور بزدل ہوجاتی ہے یہاں تک کہ میدانِ جہاد میں شرکت کرنے سے کتراتی ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ ان خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

اسلامی تمدن کا طرۂ امتیاز سادگی ہے۔ خلیفۂ وقت بھی معمولی لباس پہنتا ہے۔ سادہ کھانا کھاتا ہے اور عام آدمیوں کی طرح بازار میں سودا سلف خریدتا ہے۔ اس کی سواری کے ساتھ نہ طبل بجتے ہیں اور نہ سڑکوں کو عام لوگوں سے خالی کردیا جاتا ہے زرق برق لباس اور دیگر فضول سامانِ آرائش و زیبائش بھی ممنوع ہیں۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا حرام قرار دیا گیا ہے۔ مردوں کے لئے ریشمی لباس حرام ہے۔ سادگی سے ہمدردی کی روح پیدا ہوتی ہے۔ جو لوگ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ انہیں غریبوں کی زندگی اور دکھ سکھ کا اندازہ کیونکر ہوسکتا ہے اور ان میں عوام کی ہمدردی کیونکر پیدا ہوسکتی ہے۔ تہذیب وہی بہتر ہے جو زیادہ اخراجات کی طالب نہ ہو۔ اسلامی معاشرہ میں بیاہ شادی اور اظہارِ غم کے موقع پر جو ناروا اخراجات برداشت کئے جاتے ہیں وہ اسلامی تہذیب کی روح کے منافی ہیں۔ پرتکلف زندگی بسر کرنے کے لئے رشوت اور "فضلِ ربی" کا سہارا لینا ناگزیر ہوجاتا ہے۔ اسلامی معاشرہ سے رشوت کے استیصال کے لئے سادگی ایک نسخۂ اکسیر ہے۔

Marfat.com

پاکیزگی دینِ اسلام میں صفائی و پاکیزگی کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ ظاہری پاکیزگی باطنی طہارت کے لئے تمہید کا حکم رکھتی ہے۔ انبیاء خود بھی لطافت پسند ہوتے ہیں مگر اس کے باوصف سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو صفائی کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآنِ حکیم میں فرمایا۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ۔ (المدثر)

جب جسم و لباس پاک صاف ہو تو رُوح میں از خود پاکیزگی و بالیدگی آ جاتی ہے۔ اسی لئے اسلامی عبادات انجام دینے سے پہلے جسم و لباس کی طہارت ضروری قرار دی گئی ہے ایک نمازی سب سے پہلے پاکیزہ لباس زیبِ تن کر کے وضو کرتا ہے۔ مسواک کر کے دانتوں کی صفائی کا اہتمام کرتا ہے۔ لہسن پیاز اور بدبودار چیز کھا کر مسجد میں جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ خوشبو لگانے کو مستحسن قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی تہذیب میں صفائی کو اسقدر عمل دخل حاصل ہے کہ اہلِ اسلام ہر کام میں طہارت و نفاست کا خیال رکھتے ہیں۔ کھانے پینے، پہننے کے علاوہ وہ عمارات کی تعمیر میں بھی اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرتے۔ روشن اور ہوادار مکانات صاف ستھرے کمرے اور کشادہ صحن اسلامی تہذیب کے عکاس ہیں۔ مسجدیں صاف ستھری کشادہ روشن، ان کی صفائی کا یہ عالم ہے کہ جدّ الانبیاء حضرت ابراہیم خلیلؑ اور ان کے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہم السلام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ

طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ ۝ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھیں۔ (البقرہ)

گویا مساجد کی تطہیر جب انبیاء کے لیے باعثِ عزت و عظمت ہے تو کسی دوسرے کے لئے یہ عمل باعثِ توہین کیونکر ہو سکتا ہے؟ اسلام نے پاکیزگی کو یہ درجہ حاصل ہے کہ وہ "طیب" (پاکیزہ) اشیاء کو حلال اور "خبیث" (ناپاک) چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔

Marfat.com

۶۔ اعتدال پسندی

دینِ اسلام افراط و تفریط سے پاک اور میانہ روی کا حامی ہے۔ اس امت کو "اُمّتِ وسط" (درمیانہ امت) کا لقب دیا گیا ہے۔ اس کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ اعتدال ہے۔ خوشی غمی کھانے پینے کھیلنے کودنے بلکہ جملہ مشاغل حیات میں میانہ روی اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ غم کبھی حد سے نہ بڑھے۔ ایسا نہ ہو کہ تم نالہ و شیون اور سینہ کوبی پر اتر آؤ۔ خوشی میں بھی اعتدال ملحوظ رہے۔ ایسا نہ ہو کہ راگ رنگ اور موسیقی کی محفلیں منعقد ہونے لگیں جو فحاشی، عریانی اور بے حیائی کی سرحدوں کو چھونے لگیں۔ کھیل کود کی اجازت اسی حد تک ہے جہاں تک یہ جسمانی ورزش کے لئے ضروری ہے۔ اس سے آگے اس کی بھی اجازت نہیں۔ کھانے اور لباس اور دیگر لوازمِ زندگی میں بھی اعتدال ضروری ہے۔ اسراف ممنوع ہے۔ مردوں کو ریشمی لباس سے اسی لئے روکا گیا ہے تاکہ یہ لباس ان میں تن آسانی اور کبر و فخر کے جذبات نہ پیدا کر دے۔ عبادات میں بھی میانہ روی کا اصول کارفرما ہے۔ عبادت اتنی ہی کی جائے جو بخوشی خاطر ہو اور طبیعت ملال نہ پکڑے۔ ایسی طویل دعا سے بھی منع کیا گیا ہے جس سے طبیعت اکتا جائے۔

۷۔ اُخوّت

اسلامی تمدن کا ایک اہم عنصر اخوّت ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سب مومن بھائی بھائی ہیں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات ۱۰) سب مومن بھائی بھائی ہیں۔

ایک کو تکلیف ہو تو سب بے آرام ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ سب مومن ایک جسم کی مانند ہیں۔ جس طرح جسم کا کوئی عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا جسم بیقرار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک مومن کی تکلیف دوسرے کو بے چین کر دیتی ہے۔

مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
تو دلی کا ہر اک پیر و جواں بے تاب ہو جائے

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں ؎

Marfat.com

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند — کہ در آفرینش زیک جوھر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

یہی جذبہ اخوت تھا جس نے حجاج بن یوسف کو مسلمان عورتوں کے ڈاکوؤں کے ہاتھوں گرفتار ہونے کی خبر سن کر محمد بن قاسم کو راجہ داہر کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ یہی وہ جذبۂ اخوت ہے جس کے پیش نظر ہم پاکستانی مسلمان اپنے کشمیری بھائیوں کو آزاد کرانے کے لئے بے چین ہیں۔

۴۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اسلامی تمدن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نیکیاں پھلتی پھولتی ہیں اور برائیاں دب جاتی ہیں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بجاآوری کے لئے اس امت کو عالم وجود میں لایا گیا ہے۔ اسی فریضہ کی تکمیل و تعمیل کی بناء پر یہ ملت "خیر امت" کے بلند پایہ لقب سے نوازی گئی۔ قرآن کریم میں فرمایا ہے :۔

"وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ"۔ (آل عمران ۱۰۴)

تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔

قرآن کریم میں فرمایا۔

"تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"۔ (المائدہ - ۲)

نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور بغاوت میں کسی سے تعاون نہ کرو۔

اسلامی تمدن میں یہ خصوصیت ہے جس میں کوئی دوسرا تمدن اس کی ہمسری نہیں کر سکتا کہ اسلامی تمدن ایک ایسے ماحول کو جنم دیتا ہے جو نیکی کے لئے بڑا سازگار اور برائیوں کے لئے زہر قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ یہ تمدن بدقماش و اوباش لوگوں کو دندناتے پھرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس میں ہر شخص کی ناموس و آبرو اور مال و جان محفوظ ہوتی ہے۔ اس کی حد یہ ہے کہ غیر مسلم تک اس کے سایہ میں بے خوف و خطر

Marfat.com

زندگی بسر کرسکتے ہیں - بہر کیف یہ تمدن ہر لحاظ سے پُرامن اور سکون بخش ہوتا ہے

تہذیب کا بقاء وارتقاء

یہ ہیں وہ خصوصیات جو اسلامی تہذیب کی نشاندہی کرتی ہیں - گویا تہذیب ایک آئینہ ہے جس میں کسی قوم کے خدّوخال دیکھے جاسکتے ہیں - اس لئے قومی زندگی کی بقاء کے لئے تہذیب کا رہنا ازبس ضروری ہے - اس میں شبہ نہیں کہ زمان ومکان کی تبدیلی سے کسی حد تک تہذیب میں فرق آجاتا ہے - مگر اس کے بنیادی اُصول کبھی نہیں بدلتے - کیونکہ تہذیب کا سرچشمہ دین ہے جو ناقابلِ تغیر ہے - مثلاً اسلامی تہذیب کا تقاضا ہے کہ لباس ایسا پہنا جائے جس میں عریاں کا کوئی شائبہ نہ ہو اور عبادات کی بجاآوری میں مانع نہ ہو - اس تقاضا میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی لیکن اس کی مقررکردہ حدود کے اندر لباس کی وضع قطع پر کوئی پابندی نہیں - اس طرح مختلف ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کا لباس، طرزِ معاشرت اور لوازمِ حیات مختلف ہوں گے مگر اس کے باوصف روئے زمین کے مسلمانوں کی چند باتیں ایسی مشترک بھی ہوں گی جو ان کو اختلاف زمان ومکان وتنوعِ رنگ ونسل کے باوصف ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کریں گی -

کسی ملّت کی تہذیب اسی وقت تک زندہ رہتی ہے جب تک اس کی بنیادی خصوصیات قائم ودائم ہیں - تہذیب ملّت کا چہرہ ہے - اسی سے ملّت کی شناخت ہوتی ہے بلکہ یہی ملّی امتیاز کی علامت ہے - جس ملّت کی کوئی امتیازی شان نہ ہو اس کا دنیا میں کوئی وقار نہیں ہوتا - تہذیب ان بنیادی امتیازات میں سے ہے جو قوم کے اندر اتحاد ویکجہتی کا احساس پیدا کرتے ہیں - یہ احساس قوم میں خود اعتمادی پیدا کرتا ہے تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ دنیا میں ہمیشہ طاقت در اور فاتح قوم کی تہذیب غالب رہی ہے - جو قوم احساسِ کمتری کا شکار ہو کر قوت و شوکت کی طالب نہیں رہتی وہ اپنی تہذیب کو بھی برقرار نہیں رکھ سکتی - اسی طرح جو قوم اپنے ہاتھوں اپنی تہذیب کو ملیامیٹ کردے وہ اپنی ملّی روح کو بھی قربان کرنے سے نہیں شرماتی - جو قومیں ذہنی غلامی کے مرض میں گرفتار ہوتی ہیں - وہ اپنے آقاؤں

Marfat.com

کی ہر ادا کو اپنانے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ ان کی نگاہ میں اعلیٰ مقام حاصل کر سکیں۔ اس لئے تہذیب کو برقرار رکھنے کے لئے ملّی غیرت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے اس لئے وہ غالب رہنا چاہتا ہے۔ مغلوب ہونا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے تہذیب کی بقاء و ارتقاء کے لئے کوشاں رہنا اہل اسلام کا اوّلین فریضہ ہے۔

Marfat.com

مباحث متعلقہ تہذیب و ثقافت پر ایک طائرانہ نظر

اب تک ہم نے تفصیلاً جو کچھ بیان کیا ہے۔ اس کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے۔

کلچر کا مفہوم کلچر انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے مفہوم و معنی کو ظاہر کرنے کے لیے عربی سے ثَقَافت کا لفظ مستعار لیا گیا ہے۔ ثقافت کے لفظ کو سب سے پہلے نامور ادیب و مفکر مولانا ظفر علی خاں مرحوم مدیر شہیر روزنامہ زمیندار لاہور نے دنیائے علم و ادب میں رائج کیا۔ یہ لفظ متحدہ ہندوستان میں تہذیب و تمدن کے معنوں میں برسوں مستعمل رہا۔ ثقافت اور تہذیب و تمدن کے الفاظ قریب المعنیٰ ہیں۔ اگرچہ ان میں تھوڑا سا معنوی فرق پایا جاتا ہے مگر بسا اوقات اس فرق کو نظر انداز کر کے ان کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔

کلچر کی تعریف :۔ مختلف مفکرین نے اپنے اپنے دائرۂ فن میں محدود رہ کر کلچر کی مختلف تعریفیں کیں۔ ہر فن کے علماء کلچر کی تعریف جداگانہ انداز پر کرتے ہیں مشہور مفکر ٹائلر نے حسب ذیل تعریف کی ہے۔

"کسی قوم کا عقیدہ مذہب، اخلاق، فن، زبان، رسم و رواج، قانون تمام معاشرتی افکار و آراء صلاحیتیں اور طریقہ ہائے معاشرت کلچر کے اجزاء شمار ہوتے ہیں۔"

دورِ حاضر کے ایک مشہور مفکر کی یہ تعریف بہت پسند کی گئی ہے کہ "ثقافت ان لوگوں کی پوری زندگی کا ایک بہترین نمونہ پیش کرتی ہے جو ایک قوم کی حیثیت سے مل جل کر رہتے ہیں اور جن کو معاشرہ

Marfat.com

میں سرایت کر جانے والا ایک ایسا ہمہ گیر نقطۂ نظر باہم متحد کر دیتا ہے جسے یہ لوگ شعوری طور پر اپناتے یا خاموشی سے قبول کر لیتے ہیں۔"

ثقافت کے مندرجہ صدر مفہوم میں ان لوگوں کی تمام سرگرمیاں، دلچسپیاں ان کے رسم و رواج، ان کا مذہب اور ان کے معاشرتی اور سیاسی ادارے سب شامل ہیں۔ مسلمان چونکہ عالمگیر مذہب اسلام کے پیرو ہیں اور ان کا وطن پورا عالم ہے۔ اس لیے دوسری قوموں کے کلچر کی طرح اسلامی ثقافت، ملکی آب و ہوا سے متاثر نہیں ہوتی اور نہ وہ جغرافیائی حدود کے اندر محدود ہوتی ہے۔ بلکہ اس کی رُوح اور روایات بھی عالمگیر ہیں۔

کلچر کے عوامل و عناصر

کلچر از خود عالم وجود میں نہیں آیا بلکہ کچھ عوامل و محرکات اس کو جنم دیتے ہیں۔ بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کلچر کا ایک محور اور مرکزی نقطہ ہوتا ہے جو اس کے نشو و نما کا باعث اور موجب ہوتا ہے۔ یہ محور دراصل کسی قوم کے عقائد و افکار ہوتے ہیں۔ دنیا کی ہر قوم اور ہر معاشرہ کسی نہ کسی مذہب کا حامل ہوتا ہے۔ اس معاشرہ کے افراد اپنے مخصوص افکار و عقائد کی روشنی میں اپنے جملہ اعمال و افعال انجام دیتے ہیں۔ یہ اعمال اس قوم سے اتنی کثرت کے ساتھ صادر ہوتے ہیں کہ ان کے مزاج اور طبیعت میں رچ بس جاتے ہیں۔ افراد کی ان مسلسل و پیہم عادات کی وجہ سے ان کی سیرت کی تشکیل و تکمیل ہوتی ہے۔ پھر اسی سیرت و کردار کے تحت جب افراد مختلف قسم کے رجحانات و میلانات کا اظہار کرتے ہیں تو اس سے کلچر کی تخلیق ہوتی ہے۔

مندرجہ صدر بیان سے یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ مذہبی عقائد ہی وہ اصل محور ہے جس کے گرد کسی قوم کا کلچر گردش کرتا ہے۔ جس قدر افعال و اعمال اور افکار و عقائد کلچر کی وسیع فہرست میں شامل ہیں ان کا وجود و شہود کسی اعتقادی نظریئے کے تحت ہی ہوتا ہے۔ اس کلچر سے ایک قوم قومیت سے متصف ہوتی ہے۔ اسی سے ان کے جذبات و احساسات اُبھرتے ہیں۔ ہر قوم اپنا ایک مخصوص کلچر رکھتی ہے۔ جو اسے دوسری قوموں

Marfat.com

سے ممتاز کرتا ہے۔ جب آپ کسی شخص کے سر پہ لمبے بال گلے میں کرپان لمبی ڈاڑھی اور ہاتھ میں کڑا دیکھتے ہیں تو آپ فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ یہ سکھ قوم کا فرد ہے۔ اگر آپ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص لمبا سا کرتہ اور قبا اور سامنے ہی سر پہ رومال اور عقال باندھے ہوئے ہے۔ آپ فوراً پہچان جائیں گے کہ یہ عرب ہے۔ اسی طرح جب آپ ایک مخصوص انداز سے قبلے کی طرف منہ کر کے سینہ پر ہاتھ باندھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایک خاص طریقہ سے جھکتے اور زمین بوس ہو جاتے ہیں۔ تو دیکھنے والا فوراً یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ مسلم ہے۔

الغرض کلچر مذہب سے تشکیل پاتا ہے۔ اس کا وجود ماضی میں قائم ہوتا ہے اور بتدریج ارتقاء پذیر رہتا ہے۔ ہر قوم کا ایک خاص اندازِ زیست ہوتا ہے۔ جو اس کے مذہبی افکار کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہوتا ہے۔

ہر قوم اپنے کلچر کی مدح و ستائش میں رطب اللسان ہوتی ہے اور دوسری اقوام کے کلچر کو ناپسند کرتی ہے۔

اسلامی تہذیب کا مفہوم

تہذیب کسی قوم کے علوم و فنون، طرزِ معاشرت اور اندازِ تمدن کا نام ہے۔ ہر ملت کی تہذیب اس کے مذہب سے پھوٹتی ہے۔ بعد ازاں زمان و مکان کے اختلافات کسی حد تک اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لیکن اس کی بنیاد ہر حال میں مذہب ہی رہتا ہے ہر وہ قوم جس کا مذہب سے کچھ تعلق ہو وہ زندگی کے آداب و اطوار اور رسم و رواج میں اپنے مذہب سے ضرور متاثر ہوتی ہیں۔ لباس سوسائٹی کے آداب گھریلو نظام تعمیرات نظامِ تعلیم اور نظامِ حکومت وغیرہ لامحالہ مذہب سے متاثر ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کی بھی ایک جُداگانہ تہذیب ہے جسے اسلامی تہذیب کہا جاتا ہے اس کا دائرہ فرد سے لے کر جماعت، ریاست اور اُمت تک حاوی ہے۔ اس کے اظہار و بیان کے لئے ہمارے پاس ایک جامع لفظ "نظامِ حیات" موجود ہے۔ اس کو دین بھی کہتے ہیں۔ اس لئے اسلامی تہذیب وہی ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور

Marfat.com

آخرت کی تیاری میں مدد دے۔

اسلامی تہذیب اپنی اصل واساس کے اعتبار سے خالص اسلامی ہے اور یونانی ورومی تہذیب سے ماخوذ نہیں ہے۔ اسلامی تہذیب کا قصر مکمل طور پر اسلام کی اپنی تعمیر و تشکیل کا نتیجہ ہے۔

اسلامی تہذیب کے اجزاء ترکیبی اس تہذیب کی تشکیل مندرجہ ذیل پانچ عناصر سے ہوتی ہے۔

۱۔ دنیوی زندگی کا تصوّر

۲۔ زندگی کا نصب العین

۳۔ بنیادی افکار و عقائد (اجزاء ایمان)

۴۔ ارکانِ اسلام

۵۔ اخلاق و آداب

اسلامی تہذیب ان عناصر سے کیسے ترکیب پاتی ہے۔ اس کا مختصر بیان حسب ذیل ہے۔

۱۔ دنیوی زندگی کا تصوّر۔ اسلام نے زندگی کا یہ تصور پیش کیا ہے کہ انسان عام مخلوقات کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ کائناتِ ارضی پر خدا کا نائب ہے۔ دنیا اور اس کی طاقتوں کو انسان کے لئے مسخّر کیا گیا ہے۔ انسان سب مخلوقات کا حاکم اور صرف خدا تعالےٰ کا محکوم ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ مگر عزّت کا استحقاق انسان کو اس وقت حاصل ہو سکتا ہے۔ جب وہ خدا کا فرماں بردار ہو جس نے اسے یہ شرف بخشا ہے

۲۔ زندگی کا نصب العین۔ انسان کو عبادت خداوندی کے لئے تخلیق کیا گیا ہے۔ اس لئے خدا کی عبادت اس کی زندگی کا مقصد وحید اور نصب العین ہے۔ لہذا انسان کو چاہیئے کہ خداوند تعالےٰ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرے۔ اپنی وفاداریاں اس کے لئے وقف کردے۔ کائنات کی ہر شے سے اپنے آپ کو بلند سمجھے۔ دنیا کی زندگی کو عارضی خیال کرے اور اخروی فلاح وصلاح کے لیے اعمالِ صالحہ انجام دے۔

Marfat.com

۳۔ بنیادی عقائد۔ انسان کی عملی زندگی میں نظم وضبط اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ ایک مستقل سیرت رکھتا ہو۔ سیرت سازی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کا ذہن پراگندہ خیالی سے پاک ہو اور چند مخصوص عقائد اس میں پختہ ہو جائیں۔ یہ عقائد جتنے گہرے ہوں گے سیرت اتنی ہی زیادہ مضبوط ہوگی اور انسان کی عملی زندگی اتنی ہی زیادہ منظم ہوگی۔ یہ عقائد اسلامی تہذیب کی تشکیل کے لئے اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ عقائد حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ ایمان باللہ

۲۔ ایمان بالملائکۃ

۳۔ ایمان بالرسل

۴۔ ایمان بالکتب

۵۔ ایمان بالیوم الآخر

۴۔ ارکانِ اسلام۔ یہ ارکانِ خمسہ وہ بنیادی اُمور ہیں جو افراد کو عمدہ تربیت دے کر ان کی زندگی کو سانچہ میں ڈھال دیتے ہیں۔ ان کی وجہ سے زندگی کے بقیہ اعمال میں حسن وکمال پیدا ہو جاتا ہے۔ جس طرح بنیادی عقائد انسان کی ذہنی دنیا کی بنیاد ہیں اسی طرح ارکانِ اسلام عملی زندگی کی اساس ہیں۔

بنیادی عقائد کی طرح ارکانِ اسلام بھی پانچ ہیں :۔

۱۔ کلمہ طیّبہ — ۲۔ نماز

۳۔ زکوٰۃ — ۴۔ روزہ

۵۔ حج

۵۔ اخلاق و آداب۔ جو اوصاف انسان میں رچ بس کر اس کی طبیعت کا جزو بن جائیں ان کو اخلاق کہتے ہیں۔ بُرے کاموں سے نفرت اور اچھے کاموں کی طرف رغبت حسنِ خلق ہے آداب یہ سکھاتے ہیں کہ انسان ہر شخص کے مرتبہ کو پہچانے اور کسی معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ آداب اخلاق کے محافظ ہوتے ہیں اور اخلاق

Marfat.com

کے لئے فصیل کا کام دیتے ہیں۔ آدابِ زندگی میں سلیقہ پیدا کرتے ہیں اور سلیقہ و نفاست کا دوسرا نام کلچر ہے۔

یہ ہیں اسلامی تہذیب کے عناصرِ خمسہ جن سے مل کر اس کی تشکیل ہوتی ہے۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیات

اسلامی تہذیب کے نمایاں خدوخال حسب ذیل ہیں۔

۱۔ توحید ۲۔ ذکرِ الٰہی ۳۔ مساوات ۴۔ سادگی
۵۔ پاکیزگی ۶۔ اعتدال پسندی ۷۔ اخوت ۸۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

ان کی تفصیلات پیچھے گذر چکی ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

سوالات

۱۔ اسلامی تہذیب زندگی کے کن کن دائروں سے مرتب ہوتی ہے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۲ء)

۲۔ اسلامی تہذیب زندگی کے کن کن دائروں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اسلام کے ایک کامل نظامِ حیات ہونے کی تفصیل بیان کیجئے۔ (لاہور بورڈ ۱۹۶۴ء)

۳۔ کیا یہ درست ہے کہ تہذیب کا سرچشمہ مذہب ہے۔ اس کی تشریح کیجئے اور مثالوں سے اپنے موقف کی وضاحت کیجئے (لاہور بورڈ ۱۹۶۴ء)

۴۔ ان عوامل و عناصر کی تفصیل بیان کیجئے جو کسی تہذیب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ نیز بتائیے کہ کسی تہذیب کے قیام میں دین کا کہاں تک تعلق ہے (لاہور بورڈ ۱۹۶۲ء)

۵۔ اسلام نے زندگی کا کیا تصور پیش کیا ہے اور اس کا پیش کردہ تصور دیگر مذاہب کے تصورات پر کیا فوقیت رکھتا ہے؟

۶۔ اسلامی تہذیب کا نصب العین کیا ہے؟ تفصیلاً بیان کیجئے۔

۷۔ بنیادی عقائد سے کیا مراد ہے؟ ان سے اسلامی تہذیب کی تشکیل میں کیا مدد ملتی ہے؟

۸۔ ارکانِ اسلام کون کونسے ہیں؟ یہ ارکان اسلامی تہذیب کی تشکیل میں کیا پارٹ ادا کرتے ہیں؟

Marfat.com

باب سوم

اَخلاق و آداب

اَخلاق کی اہمیّت

لفظِ اَخلاق خُلق کی جمع ۔ خُلق عادت فطرت اور طبیعت کو کہتے ہیں۔ (المنجد)

امام غزالی فرماتے ہیں۔

"خُلق نفس کی ایک ایسی کیفیتِ راسخہ کا نام ہے جس کی وجہ سے اعمال بسہولت اور فکر و توجہ کے بغیر صادر ہوتے جائیں۔ اگر اس کیفیت سے اعمالِ حسنہ صادر ہوں تو اس کا نام "خُلقِ حسن" (خوش اخلاقی) ہے۔ اور اگر بُرے اعمال ظہور پذیر ہوں تو اسے بَد اخلاقی کہا جاتا ہے۔

حقوق اللہ :- دنیوی زندگی میں انسان کا تعلق یا اپنے خالقِ حقیقی سے ہوتا ہے یا دوسرے انسانوں۔ خدا سے بندے کا تعلق اس قسم کا ہوتا ہے جیسے ایک خادم کا مخدوم کے ساتھ اور ایک آقا کا غلام کے ساتھ۔ خالق اور مخلوق کے باہمی تعلق میں جن حقوق کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے ان کو حقوق اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلامی عبادات و ارکان سب حقوق کی فہرست میں شامل ہیں۔

حقوق العباد : دیگر بنی نوع انسان کے ساتھ تعلقات اُستوار کرنے میں بھی باہمی حقوق کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک شخص کے تعلقات تمام انسانوں سے یکساں نوعیت کے نہیں ہو سکتے۔ ایک انسان کا رابطہ دوسرے سے جس قدر گہرا ہوگا اسی قدر گہرائی اور پختگی ان کے باہمی حقوق میں پائی جائے گی۔ والدین و اولاد، میاں بیوی اور بھائی بہنوں کا تعلق جس قدر گہرا ہوگا اسی قدر ان کے باہمی حقوق مستحکم اور پختہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ وہ بعد از موت ایک دوسرے کے وارث قرار پاتے ہیں۔

Marfat.com

اقارب کے علاوہ اہل وطن، اہلِ محلہ اور احباب و انصار کے ساتھ بھی انسان کے مراسم ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے اس پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ جن کا بجا لانا اس کے لئے ضروری ہے۔ یہ سب حقوق العباد ہیں۔ حقوق العباد کو خوش اسلوبی، رضامندی تندہی اور مستعدی سے ادا کرنے کا نام حسنِ اخلاق ہے۔ جو شخص اقارب و اعزہ احباب و اعوان، اہلِ وطن اور اہلِ محلّہ کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا اور ان کی وجہ سے عائد شدہ شرعی و اخلاقی فرائض کو باقاعدگی اور خوش اسلوبی سے ادا کرتا ہے وہ اخلاقِ حسنہ سے بہرہ ور ہے۔

اخلاق کی اہمیت

دنیا کی خوشحالی اور فارغ البالی اخلاق سے وابستہ ہے۔ اخلاق کے بغیر نہ امن و امان قائم ہوتا ہے نہ کسی حکومت کو بقاء و استحکام نصیب ہوتا ہے۔ جب اخلاقی انحطاط رُونما ہوتا ہے تو حکومت اس کی کمی کو قانون کی قوت و شوکت سے پورا کرنا چاہتی ہے۔ اگر اخلاقی معیار دنیا میں قائم رہے تو دنیا کی کسی حکومت کو جبری حکومت نافذ کرنے کی ضرورت ہی لاحق نہ ہو۔

دنیا کے تمام مذاہب کی بنیاد اخلاق پر ہی رکھی گئی ہے۔ کائناتِ ارضی میں جس قدر پیغمبر اور مصلح آئے سب یہی کہتے رہے کہ سچ بولنا اچھا اور جھوٹ بولنا برا ہے۔ انصاف بھلائی اور ظلم برائی ہے۔ تاہم جس طرح اسلام کے دیگر احکام و مسائل مذاہبِ عالم کی تعلیمات پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح اسلام کا پیش کردہ نظامِ اخلاق بھی دوسروں کی نسبت جامع کامل اور ہمہ گیر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ" (مسند احمد، بیہقی) مجھے صرف اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضورؐ نے آغازِ بعثت کے ساتھ ہی اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کا اہم کام شروع کر دیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ مکرمہ ہی میں مقیم تھے کہ ابو ذر

Marfat.com

نے اپنے بھائی کو اس نئے پیغمبر کے حالات کی تحقیق کے لئے بھیجا۔ انہوں نے واپس آکر اپنے بھائی کو ان الفاظ میں اطلاع دی کہ :۔

" رَأَيْتُهُ يَأْمُرُ بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ " میں نے اس کو دیکھا وہ لوگوں کو اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

ہجرتِ مدینہ سے قبل جب چند مسلمان مکہ سے ہجرت کرکے حبشہ پہنچے۔ شاہِ حبشہ نجاشی نے مسلمانوں کو بلوا کر اسلام کے متعلق دریافت کیا تو اس کے جواب میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے جو تقریر کی۔ اس کے چند فقرے یہ ہیں۔

" اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ طاقت ور کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ اسی اثناء میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا۔ اس نے ہم کو سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں۔ سچ بولیں۔ خونریزی سے باز آجائیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں ۔ ہمسایوں کو آرام پہنچائیں۔ پاکدامن عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں"۔

(سیرت النبیؐ بحوالہ مسند ابن حنبل)

قرآنِ کریم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یہ الفاظ فرمائے ہیں :۔

" وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ " (الجمعہ) (یہ پیغمبر جاہلوں کو پاک وصاف کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے)

سید سلیمان ندوی اس آیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" اس آیت میں دو لفظ قابلِ غور ہیں۔ ایک پاک وصاف کرنا جس کو قرآنِ پاک نے تزکیہ کہا ہے اور دوسرا حکمت۔

۱۔ تزکیہ کے لفظی معنی ہیں پاک وصاف کرنا، نکھارنا۔ میل کچیل دور کرنا۔ قرآن پاک نے اس لفظ کو اس معنی میں استعمال کیا ہے کہ نفسِ انسانی کو ہر قسم کی نجاستوں

Marfat.com

اور آلودگیوں سے نکھار کر صاف ستھرا کیا جائے یعنی اس آئینہ کے زنگ کو دور کر کے اس میں صیقل اور جلا پیدا کر دی جائے۔

۲۔ حکمت کے لفظ کا اطلاق جہاں اس علم و عرفان پر ہوتا ہے جو نورِ الٰہی کی صورت میں نبی کے سینہ میں ودیعت کیا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا اطلاق ان علمی آثار و نتائج پر بھی ہوتا ہے جن میں بڑا حصہ اخلاقی تعلیمات کا ہے۔

"اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا" (ترمذی) (سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جس کا خلق سب سے بہتر ہے)

نیز فرمایا:۔

"اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا" (بخاری و مسلم) (تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کا خُلق سب سے بہتر ہے)

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ سعادت مہد میں دو صحابیہ تھیں۔ ایک رات بھر نماز پڑھتیں۔ دن کو روزہ رکھتیں اور صدقہ دیتیں مگر اپنی زبان درازی سے پڑوسیوں کا دم ناک میں کئے رکھتی تھیں۔ دوسری صرف نماز پڑھتیں اور غریبوں کو کپڑے بانٹ دیتیں مگر کسی کو تکلیف نہ دیتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں کی نسبت پوچھا گیا تو آپ نے پہلی کی نسبت فرمایا:۔

"اس میں کوئی نیکی نہیں وہ اپنی بد خلقی کی سزا بھگتے گی"۔

دوسری کے بارے میں فرمایا۔ "وہ جنتی عورت ہے" (ادب المفرد امام بخاری)

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بدوی نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "مجھے وہ کام سکھائیے جو مجھے جنت میں لے جائے"۔ فرمایا۔ "انسانوں کو غلامی سے آزاد کر۔ ان کی گردنوں کو قرض کے بندھن سے چھڑا اور ظالم رشتہ داروں کو ظلم سے منع کر۔ اگر تو یہ نہ کر سکے تو بھوکے کو کھلا اور پیاسے کو پلا نیکی کی راہ دکھا اور بُرائی سے روک۔ اگر یہ بھی نہ کر سکے تو بھلائی کے سوا اپنی زبان بند رکھ۔" (مشکل الآثار امام طحاوی جلد ۴ صفحہ ۲)

Marfat.com

ایمان کے اوصاف ولوازم

بکثرت ایسی احادیث ہیں۔ جن میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے لوازم وخصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ جس قدر ان لوازم میں زیادتی یا کمی ہوگی۔ گویا اسی قدر اس ایمان کے منشاء میں زیادتی وکمی ہوگی۔ یہ ظاہری اخلاق ہماری اندرونی ایمانی کیفیت کا معیار اور پیمانہ ہیں۔ ہمارے دل کے اندر کا ایمان ہمارے گھر کا چراغ زیر دامن ہے۔ جس کی چمک دمک اور روشنی کا اندازہ اس کی باہر نکلنے والی شعاعوں سے کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا ۱۔"ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں جن میں سے ایک حیا ہے"

۲۔ ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں جن میں سب سے بڑھ کر توحید کا اقرار ہے اور سب سے کم درجہ یہ ہے کہ تم راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دو تاکہ دوسرے بھائی کو تکلیف نہ ہو۔

۳۔ جس میں تین باتیں ہوں اس نے ایمان کا مزہ پایا۔ جس کو خدا اور اس کا رسول[۱] سب سے پیارا ہو۔ جو دوسرے کو صرف[۲] خدا کے لئے پیار کرے اور جس کو ایمان کے بعد کفر میں مبتلا ہو جانے سے[۳] اتنا ہی دکھ ہو جتنا آگ میں پڑنے سے۔

۴۔ جس میں یہ تین باتیں ہوں اس نے ایمان کا مزہ پایا۔ حق بات کے سامنے جھگڑنے سے[۱] باز رہنا۔ مزاحمت کے باوجود[۲] جھوٹ نہ بولنا اور یقین کرنا کہ جو کچھ پیش آیا وہ مٹ[۳] نہیں سکتا۔

۵۔ تین باتیں ایمان کا جزو ہیں۔ مفلسی میں بھی خدا کی راہ میں[۱] دینا۔ دنیا میں امن وسلامتی[۲] پھیلانا اور خود اپنے نفس کے مقابلہ میں[۳] بھی انصاف کرنا۔

۶۔ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک اپنے بھائی کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔

۷۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس پر لوگ اتنا بھروسہ کریں کہ اپنی جان ومال اس کی امانت میں دیدیں۔

۸۔ ایک شخص آکر پوچھتا ہے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ...

Marfat.com

بہتر ہے۔ فرمایا بھوکوں کو کھانا کھلانا اور جانے انجانے ہر ایک کو سلامتی کی دعا دینا

۹۔ ایک شخص پوچھتا ہے کہ اے خدا کے رسولؐ اسلام کیا ہے۔ فرمایا اچھی بات بولنا اور کھانا کھلانا۔ پھر پوچھا۔ ایمان کیا ہے فرمایا صبر کرنا اور اخلاق جوانمردی دکھانا۔

۱۰۔ مؤمن وہ ہے جو دوسروں سے اُلفت کرتا ہے اور جو کوئی نہ دوسروں سے اُلفت کرتا ہے اور نہ کوئی اس سے اُلفت کرتا ہے اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

۱۱۔ مؤمن نہ تو کسی پر طعن کرتا ہے نہ کسی کو بد دعا دیتا ہے اور نہ گالی دیتا ہے اور نہ بدزبان ہوتا ہے۔

۱۲۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر وہ ظلم کرے اور نہ اس کو گالی دے جو اپنے کسی بھائی کی مدد میں ہوگا خدا اس کی مدد میں ہوگا۔ جو کسی مسلمان کی کسی مصیبت کو دُور کرے گا تو خدا اس کی مصیبت کو دُور فرمائے گا۔

۱۳۔ مومن وہ ہے جس کو لوگ امین سمجھیں۔ مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ سلامت رہیں۔ مہاجر وہ ہے جس نے بدی کو چھوڑ دیا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ کوئی اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کے غصّہ سے محفوظ نہ ہو۔

۱۴۔ جو صاحب ایمان ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔

۱۵۔ بے ایمان (منافق) کی پہچان تین باتیں ہیں ۱۔ بولے تو جھوٹ بولے ۲۔ وعدہ کرے تو خلاف کرے ۳۔ اس کو امانت سپرد کی جائے تو خیانت کرے۔

ان مذکورہ بالا حدیثوں سے ایک ایک حدیث پر غور کرنا چاہیئے کہ ایمان کا اخلاقی تخیل کتنا اونچا اور بلند ہے۔

اخلاقِ حسنہ صفاتِ الٰہی کا پرتو ہیں

لیکن اسلام نے اخلاقِ حسنہ کا اس سے بھی بلند تر تصور پیش کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اخلاقِ حسنہ درحقیقت صفاتِ الٰہی کا سایہ اور تجلّی ہیں اور انکا

Marfat.com

کی صفاتِ کاملہ کے ادنیٰ ترین مظاہر ہیں۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔
۔۔۔ حُسْنُ الْخُلُقِ خُلُقُ اللّٰہِ الْاَعْظَمُ یعنی خوش خلقی اللہ تعالےٰ کا خلقِ عظیم ہے۔ (طبرانی)

ہم انہی اخلاق کو اچھا کہتے ہیں جو صفاتِ ربانی کا عکس ہیں اور انہی کو بُرا کہتے ہیں جو خدا کی صفات کے منافی ہیں۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ خدا کی بعض خاص حقیقتیں ایسی بھی ہیں جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں اور جن کا تصوّر بھی دوسرے میں نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے اس کا واحد ہونا۔ نیز بعض ایسی پُر جلال حقیقتیں بھی ہیں جو صرف خدا ہی کیلئے زیبا ہیں جیسے اس کی کبریائی اور بڑائی وغیرہ۔ اس قسم کی صفات کا بندہ میں کمال یہ ہے کہ ان کی مقابل کی صفات اس میں پیدا ہوں۔ خدا کی کبریائی کے مقابلہ میں بندہ میں خاکساری اور تواضع ہو اور خدا کی بُلندی کے مقابلہ میں بندہ میں پستی اور فروتنی پیدا ہو۔ الغرض اسلام نے انسان کی روحانی تکمیل کا ذریعہ اسلام کو اس لئے قرار دیا ہے کہ وہ صفاتِ الٰہی کے انوار سے کسبِ فیض کا سبب ہے۔ ہم جس حد تک اس کسبِ فیض میں ترقی کریں گے ہماری روحانی ترقی کا سلسلہ جاری رہے گا اور یہی ہماری روحانی سیر کی آخری منزل ہے۔ اخلاق کا اس سے بُلند تر تخیل ممکن نہیں۔

آنحضرتؐ کا امتیاز اخلاقی معلّموں میں

دنیا میں اخلاق کے بڑے بڑے معلم پیدا ہوئے۔ جن کے مکتب میں آکر بڑی بڑی قوموں نے ادب کا زانو تہ کیا اور آداب و اخلاق کے وہ سبق ان سے حاصل کئے جو سینکڑوں اور ہزاروں برس گزر جانے کے بعد بھی اب تک ان کو یاد ہیں اور سچ یہ ہے کہ آج جہاں کہیں بھی حسنِ اخلاق کا کوئی نمونہ موجود ہے۔ وہ انہی کے صحیفۂ تعلیم کا ایک ورق ہے۔ مگر ایک تنقیدی نظر یہ بتا دے گی کہ ان اخلاقی استادوں اور معلموں میں باہمی نسبت کیا ہے۔ ان کے تعلیمی نصاب کی ترتیب کن کن اصولوں پر مبنی ہے اور ان میں درس گاہِ عالم کے سب سے بڑے معلم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کیا امتیاز حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے

Marfat.com

نوعِ انسانی کے اخلاقی معلمین کی دو جماعتیں تھیں۔ ایک وہ جس نے اپنی تعلیم کی بنیاد کسی اُخروی مذہب پر رکھی جیسے عام انبیاء علیہم السلام اور بعض مذہبوں کے بانی دوسری وہ ہے جس نے اپنے فلسفہ و حکمت اور عقل و دانائی کی بنیاد پر اپنی عمارت کھڑی کی۔ ہم ان میں سے اول کو انبیاء اور مصلحین دین اور دوسری کو حکماء کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ان دونوں جماعتوں نے اپنے درس و تعلیم کے اصول و طریقے الگ الگ اختیار کئے۔ پیغمبروں اور مذہب کے بانیوں نے اپنی تعلیم کا ماخذ حکمِ خداوندی کو قرار دیا اور اس حکم و فرمانِ الٰہی کے سوا ان کی تعلیم کی کوئی اور بنیاد نہیں۔ نہ ان کی تعلیمات میں علّت و معلول کا سلسلہ ہے۔ نہ اخلاق کے دقیق نکتوں کی گرہ کشائی ہے اور نہ ان احکام و تعلیمات کی اخلاقی مصلحتوں اور عقلی حکمتوں کی تصریح ہے۔ دوسرے فریق کی تعلیمات میں علّت و معلول کی تحقیق نفسیاتی خواص کی بحث اخلاق کی غرض و غایت یہ سب کچھ ہے۔ مگر بحث و نظر سے آگے عمل کا درجہ صفر محض ہے۔ اگر ہے تو بے کیف و بے لذّت مگر ؎

یارِ ما ایں دارد و آں نیز ہم

دنیا کے آخری معلم کی تعلیم میں حکمِ خداوندی اور عقلِ دقیقہ رسی۔ فرمانِ الٰہی اور اخلاقی نفقطہ وری امرِ ربانی اور حکمِ فطرت کتاب اور حکمت دونوں کی آمیزش ہے۔ انبیاء اور حکماء میں جو اصلی فرق و امتیاز ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء کی اخلاقی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ان کی معصوم زندگی، ان کے مقدس کارنامے اور ان کے پاک اثرات ہوتے ہیں۔ جن کا فیض ان کے ہر بُن مو سے خیر و برکت کی سبیل بن کر نکلتا ہے اور پیاسوں کو سیراب کرتا ہے لیکن بلند سے بُلند حکیم اور اخلاق کے دانائے رموز فلسفی جس کی اخلاقی سخن طرازی اور نکتہ پروری سے دنیا محوِ حیرت ہے اور جس نے انسان کے ایک ایک اندرونی جذبہ، باطنی قوت اور اخلاقی فطرت کا سراغ لگایا ہے۔ عمل کے لحاظ سے دیکھو تو اس کی زندگی ایک بازاری سے ایک اینچ بُلند نہ ہوگی۔ وہ گو دوسروں کو روشنی دکھا سکتا ہے مگر خود تاریکی سے باہر نہیں آتا۔ وہ دوسروں کی رہنمائی کا مدعی بنتا ہے مگر خود عمل کی ہر راہ

Marfat.com

ہیں بھٹکتا پھرتا ہے وہ رحم و محبت کے طلسمات کے ایک ایک راز سے واقف ہے۔ مگر غریبوں پر رحم کھانا اور دشمنوں سے محبت کرنا وہ نہیں جانتا۔ وہ سچائی اور راست بازی کی حقیقت پر بہترین خطبہ دے سکتا ہے مگر خود سچا امتیاز نہیں ہوتا۔

اخلاق و ایمان کا تعلق

اسلام میں تمام نیک کاموں کی اصلی غرض و غایت صرف رضائے الٰہی قرار دی گئی ہے۔ ایک سچے مسلمان کو صرف اسی کی خاطر کام کرنا چاہیئے اور اس کے سوا کسی دوسری غرض کو اپنے کام کی بنیاد نہیں بنانا چاہیئے یہی چیز فلسفہ اخلاق اور اسلامی اخلاق کے مابین حد فاصل ہے حکمائے اخلاق آج تک اس مسئلہ پر متفق نہ ہو سکے کہ انسانی اخلاق کی اصلی غرض کیا ہے دوسری جانب معلّم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اخلاق کی غرض و غایت رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ انسان کے پاس جان و مال کے سوا آخر رکھا ہی کیا ہے۔ انہی دونوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ایثار اور حسنِ اخلاق ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ دینِ اسلام میں نفسِ عمل مطلوب نہیں بلکہ وہ عمل مطلوب ہے جس کی غرض و غایت صحیح ہو۔ عمل ایک ڈھانچہ ہے اور صحیح غرض و غایت اس کی رُوح ہے۔ رُوح نہ ہو تو بے جان قالب کس کام آ سکتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں دلی ارادہ اور انسان کی اندرونی غرض و غایت کو اچھے اور بُرے کام کی بنیاد قرار دیا ہے۔ چونکہ اسلام میں اخلاق بھی دیگر مذہبی اُمور کی طرح عبادت ہے۔ اس لئے اس کی غرض و غایت ہر قسم کی دنیوی اور ذاتی اغراض سے پاک ہونی چاہیئے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ان کاموں میں کوئی نیکی اور ثواب نہیں ہے۔ نہ ہی انہیں عبادات قرار دیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے ایمان و اخلاق کا باہمی ربط و تعلق واضح ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اخلاق سے اخلاص، صفائے نیت اور بے غرضی اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جب دل میں ایمان کا جذبہ موجزن ہو اور دل اس یقین سے بھرپور ہو کہ ہم کو ذات خداوندی کے آگے اپنے تمام کاموں کا جواب دہ ہونا ہے اور ایک دن آئے گا جب ہمیں

Marfat.com

اپنے اعمال کی جزا ملے گی۔ جب تک یہ یقین ذہن و قلب میں جاگزیں نہ ہو اچھے اخلاق کا ظہور اچھی نیت سے ہرگز ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام نے خدا اور قیامت پر ایمان لانے کو ہر ایک عمل کی بنیاد قرار دیا۔ اگر یہ نہ ہو تو ہر کام محض ریاکاری اور نمائش بن جاتا ہے۔ قرآنِ پاک میں فرمایا ہے:۔

"اے ایمان والو! اپنے صدقات کو جتلا کر یا سنا کر برباد نہ کرو۔ جس طرح وہ شخص برباد کرتا ہے جو اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور خدا اور آخری دن پر یقین نہیں رکھتا" (سورۂ بقرہ - ۳۶)

قرآن حکیم میں دوسری جگہ فرمایا:۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُھُمْ کَسَرَابٍ بِقِیْعَۃٍ یَّحْسَبُہُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ط حَتّٰیٓ اِذَا جَآءَہٗ لَمْ یَجِدْہُ شَیْئًا

(سورۂ نور)

جو لوگ خداوند تعالےٰ اور روزِ قیامت کو نہیں مانتے۔ ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی خیال کرے۔ جب وہ جائے تو کچھ بھی نہ پائے۔

یہاں ان لوگوں کی غلطی واضح ہوتی ہے جن کا خیال ہے کہ اخلاقِ حسنہ ہماری بخشش کے لئے کافی ہیں۔ نہیں ایمان کی ضرورت ہے نہ اعمال کی۔ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ ایمان کی عدم موجودگی میں اعمال و اخلاق کی حیثیت صرف ایک بے رُوح ڈھانچہ کی ہے جو خلوصِ نیت سے عاری ہے اور اس لئے سُراب کی طرح بے حقیقت ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث قابلِ مطالعہ ہے۔ جس کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تین دفعہ غش کھا کر گرے اور جس کو سُن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ زار زار روئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالےٰ عدالت کے لئے اُترے گا اور ہر اُمّت اپنی جگہ پر گھٹنے ٹیکے گی۔ اس وقت سب سے پہلے قرآن کے عالموں کو پیش کیا جائے گا۔ پھر نمازیوں اور دولت مند لوگوں کو۔ اللہ تعالےٰ عالم سے پوچھے گا کہ کیا تونے اپنے علم

Marfat.com

پر عمل کیا۔ وہ عرض کرے گا بارِ خدایا میں شب و روز نماز میں قرآنِ پاک کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ خدا فرمائے گا تو جھوٹا ہے۔ فرشتے بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے۔ پھر خدا فرمائے گا کہ تو اس لئے یہ کام کرتا تھا کہ لوگ تجھے بڑا قرآن خواں سمجھیں۔ چنانچہ دنیا میں تجھے یہ لقب مل گیا۔ پھر دولت مند سے خدا فرمائے گا۔ کیا میں نے تجھے مال و دولت سے نہیں نوازا تھا ؟ وہ عرض کرے گا۔ اے میرے رب دُرست ہے۔ خدا فرمائے گا۔ پھر تم نے اس مال کو کہاں خرچ کیا۔ وہ جواب دے گا میں اسے خدا کی راہ میں صرف کرتا تھا ارشاد ہوگا تو جھوٹا ہے۔ فرشتے بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے۔ پھر خدا فرمائے گا۔ تو یہ کام اس لیے کرتا تھا کہ لوگ تجھے سخی کے نام سے پکاریں۔ چنانچہ تمہیں دنیا میں سخی کہا گیا۔ اس کے بعد جہاد میں جان دینے والے کو بلایا جائے گا۔ خدا اس سے پوچھے گا۔ تم نے کس لئے جان دی ؟ وہ کہے گا میں جہاد کرتے ہوئے مارا گیا تھا۔ خدا فرمائے گا۔ تو جھوٹا ہے۔ فرشتے بھی اسے جھوٹا کہیں گے۔ پھر خدا فرمائے گا تو بہادر کہلانے کے لئے لڑا تھا۔ چنانچہ یہ لقب تمہیں مل گیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ (ترمذی شریف)

اخلاقِ حسنہ سے متعلق اُسوۂ نبوی

اگر گزشتہ تمام انبیاء و حکماء کی زندگی کو جانچا پرکھا جائے تو ان میں سے کسی کی زندگی بھی پیغمبر اسلام علیہ السلام کی حیاتِ پاک کے برابر جامع کمالات نہیں۔ دنیا کا کوئی پیغمبر یا بانی مذہب ایسا نہیں جس کی اخلاقی زندگی کا یہ پہلو ہمارے سامنے اس طرح بے نقاب ہو گویا وہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ۳۲ برس کی زندگی میں سے صرف تین برس کا حال ہم کو معلوم ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسےٰ علیہ السلام تک کسی نبی کی زندگی کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ ان انبیاءؑ علیہم السلام کے علاوہ ہندوستان، ایران اور چین کے بانیانِ مذاہب کی اخلاقی زندگی کے ہر پہلو پر ناواقفیت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ صرف اسلام ہی کے ایک معلّم کی زندگی ایسی ہے جس کا حرف حرف دنیا میں محفوظ اور سب کو معلوم ہے۔ بقول باسورتھ اسمتھ

Marfat.com

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حکم دیا تھا کہ میرے ہر قول و فعل کو دوسروں تک پہنچاؤ۔ محرمانِ روز کو اجازت تھی جو مجھے خلوت میں کرتا دیکھو اس کو خلوت میں برملا بیان کرو جو حجرہ میں کہتے سنو اس کو چھتوں پر چڑھ کر پکارو۔

آپؐ فرمایا کرتے تھے۔

اَلَا فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ جو حاضر ہو وہ غیر حاضر کو پہنچا دے۔

ہادیٔ برحق کی زندگی اخلاقِ حسنہ کا زندہ پیکر تھی۔ سورہ القلم میں اللہ تعالیٰ کا آپ سے ارشاد ہے۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ آپ خلقِ عظیم سے بہرہ ور ہیں۔

ایک صحابی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا تھا کہ سرکار دو عالمؐ کا خلق کیسا تھا۔ آپ نے صحابی سے فرمایا۔ "تم قرآن نہیں پڑھتے ہو؟" انہوں نے جواب دیا پڑھتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ دینِ اسلام جس برق رفتاری کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچ گیا۔ جہاں اس کے دوسرے اسباب بھی تھے وہاں اس کی سب سے بڑی وجہ اسلامی اصولوں کی صداقت کے بعد آنحضورؐ کے اخلاقِ حسنہ کی مقناطیسی کشش تھی۔

سوالات

۱۔ اسلامی تعلیمات کے پیشِ نظر اخلاق کی اہمیت واضح کیجئے۔

۲۔ اخلاق و ایمان کے ربط و تعلق پر روشنی ڈالئے اور بتائیے کہ اسلامی تہذیب کی تعمیر میں اخلاق سے کیا مدد ملتی ہے؟

۳۔ اخلاقِ حسنہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ پیش کیجئے

Marfat.com

باب ۴

انسانی زندگی کے ارتقائی مراحل

۱۔ فرد

جس طرح ہر چیز آغاز ظہور میں نہایت معمولی ہوتی ہے اور وہ ارتقاء کے منازل طے کرکے اوجِ کمال پر گامزن ہوتی ہے ۔ اسی طرح انسان ایک بے کس و لاچار نومولود کی صورت میں جنم لیتا ہے اور ارتقائی مراحل و ادوار سے گذر کر اشرف المخلوقات کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے ۔ بے کسی و بے بسی کے اس دور میں نہیں کہا جا سکتا کہ نوزائیدہ بچہ جو قدم قدم پر دوسروں کا دست نگر ہے اور جس کی زندگی کا ہر لمحہ دوسروں کا محتاج ہے ۔ بڑا ہو کر کس منصب رفیع پر فائز ہوگا۔

۲۔ گھر

نومولود سب سے پہلے گھر کی چار دیواری میں آنکھیں کھولتا ہے ۔ والدین کی محبت بھری نگاہیں ہر لحظہ اس کا تعاقب کرتی ہیں۔ بھائی بہن اس سے پیار کرتے نہیں تھکتے ۔ گھر کی چار دیواری اور والدہ کی گود اس کے لئے اوّلین تربیت گاہ ہے ۔ والدہ اس کی پہلی معلمہ ہے جو اسے زندگی کے آداب و اطوار کا درس دیتی ہے ۔ بچہ زندگی کے اس دور میں جو سبق سیکھتا ہے ۔ اس کے اَنمٹ نقوش ہمیشہ کے لیے اس کے لوحِ ذہن پر ثبت ہو جاتے ہیں ۔ جن بچوں کو زندگی کے اس دور میں سازگار گھریلو ماحول نصیب ہوتا ہے ۔ وہ آگے چل کر بڑا نام پیدا کرتے ہیں ۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بڑے لوگوں کی عظمت ان کی عمدہ تربیت کی رہینِ منّت ہوتی ہے

۳۔ مکتب

گھر میں ابتدائی تربیت حاصل کرنے کے بعد بچہ جب تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہوتا ہے تو اسے مکتب میں بھیجا جاتا ہے یہاں اسے شفیق اساتذہ کی صحبت میسّر آتی ہے ۔ قابل اساتذہ کی تربیت کے اثرات بڑے دیرپا اور خوش آئند ثابت ہوتے ہیں ۔ مستقبل کی تابانی و درخشانی کا انحصار بڑی

Marfat.com

حدتک اساتذہ کی طرزِ تعلیم وتدریس پر ہوتا ہے۔ اساتذہ کی تعلیم صرف الفاظ تک محدود نہیں رہتی بلکہ شاگرد کے قلب وذہن پر اثرانداز ہوکر اس میں عظیم انقلاب برپا کرتی ہے۔

۴۔ مسجد بلوغت کی حدود میں داخل ہوتے ہی مسجد سے واسطہ پڑتا ہے۔ اخوت ومساوات کی تلقین کی جاتی ہے۔ دیانت وامانت سکھائی جاتی ہے۔ اسلامی عبادات بجالانے سے انسان کے اندر احساسِ فرض پابندیٔ وقت اور یقینِ محکم کا جذبہ اُبھرتا ہے۔ عجز وانکسار۔ انسانی مساوات اور عالمگیر اخوت کے احساسات کروٹ لیتے ہیں۔ مسجد دینِ اسلام میں ایک عظیم دینی شعار کی حیثیت رکھتی ہے۔ غزوات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ جہاں سے آذان کی آواز آتی وہاں حملہ کرنے سے روک دیتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کہیں مسجد دیکھو یا آذان کی آواز سنو تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرو۔ (ابوداؤد)

اصحابِ صفہ مسجد نبوی میں رہ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث وتفسیر کا درس لیا کرتے تھے۔ خلافتِ راشدہ میں بھی مسجد کو مکتب کی حیثیت حاصل تھی۔ تاریخِ اسلام کے مختلف اُدوار میں مسجد کو امتیازی حیثیت حاصل رہی اور وہ خانۂ خدا ہونے کے علاوہ ایک بہترین درس گاہ اور یونیورسٹی بھی تصور کی جاتی تھی۔

۵۔ مُعاشَرہ حدِ بلوغت کو پہنچتے ہی بچہ معاشرہ کا ایک فرد شمار ہونے لگتا ہے گھر میں جب تک تھا تو ہر طرف سے لطف ومحبت کی صدائیں سُنتا تھا۔ اب خشمگیں نگاہوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔ معاشرہ میں دوست ودشمن سبھی ہوتے ہیں اور سب ہی سے پالا پڑتا ہے۔ کچھ لوگوں کے حقوق اس پر عائد ہوتے ہیں۔ اس کے حقوق دوسروں پر واجب ہوتے ہیں۔ پھر اس کی شادی خانہ آبادی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کے یہاں اولاد پیدا ہوتی ہے اور اس طرح اس کی انفرادیت مکمل طور سے معاشرہ میں گم ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

۶۔ دُنیائے اسلام

چند افراد کے مجموعہ سے ایک خاندان بنتا ہے۔ متعدد خاندانوں کی ترکیب سے ایک برادری وجود میں آتی ہے۔ چند برادریوں کے مجموعہ کو شہر کہتے ہیں۔ چند شہروں سے مل کر ایک ملک کی تشکیل ہوتی ہے۔ مجموعہ ممالک کا نام کرۂ ارض ہے اور اگر اسے اہلِ اسلام تک محدود کر دیا جائے تو اسے دنیائے اسلام کے نام سے پکارتے ہیں۔

بورڈ آف انٹرمیڈیٹ کے مجوزہ نصاب کے مطابق اب ہم علی الترتیب انسانی زندگی کے مذکورہ بالا ارتقائی مراحل کا تفصیلی مطالعہ کریں گے۔ سب سے پہلے فرد کے عنوان کے تحت اسلامی اخلاق سے متعلق مندرجہ ذیل امور زیرِ بحث آئیں گے۔

۱۔ تدبر ۲۔ تحمّل ۳۔ تقویٰ ۴۔ ذکر ۵۔ شُکر ۶۔ صبر ۷۔ عفو ۸۔ عدل ۹۔ احسان ۱۰۔ خدمتِ خلق

فَرد

انسان کی اولین حیثیت فرد کی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ شخصی و انفرادی زندگی کی اصلاح معاشرہ کی اصلاح سے مقدم ہے۔ فرد کی اہمیت اسی بات سے بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ ایمان ایک انفرادی چیز ہے۔ وہی معاشرہ سب سے اچھا ہوگا جو صالح افراد پر مشتمل ہو۔ افراد ہی وہ مسالہ ہیں جن سے قصرِ جماعت کی تعمیر ہوتی ہے۔ قصرِ جماعت کا استحکام اس بات پر موقوف ہے کہ اس کی ہر اینٹ خوب پکی ہو۔ ہر شہتیر پائیدار ہو اور کسی حصّہ میں ناکارہ اور بے جان مسالہ استعمال نہ کیا جائے۔

اخلاقِ انسانی کے یہ چند عنوانات شخصی و انفرادی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لئے تعلیمات کتاب وسنّت کے پیشِ نظر ان پر مختصراً بحث کی جاتی ہے۔ اوّلین عنوان تقویٰ ہے۔

Marfat.com

باب ۵

تدبّر

۱۔ معنی و مفہوم

لفظ تدبّر باب تفعل کا مصدر ہے۔ اس کا مادہ دُبر (پیچھا انجام) ہے۔ تدبّر کے معنی ہیں کسی چیز کے انجام اور نتیجہ پر غور کرنا۔ انتہائی غور و فکر کا نام تدبّر ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ تدبّر، تامل اور تفکر میں معنی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ (احیاء علوم الدین جلد چہارم صفحہ ۴۱۲)

۲۔ تدبّر کی حقیقت

امام غزالی تدبّر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے "احیاء علوم الدین" میں فرماتے ہیں: "دو معرفتوں کو دل میں اس لئے جگہ دینا کہ اس سے تیسری معرفت حاصل ہو تدبّر کہلاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص دنیا کی محبت میں گرفتار ہے اور وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اخروی زندگی دُنیا کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے تو اس کے سامنے دو راستے کھلے ہیں۔

۱۔ اخروی زندگی کی فضیلت معلوم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص سے آخرت کی فضیلت سن کر اس پر یقین کرے اور بذاتِ خود اسے کچھ بھی معلوم نہ ہو اسے تقلید کہتے ہیں معرفت نہیں کہتے۔ یہ کسی طرح بھی قابل تقلید نہیں۔

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہ شخص پہلے معلوم کرے کہ دنیا و آخرت میں سے جو پائیدار ہو وہی لائق ترجیح ہے۔ بعد ازاں اس بات کی معرفت حاصل کرے کہ دُنیا و آخرت میں سے پائیدار آخرت ہے۔ ان دونوں باتوں کی پہچان سے اسے ایک تیسری حقیقت سے آگاہی حاصل ہو گی کہ آخرت ہی افضل اور ترجیح کے قابل ہے اس سے واضح ہوا کہ تیسری حقیقت کا علم اسے اسی صورت میں حاصل ہوا کہ اس نے سابقہ دونوں باتوں کو ذہن میں رکھا اسی کا نام تدبّر ہے۔"

حقیقت تدبّر کے بیان میں امام غزالی کی تقریر کو منطقیانہ انداز میں یوں ادا کر سکتے ہیں۔

صُغریٰ:۔ دنیا و آخرت میں سے جو پائیدار ہو وہی افضل اور ترجیح کے قابل ہے۔

کُبریٰ:۔ آخرت دنیا کے مقابلہ میں پائیدار ہے۔

نتیجہ:۔ آخرت دنیا سے افضل اور قابل ترجیح ہے۔

Marfat.com

شالی ہذا میں جب صغریٰ و کبریٰ کی صداقت کو تسلیم کیا گیا تو اس سے ایک تیسری بات واضح ہوئی اسی طرز فکر کا نام تدبر ہے"۔

۳۔ اقسام تدبر

شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں تدبر کی مندرجہ ذیل قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ ذات باری میں تدبر:۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء نے ذات الٰہی کو غور وفکر کی آماجگاہ بنانے سے منع کیا ہے۔ اس لئے کہ عوام اس کی صلاحیت سے محروم ہیں۔

۲۔ صفات باری میں تفکر:۔ یہ تدبر کی دوسری قسم ہے۔ مثلاً خدا کے علم اور رحمت وقدرت کو موضوع فکر بنانا صوفیہ کی اصطلاح میں اسے مراقبہ کہتے ہیں۔

۳۔ افعال خداوندی میں تدبر: تدبر کی تیسری قسم یہ ہے کہ افعال خداوندی میں غور وفکر کیا جائے۔ مثلاً یہ کہ وہ بارش کیونکر نازل کرتا اور پھر اس سے انواع واقسام کی چیزیں اگاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"وہ جو لوگ آسمان وزمین کے بارے میں غور وفکر کرتے اور کہتے ہیں کہ تو نے یہ کائنات بے مقصد پیدا نہیں کی"

۴۔ تاریخی حقائق پر غور وفکر کرنا:۔ یہ تدبر کی چوتھی قسم ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بات پر غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض اقوام کو کس طرح اوج کمال پر پہنچایا اور بعض کو ذلیل وخوار کر دیا۔ کن اسباب کی بناء پر ایسا ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا۔

"فَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ" (ان کو تاریخی واقعات سنا کر نصیحت کیجئے)۔

۵۔ تفکر فی الموت: تدبر کی پانچویں قسم یہ ہے کہ موت اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات پر عبرت پذیری کے نقطۂ خیال سے غور کیا جائے اس میں حشر ونشر اور جزا وسزا سب شامل ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دنیوی مشاغل سے فارغ ہو کر جب کوئی شخص تنہائی میں ان امور پر غور کرے گا۔ تو اس کی نفسانی خواہشات مغلوب ہو کر روحانی قوت غالب آجائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی عبادت میں خشوع وخضوع پیدا ہوگا۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ص۸۲)

۴۔ اسلام میں تدبر کا مقام

امام غزالی کی رائے میں اس کو تفکر، تذکر، تامل، نظر اور اعتبار بھی کہتے ہیں۔ یہ سب

Marfat.com

الفاظ ہم معنی ہیں۔ انسان کی امتیازی خصوصیت جو اسے دیگر حیوانات سے ممتاز کرتی ہے وہ خدا کی ودیعت کردہ نعمت عقل وخرد ہے۔ انسان کے ذہن میں غور وفکر کی صلاحیتوں کا بے کنار خزانہ ودیعت کیا گیا ہے وہ اس سے کام لے کر حقائق کی تہ تک پہنچ سکتا ہے اور محض ظاہریت کے فریب میں نہیں رہتا۔ کائنات کے سینہ میں بے شمار اسرار پوشیدہ ہیں۔ جو انسان کی نگاہ دوربین کے منتظر ہیں۔ انسان جس قدر غور وفکر کرے گا وہ کائنات کے اسرار کی معرفت حاصل کرتا جائے گا۔ اور اس کا ایمان توحید پر پختہ سے پختہ ہوتا جائے گا۔ اگر انسان اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہوتا تو اس کا کام بھی دیگر حیوانات کی طرح صرف کھانا پینا اور نسل کشی کرنا ہوتا اس کے سوا کوئی بلند نصب العین اس کے پیش نظر نہ ہوتا۔ دنیا میں یہ چہل پہل، رونق و آبادی شان و شوکت عزو شرف غرض جو کچھ بھی ہے سب عقل وخرد کی کرشمہ سازی ہے۔ اگر انسان عاقل ہوتے ہوئے عقل وخرد کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے تو وہ انسانیت کے مقام ارفع سے اتر کر حیوانات کی پستی میں جا گرتا ہے۔ عقل وفہم ہی کی بنا پہ انسان اپنے جذبات پر قابو رکھتا ہے۔ اس کے برعکس حیوانات اپنے جذبات سے مغلوب رہتے ہیں۔ آج اہل یورپ کی نئی نئی ایجادات کا چرچا ہے، جن کے طفیل وہ مادی ترقی کے نقطۂ عروج پہ پہنچ گئے ہیں۔ ان کا ہر قدم ترقی کی جانب اٹھ رہا ہے لیکن کیا یہ چیز انہیں سعی و جہد و جہد کے بغیر حاصل ہو گئی؟ ہرگز نہیں۔ انہوں نے غور وفکر اور تدبر سے کام لے کر مختلف ایجادات کیں، اور اپنے لئے ہر قسم کی آسائشوں کے دروازے کھول دیئے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذہن میں ہزارہا قسم کے خزانے پیدا کئے ہیں اور ہر چیز کو اس کے لئے مسخر کر دیا۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ عقل و خرد سے کام لے کر ان خزانوں کو نکالے۔ اور ان سے کام لے، جن قوموں نے اس راز کو پا لیا وہی دنیا میں کامیاب و کامران ہو رہی ہیں۔ جو قومیں غور وفکر سے کام نہیں لیتیں ان کے حصے میں سوائے ذلت و ناکامی کے اور کچھ نہیں آتا۔

اسلام کی نگاہ میں عقل وخرد خدا کی نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اسے کسی صورت میں بھی بیکار نہیں چھوڑا جا سکتا۔ قرآن جگہ جگہ انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتا اور اسے تدبر و تامل کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا" (۴۷ : ۲۴)

کیا لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

دوسری جگہ فرمایا :

"اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ"۔ (پارہ ۴۔ رکوع ۴)

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور دن کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

اس آیت میں انسانوں کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ مناظر قدرت پہ غور کر کے خداوند تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت ملاحظہ کریں۔ یہ کارخانہ قدرت صاف اس کی ہستی کی شہادت دے رہا ہے۔

ایک جگہ یوں ارشاد ہوا: "وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۵۱: ۲۱-۲۲)

اور یقین والوں کے لئے زمین میں نشانیاں ہیں اور خود تمہارے وجود میں بھی پھر کیا تم دیکھتے نہیں۔

ان آیات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ معرفت الٰہی کے لئے تدبّر و تفکر کی ضرورت ہے۔ تدبّر کی بنیادی اہمیت و ضرورت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ غور و فکر کئے بغیر خدا کی پہچان بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسلام کے نامور فلاسفر امام غزالی تدبّر کی اہمیت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

۵۔ تدبّر ذکر الٰہی سے افضل ہے

"تدبّر و تامل کا ثمرہ علم کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے علم کے حاصل ہونے سے دل کی دنیا بدل جاتی ہے۔ جب دل میں انقلاب آتا ہے تو اعضاء انسانی کے اعمال بھی بدل جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اعمال انسانی احوال قلب کے تابع ہیں۔ دل کے احوال علم کے زیر اثر ہیں اور علم تدبّر و تامل کا نتیجہ ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ تدبّر و تفکر تمام نیک اعمال کا مبدا و مصدر ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تدبّر ذکر الٰہی سے افضل ہے۔ کیونکہ اس میں ذکر الٰہی سے ایک زائد وصف موجود ہے جو ذکر میں نہیں، مزید برآں تدبّر و تفکر دل کا عمل ہے۔ ظاہر ہے کہ دل کا عمل اعضاء کے عمل سے افضل ہوتا ہے۔ بنا بریں یہ ثابت ہوا کہ تدبّر تمام اعمال سے بڑھ کر ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ایک گھڑی کا تفکر رات بھر کی نماز گزاری سے افضل ہے (احیاء العلوم للغزالی)

۶۔ اقوال و آثار

حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر آنحضور نے فرمایا:

۱۔ خدا کی مخلوق میں غور کیجئے مگر خدا کی ذات کے بارے میں فکر و تامل سے احتراز کیجئے کیونکہ تم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ (رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ بسند ضعیف)

Marfat.com

۲۔ محمد بن واسع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری کی وفات کے بعد بصرہ کا ایک شخص اُن کی والدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ ابوذر کی عبادت کی کیفیت کیا تھی ؟ انہوں نے جواباً فرمایا ابوذر سارا دن گھر کے کونے میں بیٹھ کر محو تفکر رہا کرتے تھے ۔ (احیاء للغزالی)

۳۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں ایک لمحہ سوچ بچار کرنا ایک شب کے قیام سے بہتر ہے (احیاء)

۴۔ حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں تدبر و تفکر ایک آئینہ ہے جس میں تم اپنے اچھے یا بُرے اعمال کا عکس دیکھ سکتے ہو۔

۵۔ حضرت سفیان بن عُیَینہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

إِذَا الْمَرْءُ كَانَتْ لَهُ فِكْرَةٌ ” فَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ عِبْرَةٌ

(جب آدمی میں غور و فکر کی عادت ہو تو ہر چیز میں اس کے لیے سامانِ عبرت موجود ہے)

۶۔ آپ نے فرمایا ایک گھڑی کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے (حجۃ اللہ البالغہ)

۷۔ تدبر کی حدود و قیود کتاب و سنت کے دلائل و براہین میں غور و فکر کی جس قدر تاکید کی گئی ہے ۔ اس کا اندازہ آیات ذیل سے ہو سکتا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے ۔

”قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا“ (سورۂ سبا رکوع ۶)	اے رسول لوگوں سے کہہ دو کہ میں تمہیں ایک ہی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ تم اللہ کیلئے دو دو ایک ایک کر کے کھڑے ہو جاؤ اور پھر غور و فکر سے کام لو ۔

اللہ تعالیٰ عقل و خرد اور تفکر و تدبر سے کام نہ لینے والوں کو بے عقل جانوروں سے تشبیہ دیتا ہے قرآن میں فرمایا ۔

”ان کے دل ہیں جن سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے سنتے نہیں ۔ وہ چوپاؤں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر یہی لوگ غافل ہیں ۔ سورۂ اعراف رکوع ۲۲)

اس حقیقت مسلمہ کے باوصف کہ عقل و خرد بڑی گراں قدر چیز ہے ۔ اور انسان زندگی

Marfat.com

کے کسی مرحلے میں بھی اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔ اسلام نے عقل انسانی کو بے مہار نہیں چھوڑا بلکہ کسی حد تک اسے محدود و محصور کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسلام اس بات کی ترغیب دیتا بلکہ بتاکید حکم دیتا ہے کہ کائنات عالم میں غور کر کے ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت ملاحظہ کیجئے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ خدا کی ذات و صفات کو غور و خوض کی آماجگاہ نہ بنایئے۔

اسی طرح تقدیر کے پیچیدہ اور لاینحل مسئلہ میں قیاس آرائی سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ الحاد و ضلالت کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ تقدیر میں غور کرنے والے کی مثال سورج کی شعاعوں سے نظر ملانے والے کی ہے۔ وہ جس قدر دیکھے گا اس کی خیرہ چشمی اور حیرانی بڑھے گی۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ عقل کو چراغ کے طور پر استعمال کرنا چاہیے نصب العین نہیں بنانا چاہیے۔

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے (اقبال)

قرآن کریم میں جو غور و فکر کا حکم دیا گیا ہے اس کا اہل ہر شخص نہیں۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہر کندہ ناتراش اور عربی زبان کی ابجد سے ناآشنا جاہل مسند تفسیر پر براجمان ہو بیٹھے۔ بلکہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم قرآن فہمی کے لئے عربی زبان و ادب کا ذوق آشنا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں:-

> اور عربیت کا ذوق سلیم نہ ہونے کی وجہ سے تدبر کا ایک نہایت پست معیار مقرر ہوا یہ یعنی صرف معانی و مطالب ہی میں نہیں بلکہ ہر چیز میں یہی رہتی کہ اس کی زبان اس کے الفاظ اس کی تراکیب اور اس کی بلاغت کے لئے بھی نظر و فہم کی کوئی بلند جگہ باقی نہ رہی۔

۱۱۔ تدبر کے ثمرات: ۱۔ قرآن کریم میں غور و فکر کی بدولت علم و فن، حکمت و معرفت اور دانش و بصیرت کی راہیں کھلتی ہیں۔

۲۔ کائنات عالم میں غور و فکر کرنے سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ اور انسان عرفان

Marfat.com

بصیرت کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے ۔

۳ ۔ تدبر و تفکر تمام اعمالِ صالحہ کا مدار و مصدر ہے۔ سب اعمال اسی سے صادر ہوتے ہیں ۔

۴ ۔ تدبر ذکر الٰہی سے بھی افضل ہے ۔

۵ ۔ تدبر کی بنا پر انسان تمام حیوانات سے ممتاز ہے ۔ اور اسی کے بل بوتے پر انسان ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں ۔

۶ ۔ دورِ حاضر کی تمام ایجادات غور و فکر کی رہین منت ہیں ۔

۷ ۔ تدبر کی بدولت دینِ اسلام کے اسرار و رموز کی گرہیں کھلتی ہیں ۔ اور انسان علم و فضل کی اعلیٰ منزلیں طے کرتا ہے ۔

٭ ٭ ٭

سوالات

۱ ۔ تدبر کے متعلق اسلامی تعلیمات کا خلاصہ قلم بند کیجیے ۔

۲ ۔ تدبر کن ثمرات و نتائج کا موجب ہوتا ہے تفصیلاً لکھیے ۔

۳ ۔ تدبر کی حدود و قیود ضبط تحریر میں لائیے ۔

۴ ۔ دلائل کتاب و سنت کی روشنی میں تدبر کی اہمیت و فضیلت تحریر کیجیے ۔

Marfat.com

باب ۱ تحمل

۱۔ مفہوم: تحمل عربی زبان میں باب تفعل کا مصدر ہے۔ اس کا مادہ حمل (اٹھانا) ہے۔ تحمل کے معنی ہیں برداشت کرنا، حلم و بردباری کا مظاہرہ کرنا۔ قدرت کے باوجود کسی سے انتقام نہ لینا۔ بالفاظ دیگر تحمل کا مطلب یہ ہے کہ ناگوار بات کو بڑے صبر و حوصلہ سے برداشت کیا جائے اور ایسے شخص کو فراخ دلی سے معاف کر دیا جائے۔ حوادث روزگار میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا، مشکلات کو عزم و ہمت سے برداشت کرنا اور کسی سے دکھ پا کر تنگ دل نہ ہونا یہ سب تحمل کی قسمیں ہیں۔ تحمل اور حلم دونوں مترادف ہیں۔

۲۔ تحمل کی ضرورت: انسان دنیا میں روزانہ سینکڑوں اشخاص سے ملتا ہے اور بیسیوں واقعات سے دوچار ہوتا ہے ان میں سے بعض اس کی افتاد طبع اور مزاج سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ اور بہت سے خلاف طبع اور ناگوار۔ صفت تحمل کا تقاضا ہے کہ انسان ناسازگار امور و واقعات کو اپنی عالی ظرفی بلند حوصلگی اور وسعت قلب سے نادیدہ و ناشنیدہ تصور کر کے اپنے لوح ذہن سے مٹا دے۔ اور ان کو خاطر میں نہ لائے۔ اسی کا نام حلم و بردباری ہے۔ اس کے برعکس وہ ایک حساس اور نازک مزاج آدمی کی طرح ہر بات کا نوٹس لینے لگے اور بات بات پر چیں بجبیں ہو جائے تو دنیا میں اس کا رہنا اجیرن ہو جائے اور معاشرہ کو اس کی وجہ سے بڑی زحمت کا سامنا ہو۔ ایسا انسان کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ قدم قدم پر اسے ناکامیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ بخلاف ازیں ایک ہنس مکھ، زندہ دل اور فراخ حوصلہ انسان جہاں جاتا ہے کامرانی اس کے قدم چومتی ہے وہ اپنی خوش اخلاقی سے پرائے کو بھی اپنا بنا لیتا ہے اور کسی جگہ ناکامی کا منہ نہیں دیکھتا۔

قرآن کریم میں اہل ایمان کی یہ صفت بیان فرمائی ہے۔

وَاَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (سورہ المائدہ - ۱۰)

(مسلمانوں کے نرم دل اور کافروں پر بھاری)

یعنی صحابہ کرام جہاں کفار کے مقابلہ میں بڑے طاقتور تھے، مردانہ وار ان کا مقابلہ کرتے اور ہرگز پیچھے نہ ہٹتے تھے، اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتے، وہ تحمل و بردباری کا زندہ پیکر تھے، یہ دونوں متضاد صفتیں ان میں پوری طرح موجود تھیں۔

Marfat.com

"تاہم حلم و بردباری کے یہ معنی نہیں کہ انسان اپنی قوتِ حمیت و غیرت کو زیرِ زمین دفن کر کے پرلے درجے کا بے حمیت اور بے غیرت ہو جائے اور ہر کس و ناکس کی ہر جائز و ناجائز خواہش کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے۔ اسلام نے جہاں تحمل و بردباری کو سراہا ہے وہاں بے غیرتی اور نامردی سے روکا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام غصہ کی اصلاح کرنا چاہتا ہے اسے فنا نہیں کرنا چاہتا۔ بنابریں قوتِ تحمل و برداشت کو بے غیرتی کی حد تک لے جانا اسلام کی نگاہ میں معیوب ہے محبوب نہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ" (اخلاق خداوندی کے خوگر بنو) اس حدیث نبوی پر عمل پیرا ہونے کا تقاضا ہے کہ مسلمان قوتِ برداشت و تحمل کے وصف سے موصوف ہوں۔ اس لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت تحمل و بردباری کا اظہار فرمایا ہے۔ آیات ملاحظہ ہوں:

"وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ" (سورہ بقرہ ۲۸) "اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ" (آل عمران — ۱۶)

"اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا" (بنی اسرائیل) — ۵)

مذکورہ صدر آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حلم کے ساتھ اپنی صفت مغفرت کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس کی یہ بردباری نعوذ باللہ کسی ضعف یا عدم قدرت کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس کی شانِ غفاری کا نتیجہ ہے — اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:-

"بھلائی اور برائی برابر نہیں، برائی کو بھلائی سے دفع کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دشمن دوستی لگانے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس بات پر عمل کرنے کی توفیق انہی کو ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور انہی کو یہ سعادت ملتی ہے جو بڑے خوش نصیب ہیں۔ اور اگر شیطان تم کو اکسائے تو خدا کی پناہ مانگو اس لئے کہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (سورہ حٰم السجدہ — ۵)" اس آیت سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:-

(۱) بھلائی اور برائی ہرگز یکساں نہیں (۲) دشمن سے بھی نیکی اور حسن سلوک کی تاکید فرمائی اور بتایا کہ نیک طرزِ عمل سے تمہارا دشمن بھی دوست بن جائے گا۔ (۳) دشمن کے ساتھ نیکی کرنے کو صبر کا انتہائی درجہ قرار دیا اور بتایا کہ صبر سے کام لینا خوش نصیبی کی دلیل ہے۔ (۴) دشمن کے ساتھ برائی کرنے کو شیطانی تحریک کا نام دیا۔ اور اس سے خدا کی پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جو صحابہ میں بڑے مفسر ہیں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیظ و غضب کی حالت میں صبر کا اور کسی کی برائی کرنے پر عفو و درگزر کا حکم دیا ہے وہ ایسا کریں گے تو خدا ان کو شیطان کے پنجہ سے چھڑا لے گا اور ان کا دشمن بھی دوست کی طرح ان کے آگے سر نیچا کرے گا۔"

(صحیح بخاری، جلد ۲ صفحہ ۷۱۲، نیز تفسیر ابن جریر)

Marfat.com

۳۔ تحمل کی قدر و قیمت

تحمل و برداشت کا وصف اسلامی زاویۂ نگاہ سے بڑا قابل قدر ہے اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں جہاں متقیوں کے اوصاف بیان کئے وہاں ارشاد فرمایا۔ ”وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ“۔

(متقی) وہ لوگ ہیں جو غصہ کو دبا لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں) ۔ اسکی تفسیر میں مولانا شبیر احمد صاحب رقمطراز ہیں:۔

”غصہ کو پی جانا ہی بڑا کمال ہے۔ اس پر مزید یہ کہ لوگوں کی غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ غالباً پہلے جن لوگوں کی نسبت بد دعا کرنے سے روکا یہاں ان سے متعلق غصہ دبانے اور عفو و درگزر سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے“۔

حلم و تحمل کی اہمیت جتلانے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے انبیاء کی مدح و ستائش میں ذکر کیا ہے۔ حالانکہ انبیاء کرام اوصاف محمودہ کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے اپنے بت پرست باپ کو سمجھا بجھا کر عذاب الہٰی سے بچانا چاہا۔ انہوں نے اس کافر باپ کے ہاتھوں طرح طرح کے مظالم سہے اور آخر کار مجبور ہو کر اس سے کنارہ کش ہو گئے۔ پھر بھی بردباری اور تحمل کا دامن ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹنے پایا۔ اور اس وقت تک اس کے حق میں دعائے خیر کرتے رہے۔ جب تک وہ پوری طرح مایوس نہ ہو گئے اور ان کو قطعی طور سے معلوم نہ ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے۔ اس ضمن میں ارشاد ہوا۔

” اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے بخشش مانگنا تو صرف ایک وعدہ کی بنا پر تھا۔ جو ابراہیم نے اپنے باپ سے کر لیا تھا۔ جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو باپ سے دستبردار ہو گئے۔ بیشک ابراہیم بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔ (سورۂ توبہ ۔ ۱۴)

حضرت اسماعیل کی شان میں فرمایا:۔ ” فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ (والصافات ۔ ۳)

(تو ہم نے ان کو (ابراہیم) ایک بڑے بردبار لڑکے (اسماعیل) کی خوشخبری دی)

۴۔ نبی کریمؐ کا تحمل

آنحضور (فداہ ابی و امی) کی ذات اقدس حلم و تحمل کا زندہ پیکر تھی۔ قریش مکہ کے مظالم تاریخ اسلام کی خونیں داستان ہیں۔ راستے میں کانٹوں کا بچھانا، سر پر کوڑا کرکٹ پھینکنا، طائف میں پاؤں مبارک کا لہولہان ہونا، بنی ہاشم کو شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رکھنا، آپ کے احباب و اصحاب کو ہجرت حبشہ پر مجبور کرنا، بعض کو قتل کرنا اور بعض پر مظالم ڈھانا، تاریخ اسلام کے مشہور واقعات ہیں۔ رہا یہ کہ جب فتح مکہ کے موقع پر آپ فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے تو کفار مکہ کو لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (آج کے روز تم پر کوئی عتاب نہیں) کا مژدہ جانفزا سنایا۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ میں وہی الفاظ دہراتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ظالم

Marfat.com

بھائیوں کو سنائے تھے۔

مولانا سید سلیمان ندوی سیرت النبیؐ میں فرماتے ہیں:۔

"اسلامی اخلاق کی مثالیں ملاحظہ کرنا ہو تو اسلام کے اولین داعی و واعظ کی حیاتِ مقدسہ کا مطالعہ کیجئے۔ جنہوں نے فاتح بن کر مفتوح ہو کر نہیں حاکم ہو کر محکوم بن کر نہیں، بیک دفعہ مکہ کے ان ہزاروں دشمنوں کو معاف کر دیا جن نے اس کے قتل یا گرفتاری کے لئے اہل مکہ کا اشتہار و انعام سن کر اس کا تعاقب کیا تھا۔ جس نے خیبر میں آپ نے زہر دینے والی یہودیہ کو معاف کیا تھا جس نے اپنے چچا کے قاتل کو معاف کیا تھا جس نے حمزہ کی لاش کو بے حرمت کرنے والی اور ان کے جگر کو چبانے والی کو معاف کیا جو اس کے قتل کے لئے آیا تھا جس نے تنعیم کی وادی میں قریش کے اس گرفتار دستہ کو معاف کیا جو اس کے قتل کیلئے آیا تھا جس نے نجد کے ایک نخلستان میں جب وہ محو خواب تھا اپنے اوپر تیغ بکف حملہ آور کو قابو پا کر معاف کیا جس نے ان طائف والوں کے حق میں دعائے خیر کی جنہوں نے اس پر پتھروں کی بارش کی تھی جس سے اس کے پاؤں خون آلودہ ہو گئے تھے جس نے احد کے میدان میں اپنے چہرہ کے زخمی کرنے والوں کو نیک دعا دی جس نے دشمنوں کے حق میں بددعا کرنے والوں کے جواب میں کہا کہ میں دنیا میں لعنت کے لئے نہیں رحمت کے لئے آیا ہوں" (سیرت النبی جلد ۶ صفحہ ۱۰۵ بحوالہ ترمذی و بخاری)

یہ تھا آنحضورؐ کا ذاتی عمل تحمل و بردباری کے بارے میں۔ اب آپ کے ارشاداتِ عالیہ ملاحظہ فرمایئے

۱۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار یہ درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے آپ نے ہر بار یہ جواب دیا کہ "غصہ نہ کرو" اگر غصہ آ بھی جائے تو اس کو ضبط کیا جائے۔ (بخاری)

۲۔ آنحضورؐ نے فرمایا پہلوان وہ نہیں جو لوگوں کو کشتی میں پچھاڑ دے، بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔ (بخاری)

۳۔ آپ نے فرمایا جو شخص قدرت کے باوجود غصہ کو پی جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سب کے سامنے بلا کر اعلیٰ درجہ کے انعام ... عطا کرے گا۔ (ترمذی)

۴۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے آ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں ان کے ساتھ ملتا ہوں وہ مجھ سے بدسلوکی کرتے ہیں میں بھلائی کرتا ہوں وہ بدی کرتے ہیں وہ میرے ساتھ جہالت کرتے ہیں میں تحمل سے پیش آتا ہوں تو آنحضورؐ نے یہ سن کر فرمایا کہ اگر بات یونہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو تو تم ان کے منہ میں گرم راکھ بھرتے ہو اور جب تک اس حالت پر قائم رہو گے، خدا کی طرف سے تمہاری مدد ہوتی رہے گی۔ (صحیح مسلم و ادب المفرد امام بخاری)

Marfat.com

۵۔ آپ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہے کہ قیامت کو اس کی منزل بلند ہو۔ اور اس کے درجات رفیع ہوں وہ ظالم کو معاف کرے، جو اس سے بخل کرتا ہے اس سے سخاوت کرے، جو اس سے تعلق توڑتا ہے اس سے تعلق جوڑے اور جو اس سے ضد کرتا ہے اس سے حلم و بردباری کا سلوک کرے۔ (کنز العمال جلد دوم)

۶۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ آپ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ راستے میں ایک بدوی آپ کو ملا اور آپ کی چادر پکڑ کر اتنے زور سے کھینچی کہ آپ بدوی کے سینے کے سامنے کھچ آئے۔ میں نے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گردن مبارک کو دیکھا تو بدوی کے زور سے کھینچنے سے اس پر چادر کے کناروں کے نشان پڑ گئے تھے۔ پھر وہ بدوی بولا "محمد! خدا کا جو مال تمہارے پاس ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ دو" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے اس کے کہ اس کی بدتمیزی پر اسے سزا دیتے نہایت تحمل سے اس کی طرف دیکھا اور ہنس کر اسے کچھ مال دینے کا حکم دیا۔ (بخاری و مسلم)

۷۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بدوی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اسے مارنے کے لئے اٹھے۔ رسول اللہ نے فرمایا "اسے چھوڑ دو۔ اور ایک ڈول پانی کا بہا دو۔ تم آسانی کے لئے پیدا کئے گئے ہو تنگی کرنے کے لئے نہیں"۔ (بخاری)

۵۔ **تحمل کی حدود:** قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ تحمل کی ایک حد ہے۔ اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے۔ اس حد سے تجاوز کر کے انسان بزدلی اور بے حمیتی کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے جہاں انسان کی عزت و حمیت اور دین پر حملہ کیا جا رہا ہو۔ قوت ایمانی کا تقاضا ہے کہ ایسے موقع پر ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ عِرْضِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ"۔ جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔ اور جو اپنی آبرو کی تحفظ کی خاطر جان دے وہ بھی شہید ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم محبوبہ اخلاق ہونے کے باوجود درشتی و نرمی دونوں سے کام لیا کرتے تھے۔ ایک کامیاب معلم کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس میں سختی و نرمی دونوں ہوں۔ وہ ایک جراح ہے جس کے ایک ہاتھ میں نشتر ہو جس سے زخم کو چیر کر فاسد مواد کو باہر نکال دے اور دوسرے ہاتھ میں مرہم ہو جس سے زخم میں ٹھنڈک پڑ جائے۔ اگر کسی

Marfat.com

جراح کے پاس ان دو میں سے صرف ایک ہی چیز ہو تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں :۔

درشتی و نرمی بہم در بہ است　　چوں رگ زن کہ فصّاد و مرہم نہ است

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سختی و نرمی کے موقع و محل کو خوب پہچانتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے بدلہ نہ لیا البتہ اگر کوئی شریعت کی حدود کو توڑے تو اس کو سزا دیتے تھے۔ قریش کی ایک عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی بعض مسلمانوں نے سفارش کرنا چاہی تو آپ نے فرمایا تم سے پہلی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ جب ان میں معمولی لوگ گناہ کرتے تھے تو ان کو سزا دی جاتی اور بڑے لوگوں سے کچھ تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ (بخاری)

قرآن میں جہاں صحابہ کی صفت رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ (مومن آپس میں مہربان ہوتے ہیں) بیان کی ہے۔ وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ

"اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ" (وہ کفار کے مقابلہ میں بڑے طاقتور ہیں)

مذکورہ صدر آیت کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کافروں سے سنگدلی اور بے رحمی کے ساتھ پیش آتے ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ مسلمان اپنی ہمت و استقلال باہمی اتحاد اور قوت ایمان کی وجہ سے ایسے طاقتور ہیں کہ کفار دل سے مرعوب ہیں اور ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کافروں پر سخت ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ کفار پر بھاری ہیں یعنی ان پر غالب ہیں، چنانچہ زمخشری نے کشاف میں امام ابن حیان نے تفسیر بحر المحیط میں اور قاضی بیضاوی نے اس آیت کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ عربی لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں لکھا ہے کہ اَشِدَّاءُ کا واحد شَدِیْدٌ ہے جس کے معنی ہیں قوی اور طاقتور (لسان العرب جلد ۴ صفحہ ۲۱۸)

خلاصہ کلام یہ کہ ایمان و اسلام درشتی و نرمی دونوں کا تقاضا کرتا ہے اور ہر ایک کا خاص مقام ہے۔

۶۔ تحمل کے ثمرات :۔ تحمل سے حسب ذیل ثمرات و نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۱۔ متحمل مزاج آدمی راحت و سکون کی زندگی بسر کرتا ہے۔ بخلاف ازیں مغلوب الغضب آدمی ہر وقت جھگڑتا رہتا ہے۔

Marfat.com

۲۔ غصہ کو قابو میں رکھنا عین تعمیل حکم خداوندی ہے۔

۳۔ جو شخص تحمل و حلم کے اوصاف سے بہرہ ور ہے وہ اسوۂ رسول پر عمل کرتا ہے۔

۴۔ حلیم و بُردبار آدمی کسی حد تک خدا کی صفت حلم سے بہرہ یاب ہے۔

۵۔ متحمل مزاج انسان انبیاء عظام مثلاً حضرت ابراہیم و اسماعیل کی صفت خصوصی سے موصوف ہے۔

۶۔ تحمل استقلال طبع عزم راسخ اور عالی ظرفی و بلند حوصلگی کا مظہر ہے۔

۷۔ تحمل کی صفت اشاعت دین کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اور اسوۂ انبیاء ہے۔

۸۔ حلیم طبع آدمی زندگی کے ہر میدان میں کامیاب ہوتا ہے۔

۹۔ جلد بازی سے کام بگڑ جاتے ہیں۔ جو کام سوچ بچار اور تحمل سے انجام دیئے جائیں وہ کامیاب اور مفید ثابت ہوتے ہیں۔

سوالات

۱۔ تحمل کے بارے میں اللہ اور رسول کے فرمودات قلمبند کیجئے۔

۲۔ تحمل کی ضرورت و اہمیت واضح کیجئے۔

۳۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس حد تک تحمل کا عملی نمونہ پیش کیا۔

۴۔ تحمل کی حدود کیا ہیں؟

۵۔ تحمل کے بارے میں تین احادیث نبویہ کا خلاصہ لکھیے۔

Marfat.com

باب ۷

تقویٰ

تقویٰ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

تقویٰ وَقٰی یَقِی وِقَایَۃ سے اسم ہے۔ دراصل وَقْیاً تھا۔ ابتدائی "واو" کو تاء سے اور یا کو واؤ سے بدل دیا۔ یہ مادہ عربی زبان میں ان معانی کے لئے مستعمل ہے۔

۱۔ نگرانی کرنا
۲۔ بچانا
۳۔ حفاظت کرنا
۴۔ پرہیز کرنا
۵۔ ڈرنا (قاموس وصراح)

یہ تقویٰ کا لغوی مفہوم ہے۔ شرعی اصطلاح میں تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے۔ جس کی بناء پر نیک اعمال انسان سے بسہولت صادر ہوتے جائیں اور بُرے کاموں کے خلاف دل میں نفرت وحقارت کے جذبات موجزن ہوں۔

دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ تقویٰ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے۔ جس کی بناء پر ہر کام میں خدا کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اس سے سرمو مخالفت کرنے سے شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے صحابی سے تقویٰ کی حقیقت دریافت کی انہوں نے کہا۔ آپ خود ہی بتایئے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر تمہیں خاردار جنگل سے گذرنا پڑے تو کس

Marfat.com

طرح گذرتے ہو؟ انہوں نے کہا احتیاط سے کپڑے سمیٹ کر۔ آپ نے فرمایا۔ اسی کا نام تقویٰ ہے۔ دُنیوی زندگی ایک خار دار جنگل ہے۔ جس میں قدم قدم پر کانٹے دامن پکڑنے کے لئے موجود ہیں۔ اگر کوئی شخص سمٹ سمٹا کر اس میں سے گذر جائے تو وہ متقی ہے۔

تقویٰ کی تعریف میں اکابرِ سلف کے یہ اقوال قابلِ ملاحظہ ہیں :۔

۱۔ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں۔ متقی وہ شخص ہے جو شرک اور کبائر و فواحش سے پرہیز کرتا ہو۔ (خازن)

۲۔ شہر بن حوشب فرماتے ہیں۔ متقی وہ شخص ہے جو گناہوں سے ڈرتے ہوئے مباحات سے بھی کنارہ کش ہو جاتے۔ (معالم للبغوی)

۳۔ عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے کہ ادائے فرض اور ترکِ محرمات کو تقویٰ کہتے ہیں۔ (معالم)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھنے کا نام تقویٰ ہے۔

۵۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ تقویٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو کہتے ہیں۔ (معالم التنزیل للبغوی)

تقویٰ کے متعلق اکابر علماء کی رائے

اب زمانۂ حال کے بعض اکابر علماء کے ارشاداتِ عالیہ تقویٰ کے بارے میں درج کیے جاتے ہیں :۔

علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں۔

"تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد دل کو گناہوں سے جھجک معلوم ہونے لگتی ہے اور نیک کاموں کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔ روزہ کا مقصود یہ ہے کہ انسان کے اندر یہی کیفیت پیدا ہو۔ بات یہ ہے کہ انسانوں کے دلوں میں گناہوں کے خیالات اکثر حیوانی قوت کی افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔ روزہ انسان کے ان جذبات کی شدت

Marfat.com

کو کمزور کر دیتا ہے۔" (سیرۃ النبیؐ جلد پنجم صفحہ ۲۱۱)

مولانا عبدالماجد دریاآبادی فرماتے ہیں۔

"تقویٰ نفس کی ایک مستقل کیفیت کا نام ہے۔ جس طرح مُضر غذاؤں اور مضر عادتوں سے پرہیز کرنے سے جسمانی صحت دُرست ہو جاتی ہے اور مادّی لذتوں سے لُطف و انبساط کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ بھوک خوب لگتی ہے۔ خون صالح پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح دنیوی زندگی میں تقویٰ اختیار کرنے سے عالمِ آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کی صلاحیت واستعداد انسان میں پوری طرح پیدا ہو کر رہتی ہے۔" (تفسیر ماجدی)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں۔

"تقویٰ نفس کی اس کیفیت کا نام ہے جو خدا ترسی اور احساسِ ذمہ داری سے پیدا ہوتی ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ بندہ ہونے کا شعور ہو۔ خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری و جوابدہی کا احساس ہو، اور اس بات کا زندہ ادراک ہو کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے جہاں خدا نے کچھ عمر دے کر مجھے بھیجا ہے۔ آخرت میں میری نجات کا فیصلہ اس بات پر منحصر ہے کہ میں اس امتحان گاہ میں اپنی قوتوں اور قابلیتوں کو کس طرح استعمال کرتا ہوں۔ ان بے انتہا سامانوں پر کس طرح تصرف کرتا ہوں۔ جو خدا نے مجھے دیئے ہیں اور ان انسانوں کے ساتھ کیسا معاملہ کرتا ہوں۔ جن سے میری زندگی متعلق ہے۔ یہ احساس و شعور جس شخص میں پیدا ہو جائے۔ اس کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے۔ اس کی دینی حس تیز ہو جاتی ہے۔ اس کو ہر وہ چیز کھٹکنے لگتی ہے جو خدا کی رضا کے خلاف ہو۔ اس کا احساس فرض اسے مجبور کرتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے تمام حکموں کو پوری فرمانبرداری سے بجالائے۔ اس کی خدا ترسی اس موقع پر اس کے قدموں میں لغزش پیدا کر دیتی ہے۔ جہاں حدود اللہ سے تجاوز کا اندیشہ ہو۔ اس خیال سے بھی اس کا ضمیر

Marfat.com

کانپ اٹھتا ہے کہ کہیں اس سے کوئی بات حق کے خلاف سرزد نہ ہو جائے۔"
(تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں صفحہ ۳۹-۴۰)

تقویٰ کی اہمیّت

اسلامی عبادات کی تین بڑی قسمیں ہیں:۔
۱۔جسمانی عبادات ۲۔ مالی عبادات ۳۔قلبی عبادات۔
۱۔جسمانی عبادات وہ ہیں جن کا تعلق انسانی جسم و جان کے ساتھ ہے۔ نماز، روزہ، حج اور دیگر تمام عبادات جو جسمانی اعضاء کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں جسمانی عبادات کہلاتی ہیں۔ ۲۔ زکوٰۃ اور صدقات و خیرات کو مالی عبادات کہا جاتا ہے۔ ۳۔عبادات کی تیسری قسم کا تعلق تمام تر قلبی احوال اور نفس کی اندرونی کیفیت سے ہے۔ قرآنِ کریم میں کثرت سے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ تقویٰ۔ اخلاص۔ توکل۔ صبر اور شکر قلبی عبادات میں شامل ہیں۔

یہ وہ عبادات ہیں جو اسلام کی روح اور ہمارے تمام اعمال کا اصلی جوہر ہیں جن کے الگ کر دینے سے وہ عباداتِ پنجگانہ بھی جن پر اسلام نے اس قدر زور دیا ہے جسدِ بے روح بن جاتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ دل کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین کیفیت کا نام ہے جو تمام نیکیوں کی محرک ہے اور وہی مذہب کی جان اور دینداری کی رُوح ہے۔

تقویٰ کی جامعیّت

۱۔پوری اسلامی شریعت کا خلاصہ ہم صرف ایک لفظ میں بیان کرنا چاہیں تو اس کو تقویٰ سے ادا کر سکتے ہیں۔ اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد اپنے ہر عمل کے قالب میں اس تقویٰ کی رُوح پیدا کرنا ہے۔ قرآنِ حکیم نے سورۂ بقرہ کے آغاز میں اعلان کیا ہے کہ اس کی تعلیمات سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو تقویٰ کی صفت سے بہرہ ور ہوں۔ ارشادِ خداوندی ہے
۱۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (بقرہ-۱) قرآن تقویٰ والوں کو راہ دکھاتا ہے۔
تمام اسلامی تعلیمات کی غرض و غایت اسی تقویٰ کا حصول ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی

Marfat.com

رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ)

عبادت کرو۔ جس نے تم کو اور تمہارے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

۳۔ روزہ کی غرض بھی تقویٰ کا حصول ہے۔ قرآن میں فرمایا :۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ)

تم پر روزہ اسی طرح فرض کیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔

۴۔ حج کا مقصد بھی تقویٰ ہے۔ قرآن میں ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (سورہ حج۔۴)

اور جو حج کے شعائر کی عزت کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔

۵۔ قربانی بھی تقویٰ ہی کے لئے ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (سورہ حج ۵)

خدا کے پاس قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا لیکن تمہارا تقویٰ اس کو پہنچتا ہے۔

۶۔ تقویٰ بہترین توشہ ہے۔ فرمایا :۔

فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (بقرہ۔۲۵)

سب سے اچھا زادِ راہ تقویٰ ہے۔

۷۔ تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے۔ ارشاد باری ہے :۔

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (اعراف۔۳۰)

اور تقویٰ کا لباس سب سے اچھا ہے۔

۸۔ اُخروی نعمتیں تقویٰ والوں کو ملیں گی۔

Marfat.com

"اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِیْمٍ" (سورہ طور-۱) بے شک تقویٰ والے باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ (ذاریات-۱) بے شک تقویٰ والے باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔

۹۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے قوم اور قبیلہ موجب فخر و مباحات نہیں بلکہ عظمت و فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ سورہ حجرات-۱۸ تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر لاکھوں انسانوں کے سامنے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اے لوگو! خوب سن لو کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کسی قسم کی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اگر کسی کو فضیلت حاصل ہے تو صرف تقویٰ کے سبب۔ (صحیح بخاری)

ایک مرتبہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے زیادہ معزز کون ہے۔ فرمایا جو ان میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے (صحیح مسلم)

۱۰۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل تقویٰ اللہ کے محبوب ہیں۔ فرمایا:۔

اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (تقویٰ والے ہی خدا کے دوست ہیں) (الانفال-۳۴)

نیز فرمایا:۔

وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ۔ (الجاثیہ-۱۹) اور اللہ تقویٰ والوں کا دوست ہے۔

Marfat.com

تقویٰ کے درجات

علامہ نے تقویٰ کے تین درجات بیان کئے ہیں :-

۱- ادنیٰ ۲- اوسط ۳- اعلیٰ

۱- ادنیٰ درجہ کا تقویٰ ایمان ہے جو عذابِ جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

۲- اوسط درجہ کا تقویٰ یہ ہے کہ صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کیا جائے اور کبائر سے پوری طرح اجتناب کیا جائے۔

۳- اعلیٰ درجہ کا تقویٰ یہ ہے کہ ہر اس کام سے پرہیز کیا جائے جو انسان کے دل کو خدا سے غافل کر دے۔ یہ تقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے اور خدا کے خاص بندے اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

اہلِ تقویٰ کی پہچان

مذکورہ صدر آیات و احادیث سے واضح ہوا کہ تقویٰ ہی اسلامی تعلیمات کی اصل غرض و غایت اور دینِ اسلام کی رُوح ہے۔ دین و دنیا کی تمام نعمتیں اہلِ تقویٰ ہی کے لئے ہیں۔ اس کے ساتھ قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ اہلِ تقویٰ کون ہیں اور ان کے خصوصی اوصاف کیا ہیں۔ سورۂ الزّمر میں فرمایا :-

"اور جو سچائی لے کر آیا اور اس کو سچ مانا وہی لوگ ہیں تقویٰ والے۔ ان کے لئے ان کے ربّ کے پاس وہ سب کچھ ہے۔ جو وہ چاہیں یہ ہے بدلہ نیکی والوں کا۔" (سورہ زمر - ۴)

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ والا وہ ہے جو اپنی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر کام کے ہر پہلو میں سچائی لے کر آئے اور اس اُبدی سچائی کو مانے۔ وہ کسی کام میں ظاہری فائدہ فوری ثمرہ مال و دولت اور جاہ و عزت کے نقطہ پر نہیں بلکہ سچائی کے ہر پہلو پر نظر رکھتا ہے اور خواہ بظاہر اس کا کسی قدر نقصان ہو مگر وہ سچائی اور راست بازی کے راستہ سے بال بھر ہٹنا نہیں چاہتا۔ سورۂ بقرہ میں اہل تقویٰ کی تفصیلی خصوصیات بیان کیں۔ جس سے تقویٰ والوں کے خدوخال بہت اچھی طرح سامنے آجاتے ہیں۔ ارشاد ہو

لیکن نیکی یہ ہے کہ جو خدا پر اور روزِ قیامت پر کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لایا۔

Marfat.com

اور مال کی محبت کے باوجود اسے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں پر اور غلام کو آزاد کرنے میں خرچ کیا اور نماز پڑھی اور زکوٰۃ دی اور وہ جو وعدہ کر کے اپنے وعدہ کو پورا کرنے والے ہیں اور سختی تکلیف اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں یہی ہیں جنھوں نے اپنے عہد کو سچ کر دکھایا اور یہی لوگ متقی ہیں۔ (سورہ بقرہ - ۲۲)

اس آیت کی رُو سے ثابت ہوا کہ اہلِ تقویٰ مندرجہ ذیل صفات کے حامل ہوتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالےٰ روزِ قیامت رسولوں، فرشتوں اور آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتا ہو ۲۔ خدا کے عطا کردہ مال میں سے یتیموں، مسکینوں اور عزیز و اقارب کو دیتا ہو۔ ۳۔ نماز پڑھتا ہو اور زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔ ۴۔ وعدہ پورا کرنے کا خوگر ہو ۵۔ حوادث و آلام اور حرب و پیکار میں صبر کرتا ہو۔

تقویٰ کے ثمرات و نتائج

تقویٰ دراصل تمام نیکیوں کی بنیاد اور اصل الاصول ہے۔ تقویٰ سے مندرجہ ذیل آثار و نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

۱۔ عبادات میں خلوص اور خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے (سورۂ بقرہ)

۲۔ دل میں خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

۳۔ انسان حقوق و فرائض سے آگاہ ہوتا ہے۔ حلال حرام کو پہچاننے لگتا ہے۔ (بخاری و مسلم) ۴۔ جن چیزوں کا حلال یا حرام ہونا شریعت سے معلوم نہیں۔ صاحبِ تقویٰ ایسی مشکوک اشیاء سے بھی کنارہ کش رہتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۵۔ تقویٰ سے دوسروں کے حقوق کے تحفّظ و نگہداشت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم میں متقین کی تعریف بیان کی گئی ہے کہ ان کے مالوں میں سائل اور نادار آدمی کا حق ہے۔ (الذاریات ــــ ۱۹)

۶۔ تقویٰ سے بہرہ ور ہو کر انسان عدل و انصاف کے تقاضوں پر عمل کرنے لگتا ہے۔ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ - ۸)

Marfat.com

۷۔ تقویٰ سے انسان میں ایفاءِ عہد کا وصف پیدا ہوتا ہے۔ عہد شکنی تقویٰ کے منافی ہے۔ (سورۃ انفال)

بطور مشتے نمونہ از خروارے تقویٰ کے چند خصائص کا ذکر کیا گیا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ تقویٰ ایک جامع وصف ہے جو دینِ اسلام کے تمام حقوق و فرائض اور واجبات سُنن سے لے کر مستحبات تک کو شامل ہے اور اس کی معنوی وسعت سے نیکی کا کوئی کام خارج نہیں۔ قرآنِ کریم نے یہ کہہ کر تقویٰ کی مدح و منقبت پہ مہر ثبت کر دی کہ :

وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ (زخرف - ۳۵)
اور آخرت تیرے پروردگار کے نزدیک تقویٰ والوں کے لئے ہے۔

اس آیت سے یہ حقیقت روشن ہوئی کہ کامیاب اُخروی زندگی صرف انہی لوگوں کی ہوگی جو تقویٰ سے بہرہ یاب ہوں گے۔

تقویٰ کی حد

تقویٰ کی حد یہ ہے کہ آدمی مشکوک چیزوں سے پرہیز کرے۔ ایسا نہ ہو کہ تقویٰ کے زعم میں حلال اور مباح چیزوں کو بھی اپنے اوپر حرام کرے۔ اسی کو قرآن میں رہبانیت کا نام دیا گیا ہے۔ اسلام میں رہبانیت کی اجازت نہیں۔ عہدِ رسالت میں جب چند صحابہ نے ترکِ دنیا اور تجرد کا ارادہ کیا تو آپ نے انہیں سختی سے روکا اور فرمایا۔ میں سردارِ انبیاء ہوں اور اس کے باوجود لوازمِ حیات کو ترک نہیں کر رہا۔ لہٰذا تقویٰ کی حد یہ ہے کہ نہ صرف محرمات بلکہ مشتبہات سے بھی پرہیز کیا جائے مگر مباحات کو کسی حال میں بھی حرام قرار نہ دیا جائے۔

سوالات

۱۔ تقویٰ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم نیز اس کی حقیقت بیان کیجئے؟

۲۔ تقویٰ سے انسانی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ تقویٰ کے آثار و نتائج بیان کیجئے؟

۳۔ اہلِ تقویٰ کے خصوصی اوصاف کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کیجئے۔

۴۔ جنتیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے کن نعمتوں کا وعدہ کیا ہے؟

Marfat.com

ذِکر

ذِکر — ذِکر عربی زبان میں ذَکَرَ یَذْکُرُ کا مصدر ہے۔ ذکر کے معنی ہیں یاد کرنا۔ بھولی ہوئی چیز کی یاد تازہ کرنا۔ اسے بار بار ذہن میں لانا۔ شرعی اصطلاح میں ذکر سے اللہ تعالٰے کو یاد کرنا مراد ہے۔ ذکر کے مقابل غفلت کا لفظ ہے۔

ذِکر کی فضیلت و اہمیّت — انسان ہمیشہ اس چیز کو یاد کرتا ہے جس سے گہرا لگاؤ ہو۔ قلبی رابطہ ہو اور کسی صورت میں اسے فراموش کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ یہ قلبی رابطہ و تعلق مختلف وجوہ و اسباب کی بناء پر ہو سکتا ہے۔ یہ محرکات اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور بُرے بھی۔ ایک مومنِ کامل کی دلی محبت اور مخلصانہ الفت و مؤدّت صرف ذاتِ باری تعالٰے سے ہو سکتی ہے۔ بلاشک محبتِ دنیوی اشیاء مثلاً بیوی بچوں زر و مال بہن بھائیوں اور دیگر عزیز و اقارب سے بھی ہوتی ہے اور یہ محبت غیر شرعی بھی نہیں بلکہ عین موافقِ مذہب و ملّت ہے اور انسان اکثر ان کو یاد بھی کرتا رہتا ہے۔ مگر ایک مومن کامل کا جو خصوصی رابطہ ذاتِ باری تعالٰے کے ساتھ ہوتا ہے۔ دنیا کی کسی چیز سے نہیں ہوتا۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (مومن کو سب سے زیادہ محبت خدا سے ہوتی ہے)

حُبِّ خداوندی کا تقاضا ہے کہ ذکرِ الٰہی ہر لمحہ وردِ زبان رہے۔ سالارِ انبیاءؑ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

کَانَ یَذْکُرُ اللّٰهَ فِیْ کُلِّ اَحْیَانِهٖ (آپ ہر لمحہ خدا کو یاد کیا کرتے تھے)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں مومنین کے اوصاف گنائے ہیں وہاں فرمایا :-

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (آل عمران - ۱۹۱)

(مومن وہ ہیں جو کھڑے ہوئے بیٹھے اور لیٹنے کی حالت میں خدا کو یاد کرتے ہیں)

محبت کی تحریک جانبین سے ہوتی ہے ۔ جب بندہ خدا کو یاد کرتا ہے تو دوسری جانب سے اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتے ہیں ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ۔

وَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ (سورہ بقرہ - ۱۵۲)

(مجھے یاد کرتے رہو ۔ میں بھی تمہیں یاد کرتا رہوں گا)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی فرماتے ہیں ۔

" بندہ کا اپنے مالک کو یاد کرنا یہی ہے کہ اس کی بتلائی ہوئی راہ پر ہمت اور شوق سے چلتا رہے ۔ یہ یادِ الٰہی کسی خاص وقت کے ساتھ محدود و مقید نہیں ۔ لکھتے پڑھتے بولتے، چلتے، سوتے، جاگتے سب حالتوں میں رضائے الٰہی کو مقدم رکھنا، یہی بندہ کی طرف سے یادِ الٰہی ہے ۔ ابوبکر جصاص رازی نے ذکر سے آیاتِ الٰہی اور اوران کی عظمت و قدرت میں "تفکر" مراد لیا ہے اور اس کو سب اذکار سے افضل اور ان کی اصل قرار دیا ہے ۔"

اللہ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا یہی ہے کہ ان پر دنیا و آخرت دونوں میں اپنے خصوصی فضل و کرم کی بارش کرتا رہے ۔ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ بندہ ادھر یادِ الٰہی میں لگا ہے تو اُدھر سے بھی سرفرازی ہوتی رہے گی ۔

بندہ کے ذکرِ الٰہی کا یہی اصل ثمرہ اور انعام ہے ۔ اگر ذہن کے سامنے وہ موجود رہے تو ذکر نے والے کو نہ کبھی تشویش ہو اور نہ بے حاصلی کی شکایت پیدا ہو (ماجدی)

قرآن کریم میں ذکر الٰہی کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (سورہ احزاب - ۴۱)

(اے ایمان والو خدا کو بہت بہت یاد کرو)

Marfat.com

جنگ کے موقع پر جہاں جان کے لالے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ذکر الٰہی کا حکم دیا۔ سورۂ انفال میں فرمایا۔

" اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ کسی فوج سے ہو جائے تو جم جاؤ اور اللہ کو خوب یاد کرو۔"

ذکر کی اہمیت و افضلیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ (یادِ الٰہی بہت بڑی چیز ہے)

(سورۂ عنکبوت۔ ۴۵)

مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

" اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے نماز اور جہاد وغیرہ سب عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو عبادت ایک جسدِ بے روح اور لفظِ بے معنی ہے۔ خدا کے ذکر سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ اصلی فضیلت اسی کی ہے۔ عارضی اور وقتی طور پر کوئی عمل خدا کے ذکر پہ سبقت لے جائے تو دوسری بات ہے لیکن غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اس عمل میں بھی فضیلت ذکرِ الٰہی کی بدولت آئی ہے"۔

ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے اور اس سے غفلت نہ برتنے کو علامتِ ایمان قرار دیا۔ سورۂ نور میں فرمایا:۔

" مومن وہ لوگ ہیں کہ ان کو اللہ کی یاد اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی۔" (سورہ نور رکوع۔ ۵)

ایک مرتبہ غریب مہاجرین کی ایک جماعت سالارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئی کہ دولت مند جنت کے بلند درجات حاصل کرنے میں ہم سے سبقت لے گئے جیسے ہم نمازیں پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں۔ جیسے ہم روزے رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں۔ مگر ان کے پاس فالتو مال ہے جس سے وہ حج و عمرہ کرتے ہیں جہاد کرتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں ایسی چیز نہ

Marfat.com

بتاؤں جس کی بناء پر تم ان کے برابر ہو جاؤ۔ بعد میں آنے والوں سے بڑھ جاؤ اور تم سے افضل صرف وہی شخص ہو جو تمہاری طرح اس پر عمل کرے؟ صحابہ نے عرض کی۔ ہاں! آپ نے فرمایا۔ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھا کرو۔ چند روز بعد یہ صحابہ پھر حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دولت مندوں نے ہمارا ذکر سن لیا اور اب وہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ حضورؐ نے جواب دیا۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے عطا کر دے۔ (بخاری و مسلم)

ذکر کے درجات

ابتداء میں ذکرِ خداوندی ایک فریضہ کے طور سے کیا جاتا ہے۔ اگر آدمی اس پہ کاربند رہے اور باقاعدگی سے ادا کرتا رہے تو یہ اس کی طبیعت میں راسخ ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ زبان سے ذکر نہ بھی کرے تو اس کا دل ذکرِ الٰہی سے معمور رہتا ہے۔ امام غزالیؒ نے ذکر کے چار درجات بیان کئے ہیں۔

۱۔ صرف زبان سے ذکر کرنا ۲۔ دل پہ جبر کر کے اسے ذکر کا خوگر بنانا۔ ۳۔ دل میں ذکرِ خداوندی اس حد تک پختہ ہو جائے کہ بلا تکلف زبان پہ جاری رہے ۴۔ دل ذکرِ الٰہی میں اس حد تک مشغول ہو جائے کہ اپنے آپ کی خبر نہ رہے۔ صوفیہ کی اصطلاح میں اس کا نام استغراق ہے۔ یہ ذکر کے چار درجے ہیں۔ پہلے تین درجے اس کے لئے مقدمہ و تمہید کا کام دیتے ہیں۔

مجالسِ ذکر کی فضیلت

متعدد احادیثِ نبویہ میں مجالس ذکر کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ چند احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ چند آدمی جس مجلس میں بیٹھ کر یادِ الٰہی میں مصروف ہوں تو فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں۔ رحمتِ خداوندی ان پر چھا جاتی ہے اور اللہ تعالٰی آسمانی مخلوقات میں ان کو یاد کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف)

۲۔ جب چند آدمی رضائے الٰہی کے لئے کسی مجلس میں بیٹھ کر یادِ خدا کرتے ہیں تو

Marfat.com

ایک منادی کرنے والا آسمان سے پکارتا ہے۔ تمہیں بخش دیا گیا اور تمہارے گناہ نیکیوں میں تبدیل کر دیئے گئے۔ (احمد ابو یعلیٰ و طبرانی بسندِ ضعیف)

۳۔ جب لوگ کسی مجلس میں بیٹھ کر نہ خدا کو یاد کرتے ہوں نہ آنحضور پر درود بھیجتے ہوں تو بروزِ قیامت انہیں حسرت و ندامت کا سامنا ہوگا۔ (ترمذی)

۴۔ داؤد علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔

"بار خدایا! جب میں تمہیں یاد کرنے والوں کی مجلس کو ترک کر کے غافلوں میں بیٹھنے لگوں تو میرے پاؤں توڑ ڈال کہ میں وہاں تک پہنچ نہ سکوں۔ یہ احسانِ عظیم ہوگا۔" (احیاء علوم الدین للغزالی)

۵۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بازار گئے تو لوگوں کو دیکھ کر کہا۔ "تم یہاں بیٹھے ہو اور ادھر مسجدِ نبوی میں نبی کریم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگ والہانہ بھاگ کر مسجد نبوی پہنچے تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ ابوہریرۃؓ سے بولے "وہاں تو میراث وغیرہ کچھ بھی نہیں"۔ ابوہریرۃؓ نے فرمایا "پھر تم نے وہاں کیا دیکھا ہے" کہنے لگے چند آدمی وہاں یادِ الٰہی میں مشغول تھے اور قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔ ابوہریرہ نے فرمایا۔ "وہی میراثِ رسولؐ ہے"۔ (طبرانی فی المعجم الصغیر)

ذکرِ فضیلت میں چند آثار

۱۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ "ہمیں یہ حدیثِ قدسی پہنچی ہے کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔" اے میرے بندے نمازِ فجر اور عصر کے بعد تھوڑی دیر تک مجھے یاد کر لیا کرو۔ تمہارے لئے بس اتنا ہی کافی ہے"۔ (احیاء للغزالی)

۲۔ بعض علماء کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ میں بندے کے دل کو جھانک کر دیکھتا ہوں۔ جب مجھے وہاں یادِ خدا کا غلبہ نظر آتا ہے تو میں اس کے سارے کاموں کا کفیل بن جاتا ہوں اور اس کی ہم نشینی اور ہم کلامی اختیار کرتا ہوں۔ (احیاء للغزالی)

۳۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ذکر کی دو قسمیں ہیں ۱۔ ایک

Marfat.com

وہ ذکر جس کا تمہارے اور اللہ کے سوا کسی کو علم نہ ہو۔ اس کا اجر بہت بڑا ہے۔
۲۔ ذکر کی دوسری قسم یہ ہے کہ بندہ جب محرمات کو دیکھے تو اُسے خدا یاد آ جائے۔ یہ سب افضل ذکر ہے۔ (احیاء) ۴۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اہل جنت کو سب سے زیادہ حسرت و ندامت اس لمحہ پر ہو گی جو خدا کو یاد کئے بغیر گذر گیا ہو۔ (احیاء علوم الدین للغزالی)

ذکر کے آداب واقسام

قرآنِ کریم میں ذکرِ الٰہی کا طریقہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ۔

اور اپنے رب کو اپنے جی میں گڑگڑاتے اور ڈرتے ہوئے یاد کرتا رہ اور اسے دھیمی آواز سے صبح و شام یاد کر اور غافلوں سے نہ ہو

(سورہ اعراف - ۲۰۵)

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں

" اس آیت میں ذکرِ الٰہی کا طریقہ بیان فرمایا۔ ذکرِ الٰہی کی اصل روح یہ ہے کہ جو زبان کہے دل سے اس کی طرف دھیان رکھے تاکہ ذکر کا پورا نفع ظاہر ہو اور زبان و دل دونوں خدا کی یاد میں مشغول ہوں۔ ذکر کرتے وقت دل میں نرمی ہونی چاہئے۔ سچی رغبت سے خدا کو پکارے جیسے کوئی خوشامد کرنے والا ڈرا ہوا آدمی خدا کو پکارتا ہے ذکر کرنے والے کے لہجہ میں آواز میں اور ہیئت میں عجز و نیاز کا رنگ محسوس ہونا چاہئے۔ خدا کی عظمت و جلال سے آواز کا پست ہونا قدرتی چیز ہے۔ اسی لئے زیادہ چلانے کی ممانعت آئی ہے۔ دھیمی آواز سے سرًا یا جہرًا خدا کا ذکر کرے۔ پھر اس سے زیادہ عاشق کی خوش قسمتی اور کیا ہے "

اس آیت سے مندرجہ ذیل اُمور واضح ہوئے :۔

۱۔ ذکر کرتے وقت زبان کے ساتھ دل بھی متوجہ ہو۔ ۲۔ ذکر کرتے وقت دل

Marfat.com

میں رقت ہونی چاہیئے۔ ۳۔ ذکر کرنے والے کے دل میں درشتی اور کرختگی نہ ہو بلکہ دھیمی آواز سے ذکر کیا جائے۔ ۴۔ صبح و شام کے اوقات میں خصوصاً ذکر خداوندی بجا لائے۔

خدا کی یاد کا سب سے اہم طریق نماز ہے۔ یہ عمل بارگاہِ ربانی میں سب سے زیادہ مقبول اور قرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ تلاوت قرآن بھی بڑا عمدہ ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم کا نام ذکر بھی رکھا۔ یعنی کتاب الٰہی سے اس کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ قرآنِ حکیم کے مطالب و معانی پر غور کیا جائے تو اس کا اجر و ثواب بہت بڑھ جاتا ہے لیکن اس کی تلاوت بھی بیشمار عظمت و فضیلت کی موجب ہے۔ خدا کے حضور میں عجز و انکسار سے دعا کرنا بھی ذکر کی ایک بہترین قسم ہے۔ حدیث میں دعا کو عبادت کا مغز و جوہر کہا گیا ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس لئے آپ پر درود و سلام بھیجنا بہت اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے۔ حدیث میں درود شریف کے فضائل بڑی کثرت سے بیان کئے گئے ہیں۔

اذکارِ مسنونہ کی اہمیت

آیت مذکورہ صدر کے علاوہ ذکر الٰہی میں جس بات کا ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ اذکار و ادعیہ وہی ہوں جو کتاب و سنت میں مذکور ہیں۔ غیر مسنون اذکار بجائے ثواب کے الٹا موجب عذاب ہیں۔ دینِ اسلام عبارت ہے اللہ و رسولؐ کی اطاعت سے جس طرح اس کے احکام و اوامر اپنے قیاس سے گھڑے نہیں جا سکتے۔ اسی طرح اذکار و ادعیہ کا مسنون ہونا بھی ضروری ہے۔ علاوہ ازیں قرآنِ کریم و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اذکار اس کثرت سے بیان کیے گئے ہیں کہ انکی موجودگی میں دوسرے ورد و وظیفہ کی طرف رجوع کرنا قطعی طور پر بے کار ہے۔ سیدھی بات ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کلام کا نکتہ دان اور اثر شناس کون ہو سکتا ہے۔ اسے چونکہ اپنا ذکر بہت مرغوب ہے۔ اس لئے اس نے ذکر کے بعض الفاظ قرآنِ حکیم میں

Marfat.com

اور بعض اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے بیان کر دیئے۔ علمائے سلف نے اذکارِ مسنونہ پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں۔ ان میں سے وہ اذکار معلوم کر لینے چاہیئے۔ جو نبی کریمؐ کے وردِ زبان رہا کرتے تھے۔ سب سے بڑھ کر اوراد و وظائف وہی ہیں۔ غیر مسنون اذکار پر اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ خدا کی یاد کا سب سے اچھا طریقہ فرضی و نفلی نماز ہے۔ قرآن میں ہے۔

"اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ" میرا ذکر کرتے وقت نماز قائم کیجئے

پنجگانہ نمازوں کے علاوہ کچھ نفل نمازیں بھی ہیں جو بندہ اپنے ذوق و شوق سے ادا کرتا ہے۔ ان سے بڑا اجر و ثواب ملتا ہے۔ نفل نمازوں میں افضل ترین نماز تہجد ہے جو نبی کریم عمر بھر ادا کرتے رہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا :۔

"اپنے رب کا نام صبح و شام پکارو اور راتوں کو اس کے حضور سجدہ ریز ہو اور رات کا ایک لمبا حصہ اس کی تسبیح میں گذار دو۔" (سورۂ دہر رکوع ۲)

ذکر کے ثمرات و نتائج

ذکرِ الٰہی مندرجہ ذیل فوائد و منافع کا موجب ہے ۱۔ بارگاہِ خداوندی میں قرب و قبولیت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن میں فرمایا :۔

"فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ" (سورہ بقرہ رکوع ۱۸) تم میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔

۲۔ دل میں عاجزی اور خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے :۔

اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (سورہ حج رکوع ۵) جب اللہ کو یاد کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔

۳۔ ذکرِ الٰہی سے حصولِ مقاصد کی تمام راہیں کھل جاتی ہیں۔ فرمایا :۔

وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (سورہ جمعہ رکوع ۲) (اللہ کو یاد کرو۔ تاکہ تم کامیابی حاصل کرو)

۴۔ ذکرِ الٰہی سے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا :۔

Marfat.com

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (سورہ رعد رکوع ۴) (خدا کی یاد سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے)

دورِ حاضر میں مادی لوازمِ حیات کی فراوانی ہے۔ عیش و عشرت میں جس قدر اضافہ ہوا ہے۔ حقیقی سکون و اطمینان میں اسی قدر کمی آتی گئی ہے۔ دولت کی افراط انسان کو ذہنی و قلبی سکون مہیا کرنے سے قاصر رہی ہے۔ موجودہ دور میں اعصابی امراض میں بھی بہت اضافہ ہوا ہے۔ جن کے علاج سے اطبّاء تقریباً عاجز آچکے ہیں۔

آیت زیرِ تبصرہ میں بتایا گیا ہے کہ اعصابی امراض اور قلبی اضطراب کا علاج ذکرِ الٰہی ہے۔ ذکر سے دل کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ یہ قوت سب قوتوں کا سرچشمہ ہے بلکہ حقیقی زندگی ذکر ہی کے دم سے ہے۔

۵۔ ذکرِ الٰہی سے روگردانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی معیشت ضائع ہوجاتی ہے۔ ارشاد ہوا۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (سورہ طٰہٰ) (جس نے میری یاد سے روگردانی کی اس کی معیشت تنگ ہوجائے گی)

۶۔ ذکرِ الٰہی سے منہ پھیرنے والا بروزِ قیامت نابینا اُٹھے گا۔

وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (سورہ طٰہٰ) (اور ہم اُن کو قیامت کے دن نابینا اٹھائیں گے)

۷۔ ذکرِ الٰہی سے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ قرآن میں فرمایا۔

"متقی وہ لوگ ہیں اگر ان سے بُرا کام سرزد ہوجائے یا کوئی گناہ کرکے اپنی جان پر ظلم کریں تو خدا تعالےٰ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور گناہوں کو اللہ کے سوا اور کون معاف کرسکتا ہے؟" (سورۂ آل عمران رکوع ۱۴)

۸۔ یادِ الٰہی توشۂ جنت ہے۔ جو لوگ اللہ تعالےٰ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو جنت عطا کرتا ہے قرآن میں ارشاد ہوا۔" جو مرد اور عورتیں

Marfat.com

اللہ تعالےٰ کو یاد کرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔ (سورۂ احزاب)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ (جب تمہارا گذر بہشت کے باغات
فَارْتَعُوْا ۔ (مشکوٰۃ شریف) پر ہو تو پھل چنا کرو)

جب صحابہؓ نے آنحضورؐ سے اس کی وضاحت چاہی تو آپ نے فرمایا۔ باغات مساجد ہیں اور پھل چننے سے مراد ذکرِ الٰہی ہے۔

سوالات

۱۔ ذکر کی فضیلت و اہمیت قرآن کریم کی روشنی میں واضح کیجیے۔
۲۔ ذکر کی اہمیت احادیثِ نبویہ سے ثابت کیجیے۔
۳۔ ذکر کے ثمرات و فوائد بیان کیجیے۔
۴۔ ذکر کے آداب و اقسام قلم بند کیجیے۔
۵۔ ذکر سے روگردانی کرنے والے کس سزا کے مستوجب ہوں گے؟

Marfat.com

باب ۹

شُکر

شُکر کا لغوی مفہوم لفظِ شکر عربی زبان میں چند معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ۱۔ اظہارِ احسان مندی کرنا۔
۲۔ اگر شکر کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس کے معنیٰ اجر دینا اور جزا دینا ہوں گے۔
۳۔ شکور تھوڑے چارہ پر صبر کرنے والا گھوڑا جو چارہ کم کھانے کے باوجود موٹا تازہ رہے۔ ۴۔ دودھ دینے والے جانور کے تھنوں کا دودھ سے بھر جانا ۵۔ بخل کے بعد سخاوت پر اُتر آنا ۶۔ بارش سردی اور ہوا کا تیز ہو جانا۔

(القاموس المحیط جلد اوّل)

شکر کا اصطلاحی مفہوم شرعی نقطۂ نظر سے محسنِ حقیقی (ذاتِ باری تعالیٰ) کے بے پایاں انعامات کا دل زبان اور اعضاء سے اعتراف کرنے کو شکر کہتے ہیں اور شکر کے مقابلے میں کفر کا لفظ بولا جاتاہے۔ جس کے لغوی معنیٰ چھپانا ہیں۔ کفرانِ نعمت کا لفظ اسی سے بنایا گیاہے۔ جس کے معنیٰ ہیں نعمت کا شکریہ ادا نہ کرنا۔ کفر وہ لفظ ہے جس سے زیادہ بُرا لفظ اسلام کے لغت میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لاتعداد احسانات کو فراموش کرکے دل سے ان کا اعتراف نہ کرنا۔ زبان سے ان کا اقرار اور عمل سے اپنی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری ظاہر نہ کرنا کفر ہے۔ جو شخص اس کا ارتکاب کرتاہے۔ اس کو کافر کہتے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ جس طرح کفر اسلام کی نگاہ میں بدترین خصلت ہے۔ اس کے بالمقابل شکر سب سے بہتر اور اعلیٰ صفت ہے۔ قرآن پاک میں یہ دونوں لفظ اسی طرح ایک دوسرے کے بالمقابل بولے گئے ہیں۔

Marfat.com

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُورًا (ہم نے انسان کو راستہ بتا دیا۔ اب وہ یا شکر گذار رہے یا ناشکرا)

(سورۂ دہر)

دوسری جگہ فرمایا:-

"لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ" (سورۂ ابراہیم - ۲) (اگر تم نے شکر ادا کیا تو ہم تمہیں اور دیں گے اور اگر ناشکری کی تو بیشک میرا عذاب بہت سخت ہے)

قرآن حکیم میں شکر و کفر کا یہ تقابل اس حقیقت کی آئینہ داری کرتا ہے کہ کفر اللہ تعالےٰ کی لاتعداد نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کا نام ہے تو شکر کی حقیقت اس کے مقابلے میں یہ ہوگی کہ اللہ تعالےٰ کے احسانات اور نعمتوں کی قدر جان کر اس کے احکام کی اطاعت اور دل سے فرماں برداری کی جائے۔

شکر کے مراتب

امام غزالی فرماتے ہیں کہ شکر کے تین درجے ہیں جن کا دارومدار نیت پر ہے۔ وہ مراتب یہ ہیں ۱۔ احسانات خداوندی پر اس کا شکریہ ادا کرنا ۲۔ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو اس بات کی دلیل قرار دینا کہ اس کی مجھ پر نظرِ کرم ہے اور اس بات پر خدا کا شکر ادا کرنا کہ اب وہ مزید فضل کرے گا۔ ۳۔ اس بات پر شکر گذار ہونا کہ اللہ تعالےٰ کی نعمت نے میرے دل میں یادِ الٰہی کو اور تازہ کر دیا ہے۔ میرا دل اس کی طرف اور مائل ہو گیا ہے۔ اس نعمت سے فائدہ اٹھا کر مجھے اللہ تعالےٰ کا مزید قرب حاصل ہوگا۔ (احیاء علوم الدین)

شکر کی فضیلت و اہمیت

اگر انسان آنکھیں کھول کر دیکھے تو اسے معلوم ہوگا کہ اس کا ہر رگ و ریشہ منعمِ حقیقی کے اَن گنت احسانات کے نیچے دبا ہوا ہے۔ احسانات کی حد یہ ہے کہ بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ انسان ایک دفعہ سانس لیتا ہے تو اس سے دو شکر واجب ہو جاتے ہیں۔ ایک اس بات کا شکر کہ تازہ ہوا جسم میں داخل ہوئی اور دوسرے اس احسان کا شکر

Marfat.com

کہ غلیظ ہوا جسم سے خارج ہوتی ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے وہ جسم میں بند ہو جاتی تو انسان کا جینا محال ہو جاتا۔ قرآن کریم میں اسی مضمون کو یوں ادا فرمایا :-

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا۔ (ابراہیم۔ ۳۴) (اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکو گے)

اللہ تعالےٰ نے اپنی نعمتوں کے شکر ادا کرنے کا بار بار تقاضا اس لئے کیا ہے کہ ہم یہ سمجھنے لگیں کہ خدا کے فضل و کرم کے سوا ہم خود بھی ان نعمتوں کے مستحق ہیں۔ حالانکہ ان کے لئے نہ کوئی ہمارا خاندانی استحقاق تھا نہ علمی اور عملی استحقاق۔ جو کچھ ملا اس کے فضل و کرم سے ملا اور جو کچھ ملے گا اسی کی عطا اور بخشش ہو گی۔ انسان ان گنت احسانات خداوندی کو دیکھ کر یہ سمجھنے لگتا ہے کہ مجھ پر اللہ کا احسان نہیں بلکہ یہ فطرت کی عام بخشش ہے۔ جس کے شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ یاد رکھئے کہ یہی وہ بیج ہے جس سے کفر و الحاد کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں اپنی ایک ایک عنایت کو گنوایا ہے۔ اور اس پر شکر ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

دولت و نعمت پانے کے بعد انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ عام انسانوں سے بلند تر ہے اور اس کو جو کچھ ملا ہے وہ اس کا خاندانی حق تھا یا اس کے ذاتی علم و ہنر کا نتیجہ تھا۔ جیسا کہ قارون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا یہی غرور ہے جو ترقی کر کے بخل اور ظلم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ خدا نے انسانوں پر جو نعمتیں اتاری ہیں اور اپنی لگاتار بخششوں سے ان کو نوازا ہے۔ اس سے یہی مقصود ہے کہ وہ اپنے اس محسن کی قدر پہچانیں اور اس کے مرتبہ کو جانیں۔ اس کے حق کو مانیں اور اس کی نعمت و بخشش کا شکر جان و مال سے ادا کریں فرمایا :-

"وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ" (سورہ انفال۔ ۳) (اور اس نے تم کو پاک چیزوں کی روزی دی تاکہ تم شکر کرو۔)

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں فرمایا۔

شَاکِرًا لِّاَنْعُمِہٖ اجْتَبٰہُ (ابراہیم اللہ کے احسانوں اور نعمتوں کا

Marfat.com

وَهَدَاهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (سورہ نحل - ۶) شکر گذار تھا۔ اللہ نے اس کو چن لیا اور اس کو سیدھی راہ دکھائی۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بناء پر مدح فرمائی کہ آپ خداوندی انعامات کے شاکر تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکر ایمان کی جڑ، دین کی اصل اور اطاعت الٰہی کی بنیاد ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے۔ جس کی بناء پر بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی قدر و عظمت کے قولی و عملی اظہار کا داعیہ اُبھرتا ہے۔ اس کا نام شکر ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا۔

اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو خدا تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ تو قدر پہچاننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔ (سورۂ نساء - ۲۰)

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے صرف دو باتیں چاہتا ہے شکر اور ایمان۔ ایمان کی حقیقت معلوم ہے۔ اب رہا شکر تو شریعت میں جو کچھ ہے وہ شکر کے دائرہ میں داخل ہے۔ تمام عبادتیں شکر ہیں۔ بندوں کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کی حقیقت بھی شکر ہی ہے۔ دولت مند اگر اپنی دولت کا کچھ حصہ خدا کی راہ میں دیتا ہے تو یہ دولت کا شکر ہے۔ صاحب علم اپنے علم سے بندگانِ الٰہی کو فائدہ پہنچاتا ہے تو یہ علم کی نعمت کا شکرانہ ہے۔ الغرض شریعت کی اکثر باتیں صرف شکر کی تفصیل ہیں۔ اسی لئے شیطان نے جب خدا سے یہ کہنا چاہا کہ تیرے اکثر بندے تیرے حکموں کے نافرمان ہوں گے تو یہ کہا۔

"وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَهُمْ شَاکِرِیْنَ" (سورۂ اعراف - ۲) (اور تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والا نہ پائے گا)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی جزا کا ذکر کرتے ہوئے اسی لفظ سے یاد فرمایا۔

"وَسَنَجْزِی الشَّاکِرِیْنَ" (آل عمران - ۱۵) (اور ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے)

Marfat.com

اللہ تعالےٰ ان الفاظ میں شریعت کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔

"بَلِ اللّٰہَ فَاعْبُدْ وَکُنْ مِّنَ الشّٰاکِرِیْنَ" (سورۂ زمر۔۷) (بلکہ اللہ تعالےٰ کی بندگی کر اور شکرگزاروں میں سے ہو)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ شکرِ خداوندی کا زندہ پیکر تھی آپ ہمہ وقت ذکر و شکر میں مشغول رہتے۔ راتوں کو اٹھ کر اتنی دیر عبادت میں مصروف رہتے کہ پاؤں مبارک سُوج جاتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات حضورؐ کی یہ حالت دیکھ کر میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپؐ کے لئے تو اللہ تعالےٰ نے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ پھر آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ حضورؐ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا۔

"اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا" (کیا میں اپنے رب کا شکرگزار بندہ نہ بنوں)

آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم شکرِ خداوندی بجالانے کے لئے کثرت سے دعائیں پڑھا کرتے تھے۔ مثلاً کھانا کھانے کی، نئے کپڑے پہننے کی، سونے کی، سو کر جاگنے کی۔ نئے پھل کھانے کی۔ مسجد میں جانے کی، طہارت خانہ سے نکلنے وغیرہ وغیرہ۔ ان دعاؤں کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا جائے۔ مگر شرط یہ ہے کہ زبان کا یہ شکریہ دل کا ترجمان اور قلبی کیفیت کا بیان ہونا چاہیئے۔

اقسامِ شُکر

شکر کی دو قسمیں ہیں :-

۱۔ بندوں کا شکر ۲۔ اللہ تعالےٰ کا شکر۔

۱۔ دنیوی زندگی میں انسان مختلف حاجات و ضروریات سے دوچار ہوتا ہے۔ ساری ضروریات کو از خود پورا کرنا مشکل ہے۔ بدیں وجہ اسے دوسروں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ جو شخص اس آڑے وقت میں اس کے کام آئے گا اور اس کی ضروریات کا کفیل ہوگا۔ وہ اس کا محسنِ مجازی ہوگا۔ جس طرح محسنِ حقیقی (اللہ تعالےٰ) کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح مصیبت کے وقت تعاون کرنیوالے

Marfat.com

انسان کے احسان کا اعتراف اور اس کا صلہ بھی ایک لازمی امر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

"مَنْ لَا یَشْکُرُ النَّاسَ لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ" (ترمذی شریف)

(جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا)

۲۔ اللہ کا شکر تین طریقے سے ادا کیا جاتا ہے ۱۔ دل سے ۲۔ زبان سے ۳۔ عمل سے

قلبی شکر :۔ قلبی شکر یہ ہے کہ دل میں انعاماتِ خداوندی کا احساس و اعتراف پیدا ہو۔ یہ بات اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب تک یہ حقیقت انسان کے دل کی گہرائی میں اتر جائے کہ اس کائنات ہر شے کا خالق و مالک وہ پروردگارِ حقیقی ہے جس نے انسان کو تمام ظاہری و باطنی انعامات سے نوازا۔ سب حاجات و ضروریات کو اس کے لئے مہیا کیا۔ اس کی خدمت کے لئے ہزارہا مخلوقات کو جنم دیا۔ انسان کی جسمانی و روحانی تربیت کے لوازمات مہیا کئے۔ جب یہ صداقت انسان کے قلب و ذہن پر چھا جاتی ہے تو اس کا دل ہمہ تن شکر بن جاتا ہے اور اس کا ہر رگ و ریشہ احسانات خداوندی کا اعتراف کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

"اور اللہ تعالےٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں پیدا کیا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور اس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر کرو۔"

اس آیت سے قلبی شکر کی صحیح صورت نمایاں ہوتی ہے۔

قولی شکر :۔ زبان سے جو شکر ادا کیا جاتا ہے۔ اسے قولی شکر کہتے ہیں۔ محسن کا قولی شکر بھی ضروری ہے اور وہ یوں کہ زبان سے اس کے احسان کا اقرار کیا جائے اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

"اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ" (اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا ذکر کر۔

زبان سے شکر خدا ادا کرنے کا نام قرآن کی اصطلاح میں "حمد" ہے۔ حمد کی

Marfat.com

تاکید سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ جس طرح سارے قرآن کا خلاصہ سورۂ فاتحہ ہے سورۂ فاتحہ کا نچوڑ خدا کی حمد ہے۔ حمد کا ترانہ موجودہ دنیا کے ایک ایک ذرّہ سے آج بھی بلند ہے قرآن میں فرمایا۔

لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اسی کی حمد آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے) (سورہ روم ۲۰)

اس سے بڑھ کر قرآن میں ارشاد ہوا کہ کائنات ارضی کی ہر چیز اس کی حمد میں لگی ہوئی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (الاسراء ۴۴) (اور کوئی چیز نہیں جو خدا کی حمد کی تسبیح نہ کرتی ہو)

عملی شکر: عملی شکر کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زبان کے علاوہ دوسرے جسمانی اعضاء کو اطاعت خداوندی میں استعمال کرے۔ عملی شکر کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ خدا کی عطا کردہ نعمتوں کو صحیح اسلامی طریقے پر استعمال کرنا اور انہیں ضائع نہ ہونے دینا یہ بھی عملی شکر ہے۔ مثلاً جسم وجان کی حفاظت، لباس کا خیال رکھنا۔ اہل وعیال کی مناسب دیکھ بھال اور اچھی تربیت یہ سب خدا تعالیٰ کا عملی شکر ہے۔ جسمانی اعضا سے خدمت خلق کا کام لینا، خداداد دولت کو نیک مصارف میں خرچ کرنا بہترین عملی شکر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے روز اللہ فرمائے گا" اے ادم کے بیٹے! میں بیمار پڑا تو نے میری بیمار پرسی نہ کی بندہ کہے گا۔ اے میرے پروردگار تو سارے جہان کا رب ہے۔ میں تیری بیمار پرسی کیسے کرتا۔ فرمائے گا۔ کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے۔ تو نے اس کی پرسش نہ کی اور اگر کرتا تو تو مجھ کو اس کے پاس پاتا۔ پھر خدا فرمائے گا۔ اے آدم کے بیٹے میں نے تم سے کھانا مانگا۔ تو نے مجھے نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا" اے میرے پروردگار تو تو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ میں تجھے کیسے کھلاتا۔ فرمائے گا۔ تجھے معلوم نہ ہوا

Marfat.com

میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے اس کو کھلایا۔ اگر تو اس کو کھلاتا تو اس کا بدلہ آج میرے پاس پاتا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا۔ تو تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ کہے گا۔ اے میرے پروردگار! تو تو سارے عالم کا پروردگار ہے میں تجھے کیسے پانی پلاتا۔ فرمائے گا۔ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا۔ تو نے اس کو پانی نہیں پلایا۔ اگر تو اس کو پلاتا تو آج وہ پانی میرے پاس پاتا۔" (صحیح مسلم باب فضل عیادۃ المریض)

"اِعْمَلُوْا آلَ دَاوٗدَ شُکْرًا۔" (اے داؤد کے گھر والو شکر ادا کرنے کے لیے نیک عمل کرو) (سورہ سبا۔ ۱۳)

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ شکر کا اثر صرف زبان تک محدود نہ ہو۔ بلکہ عمل سے بھی ظاہر ہونا چاہیئے۔

شکر کا غلط استعمال

شکر کے باب میں ایک بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے زبان سے الحمد للہ پڑھ دیا تو مالک کا شکر ادا ہو گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ شکر دراصل دل کے اس لطیف احساس کا نام ہے جس کے سبب سے ہم اپنے محسن سے محبت رکھتے ہیں۔ ہر موقع پر اس کے احسان کا اعتراف کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ ہم اس کو خوش رکھ سکیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے رہیں۔ اگر ہم صرف زبان سے شکر کا لفظ ادا کریں۔ لیکن دل میں احسان مندی اور منت پذیری کا کوئی اثر نہ ہو اور اس اثر کے مطابق ہمارا عمل نہ ہو تو ہم اس محسن کی احسان مندی کے اظہار میں جھوٹے ہیں اور وہ شکر خدا کی بارگاہ میں قبول نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان کے دل میں ایک شکر ہی کا جذبہ پیدا ہو جائے تو دین و دنیا میں بھلائی کے لیئے اس کو کسی اور تنبیہہ کی ضرورت نہ ہو۔ وہ خدا کی نعمتوں کی قدر جان کر اس کو مانے گا۔ اس کے حکموں پر چلے گا اور اس کے بندوں کے احسانات کے جواب میں بھی ان کے ساتھ نیکی اور خیر خواہی کرے گا۔

Marfat.com

سوالات

۱۔ شُکر کسے کہتے ہیں۔ اسلامی زاویۂ نگاہ سے شُکر کی حقیقت بیان کیجئے۔
۲۔ شُکر کی اقسام قلمبند کیجئے۔
۳۔ اسلام میں شُکر کو کیا اہمیت حاصل ہے۔ تفصیلاً بیان کیجئے۔
۴۔ بندوں کا شُکر ادا کرنے کے کیا معنی ہیں۔ کتاب و سنت کے دلائل سے واضح کیجئے۔

Marfat.com

باب ۱۰

صَبر

صَبر کا لغوی مفہوم لفظ صَبر لغت میں ان معانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

۱۔ جرأت و شجاعت، مردانگی ۲۔ روکنا۔ مویشی کو چارے کے بغیر رکھنا ۳۔ مصائب میں بیقراری کا اظہار نہ کرنا ۴۔ پسندیدہ اشیاء سے کنارہ کش رہنا ۵۔ باندھ دینا قید کرنا (المنجد)

قرآنی زبان میں صبر کا مفہوم نفسِ انسانی کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا ہے۔ صبر کا تانا بانا استقامتِ طبع، جوانمردی اور استقلال سے بنتا ہے۔ اس وصف کو قائم رکھنا اور اس کا صحیح استعمال ہی صبر ہے۔ صبر ان اخلاقِ فاضلہ میں سے ہے جس کی ہر حالت میں ضرورت ہے یعنی دشواری میں بھی اور آسانی میں بھی۔ تنگدستی میں بھی اور جاہ و شوکت میں بھی۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر حالات و مواقع کے لحاظ سے اس کے مفہوم میں جزوی سا فرق پڑ جاتا ہے لیکن بنیادی عنصر استقامتِ طبع ہر جگہ موجود ہے۔

صبر دل کی کمزوری، بے بسی کی خاموشی اور بے کسی کی حالت میں مجبور ہو کر درگذر سے کام لینے کا نام نہیں بلکہ دل کی انتہائی قوت، ہمت کی بلندی۔ عزم و استقامت اور مشکلات و مصائب کو خدا کے بھروسہ پر خاطر میں نہ لانے کا نام ہے۔ حضرت موسیٰ اور خضر کے قصہ میں ایک ہی آیت میں تین جگہ یہ لفظ آیا ہے اور ہر جگہ یہی معنی مراد ہیں۔ حضرت خضر کہتے ہیں:۔

"اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا" (تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے اور

Marfat.com

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا (سورہ کہف) (اس بات پر کیسے صبر کر سکتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔)

حضرت موسیٰ جواب میں فرماتے ہیں:

سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِرًا (کہف) (اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔)

حضرت موسیٰؑ نے اپنے آپ کو جو صابر کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب عجیب و غریب قسم کے واقعات معرض وجود میں آئیں گے تو میں اس پر اضطراب اور بے چینی کا اظہار نہیں کروں گا۔

قرآن کریم اور لفظِ صبر

قرآن کریم میں لفظِ صبر عزم کی پختگی اور استقامتِ طبع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مگر حالات کے تغیر سے اس کے مفہوم میں کہیں کہیں ذرا ذرا فرق آگیا ہے۔ سید سلیمان ندوی مرحوم نے سیرت النبیؐ جلد پنجم میں اسے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں لفظِ صبر ان معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔

۱۔ مناسب وقت کا انتظار کرنا:۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو عرب کا ایک ایک ذرہ آپ کی مخالفت میں سرگرم جولاں ہوگیا۔ ہر طرف سے عداوت اور دشمنی کے مظاہرے ہونے لگے اس وقت تسلی کا یہ پیام آیا کہ اضطراب و گھبراہٹ کی ضرورت نہیں۔ آپ مستعدی سے اپنے کام میں لگے رہیں۔ ارشاد ہوا۔ "اے رسولؐ تو اپنے پروردگار کے فیصلہ کا وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ (ثابت قدمی کے ساتھ منتظر رہ کیونکہ بِاَعْيُنِنَا (سورہ طور ۲) تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے)

۲۔ بے قرار ہونا:۔ صبر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ مصائب و آلام میں مضطرب و بے چین نہ ہوں بلکہ ان کو خدا کا حکم اور مصلحت سمجھ کر خوشی خوشی برداشت کریں۔

Marfat.com

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں سے یہ جھوٹی خبر سُن کر کہ بھیڑیے نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کھا لیا فرماتے ہیں :-

"فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ" (تو بہتر صبر ہے اور خدا سے اس پر مدد چاہی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو) (سورہ یوسف)

حضرت ایوب علیہ السلام نے جسمانی اور مالی مصیبتوں کو جس کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا اسکی مدح خود اللہ تعالےٰ نے فرمائی :-

"إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا" (ہم نے بیشک ایوب کو صابر پایا) (ص - ۴۴)

۳- مشکلات کو خاطر میں نہ لانا :- صبر کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ منزل مقصود کی راہ میں جو مشکلات اور خطرات پیش آئیں اور مخالفین جو طعن وطنز کریں۔ ان سے بددل اور پست ہمت ہونے کے بجائے اور زیادہ استقلال پیدا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دعوت و تبلیغ کا حکم ہوا تو ساتھ ہی اس حقیقت سے باخبر کر دیا گیا :-

"يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ - وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ" (اے چادر پوش اٹھ اور لوگوں کو ہشیار کر اور اپنے پروردگار کے لئے صبر کر) (المدثر)

اکثر انبیاء علیہم السلام کو مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کو نبوت کی اس اعلیٰ مثال کی پیروی کا حکم ہوا :-

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (اے محمدؐ! تو بھی اسی طرح پامردی کر جس طرح پختہ ارادہ والے پیغمبروں نے کی) (الاحقاف - ۳۵)

۴- درگزر کرنا :- صبر کا چوتھا مفہوم یہ ہے کہ برائی کرنے والوں کی برائی کو نظر انداز کر دیا جائے اور جو برائی اسے پیش آئے اس کے قصور کو معاف کیا جائے۔ قرآن پاک

Marfat.com

کی کئی آیتوں میں صبر کا لفظ اس مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ (سورۂ نحل ۱۶)

(اور اگر تم سزا دو تو اسی قدر جس قدر کہ تم کو تکلیف دی گئی اور اگر صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے لئے یہ بہتر ہے)

یہ صبر کی وہ قسم ہے جو اخلاقی حیثیت سے بہت بڑی بہادری ہے۔ مسلمانوں کو اس بہادری کی تعلیم بار بار دی گئی ہے۔

۵۔ ثابت قدمی:۔ صبر کا پانچواں اہم مفہوم لڑائی میں پیش آجانے کی صورت میں میدانِ جنگ میں بہادرانہ استقامت اور ثابت قدمی ہے۔ قرآنِ پاک نے اس لفظ کو اس مفہوم میں بارہا استعمال کیا ہے۔

"وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

(اور ثابت قدمی دکھانے والے مصیبت میں اور نقصان میں اور لڑائی کے وقت وہی ہیں جو سچ بولتے ہیں اور وہی پرہیزگار ہیں)

(بقرہ۔ ۲)

اگر لڑائی شروع ہو جائے تو اس میں کامیابی کی چار شرطیں ہیں۔

۱۔ خدا کی یاد ۲۔ حاکمِ وقت کی اطاعت ۳۔ آپس میں اتحاد ۴۔ میدانِ جنگ میں صبر و استقامت۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"اے ایمان والو! جب تم کسی دشمن سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ فلاح پاؤ اور خدا اور اس کے رسولؐ کی فرماں برداری کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تم سست ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (انفال۔ ۶)

Marfat.com

حق کے مددگاروں کی ظاہری قلت۔ تعداد کی تلافی، صبر و استقامت کی روحانی قوت سے ہوتی ہے۔ تاریخ کی نظر سے متعدد مشاہدے ایسے گذرے ہیں کہ چند ثابت قدم بہادروں نے کثیر التعداد فوج کو شکست دے دی۔ میدانِ کارزار میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی تعدادی قوت کی پرواہ نہ کریں اور صبر و ثبات کے ساتھ اپنے سے دو چند دشمن کا مقابلہ کریں اور تسلی دی گئی کہ اللہ تعالٰے کی مدد ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں۔

۶۔ ضبط نفس :۔ صبر کا چھٹا مفہوم ضبطِ نفس ہے۔ اشخاص اور قوموں کی زندگی میں سب سے نازک موقع وہ آتا ہے۔ جب وہ کسی بڑی کامیابی یا ناکامی سے دوچار ہوتی ہیں۔ اس وقت نفس پر قابو رکھنا اور ضبط سے کام لینا مشکل ہوتا ہے مگر یہی ضبطِ نفس کا اصلی موقع ہوتا ہے اور اسی سے اشخاص اور قوموں میں سنجیدگی متانت اور کردار کی مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ قرآنِ پاک میں فرمایا :۔

" اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے کسی مہربانی کا مزہ چکھائیں۔ پھر اس سے اس کو دُور کریں تو وہ ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی مصیبت کے بعد اس کو نعمت کا مزہ چکھائیں تو کہتا ہے کہ برائیاں مجھ سے دُور ہو گئیں۔ بے شک وہ شاداں و نازاں ہے لیکن وہ جنہوں نے صبر (نفس پر قابو) کیا اور اچھے کام کئے۔ یہ لوگ ہیں جن کے لئے معافی اور بڑا انعام ہے۔" (سورۂ ہُود۔ ۲)

۷۔ ہر طرح کی تکلیف اٹھا کر فرض کو ہمیشہ ادا کرنا :۔ صبر کا ساتواں مفہوم یہ ہے کہ کسی فرض کو عمر بھر پورے استقلال اور مضبوطی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اسی لئے مذہبی فرائض کو جو بہر حال نفس پر شاق گذرتے ہیں۔ عمر بھر پختہ عزم کے ساتھ ادا کرتے رہنا بھی صبر ہے۔ قرآن میں فرمایا :۔

" وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا " (اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کر اور آپ اس پر قائم رہ)

(طٰہٰ۔ ۸)

Marfat.com

صبر کی فضیلت

قرآن کریم میں صبر کی فضیلت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

"انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب" (سورہ زمر-۲) (صبر کرنے والوں کو ان کی مزدوری بے حساب ملے گی)

یہ امر پیش نظر رہے کہ صبر کا موقع ہمیشہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان پر تازہ تازہ مصیبت وارد ہو۔ رو دھوکر اور جزع فزع کا اظہار کرنے کے بعد یہ کہہ دینا کہ ہم صبر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ قیمت نہیں رکھتا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک عورت کے پاس سے ہوا جس کا لڑکا مر گیا تھا اور وہ جزع فزع میں مصروف تھی۔ آپ نے اسے صبر کی تلقین کی۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچانتی نہ تھی۔ کہنے لگی۔ اگر تمہارا لڑکا مر جاتا تب میں دیکھتی تم کس طرح صبر کرتے۔" آپ خاموشی سے واپس چلے آئے۔ بعد میں کسی نے بتایا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس پر وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی "میں نے صبر کیا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "صبر وہ ہے جو صدمہ کی ابتداء میں کیا جائے۔" (بخاری)

صبر کا شمار بڑی بڑی نیکیوں میں ہوتا ہے۔ اس سے انسان کی پچھلی غلطیاں حرف غلط کی طرح مٹ جاتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"جنت اور خدا کی خوشنودی ان کو حاصل ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہم ایمان لا چکے۔ ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اور صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور بندگی میں لگے رہنے والے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی راتوں کو خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے والے۔"

(آل عمران)

دعا اور صبر سے مشکلات کا ازالہ ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا:

وَاسْتَعِینُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (البقرہ) صبر اور دعا سے مدد حاصل کرو۔

Marfat.com

یہودی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تھے۔ اس کے دو سبب تھے
۱۔ ایک یہ کہ ان کے دلوں میں گداز و تاثر نہیں رہا تھا۔ ۲۔ دوسرے یہ کہ پیغام حق قبول کرنے کے ساتھ ان کو جانی و مالی دشواریاں پیش آتیں۔ یہ عیش و عشرت و ناز و نعمت کے خوگر ہو کر ان کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیب روحانی نے ان بیماریوں کے لیے نماز اور صبر کا نسخہ تجویز کیا۔ دعا سے ان کے دل میں اثر اور طبیعت میں رقت پیدا ہو گی اور صبر کی عادت سے قبول حق کی راہ میں مشکلات دور ہوں گی۔

ہجرت مدینہ کے بعد جب کفار قریش مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہوتے اور مسلمانوں کے ایمان و اخلاص کی آزمائش کا وقت آیا تو یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

"اے ایمان والو! صبر (ثابت قدمی) اور دعا سے طاقت حاصل کرو۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جو خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں اور ہم تم کو کسی قدر خطرہ اور بھوک اور مال و جان اور پیداوار کے کچھ نقصان سے آزمائیں گے اور صبر والوں کو خوشخبری سنا دو کہ جب کوئی مصیبت پیش آئے تو کہیں کہ ہم اللہ کے ہیں اور ہم کو اللہ ہی کے پاس لوٹ جانا ہے
(سورہ بقرہ ۔ ۱۹)

ان آیات سے واضح ہوا کہ جان و مال کی جو مصیبت پیش آئے اس کو صبر و تحمل اور ثابت قدمی سے برداشت کریں اور یہ سمجھیں کہ ہم خدا کے محکوم ہیں۔ آخر اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

امام غزالی کی تصریحات کے مطابق صبر کا لفظ قرآن کریم کے ستر سے زائد مقامات پر وارد ہوا ہے۔ ان کی رائے میں اکثر اعمال صالحہ کا منبع و منبع صبر ہے اور اعمال اس کے ثمرات و نتائج ہیں۔ فضیلت صبر کی اس سے بڑی دلیل کیا ہو گی کہ روزہ کے متعلق جو سراسر صبر ہی صبر ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہوتا ہے

"اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ" (روزہ صرف میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا) (صحیح بخاری)

روزہ واحد عبادت ہے جس کو خداوند کریم نے اپنی ذات کی جانب منسوب فرمایا۔

صبر کرنے والوں کی فضیلت میں فرمایا۔

"وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ" (اور صبر کرو کیوں کہ اللہ تعالےٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

صبر کے بارے میں احادیث و آثار

۱۔ حدیث قدسی میں ارشاد ہوا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میرے اس مومن بندے کی جزا جنّت کے سوا اور کیا ہے جس کا پیارا میں نے دُنیا سے اُٹھا لیا اور اُس نے ثواب کی اُمید پر صبر کیا۔ (بخاری)

۲۔ مومن پر جتنی بڑی مصیبت نازل ہوگی اتنا ہی اسے بدلہ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبّت کرتا ہے تو اس کو آزمائش اور مصیبت میں ڈالتا ہے۔ اب جو شخص اس آزمائش میں خدا کی مرضی پر راضی رہتا ہے۔ خدا کی خوشنودی حاصل کر لیتا ہے۔ اور جو گھبرا کر دُکھ درد کا اظہار کرنے لگتا ہے۔ اللہ بھی اس پر ناراض ہو جاتا ہے۔ (ترمذی)

۳۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے خط بنام حضرت ابو موسیٰ اشعری میں تحریر فرمایا :۔

"صبر پر کاربند رہیئے اور خوب جان لیجیئے کہ صبر دو قسم کا ہوتا ہے۔ صبر کی ایک قسم دوسری سے افضل ہوتی ہے۔ الم و رنج کے موقعہ پر صبر کرنا اچھا ہے مگر اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ محرّمات و منہیّات سے اپنے آپ کو روکا جائے"۔

۴۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

" اگر صبر نہ کیا جائے تو فقر و فاقہ اور بیماری عذاب ہیں اور اگر صبر کیا جائے تو یہ خدا کی جانب سے انعام و اکرام ہیں"۔

۵ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

Marfat.com

"ایمان کی عمارت چار ستونوں پر کھڑی ہے۔ یقین، عدل، جہاد، عدل"

حضرت علیؓ کا دوسرا قول ہے:۔

"صبر کو ایمان سے وہی نسبت ہے جو سر کو جسم سے۔ جس طرح سر کے بغیر جسم کا وجود ممکن نہیں اسی طرح صبر کے بغیر ایمان کا وجود بھی محال ہے۔" (بہر سہ آثار کا ماخذ احیاء للغزالی)

۱۔ حضرت خبابؓ ایک غلام تھے۔ جو شروع ہی سے اسلام لے آئے تھے۔ اس جرم کی پاداش میں ان کے آقا اور دیگر قریش مکہ ان پر سخت مظالم ڈھاتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی دیوار کے نیچے تشریف فرما تھے کہ انہوں نے آکر قریش کے جور وستم کی شکایت کی اور عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! آپ ہمارے لئے نصرت کی دعا کیوں نہیں فرماتے" تاکہ ہم بھی امن وسکون کی زندگی بسر کر سکیں" آنحضورؐ نے انہیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا۔

"تم سے پہلی امتوں کا یہ حال تھا کہ مومن شخص کو پکڑ لیتے اور گڑھا کھود اور اس میں گاڑ کر سر پر آرہ رکھ دیتے اور اسے دو ٹکڑے کر دیتے۔ لوہے کی کنگھی اس طرح چلائی جاتی کہ گوشت اور ہڈی کو کاٹتی چلی جاتی مگر یہ تکلیف بھی اسے دین حنیف سے نہ لوٹا سکتی۔" (بخاری)

صبر کے ثمرات

صبر لاتعداد فوائد کا موجب ہے مثلاً ۱۔ قرآن میں فرمایا:۔

"إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ" (الزمر) (بے شک صبر والوں کو ہی ان کا اجر بےشمار ملتا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ صبر کا اجر سب اعمال سے زیادہ ہے۔ آنحضورؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ جس شخص کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے۔ اسے مصیبت میں ڈال کر آزماتا ہے۔ (ترمذی)

۲۔ مشکلات میں صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کا منتظر رہنا بہت بڑی

Marfat.com

عبادت ہے۔

۳۔ صبر کامیابی کی ضمانت ہے جو آدمی صبر و ثبات سے مصائب و آلام کا مقابلہ کرتا ہے۔ آخر کار کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

۴۔ صبر گناہوں کی مغفرت کا موجب ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ جب میں اپنے مومن بندے کی کسی چیز کو چھین لیتا ہوں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں اسے جنت عطا کرتا ہوں۔ (ریاض الصالحین)

۵۔ صبر طریق انبیاء ہے۔ حضرت ایوبؑ کو صبر کی وجہ سے صابر کا لقب ملا۔

۶۔ نامرادی و ناکامی سے بچنے کی قرآن حکیم کی تعلیمات کے پیش نظر چار صورتیں ہیں ا۔ ایمان ۲۔ عمل صالح ۳۔ نیکی کی تبلیغ ۴۔ صبر کی تلقین

۷۔ صبر تقرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔

۸۔ فقر و فاقہ پر صبر کرنا دخول جنت کا موجب ہے۔ سالار رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تنگدست مہاجرین دولت مند مہاجرین سے پانچسو برس قبل جنت میں داخل ہوں گے۔ (ترمذی)

سوالات

ا۔ قرآن کریم میں صبر کا لفظ کن معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔ صابرین کی مدح میں کم از کم دو آیات قرآنی لکھیے۔

۳۔ صبر کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ صبر کے متعلق عام تصور کس حد تک درست ہے

۴۔ احادیث و آثار سے صبر کی تفصیلات بیان کیجیے۔

Marfat.com

باب ۱۱

عفو

معنیٰ و مفہوم عفو عربی زبان میں عفا یعفو کا مصدر ہے۔ یہ لفظ متعدد معانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

۱۔ گناہ سے درگزر کرنا اور سزا نہ دینا ۲۔ اپنا حق وصول نہ کرنا اور اس سے دست بردار ہو جانا۔ (القاموس)

عفو کی تاکید قرآن کریم میں یہ لفظ مغفرت کے معنی میں آیا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ کا بندے کے گناہ پر پردہ ڈال دینا۔ اسے مٹا دینا اور بخش دینا۔

عفو و درگزر اللہ تعالےٰ کی بہت بڑی صفت ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو دنیا ایک لمحہ کے لئے بھی آباد نہ رہے اور دم کے دم میں یہ گناہوں سے بھری ہوئی کائنات کی بستی سونی پڑ جائے۔ وہ چاہے تو انسانوں کے گناہوں کے سبب سے ان کو ایک دم ہلاک کر دے۔ قرآن میں فرمایا:

"اَوْ یُوبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ" (سورۃ شوریٰ) (اگر چاہے تو گنہگاروں کو ان کے اعمال کی وجہ سے تباہ کر دے اور بہتوں کو معاف کر دے)

اسلامی تعلیمات میں عفو کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور بڑے پرزور الفاظ میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔ عفو صفت خداوندی ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی رح سیرت النبیؐ جلد ششم میں رقم فرماتے ہیں:

قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ نے دو جگہ اپنے کو غافر (بخشنے والا)، پانچ دفعہ

Marfat.com

غفّارؔ (بڑی بخشش والا) پانچ مرتبہ عفوٌّ (معاف کرنے والا) اور ستّر سے زیادہ آیتوں میں غفورؔ (بخشنے والا) کہا ہے۔ جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے عفو و درگذر کا سمندر کس زور و شور سے جوش مار رہا ہے۔ خدا نے اپنی ساری صفتوں میں سے اپنی اسی صفت کی تجلی کا پرتو اپنے بندوں میں پیدا کرنے کی دعوت دی ہے۔ فرماتا ہے:۔

" اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا " (یا کسی برائی کو معاف کرو تو بیشک اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے)

(سورۂ نساء - ۲۱)

اس آیت میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا عفو و درگذر اس ناتواں اور بے بس انسان کا عفو نہیں ہے جو مخالف پر قدرت نہ پا کر مجبوراً معاف کرنے پر اُتر آتا ہے۔ ایک کمزور اور نہتا انسان اپنے سے زیادہ طاقت ور اور مسلّح شخص کو معاف نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا۔ اس کے برعکس اللہ تعالےٰ کا عفو اس ہستی کا عفو ہے کہ اس کی قدرتِ کاملہ کے سامنے تمام مخلوقاتِ ارضی و سماوی کی قدرت ہیچ ہے۔ وہ اس لئے معاف نہیں کرتا کہ وہ بے بس ہے۔ اور مجرم اس کی شدید گرفت سے باہر ہے بلکہ اس لئے اور صرف اس لئے کہ عفو و درگذر اس کے عظیم اوصاف میں سے ایک ہے۔ سورۂ نور میں ارشاد فرمایا:۔

" وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ " (سورۂ نور - ۳) (اور چاہیئے کہ وہ معاف کر دیں اور درگذر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تم کو معاف کر دے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے)

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے لوگوں کو عفو و درگذر کی تعلیم اس ترغیب کے ساتھ دی ہے کہ تم دوسروں کو معاف کرو تو خدا تم کو معاف کرے گا اور جب اللہ غفور و رحیم ہے تو تم پر بھی اس کے ابرِ کرم کی چھینٹیں پڑنی چاہئیں۔

Marfat.com

غصہ کی حالت میں معاف کرنا مقابلتاً زیادہ دشوار ہے۔ انسان اس حالت میں اپنے جذبات سے مغلوب ہوتا ہے۔ معاف کرنے کے لئے آسانی سے تیار نہیں ہوتا اس حالت کے متعلق فرمایا :-

" وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ " (سورۂ شوریٰ ۴) (اور جب غصہ آئے تو وہ معاف کرتے ہیں)

مذکورہ صدر آیت سے واضح ہوا کہ غصہ کی حالت میں عفو و درگذر سے کام لینا ایمانِ کامل کی علامت ہے۔

دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت کے موقع پر اعداءِ دین طرح طرح کی مشکلات پیدا کرتے اور اس کارِ خیر کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ مبلغ طبعاً اس سے دل برداشتہ ہو جاتا ہے اور اس سے انتقام لینے کے لئے ہمہ تن مستعد ہو جاتا ہے ایسے موقع پر دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو تبلیغ و دعوت کا کام بند کر دیا جائے یا دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں ان ناگواریوں کو برداشت کیا جائے۔ اسلام اس نازک مرحلہ پر بھی انتقامی کارروائی کے بجائے عفو و درگذر کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

" اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ " (سورۂ مومنون۔ ۶) (بدی کا دفاع ایسے طریقے سے کیجئے جو بہت ہی اچھا ہو۔ جو کچھ تمہاری نسبت کہا کرتے ہیں وہ ہم کو خوب معلوم ہے)

غم و غصہ کے اظہار کا اصل وقت تب آتا ہے جب انسان کی عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے۔ اس حالت میں بھی اسلام نے عفو و درگذر سے کام لینے کا حکم دیا ہے چنانچہ حضرت مسطح رضہ حضرت ابوبکر رضہ کے خالہ زاد بھائی تھے اور وہ ان کی کفالت کرتے تھے لیکن جب انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت میں حصہ لیا تو حضرت ابوبکر رضہ نے ان کی مالی امداد بند کر دی۔ اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی

" اور تم میں سے جو لوگ مروت پیشہ اور دولت مند ہیں۔ رشتہ داروں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (خرچ) نہ دینے کی قسمیں نہ کھا بیٹھیں

Marfat.com

بلکہ چاہیئے کہ ان کو معاف کر دیں اور درگذر کریں۔ مسلمانو! کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کر دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (سورہ نور ۲)
یہ آیت سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے بیساختہ کہا۔" ہاں میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کرے۔ اس کے بعد انھوں نے پھر مالی امداد شروع کر دی
(سیرت النبیؐ جلد ششم)

عفو کے متعلق ارشادات نبویؐ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں عفو کی تلقین فرمائی۔ مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ ہوں۔

۱۔ وَمَا زَادَ اللّٰهُ رَجُلًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا (اللہ تعالیٰ عفو و درگذر کرنے والے کی عزت میں اضافہ کرتا ہے) (بخاری)

۲۔ آپ نے فرمایا۔ پہلوان وہ نہیں جو سب کو پچھاڑ دے۔ اصل طاقت ور وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔ (صحیح مسلم)

۳۔ ایک دفعہ ایک اعرابی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آکر عرض کی، یارسول اللہ! مجھے وہ بات بتایئے جس کے کرنے سے مجھے جنت مل جائے حضورؐ نے اسے چند باتیں بتائیں۔ منجملہ ان کے فرمایا۔ ظالم رشتہ دار پر اپنی عنایت کی بارش کرو۔" (حاکم)

۴۔ ایک مرتبہ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا۔" نیکی یہ نہیں کہ صلہ رحمی کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی کرو بلکہ یہ ہے کہ جو بد سلوکی کرے اس کے ساتھ بھی مروت اور حسن سلوک کا برتاؤ کرو۔" (ترمذی ابواب البر والصلۃ)

۵۔ آپ نے فرمایا۔ ایک دوسرے کو معاف کرو۔ تمہارے باہمی کینے رفع ہو جائینگے
(کنز العمال جلد دوم)

۶۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی۔" جان لو۔ جان لو۔" مڑ کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

فرمار ہے تھے کہ ابو مسعود! جتنا قابو تم کو اس غلام پر ہے۔ اس سے زیادہ خدا کو تم پر ہے۔ ابو مسعود کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے پھر کسی غلام کو نہیں مارا۔ (ترمذی شریف)

ایک شخص نے سرورِ کائنات ؐ سے آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ میں اپنے خادم کا قصور کتنی مرتبہ معاف کروں:۔ آپ پہلے تھوڑی دیر چپ رہے۔ اس نے پھر پوچھا۔ تب آپ نے فرمایا۔ "ہر روز ستر مرتبہ"

غیر مسلموں سے عفو و درگذر

اسلام میں عفو و درگذر کا حکم صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ کفار و مشرکین کو بھی معاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :۔

قُلْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰہِ لِیَجْزِیَ قَوْمًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ٥ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْہَا ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ ٥

(سورۂ جاثیہ ۔ ۲)

(ایمان والوں سے کہہ دیں کہ ان کو اللہ کے جزاء و سزا کے واقعات پر یقین نہیں رکھتے معاف کر دیا کریں تاکہ لوگوں کو ان کے کاموں کا بدلہ ملے۔ جس نے اچھا کیا اس نے اپنے بھلے کے لئے کیا اور جس نے بُرا کیا اس نے اپنا بُرا کیا۔ پھر تم اپنے پروردگار کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔

اس آیت کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ کسی کافر یا منافق نے کسی مسلمان سے کوئی بدتمیزی کی بات کہی تھی۔ اس پر بعض مسلمانوں کو طیش آیا تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اُتاری اور مسلمانوں کو عفو و درگذر کرنے کی نصیحت فرمائی۔ (تفسیر کبیر امام رازی)

جن آیتوں میں کفار سے عفو و درگذر کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ ان کے بارے میں عام مفسّرین کا خیال یہ ہے کہ فرضیّتِ جہاد سے پہلے کی بات ہے۔ جہاد نے کفار کے حق میں عفو و درگذر کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ لیکن مفسّرین میں کچھ ایسے بھی

Marfat.com

ہیں۔ جن کے نزدیک جہاد کا حکم عفو و درگذر کے منافی نہیں۔ اس ضمن میں امام رازی نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے ۔

آیتِ قرآنی " وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ " (جاہلوں سے اعراض کیجئے) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جاہلوں کی بداخلاقی پر صبر کریں۔ اور ان کی بیہودہ باتوں اور کمینہ حرکتوں کا جواب اسی قسم کی باتوں اور حرکتوں سے نہ دیا جائے ۔ اس میں جہاد و قتال سے باز رہنے کی کوئی ہدایت نہیں کیونکہ جاہلوں سے اعراض برتنے اور مشرکوں سے قتال میں کوئی تضاد نہیں"۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۹۶)

عفو کے باب میں اسوۂ نبوی

سالارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی عفو و درگذر کا موقع تھی۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے زندگی بھر کسی سے انتقام نہیں لیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔ میں دس برس آنحضور کی خدمت میں رہا۔ آپ نے اس تمام عرصہ میں مجھے اُف تک نہ کہا۔ (بخاری)

تاریخِ اسلام نبی کریم کے عفو و درگذر کی درخشندہ مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ کوئی کہاں تک شمار کرے ۔ عفو و درگذر کی انتہا ہے کہ آپ نے اپنے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رض کے کلیجہ کو چبانے والی عورت ہندہ زوجہ ابی سفیان کو معاف کر دیا تھا ابو سفیان کی ساری زندگی عداوتِ رسول میں گذری تھی ۔ بایں ہمہ جب مکہ فتح ہوا اور مسلمان فتح کے شادیانے بجاتے مکہ میں داخل ہوئے تو آنحضور نے یہ کہہ کر ابو سفیان کے گھر کو دار الامان قرار دیا کہ

مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِيْ سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ (جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گا وہ امان پائے گا)

صلح حدیبیہ کے موقع پر کفارِ مکہ کے ستر آدمی گرفتار کر لئے گئے جو مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے پیغمبرانہ وسعتِ قلب سے انہیں معاف کر دیا۔ آپ ایک یہودی کے مقروض تھے وہ خدمت میں حاضر ہو کر سخت سُست

Marfat.com

بکنے لگا اور آپؐ کے گلے میں چادر ڈال کر اسی طرح تاؤ دیا کہ آپؐ کی آنکھیں ابھر آئیں۔ صحابہ رسالت مآبؐ کے ساتھ گستاخ یہودی کی یہ شوخ چشمی گوارا نہ کر سکے اور اُسے قتل کرنے کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے فرمایا :-

اِنَّ لِصَاحِبِ الحَقِّ مَجَالًا (حقدار کے لئے کچھ گنجائش ہوتی ہے)

دینِ اسلام جس سرعت کے ساتھ اکنافِ ارضی میں پھیلا۔ اس کا راز خود اس کی صداقت وحقانیت کے علاوہ عفوِ نبوی میں مضمر تھا۔ اخلاقِ نبویؐ کی مقناطیسی جاذبیت ہی تھی جو اطراف وجوانب کے کفار کو آستانۂ نبویؐ پر کھینچ لائی۔

عفو کی حد

عفو کے لئے اگر کوئی حد مقرر نہ کی جائے تو ضعف و عجز اور گھٹیا پن کی حدود میں داخل ہو جائے۔ اسلام جہاں عفو و درگذر کی تلقین کرتا ہے۔ وہاں یہ بھی سکھاتا ہے کہ غیرت و خودداری اور عزتِ نفس (SELF RESPECT) کو ہر حال میں اور ہر قیمت پر قائم رکھا جائے۔ اسی لئے اسلام نے اخلاقی تعلیم کے درس میں قوت و قدرت کے جزو کو ضرور شامل کیا اور اس کو فراموش نہیں کیا۔ اسلام انجیل مقدس کی طرح یہ نہیں کہتا :-

"اگر ایک شخص کسی کے گال پر طمانچہ مارے تو اس کے سامنے دوسرا گال کر دو" کیونکہ اس سے ذلت اور پست طبعی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام کی زرّیں تعلیم یہ ہے کہ :-

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے)
(البقرۃ)

آیت متذکرہ الصدر میں قصاص کو سرچشمۂ حیات قرار دیا۔ اگر اسلام میں عفو و درگذر کے علاوہ قصاص و دفاع کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی تو غزوات النبیؐ کا سنہرا باب کبھی وا نہ ہوتا اور تاریخ اسلام کے اوراق مسلمانوں کی جرأت و شجاعت کے مظاہر سے یکسر خالی ہوتے۔

Marfat.com

اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ انسان میں دفاع کا قدرتی جذبہ پایا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اسے زک پہنچانا چاہتا ہے تو وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ یہ جذبہ انسانی فطرت کا لازمہ ہے۔ اس لئے اس کو نابود نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام نے غصہ کو دبانے کا حکم دیا ہے۔ مٹانے کا نہیں۔

دراصل انسان کے تمام اخلاق کی بنیاد اس کی دو قوتوں پر ہے۔ ۱۔ قوتِ غضب ۲۔ قوتِ شہوت۔ غضب کی قوتوں سے نامناسب امور کا دفاع کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس قوتِ شہوت سے مناسب و مفید امور کو حاصل کیا جاتا ہے۔ ان دونوں قوتوں کی افراط و تفریط اور ان کے مختلف مراتب سے سینکڑوں اچھے بُرے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ غضب کی قوت اگر افراط و تفریط سے پاک ہو اور عقل کے قابو میں ہو تو اس کا نام شجاعت ہے۔ شجاعت حالات و کیفیات کے لحاظ سے مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ مثلاً خودداری، دلیری، آزادی، حق گوئی، بلند ہمتی، استقلال، وقار، صبر و سکون، جدوجہد اور جہاد۔ جب یہی قوت اعتدال سے ہٹ کر افراط کی طرف مائل ہوتی ہے۔ تو اس سے غرور و نخوت، خود پرستی، تکبر دوسروں کی تحقیر وغیرہ برائیاں پیدا ہوتی ہیں اور جب اس قوت میں کمی پیدا ہوتی ہے تو اس سے ذلت پسندی، کم حوصلگی، خوف اور گھٹیا پن کے اخلاقی عیوب معرضِ وجود میں آتے ہیں۔ اسلام انسان کی ان دونوں قوتوں کو افراط و تفریط سے ہٹا کر ان میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔ مسیحیت کے نزدیک یہ دونوں قوتیں بذاتِ خود بُری ہیں اور اسلام کے نزدیک یہ بذاتہٖ بُری نہیں۔ بلکہ بعض اوقات ان کے استعمال کا موقع محل بُرا ہوتا ہے۔

عفو کے ثمرات

عفو ان فوائد کا موجب ہے۔

۱۔ عفو سے معاشرہ میں امن و سلامتی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ حسد و عناد مٹ جاتا ہے۔

۲۔ عفو کرنے والا خدا کی صفتِ مغفرت کو اپناتا ہے۔

Marfat.com

۳۔ عفو کے دم سے محبت کی دنیا میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ دشمن دوست ہو جاتے ہیں۔
۴۔ عفو کے بدولت ایثار کا جذبہ اُبھرتا ہے۔
۵۔ عفو عزم و حوصلہ کا موجب ہوتا ہے۔ جو اقوامِ عالم کی کامیابی و کامرانی کی شرطِ اوّلین ہے۔
۶۔ غصہ سے مغلوب ہونا ایک اعصابی مرض ہے۔
۷۔ عفو سے کام لینے والا اسوۂ نبویؐ پر گامزن ہوتا ہے۔
۸۔ عفو رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔
۹۔ عفو روحانی بلندی اور عظمت کا نشان ہے۔
۱۰۔ عفو سے انسان کی استقامت اور شانِ مردانہ میں کمال پیدا ہوتا ہے۔ جس پر انسانی عزّ و شرف کا مدار ہے۔

سوالات

۱۔ عفو کسے کہتے ہیں۔ وضاحت کیجئے۔
۲۔ عفو کے بارے میں قرآنی تعلیمات کا خلاصہ کیجئے۔
۳۔ عفو کے بارے میں کم از کم تین احادیث تحریر کیجئے۔
۴۔ عفو کی حدود کیا ہیں۔ اسلام کس حد تک عفو کی تلقین کرتا ہے۔
۵۔ عفو کے متعلق اسوۂ نبویؐ کیا ہے۔ مثالوں سے واضح کیجئے۔

Marfat.com

باب ۱۲

عدل

مفہوم لفظ عدل عربی زبان میں ان معانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے - ۱- سیدھا کرنا - ۲- برابر کرنا ۳- راستہ سے پھر جانا منحرف ہو جانا ۴- توازن قائم رکھنا ۵ - افراط و تفریط سے بچنا

عدل و انصاف کے الفاظ ہم معنیٰ استعمال ہوتے ہیں - انصاف کے لغوی معنیٰ ہیں - کسی چیز کو دو برابر حصوں میں بانٹنا - حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ عدل کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنے کو کہتے ہیں - اس کی ضد ظلم کا لفظ ہے - جس کے معنیٰ ہیں - کسی چیز کو غلط جگہ پر رکھنا جو اس کے مناسب حال نہ ہو -
(کشف المحجوب)

قرآنِ حکیم میں عدل کے لئے قسط کا لفظ بھی آیا ہے - عدل کی ضد جور ہے - جور کا لفظ عدم توازن اور حد سے تجاوز کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے -

عدل کی اہمیت یہ طویل و عریض کائنات عدل کے بل بوتے پر قائم ہے - اس کے اجزاء میں ایک مکمل توازن ہے - اگر اس کے عناصر غیر متوازن ہو جائیں تو ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ نہ رہ سکے - اس طرح کائناتِ ارضی کی تمام اشیاء میں مخصوص توازن پایا جاتا ہے - جس کے فقدان کی صورت میں اس کا قیام و بقاء محال ہے - خدا کے ۹۹ صفاتی ناموں میں سے عادل بھی ایک نام ہے جس کے معنیٰ ہیں - عدل و انصاف سے کام لینے والا - اس سے واضح ہوا کہ بندوں میں جو عدل کی صفت پائی جاتی ہے وہ عدلِ خداوندی کا ہی پرتو ہے - قرآنِ کریم کے بیشتر مقامات میں عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے - فرمایا :-

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ یَامُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے)
(سورۂ نحل - ۱۲)

اسلام میں عدل کو جو اہمیت حاصل ہے اس کے ثابت کرنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اُمّتِ ہذا کو اُمّت وَسط قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

"جَعَلْنَاکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا" (ہم نے تم کو اعتدال پسند اُمّت بنایا ہے)

معاشرتی زندگی میں عدل و انصاف کی سب سے زیادہ ضرورت ان لوگوں کو ہوتی ہے جو ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کرتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کو حکم دیا

"فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً" (النساء - ۱) (پھر اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ اکٹھی بیویوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی کافی ہے)

یتیموں کے حقوق کی نگہداشت کے لئے بھی عدل و انصاف کی ضرورت ہے اس لئے فرمایا:۔

"وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتَامٰی بِالْقِسْطِ" (النساء) (یتیموں کے حق میں انصاف ملحوظ رکھو)

ناپ تول میں عدل و انصاف

روزمرہ زندگی میں عدل و انصاف کی شدید ضرورت خرید و فروخت اور وزن و پیمائش میں بھی لاحق ہوتی ہے۔ اس ضمن میں ارشاد ہوا

وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ (سورہ انعام - ۱۹) (اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول کرو)

قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں بار بار تاکید کی گئی ہے کہ ناپ تول میں بے انصافی نہ کی جائے۔ خرید و فروخت کا معاملہ روزمرہ زندگی میں ہر شخص کو پیش آتا ہے۔ اس لئے وزن و پیمانہ میں کمی کرنے سے جو نقصان پہنچتا ہے۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مزید برآں ناپ تول میں معمولی کمی کرنے سے انسان کا گھٹیا پن اور کمینگی ظاہر

Marfat.com

ہوتی ہے جس سے انسانی روح پر بڑا ناگوار اثر پڑتا ہے اور بلند ہمتی و عالی ظرفی کے جذبات ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔

عدالتی امور میں عدل

عدالتی امور میں عدل و انصاف کی بے حد ضرورت ہے اور اسلام نے عدالتی کاروبار کے ہر پہلو میں عدل و انصاف کا لحاظ رکھا ہے۔ دستاویز لکھنے کے متعلق فرمایا۔

"وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ" (بقرہ - ۳۹) (اور دستاویز لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے)

عدالت میں گواہی دیتے وقت بہت سے لوگ ایمان کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ مقدمہ کا ایک فریق قریبی رشتہ دار ہو۔ اسلام اس حالت میں بھی عدل کی تاکید کرتا ہے۔ فرمایا۔

"وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى" (انعام - ۱۹) (جب بات کہو تو گو فریق مقدمہ اپنا رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہو انصاف کا ساتھ دیجئے۔

دوسری جگہ فرمایا:

مسلمانو! خدا کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لئے آمادہ رہو اور لوگوں کی عداوت تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم معاملات میں انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کیونکہ شیوۂ انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔ (سورۂ مائدہ)

غیر مسلموں سے عدل

مذکورہ صدر آیت سے واضح ہوا کہ جہاں اپنے مذہب والوں کے مابین عدل کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں غیر مذہب والوں سے بھی عدل ہی کے برتاؤ کی تاکید کی گئی ہے۔ "یہود و نصاریٰ اسلام کے کھلے ہوئے دشمن تھے۔ تاہم آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے۔ آپ کہہ دیں کہ میں ہر اس کتاب کو مانتا ہوں جو اللہ نے اتاری اور مجھے خدا سے یہ حکم ملا ہے کہ میں تمہارے (یہود و نصاریٰ کے) مابین انصاف کروں۔ اللہ ہمارا اور

Marfat.com

تمہارا رب ہے۔ ہم کو ہمارے کاموں کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے کاموں کا۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کچھ جھگڑا نہیں۔ اسی کی طرف سب کو پھر کر جانا ہے۔

(سورہ شوریٰ۔۲)

مذکورہ صدر آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلانیہ یہ بات کہنے کا حق دیا گیا ہے کہ دینی مخالفت کی بنا پر یہود و نصاریٰ سے بے انصافی نہیں کی جائے گی۔ دوسرے یہ کہ یہود میں مقدمات کے فیصلہ کی جو یہ صورت جاری تھی کہ دولتمندوں اور عزت والوں کے ساتھ رعایت کا اور عام لوگوں کے ساتھ سختی کا قانون برتا جائے میرے خدا نے ایسا کرنے سے مجھے منع کیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ عام و خاص اور امیر و غریب سب کے ساتھ یکساں اور برابری کا سلوک کیا جائے۔ کیونکہ ہمارا تمہارا سب کا رب ایک ہی ہے۔ ہم سب اس کے غلام ہیں۔ اس لئے اس کے سب غلاموں کے لئے ایک ہی قانون ہونا چاہئے۔

اپنی ذات سے عدل

عدل و انصاف کا مشکل ترین مرحلہ یہ ہے کہ اپنے نفس کے مقابلہ میں عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ قرآنِ کریم میں اس کٹھن منزل کی رہنمائی بھی پوری طرح کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ"

(سورۂ نساء۔۲۰)

(اے ایمان والو! انصاف کی حمایت میں کھڑے رہو۔ اللہ کے لئے گواہ بنو، اگرچہ اس میں تمہارا نقصان ہی ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا)

مولانا سید سلیمان ندوی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

• اس آیت میں عدل کے خلاف ایک ایک ریشہ کو جڑ سے نکال کر پھینک دیا گیا ہے۔ کہا گیا کہ معاملات میں عدل و انصاف تمہارا مقصد ہو جو کچھ کہو خدا لگتی کہو اور

Marfat.com

خدا واسطے کہو۔ عدل و انصاف کے فیصلے اور گواہی میں نہ تو اپنے نفس کا خیال بیچ میں آئے نہ عزیزوں اور رشتہ داروں کا۔ نہ دولت مند کی طرفداری کا۔ نہ محتاج پر رحم کا۔ پھر اس فیصلہ اور گواہی میں کوئی بات لگی لپٹی نہ رکھی جائے۔ نہ حق کا کوئی پہلو جان بوجھ کر بچالیا جائے۔

دو جماعتوں میں عدل

دو شخصوں یا جماعتوں میں مصالحت کرانا بھی ایک عدالتی معاملہ ہے۔ اس لئے اس پر بھی عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ بڑی نازک صورتِ حال ہوتی ہے۔ دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف میدانِ جنگ میں برسرِ پیکار ہوتے ہیں۔ اس وقت عقل کی قوت اور نیکی کی صلاحیت کا چراغ جذبات کی آندھیوں میں بجھ رہا ہوتا ہے۔ اس دشوار مرحلہ پر بھی مسلمانوں کو عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا:۔

"اور اگر مسلمانوں کے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو۔ پھر اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے تم اس سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی طرف رجوع کرے تو دونوں میں عدل وانصاف کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کو ملحوظ رکھو۔ بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو چاہتا ہے۔" (سورۂ حجرات۔۱)

حاکم کے لیے عدل کی ضرورت

عدل وانصاف حکومت وسلطنت کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے ہر قسم کے مذہبی اور عدالتی فیصلے کے لئے عدل کو ضروری قرار دیا۔ اگر عدل نہ ہو تو کسی مظلوم کی دادرسی ممکن ہی نہیں۔ اس لئے ایک حاکم کا پہلا فرض یہ ہے کہ عادل ہو۔

عدالتی فیصلہ کے بارے میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"بعض لوگ میرے پاس آکر اپنے آپ کو زبان درازی سے سچا ثابت کرکے اپنے حق میں فیصلہ صادر کرا لیتے ہیں۔ مگر انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ جہنم کی آگ پھانکتے ہیں۔"

Marfat.com

اسلامی عدل کی نگاہ میں قوم و قبیلہ آقا و غلام مرد و عورت اور امیر و غریب میں کوئی تمیز نہیں۔ قبیلہ قریش کی ایک معزز عورت نے چوری کا ارتکاب کیا۔ آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے حضرت زید کے بیٹے اُسامہ کو سفارش کے لئے بھیجا آپ اُسامہ کو بہت چاہتے تھے۔ یہ سفارش سُن کر ناراض ہوئے اور فرمایا "تم سے پہلی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ بڑے لوگوں کے جرم معاف کر دیتی تھیں اور جب کوئی چھوٹا آدمی جرم کرتا تو اس کو سزا دی جاتی۔

خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا" غزوہ بدر کے بعد جب آنحضورؐ کے چچا عباس قریش مکہ کے قیدیوں میں گرفتار ہو کر آئے تو بعض صحابہ نے کہا۔ اجازت ہو تو عباس کا فدیہ معاف کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ ایک درہم بھی کم نہ لو۔ (بخاری)

قرآن میں ارشاد ہوا:-

"اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (سورۃ النساء-۸)

(بیشک اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو)

مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں "امانت" سے مراد منصفانہ حق ہے! اللہ تعالیٰ نے اس امانت میں حق کی امانت کو حق دار تک پہنچانے کا حکم دیا ہے اور منصفانہ فیصلہ کی تاکید کی ہے اور یہ فیصلہ دوست دشمن کافر و مسلم سب کے ساتھ یکساں عدل و انصاف کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کے معاملات میں حکم دیا ہے:-

"وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ" (سورۃ مائدہ-۶)

(اور اگر فیصلہ کرنا ہو تو ان (یہود) میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا کیونکہ اللہ انصاف کرنیوالوں کو چاہتا ہے)

Marfat.com

ان آیات کی رُو سے اگرچہ ہر مسلمان کو عادل ہونا چاہیئے۔ تاہم حاکمِ وقت کے لئے عادل ہونا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ اسی لئے حدیث میں عادل سلطان کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن خدا جن لوگوں کو اپنے سایہ میں لیگا۔ انمیں ایک شخص عادل حاکم ہوگا۔ (صحیح بخاری)

سرورِ کائنات کا عدل و انصاف

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی عدل و انصاف کا مجسمہ تھی۔ تاریخ اسلام کے صفحات آپؐ کے واقعات عدل و انصاف سے پُر ہیں۔ چند ایک واقعات ملاحظہ ہوں :۔

۱۔ سرق رضؓ نامی ایک صحابی تھے۔ انھوں نے ایک بدوی سے ایک اُونٹ مول خریدا لیکن قیمت ادا نہ ہوسکی۔ بدّو ان کو پکڑ کر آپؐ کی خدمت میں لے گیا اور واقعہ عرض کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قیمت ادا کردو۔ انہوں نے ناداری کا عذر کیا۔ آپؐ نے بدّو سے کہا کہ بازار لے جاکر ان کو فروخت کرلو۔ بدّو ان کو بازار لے گیا۔ ایک صاحب نے دام دے کر بدّو سے خریدا اور آزاد کردیا۔

(مسند احمد جلد ۲ ص ۳۲۳)

زندگی کے آخری لمحات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع عام میں یہ اعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو۔ اگر میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال اور آبرو حاضر ہے۔ اسی دنیا میں وہ اپنا انتقام لے لے۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو ادا کردیئے گئے۔

عدل کے ثمرات

۱۔ عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا جائے تو سب لوگوں کو ان کے واجبی حقوق مل جاتے ہیں۔

۲۔ عادل افراد و اقوام دنیا میں اوجِ کمال پر پہنچتی ہیں۔

۳۔ عادل حاکم دنیا میں کامیاب اور خدا کے یہاں سرخرو ہوتا ہے۔

۴۔ عدل سے معاشرہ میں امن قائم ہوتا ہے اور قوم تعمیری کاموں کی طرف متوجہ

Marfat.com

ہوتی ہے۔

۵۔ عدل اسوۂ رسول ہے اور اس کا اتباع افرادِ اُمت کے لئے ضروری ہے

۶۔ عدل سے معاشرتی مساوات قائم ہوتی ہے اور بندہ اور آقا کی تمیز اُٹھ جاتی ہے۔

۷۔ عدل سے آخرت میں سرفرازی حاصل ہوتی ہے۔ امام عادل قیامت کے روز عرش کے سایہ تلے ہوگا۔

۸۔ عدل صفاتِ خداوندی میں سے ایک ہے اور خدا کا حکم ہے کہ اپنے اندر میری صفات پیدا کرو۔

سوالات

۱۔ دینی نقطۂ نظر سے عدل کی اہمیت بیان کیجئے۔

۲۔ عدالتی معاملات میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ لکھئے۔

۳۔ غیر مسلموں سے عدل و انصاف کے بارے میں اسلام نے کیا تعلیم دی ہے۔

۴۔ عدل کے بارے میں اُسوۂ نبویؐ کیا تھا۔ واقعات سے ثابت کیجئے۔

۵۔ حکومت کس طرح عدل و انصاف کو قائم کرسکتی ہے؟

Marfat.com

باب ۱۳

احسان

مطلب و مفہوم احسان باب افعال کا مصدر ہے۔ اس کا مادہ حسن ہے۔ عربی میں احسان کے معنیٰ یہ ہیں:۔

۱۔ اچھا کام کرنا۔ اس کی ضد ہے۔ اَسَاءَ یُسِیءُ اِسَاءَۃً = (بُرا کام کرنا) ہے۔
۲۔ خوبصورت بنا دینا ۳۔ کسی علم و ہنر میں ماہر ہونا فُلَانٌ یُحْسِنُ الْقِرَاءَۃَ)۔
۴۔ احسان کا صلہ جب اِلیٰ یا بہ ہو تو اس کے معنی حسنِ سلوک اور مروّت کے آتے ہیں۔ ۵۔ کسی کام کو ذوق و شوق اور خلوص سے انجام دینا۔ اس میں حسن و رعنائی پیدا کرنا۔ (القاموس)

خلاصہ یہ کہ احسان کے معنیٰ ہیں کسی کام کو جی لگا کر عمدگی اور سلیقہ سے انجام دینا یہ مفہوم قدر مشترک کے طور پر مذکورہ بالا تمام معانی میں پایا جاتا ہے۔ اردو میں یہ لفظ حسنِ سلوک اور مروّت کا مفہوم ادا کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ جب عربی میں یہ مفہوم ادا کرنا مقصود ہو۔ اس وقت احسان کا صلہ لفظ "اِلیٰ" یا "ب" آتا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں مُحْسِن یا مُحْسِنِیْنَ کے الفاظ صلہ کے بغیر آئے ہیں۔ ان سے بعض جگہ احسان کرنے اچھے کام یا کام کو سلیقہ سے انجام دینے کے معنیٰ مراد لئے گئے ہیں۔ اس وسیع معنی میں حسن سلوک اور مروّت کا مفہوم بھی داخل ہو سکتا ہے۔ ہر جگہ عربی میں احسان کا لفظ حسن سلوک میں محدود نہیں جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ کے باب الاحسان میں فرماتے ہیں۔

شارع علیہ السلام نے بنی نوع انسان کو جن واجبات یا محرّمات کا مامور و مکلف کیا ہے۔ ان سے دو طرح بحث کی جا سکتی ہے۔

۱۔ پہلے اس اعتبار سے کہ یہ اعمال لوگوں پر کب اور کس وقت واجب التعمیل ہیں؟ ان

Marfat.com

کی ظاہری شکل وصورت کیا ہے۔ ان کا بجالانا لوگوں پر کس حد تک ضروری ہے؟ ظاہر ہے کہ ان امور میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ یہ سب باتیں علم الفقہ میں مذکور ہوتی ہیں۔

۲۔ دوسرے یہ کہ یہ اعمال بنی نوع انسان کو کس حد تک مہذب بناتے ہیں اور ان سے وہ غرض وغایت کہاں تک حاصل ہوتی ہے۔ جس کے لئے ان کو انسانوں پر واجب ٹھہرایا گیا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ان اعمال کی ظاہری شکل وصورت کو دیکھنا ہوگا۔ اس سے اندازہ ہوسکے گا کہ ان اعمال کی اصلی روح کیا ہے۔ اور وہ ان سے کہاں تک حاصل ہوتی ہے جو علم ان امور سے بحث کرتا ہے۔ اس کو علم الاحسان کہتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

احسان کے متعلق سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ" (صحیح بخاری)

احسان کے معنی یہ ہیں کہ تو خدا کی اس طرح عبادت کرے۔ گویا اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو۔ تو یہ سمجھو۔ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے)

آگے چل کر شاہ صاحب نے تفصیلاً بتایا ہے کہ احکام اسلام گہرے منافع ومصالح پر مبنی ہیں۔ اسلام کا جزوی سے جزوی حکم بھی مصلحت وحکمت سے خالی نہیں احسان کا مطلب یہی ہے کہ شرعی احکام کو اس قدر دلجمعی یکسوئی اور اخلاص نیت کے ساتھ ادا کیا جائے کہ ان کی اصلی روح حاصل ہوجائے۔

اہمیت احسان اپنے وسیع معنی میں (یعنی بھلائی کرنا اور کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینا) ایک ایسی جامع صفت ہے۔ جو نیکی کی ہر قسم کو شامل ہے۔ اسلام جہاں نیکی میں سبقت کرنے اور زیادہ سے زیادہ نیک اعمال بجالانے کا حکم دیتا ہے وہاں اس بات کو بھی ضروری قرار دیتا ہے کہ نیکی خوب سے خوب تر طریقہ پر دل وجان سے انجام دی جائے۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ ہر عمل کو اپنا آخری عمل تصور کرنا چاہیئے مقصود یہ ہے کہ اس کی انجام دہی میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ اسی کا نام احسان ہے۔

Marfat.com

اس کی صورتیں اتنی بے شمار ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ان تمام صورتوں کا ماحصل یہ ہے کہ دوسرے کے ساتھ ایسا نیک سلوک کیا جائے۔ جس سے اس کا دل خوش ہو۔ اور وہ الم و رنج سے نجات حاصل کرے۔ گویا احسان عدل و انصاف سے بڑھ کر ایک وصف کا نام ہے۔ عدل مساوات کا تقاضا کرتا ہے۔ احسان اس سے بڑھ کر یہ چاہتا ہے مستحق کو اس کے حق سے زیادہ دے دیا جائے۔ خداوند کریم ان دونوں صفات سے متصف ہے۔ جب کوئی شخص بدی کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو اس کے اعمال نامہ میں ایک ہی بدی لکھی جاتی ہے۔ یہ اس کا عدل ہے۔ بخلاف ازیں جب کوئی شخص نیک عمل انجام دیتا ہے۔ تو بارگاہِ ربانی سے دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں اس کے اعمال نامہ میں درج ہو جاتی ہیں۔ یہ اس کا احسان ہے۔

مندرجہ صدر بیان سے واضح ہوا کہ احسان کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ عبادات کو احسن طریق اور خشوع و خضوع سے بکمال اخلاص انجام دینا۔

۲۔ دوسری قسم کا احسان یہ ہے کہ انسانوں سے نیک سلوک روا رکھا جائے اور دوسرے شخص کی بھلائی کا بڑھ کر بدلہ دیا جائے۔

اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں

"اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ" — اللہ تعالےٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔
(سورہ نحل رکوع ۱۳)

اس آیت میں عدل و احسان دونوں کا حکم دیا گیا۔ عدل صرف واجبی حق دلاتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ دوسرے شخص کی ضروریات کا تقاضا کیا ہے۔ احسان کسی کے استحقاق کو میزان عدل میں رکھ کر وزن کرنے کا متقاضی نہیں۔ بلکہ فیاضی اور دریا دلی کا مظہر ہے قرآن ہمیں بتلاتا ہے کہ اگر بدی کی سزا دینا پڑے، تو یہ سزا اس کی برائی سے بڑھ کر ہرگز نہ ہو۔ زیادہ سے زیادہ برابر کا بدلہ ہو۔ یہ عدل ہے مگر اس سے بلند تر یہ چیز ہے کہ اگر ممکن ہو تو مظلوم مجرم کو معاف کر دے۔ الغرض حسن معاملات کی ترکیب عدل و احسان کے حسین امتزاج سے قائم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ صدر آیت میں عدل و احسان

Marfat.com

دونوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ دراصل یہ دونوں صفات ایک دوسری سے مربوط ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب طویل قید و بند کے بعد قید خانہ سے نجات پائی اور ان کے والدین اور بھائی بخیریت مصر پہنچ گئے۔ تو ان الفاظ میں اللہ تعالےٰ کے احسان کا شکر ادا کیا۔

وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ
(سورۂ یوسف ۱۱)

اور خدا نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید خانہ سے نجات دی۔ اور آپ لوگوں کو گاؤں سے یہاں لے آیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے ایک دولت مند شخص قارون نے جب زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ تو اسے ان الفاظ میں تنبیہہ فرمائی۔

"اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ"
(سورۂ قصص)

تو احسان کر جس طرح خدا نے تجھ پر احسان کیا۔

احسان کے لئے کوئی مقدار متعین نہیں۔ بلکہ بھلائی کی ہر چھوٹی بڑی قسم احسان میں داخل ہے۔ احسان مالی امداد کے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ بلکہ احسان کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں۔ عام لوگوں کے علاوہ والدین۔ قرابت دار۔ یتیم۔ محتاج۔ پڑوسی۔ احباب و انصار مسافر۔ لونڈی۔ غلام احسان کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لئے خداوند تعالےٰ نے سورۂ نساء رکوع ۵ میں ان لوگوں کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا۔ والدین کے ساتھ احسان کرنے کی متعدد آیات میں تاکید ہے۔

احسان کی اہم صورتیں

۱۔ مصیبت سے نجات دلانا کسی کو مصیبت سے نجات دلانا احسان کی اہم صورت ہے! اللہ تعالےٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے نجات دلائی تھی۔ حضرت یوسف نے اسے احسان سے تعبیر کیا۔ اس کے علاوہ اور بھی سینکڑوں شریفانہ اور فیاضانہ افعال ہیں جن کو خدا نے احسان قرار دیا ہے۔ مثلاً عورتوں کو قانونی حیلے نکال کر دق کرنا بڑا کام تھا جس سے اللہ تعالےٰ نے منع کیا۔ اور فرمایا کہ اگر کسی عورت کو اپنی زوجیت میں نہ رکھنا چاہو۔ تو

Marfat.com

بطریق احسن اس کو الگ کر دو۔ قرآن میں ارشاد ہوا۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ

(البقر - ۲۹)

(رجعی) طلاق فقط دو مرتبہ ہے۔ پھر دستور کے مطابق زوجیت میں رکھنا ہے۔ یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا۔

۲۔ کسی کے حق کی باقاعدہ ادائیگی۔

کسی کے واجب الادا حق کو بلا چون وچرا ادا کرنا۔ قرآن میں فرمایا۔

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ۔

(سورۃ البقرہ - ۲۲)

پھر جس (قاتل) کو اس کے بھائی (طالب قصاص) نے کچھ قصاص معاف کر دیا تو مطالبہ معقول طریق پر کرنا چاہیئے اور مطالبہ کو اس (فریق) کے پاس اچھی طرح سے پہنچا دینا چاہیئے۔

۳۔ قصوردار کے قصور کو معاف کرنا۔

قصوروار کے قصور کو معاف کرنا بھی احسان ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس احسان کو یہ درجہ دیا ہے کہ جو اس صفت سے متصف ہوں۔ وہ بھی خدا کے محبوب بندوں میں ہوں گے۔ ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ

(سورۃ آل عمران - ۱۴)

اور اللہ ان نیکی کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔

۴۔ غیر مسلموں سے سلوک۔

غیر مسلموں سے حسن سلوک کرنا بھی احسان کی ایک خاص قسم ہے۔ صحابہ میں کچھ لوگ ایسے تھے۔ جو غیر مسلموں پر صدقہ کرنے کو ثواب کا کام نہیں سمجھتے تھے۔ اس پر حکم نازل ہوا کہ ہدایت سے بہرہ ور کرنا تمہارا نہیں میرا کام ہے۔ تم کو بلا امتیاز مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ نیکی کرنی اور اپنی نیت ٹھیک رکھنا چاہیئے۔ قرآن میں ارشاد ہوا۔

ان کو ہدایت دینا تمہارا کام نہیں بالکہ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ تم

Marfat.com

جو خیرات دوگے۔ وہ تمہارے لئے ہے اور تم صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے دیتے ہو۔ تم جو خیرات بھی دوگے وہ تم کو پوری مل جائے گی اور تمہارا حق مارا نہ جائے گا۔ (سورۂ بقرہ - ۱۲۷)

۵۔ نیکی کا بدلہ نیکی

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ — اور بھلائی کا بدلہ صرف بھلائی ہے۔

(سورہ رحمٰن - ۲)

نیکی کا بدلہ نیکی سے دین اسلام کا وہ اصول ہے جس پر ثواب وعذاب کا دارومدار ہے۔ جو نیک کام کریں ان کو خدا کے ہاں سے نیک جزا ہی ملے گی۔ اس آیت میں آخرت کی جزا کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر لفظوں کے لحاظ سے اس اصول کی وسعت دنیا اور آخرت دونوں کو شامل ہے۔

۶۔ مقروض کو مہلت دینا۔

احسان کی ایک صورت یہ ہے کہ قرضداروں کے بوجھ کو ہلکا کیا جائے تنگ دست مقروضوں کو مہلت دی جائے۔ اور جو لوگ قرض ادا کرنے سے معذور ہوں۔ ان کا قرض معاف کر دیا جائے۔

دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اس طرف توجہ دی۔ عرب میں سود خواری نے لوگوں کو اس قدر بے رحم اور سنگ دل بنا دیا تھا کہ جو لوگ قرض ادا نہیں کر سکتے تھے۔ وہ غلاموں کی طرح فروخت کر دئے جاتے تھے اور جو قیمت ملتی تھی۔ اس سے ان کا قرض ادا کیا جاتا تھا۔ آج اس متمدن زمانہ میں قرض کی زنجیر مقروضوں کے لئے اتنی ہی بھاری ہے۔ بلکہ سرمایہ داری کے نظام نے اس کو اور زیادہ بھاری بنا دیا ہے۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت نے اس سارے نظام کو تہہ وبالا کر دیا۔

قرآن کریم میں فرمایا۔

"وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا — اور اگر کوئی تنگ دست (تمہارا مقروض) ہو تو فراخی تک کی مہلت دو۔ اگر سمجھو تو

Marfat.com

خیر لکم۔ تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس کو (اصل قرض بھی) بخش دو۔ (سورۂ بقرہ۔ ۲۸)

احسان کے بارے میں غلط فہمی

عام لوگوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ دولت و ثروت کے بغیر کسی سے احسان کرنا ممکن نہیں۔ ان کی نگاہ میں احسان کا مفہوم بڑے بڑے احسانات تک محدود ہے۔ وہ اسی بنا پر کہتے ہیں۔ کہ غریب کس احسان کے قابل ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے کے لئے دولت کی نہیں دل کی ضرورت ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ صحابی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بدوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی بات بتایئے۔ جس کے کرنے سے مجھے جنت نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا سوال نہایت معقول ہے۔ تم جانوں کو آزاد کرو اور گردنوں کو چھڑاؤ۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! کیا یہ دونوں باتیں ایک ہی نہیں۔ فرمایا "نہیں" اگر تم اکیلے کسی کو آزاد کرتے ہو۔ تو یہ جان کا آزاد کرنا ہے۔ اور اگر دوسرے کے ساتھ شریک ہو کر کسی کے آزاد کرانے میں مالی امداد کرتے ہو تو یہ گردن چھڑانا ہے لگاتار دیتے رہو اور ظالم رشتہ دار کے ساتھ نیکی کرو۔ اگر تم یہ بھی نہ کرسکو تو بھوکے کو کھلاؤ اور پیاسے کو پلاؤ نیکی کا حکم دو۔ اور برائی سے روکو اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو اپنے آپ کو بھلائی کے سوا اور باتوں سے روکو۔ (مستدرک حاکم)

احادیث نبویہ اور احسان

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سابقہ اقوام میں ایک شخص تھا۔ جو حاجت مندوں کو قرض دینے کے سوا اور کوئی نیک کام نہیں کرتا تھا۔ جب اس کو کوئی مقروض تنگ دست نظر آتا۔ تو اپنے ملازموں سے کہتا کہ اس سے درگذر کرو۔ شاید خدا ہم سے بھی درگذر کرے۔ اس کے صلہ میں خدا نے اسے معاف کر دیا۔ (بخاری)

۲۔ آپ نے فرمایا۔ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ خدا اسے قیامت کی تکلیف سے نجات دے (وہ تنگ دست کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

۳۔ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میں کسی شخص کے پاس سے گذرتا ہوں۔ تو وہ میری مہمانی نہیں کرتا تو کیا جب اس کا گذر مجھ پر ہو میں بھی اس کی کج خلقی کا بدلا اسی طرح دوں۔ فرمایا "نہیں تم اس کی مہمانی کرو" (ترمذی)

۴۔ آپ نے فرمایا "ایسے نہ بنو کہ اپنی عقل سے کام نہ لو اور دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرو۔ اور یہ کہنے لگو کہ اگر لوگ احسان کریں گے۔ تو ہم بھی کریں گے۔ اور اگر ظلم کریں گے تو ہم بھی کریں گے۔ بلکہ اپنے آپ کو اس پر مطمئن کرلو کہ اگر دوسرے احسان کریں تو تم احسان کرو گے۔ اور اگر وہ برائی بھی کریں تو تم ظلم نہ کرو۔" (ترمذی)

۵۔ جو اپنے قرض دار کو مہلت دے گا یا اس کا قرض معاف کرکے اس پر احسان کرے گا تو قیامت کے دن خدا کے عرش کے سایہ میں ہوگا۔ (مسند احمد)

۶۔ ایک دفعہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! مجھے کوئی عمل بتائیے فرمایا "جو روزی خدا نے دی ہے۔ اس میں سے دوسروں کو دیجئے۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا یا حضرت! اگر وہ شخص خود مفلس ہو؟" فرمایا "زبان سے اچھے کلمات ادا کرے" عرض کی "اگر اس کی زبان نہ چلتی ہو۔" فرمایا "عاجز کی مدد کرے" عرض کی "اگر وہ کمزور ہو اور مدد نہ کرسکتا ہو" فرمایا "جس کو کوئی کام نہ کرنا آتا ہو اس کا کام کردے" عرض کی "اگر وہ خود ناکارہ ہو؟" فرمایا "کسی کو ایذا نہ پہنچائے"

(مستدرک حاکم کتاب الایمان)

۷۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے۔ اگر تمہیں کسی کو شرعی حکم کے پیش نظر جان سے مارنا بھی پڑے۔ تو اس کو اچھائی کے ساتھ مارو۔ کسی جانور کو ذبح کرنا چاہو۔ تو بھی خوبی کے ساتھ کرو۔ چھری کو خوب تیز کرلیا کرو۔ اور اپنے ذبیحہ کو راحت دو۔ (مسلم)

غرض یہ ہے کہ اسلام نے دوسروں کے ساتھ احسان کرنے کو کسی خاص معنی میں محدود نہیں کیا ہے بلکہ اس کو نیکی کی راہ میں وسیع کردیا ہے۔ زندگی تو زندگی موت میں بھی اس نے اس اصول کے دائرہ کو تنگ نہیں کیا ہے۔

Marfat.com

احسان کے بارے میں اسوۂ نبوی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صفتِ احسان کا زندہ پیکر تھے۔ اس کی حدیہ ہے کہ آپ اعدائے دین سے بھی نیک سلوک کرتے۔ تاریخ اسلام ایسے واقعات سے پُر ہے۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت عکرمہ دشمن اسلام ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام سے پہلے باپ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے۔ فتح مکہ کے بعد مکہ سے بھاگ کر یمن چلے گئے۔ ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں وہ یمن گئیں اور عکرمہ کو تسلی دی۔ ان کو مسلمان کیا اور خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا۔ فرطِ مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے۔

مَرحَباً بالرَّاکِبِ المُھَاجِر۔ اے ہجرت کرنے والے سوار تمہارا آنا مبارک ہو۔ (موطا امام مالک و ترمذی)

وحشی جو اسلام کے قوت بازو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا مکہ میں رہتا تھا۔ جب مکہ میں اسلام کی قوت و شوکت ظاہر ہوئی وہ بھاگ کر طائف آیا۔ طائف کے شہر والوں نے بھی آخر سر اطاعت خم کیا۔ وحشی کو یہاں سے بھی کوچ کرنا پڑا اس نے سنا کہ آپ دور سے آنے والوں کے ساتھ کبھی سختی کے ساتھ پیش نہیں آتے چنانچہ خود رحمت عالم کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کیا۔ آنحضرتؐ نے صرف اس قدر فرمایا کہ میرے سامنے نہ آیا کرو تم کو دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے۔ (صحیح بخاری)

احسان جتلانے کی ممانعت

دولت و ثروت خدا کی داد ہے۔ اگر ہمیں کسی پر احسان کرنے کا موقع ملے تو خدا تعالیٰ کا شکر بجا لانا چاہیئے جس نے اس کارِ خیر کی توفیق بخشی۔ اگر کسی کی مالی امداد کی جائے تو دل میں یہ خیال جاگزیں ہو کہ یہ امانتِ ایزدی تھی جو میں نے اس کو تفویض کر دی اور اگر جسم و جان سے کسی کی مدد کی جائے تو اس نظریہ کے ساتھ کہ یہ خدمت توفیق ربانی تکمیل پذیر ہوئی اور مجھے اس عطائے خداوندی

Marfat.com

کا سپاس گذار ہونا چاہیئے۔ احسان جتلانے سے اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے اور جس پہ احسان کیا جاتا ہے۔ اسے لوگوں کے روبرو شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتے ہیں :-

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى"
اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور دکھ دے کر ضائع نہ کرو۔

(البقرہ ۲۶۴)

اس آیت میں احسان جتلانے سے منع کیا اور بتلایا کہ اس سے صدقات وخیرات کا اجر و ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

احسان کے نتائج

۱۔ احسان کرنے والا کسی حد تک صفت خداوندی "محسن" سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰے خود محسن ہے۔ اور وہ احسان کرنے والے کی قدر کرتا ہے۔ اس کی عبادت خشوع وخضوع سے کی جائے یا اس کے بندوں سے نیک سلوک کیا جائے تو وہ اس کا اجر دونوں جہانوں میں دیتا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:-

"وَسَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ"
ہم احسان کرنے والوں کو مزید عطا فرمائیں گے۔

۲۔ احسان پیشہ شخص اسوۂ نبوی کی راہ پر گامزن ہے۔

۳۔ احسان رضائے الٰہی کا باعث اور جنت میں جانے کا موجب ہے۔

۴۔ احسان سے الفت ومحبت بڑھتی اور حسد وبغض کا خاتمہ ہوتا ہے۔ آغازِ اسلام میں اشاعتِ اسلام کا ایک قوی سبب یہ تھا کہ اسلامی فتوحات مفتوحہ اقوام کے لئے عفوِ عام کا پیغام ہوتی تھیں جس سے لوگ اہل اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے چنانچہ جہاں جہاں اسلامی پرچم پہنچا۔ وہاں اسلام کا سکہ جاری ہو گیا۔

۵۔ احسان سے معاشرہ میں امن وسلامتی کا دور دورہ ہوتا اور اس طرح اسے استحکام وبقا نصیب ہوتا ہے۔

Marfat.com

۶۔ احسان سے دشمن دوست بن جاتے ہیں۔

۷۔ احسان کا صلہ اخروی نجات کی صورت میں ملے گا۔

۸۔ احسان ایثار و قربانی کے لئے اساس کا حکم رکھتا ہے اور ایثار کے بغیر کوئی قوم ترقی کے مدارج طے نہیں کر سکتی۔

سوالات

۱۔ احسان کا مفہوم و مطلب تحریر کیجئے اور بتایئے؟ اس کے اردو اور عربی استعمال میں کیا فرق ہے؟

۲۔ احسان کی اہم صورتیں کیا ہیں؟ قرآن کریم کی روشنی میں تحریر کیجئے۔

۳۔ احسان کے بارے میں کم از کم دو احادیث نبویہ لکھئے۔

۴۔ احسان کے بارے میں اسوہ نبوی کیا تھا کم از کم دو واقعات لکھئے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے احسان کرنے والوں کے متعلق کیا فرمایا ہے۔

۶۔ غیر مسلموں سے احسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کیا حکم دیا ہے؟

Marfat.com

باب ۱۴

خدمتِ خلق

مفہوم | خدمتِ خلق کا مطلب یہ ہے کہ کسی غرض یا صلہ کے بغیر بنی نوعِ انسان کی خدمت کی جائے۔

خدمتِ خلق کا دائرہ بڑا وسیع ہے یہاں تک کہ اس میں انسان و حیوان سب شامل ہیں۔ اس میں مسلم غیر مسلم رشتہ دار غیر رشتہ دار احباب و اعدا کسی کی تمیز نہیں۔ خدمتِ خلق کا تقاضا ہے کہ بلا امتیاز مذہب و ملت ہر قسم کی خدمت کی جائے اور ہر وقت کی جائے خدمتِ خلق کو محدود نہیں کرنا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو اس کے دائرہ میں وسعت پیدا کی جائے اور مسلم و غیر مسلم امیر و غریب اور انسان و حیوان سب کو اس سے مستفید کیا جائے اگر کوئی غیر مسلم ہماری مدد کا محتاج ہو تو اس کی امکانی امداد سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ سورۂ توبہ میں آیا ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم تمہارے پاس پناہ طلب کرنے کے لیے آئے تو اسے پناہ دو اور بحفاظت اسے منزلِ مقصود تک پہنچا دو۔

حیوانات کو آرام پہنچانا بہت ثواب کا کام ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک شخص سفر میں تھا کہ اسے پیاس لگی ایک کنواں نظر آیا۔ اس میں اترا۔ پیاس بجھا کر اوپر آیا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے کنوئیں کے کنارے کی گیلی مٹی چوس رہا ہے۔ مسافر پھر کنوئیں میں اترا اپنے موزے کو پانی سے بھرا اور اسے منہ میں پکڑے باہر لایا اور کتے کی پیاس بجھائی اس کا یہ عمل بارگاہِ ایزدی میں اس قدر مقبول ہوا کہ اس کی نجات ہو گئی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ حضور! کیا جانوروں کی خدمت کا بھی ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا ہر جاندار چیز کی خدمت میں ثواب ہے۔ (ریاض الصالحین)

خدمتِ خلق کی توضیح یہ ہے کہ دینِ اسلام عقائد و اعمال کے مجموعے کا نام ہے۔ عقائد میں وہ تمام امور شامل ہیں جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص دائرہ ایمان اور اسلام میں داخل نہیں

Marfat.com

ہو سکتا۔

حقوق اللہ: ۔اعمال کی دو بڑی شاخیں ہیں۔(۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد
اللہ کے حقوق وہی ہیں جن کو پانچ ارکان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔یعنی توحید[1] و رسالت کا اقرار۔ نماز[2]۔ زکوٰۃ[3]۔ حج[4]۔ روزہ[5]۔

حقوق العباد: حقوق العباد (بندوں کے حقوق) کی کئی شاخیں ہیں۔ ان میں سے بعض فرض واجب کے درجہ کے ہوتے ہیں۔ اور بعض مستحب کا درجہ رکھتے ہیں حقوق العباد بحیثیت مجموعی اخلاقیات ہی میں شمار ہوتے ہیں۔ان میں سے بعض کا تعلق بندے کی اپنی ذات سے ہوتا ہے۔ اور بعض کا مقصد دوسروں کو نفع پہنچانا۔ خدمتِ خلق اخلاق کی وہ قسم ہے جو دوسرے بندوں کی فیض رسانی سے متعلق ہے۔ اس کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ والدین واولاد اور زوجین (خاوند و بیوی) کے حقوق سے لے کر یتیموں مسکینوں اور بیماروں کے حقوق تک اس میں آجاتے ہیں۔

بظاہر روزی کمانا ایک ذاتی فعل ہے جو اپنے مفاد کے لئے انجام دیا جاتا ہے۔ مگر اس میں بھی خدمتِ خلق کی روح پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر انسان اپنے ذاتی فرائض تندہی و مستعدی سے انجام دے۔ تجارت کے دوران کسی سے دھوکہ نہ کرے۔ چور بازاری نہ کرے اور جائز نفع کھائے تو ایسا شخص ملک وملت کی اخلاقی و اقتصادی ترقی میں بہت مددگار ثابت ہوگا۔ جو لوگ حکومت کے مناصب جلیلہ پر فائز ہیں۔ ان میں خدمت خلق کے جذبہ کا ہونا ازبس ناگزیر ہے۔ اسی جذبہ کے فقدان کا نتیجہ ہے کہ عوام حکومت سے متعلق معاملات میں دادرسی کے لئے عرصۂ دراز تک دفتروں کا طواف کرنے کے باوجود تحصیل مقصد میں ناکام رہتے ہیں۔ جو حکام احساسِ فرض شناسی کے ساتھ ساتھ خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہوتے ہیں وہ پبلک کے کام انجام دینے میں تغافل شعاری کے مرتکب نہیں ہوتے۔

خدمتِ خلق کی اہمیت دنیا میں داد و ستد کا سکہ جاری ہے اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے کے اصول پر عمل کرنا عوام الناس کی

Marfat.com

فطرت کا ایک لازمی جز و بن چکا ہے۔ ایک انسان دوسرے سے اچھا سلوک کرتا ہے تو پہلے سوچ لیتا ہے کہ اسے کیا صلہ ملے گا۔ جب تک یہ محرک موجود نہ ہو کوئی قدم نیکی کی طرف اٹھتا ہے نہ دوسرے کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ خودغرضی اور نفسانفسی کے اس جذبہ کے عین برخلاف دین اسلام انسان میں یہ روح پیدا کرنا چاہتا ہے کہ بعض کام ذاتی مفاد سے بلند ہو کر انجام دینا عین تقاضائے انسانیت و اخوت ہے۔ اسی کا نام خدمتِ خلق ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے :

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
ہر کہ خود را دید او محروم شد

قرآن کریم میں اہل ایمان کی خصوصی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر - ۹)

وہ اپنے پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں وہ خود ضرورت مند کیوں نہ ہوں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔

وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

(پارہ ۲۹، رکوع ۱۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندے سے فرمائے گا" اے میرے بندے میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہ پلایا۔ میں بیمار تھا تو نے میری تیمارداری نہ کی۔ میں حاجت مند تھا تو نے میری حاجت روائی نہ کی" بندہ عرض کرے گا" اے میرے پروردگار تُو تو ان سب باتوں سے پاک ہے۔ تجھے بھوک پیاس کی

Marfat.com

کیا حاجت : اللہ تعالیٰ فرمائے گا " میرا فلاں بندہ پیاسا تھا تو نے اسے پانی نہ پلایا تو نے گویا مجھے پانی نہ پلایا۔ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا تو نے اسے کھانا نہ کھلایا۔ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی تیمارداری نہ کی۔ تو نے گویا میری تیمارداری نہ کی۔ میرا فلاں بندہ محتاج تھا تو نے اس کی حاجت روائی نہ کی۔ تب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا اور وہ اسے کھینچتے ہوئے دوزخ میں لے جائیں گے۔" (صحیح بخاری)

دنیا میں وہی قوم فلاح و بہبود سے ہمکنار ہو سکتی ہے جس میں خدمتِ خلق کا بھرپور جذبہ موجود ہو۔ جو ایثار و قربانی کی روح سے سرشار ہو جو ملک و ملت کے وقار کی خاطر ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو اور وقت آنے پر اپنا تن من دھن قربان کرنے سے ذرہ بھر دریغ نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام بڑا دشوار ہے اور اس کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے مسلمان کا زاویہ نگاہ یہ ہونا چاہیئے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ خدا کا عطا کردہ ہے۔ وقت صحت دولت اور دیگر لوازمِ حیات سب خدا کی داد ہیں۔ اگر انسان ان تمام وسائل کو صرف ذاتی راحت و آرام کی خاطر صرف کرتا ہے تو وہ حد درجہ خود غرض اور بخیل ہے۔ جس طرح مال کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ اسی طرح بدن کی زکوٰۃ بھی واجب الادا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تندرست و توانا بنایا ہے تو اس کی عطا کردہ قوت و طاقت کا کچھ حصہ خدمتِ خلق کے لئے بھی وقف ہونا چاہیئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ہر روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہو جاتا ہے۔ اگر تو دو آدمیوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرے تو یہ صدقہ ہے تو کسی آدمی کو سوار ہونے میں مدد دے تو یہ صدقہ ہے تو اسے سواری پر بٹھائے یا اپنی سواری پر اس کا سامان رکھے تو یہ صدقہ ہے۔ کلمہ طیبہ صدقہ ہے۔ نماز کے لئے تو جو قدم اٹھاتا ہے صدقہ ہے۔ اگر تو کسی تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹا دے تو یہ صدقہ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

خدمتِ خلق کے بارے میں آنحضورؐ کا عملی نمونہ

قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ خدمتِ خلق کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ ایثار بھی خدمت کی ایک بڑی اہم قسم ہے۔ ایثار کے معنیٰ یہ ہیں کہ

Marfat.com

قربانی کے جذبہ سے کام لے کر دوسروں کی ضروریات کو اپنی حاجات سے مقدم سمجھا جائے۔
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ میں ایثار کا وصف ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے جس کا اثر ہر موقعہ پر نظر آتا تھا۔ سیرت النبی جلد دوم سے چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت فاطمہ زہرا سے آپ کو والہانہ محبت تھی۔ جب آتیں تو فرطِ محبت سے کھڑے ہو جاتے۔ پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ حضرت فاطمہؓ کی تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی۔ خود چکی پیستیں۔ خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں۔ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک کے اثر سے سینہ پر نیل پڑ گئے تھے۔ ایک دن خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں۔ خود تو پاسِ حیا سے عرض نہ کر سکیں۔ جناب امیرؓ نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا اور درخواست کی کہ فلاں جنگ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز مل جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ابھی اصحابِ صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہولے۔ میں کسی اور طرف توجہ نہیں دے سکتا۔

۲۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کام خود کر لیا کرتے تھے۔ پھٹا ہوا کپڑا سی لیتے۔ جوتا مرمت کر لیتے۔ گھر کی صفائی کر دیتے۔ اونٹ اور بکری وغیرہ کو خود کھول باندھ دیا کرتے تھے جو لوگ بازار جانے سے معذور ہوں ان کا سودا سلف خرید لایا کرتے تھے۔ یہ کام انجام دینے کے آپ ان لوگوں کی خدمت کرتے جن سے یہ امور متعلق ہوتے تھے۔
مدینہ میں ایک پاگل بڑھیا تھی ایک دن وہ آئی اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کچھ کام کہنے لگی۔ آپ نے فرمایا: اے خاتون! تو جس کوچہ میں جانا چاہے میں تیرے ساتھ چلوں گا۔ پھر آپ اس کے ساتھ چل دیئے۔ ایک عورت مسجدِ نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ وہ چند روز نہ آئی حضور نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وفات پا چکی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے بتاؤ اس کی قبر کہاں ہے؟ آپ قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھی۔ (صحیح مسلم)

۳۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کسی امر کی درخواست کی۔ فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تم کو دوں اور اہلِ صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے لاچار ہوں۔

Marfat.com

(مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۷۹)

۴۔ ایک صحابی نے شادی کی سامانِ ولیمہ کے لئے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ عائشہ رضؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ گئے اور جاکر لے آئے حالانکہ کاشانۂ نبوت میں اس آٹے کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔

(مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۵۸)

۵۔ ایک دفعہ ایک مہمان آیا۔ رات کو کھانے کے لئے صرف بکری کا دودھ تھا۔ وہ آپ نے اس کے نذر کر دیا۔ یہ تمام رات خانۂ نبوی میں فاقہ سے گذری۔ اس سے پہلی شب میں بھی یہاں فاقہ ہی تھا۔

(مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۶۷)

صحابۂ کرام اور خدمتِ خلق

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے آپ سے خدمت کا جذبہ سیکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں عام لوگوں کی خدمت کرنے میں ذرہ بھر عار محسوس نہیں کرتے تھے جب آپ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو ایک لڑکی آئی اور عرض کیا "اب آپ امیر المؤمنین بن گئے ہیں۔ اب ہماری بکریاں کون دوہا کرے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ خدا کی قسم میں یہ خدمت بجالاؤں گا۔ میری خلافت اس خدمت کی انجام دہی میں سنگِ راہ نہ ہوگی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں مجاہدین کی محاذِ جنگ سے آئی ہوئی چٹھیاں ان کے گھروں پر خود تقسیم کر آیا کرتے تھے۔ ان کی چوکھٹ پر بیٹھ کر چٹھیاں تحریر بھی کر دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ رات کے وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ مدینہ کی گشت کر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک عورت نے ہنڈیا چڑھا رکھی ہے اور بچے پاس رو رہے ہیں۔ آپ نے بچوں کے رونے کی وجہ پوچھی تو عورت نے بتایا کہ بچوں کو بہلانے کے لئے خالی ہنڈیا چولھے پر رکھ دی ہے۔ آپ اسی وقت بیت المال گئے اور خورد و نوش کا سامان اٹھا کر لے آئے۔ غلام نے بوجھ اٹھانے پر اصرار کیا تو فرمایا۔ "قیامت کے روز میرا بوجھ کون اٹھائے گا؟" یہ سامان عورت کے حوالے کیا جب کھانا تیار ہوگیا اور بچے کھاکر سو گئے تو آپ واپس لوٹ آئے۔ (الفاروق شبلی)

Marfat.com

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ جنت اس شخص کی مشتاق رہتی ہے جو اپنے مومن بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے۔ (کنز العمال)

خدمتِ خلق کے بارے میں احادیث نبویہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے خدمت خلق کا جو نمونہ ہم پہنچایا وہ آپ دیکھ چکے۔ اب اس ضمن میں آپ کے چند اقوال و ارشادات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ تم مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کرنے محبت کرنے اور شفقت سے پیش آنے میں جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ اس کے ایک عضو میں بھی تکلیف ہو تو بدن کے سارے اعضاء بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

۲۔ جو شخص اپنے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے۔ خدا اس کی ضرورت پوری کرے گا جو کسی مسلمان کی تنگی کو دور کرے گا۔ تو خدا اس کے بدلہ قیامت میں اس کی تنگی کو دور فرمائے گا۔ (ابوداؤد)

۳۔ جو کسی مسلمان کی دنیوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیفوں میں سے کسی تکلیف کو دور کرے گا۔ اور جو کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد میں رہتا ہے۔ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔

(ابوداؤد)

۴۔ جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا سامان تیار کیا وہ گویا جہاد میں شریک ہوا۔ جس نے مجاہد کے بعد اس کے گھر والوں کی خبر گیری کی وہ جہاد میں شامل ہوا۔

خدمتِ خلق کے ثمرات و نتائج

۱۔ زکوٰۃ جس طرح مال میں فرض ہے اسی طرح جسم انسانی کی بھی زکوٰۃ ہے اور وہ خدمتِ خلق ہے۔

Marfat.com

۲۔ خدمتِ خلق ارتقاءِ قوم و وطن کا زینہ ہے۔ کوئی قوم خدمتِ خلق کے جذبہ کے بغیر شاہراہِ ترقی پر گامزن نہیں ہو سکتی۔

۳۔ خدمتِ خلق اخروی فلاح و نجات اور رضائے الٰہی کی موجب ہے۔

۴۔ خدمتِ خلق اسوۂ نبوی ہے۔ جو شخص اس وصف سے بہرہ ور ہے وہ متبع سنت ہے۔

۵۔ خدمتِ خلق سے انسان میں الفت و مودت کا جذبہ ابھرتا اور بے مروتی اور بدسلوکی کے جذبات فنا پذیر ہوتے ہیں۔

۶۔ خدمتِ خلق کرنے والا عالمگیر جذبۂ اخوت و مودت سے سرشار ہوتا ہے اور بنی نوع انسان میں محبت کے روابط استوار کرتا ہے۔

۷۔ جو قوم اس جذبہ سے عاری ہو وہ بقاء و دوام حاصل نہیں کر سکتی۔

۸۔ خدمتِ خلق اخلاقی روحانی معاشرتی عمرانی اور اقتصادی ترقی کی ضامن ہے۔

۹۔ خدمت سے فضیلت و عظمت حاصل ہوتی ہے۔ مشہور ہے۔

سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُہُمْ (قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے)

فاروق اعظمؓ اپنے آپ کو اَجِیْرُ الْمُسْلِمِیْنَ" (مسلمانوں کا مزدور) کہا کرتے تھے ایک دن سرکاری اونٹوں پر تیل مل رہے تھے۔ ایک صحابی نے کہا یہ کام کسی غلام سے لینا چاہیئے" فرمایا مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔

سوالات

۱۔ اسلامی اخلاق میں خدمتِ خلق کو کیا اہمیت حاصل ہے؟

۲۔ خدمتِ خلق کے بارے میں قرآنی تعلیمات کا خلاصہ لکھئے؟

۳۔ کم از کم دو احادیث لکھئے جن میں خدمتِ خلق کی تعلیم دی گئی ہو۔

۴۔ خدمتِ خلق کے بارے میں اسوۂ نبوی کیا تھا واقعات سے ثابت کیجئے۔

۵۔ خدمتِ خلق کا دائرہ کس حد تک وسیع ہے اس میں کون کون سے امور داخل ہیں۔

Marfat.com

عائلی زندگی (کنبہ)

مفہوم کنبہ کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو مل جل کر ایک گھر میں زندگی بسر کرتے ہوں۔ کنبہ کے اس وسیع مفہوم میں گھر کے سب افراد شامل ہیں۔ یہاں تک کہ یہ لفظ نوکر چاکر، لونڈی، غلام اور دور نزدیک کے رشتہ داروں کو بھی اپنی وسعت میں سمو لیتا ہے۔ مگر یہ وسعت و جامعیت اس میں استعمال کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ جہاں تک لغوی حقیقت کا تعلق ہے۔ اہلی یا عائلی زندگی میں صرف میاں بیوی اور ان کی اولاد ہی داخل ہے۔ باقی لوگ ان کے اعوان و انصار یا متعلقین میں سے ہیں۔ لہٰذا اہلی (گھریلو) زندگی میں ان کی شمولیت تبعاً و ضمناً ہے۔

اہلی زندگی کی اہمیت اسلام اہلی زندگی کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس لئے کہ کنبہ تہذیب و تمدن کے لئے بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا یہ اولین معاشرتی اکائی ہے۔ پہلے مرد تنہا ہوتا ہے۔ شادی کے بعد بیوی گھر میں آتی ہے۔ پھر اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اس سے ایک کنبہ معرض وجود میں آتا ہے۔ چند کنبوں کے ملنے سے ایک برادری کی بنا پڑتی ہے۔ چند برادریوں کی آمیزش سے ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ جسے قوم کے لفظ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ دنیا کی مختلف اقوام کے اختلاط سے انسانی برادری وجود میں آتی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ انسانی برادری کے قیام و بقا میں کنبہ کو وہی حیثیت حاصل ہے جو اینٹ اور پتھر کو تعمیر مکان میں۔ ہر عمارت کے لئے اینٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ عمارت کی مضبوطی و پائیداری کا انحصار اینٹ کی پختگی اور مضبوطی پر ہوتا ہے۔ قومی نظام کو مضبوط اور صحت مند بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس نظام کی اینٹیں مضبوط اور زندگی کے حوادث و آلام کو برداشت کرنے والی ہوں۔ قوم کے افکار و خیالات، اس کے جذبات و احساسات، اس کی آرزوئیں امنگیں اور امیدیں بڑی حد تک گھریلو ماحول کے زیر اثر پروان چڑھتی ہیں۔ قوم

Marfat.com

جن خیالات کو آنے والی نسلوں کے دلوں اور دماغوں میں داخل کرنا چاہتی ہے۔ وہ گھریلو ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں اور غیر شعوری طور پر گھر کی چار دیواری میں پلتے بڑھتے اور پھلتے پھولتے ہیں۔ گویا گھر اور کنبہ کا ماحول اولین درس گاہ ہے۔ جہاں بچہ اپنی تربیت کا آغاز کرتا ہے۔ اور گھر کا ماحول اچھا ہوگا۔ تو پیدا ہونے اور پلنے والے بچے اچھا دل ودماغ، اچھی سیرت وکردار لے کر بڑے ہوں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قوم بھی اچھے دماغ، اچھے دل اور اچھے کردار والی بن جاتی گی اور اگر بچے حسد وعداوت اور ذہنی پستی کا شکار ہوں گے تو وہ اسی حد تک قوم کو بھی پست اور کمزور بنا دیں گے گویا آئندہ نسلوں کی تربیت کا طبعی سکول یہی اہلی زندگی ہے۔ اور اسی پر پوری قوم کے کردار کا دارومدار ہے۔

اسلام نے اہلی زندگی کو کامیاب اور بامقصد بنانے کا جو اہتمام کیا ہے۔ کسی اور مذہب یا کسی اور ضابطہ قانون نے اس تفصیل سے اس پر روشنی نہیں ڈالی اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے تمدن کی اس ضرورت کو کتنا اہم قرار دیا ہے بخلاف ازیں دیگر مذاہب نے اسے چنداں اہمیت نہیں دی۔ مثلاً مسیحیت نے قوم کے اکابر اور صلحاء کے لئے نکاح کو مفید نہیں سمجھا بلکہ اس کو ادنٰے درجہ دے کر اس کی اہمیت کو کم کیا ہے۔ اسلام نے نکاح کی اہمیت پر زور دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ جو لوگ اس ذمہ داری کو نہیں اٹھا سکتے۔ وہ مناسب وقت کے منتظر رہیں۔ اسلام سے پہلے اہلی زندگی کی حالت نہایت ابتر تھی۔ عورت کو ذاتی ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ اس کی کوئی قانونی اور ذاتی حیثیت نہ تھی۔ جب تک اس کا خاوند اسے پسند کرتا۔ اسے اپنے پاس رکھتا۔ جب چاہتا چھوڑ دیتا۔ نہ رکھنے کی شرائط تھیں نہ چھوڑنے کی۔ اگر خاوند مرجاتا تو اس کے بیٹے اس عورت کے ساتھ من مانی کارروائی کرتے۔ عورت پر روزی کمانے کی ذمہ داری بھی ڈال دی جاتی تھی۔ بعض قبیلوں میں شادی بیاہ کا بھی کوئی مکمل نظام نہ تھا۔ اسلام نے آکر نہایت قلیل عرصہ میں اس اخلاق سوز اور پست تمدن کو ایک پاک اور مضبوط تمدن بنا دیا۔ نکاح کے قواعد بنائے، عورت کے حقوق قائم

کئے۔ اسے ورثہ میں حصہ دلایا۔

ازلی زندگی کا نقطۂ آغاز

اسلامی زاویہ نگاہ کے مطابق انسانیت کا آغاز ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا اور پھر ان سے نسل انسانی کا آغاز ہؤا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً

(سورۂ نساء - ۱)

جس نے تم کو ایک جان (حضرت آدم) سے پیدا کیا اور اسی سے پیدا کیا۔ اس کا جوڑا (حضرت حوا) اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا پھر ان دونوں سے تمام مرد اور عورتوں کو پیدا کیا اور دنیا میں پھیلایا تو حقیقت میں گویا تمام انسان اللہ تعالیٰ نے ایک جان حضرت آدمؑ سے پیدا کئے مطلب یہ ہے کہ جب تم سب کو عدم سے وجود میں لانے والا اور پھر تم کو باقی اور قائم رکھنے والا وہی ہے تو اسی سے ڈرنا اور اسی کی اطاعت کرنا چاہیئے"

مذکورہ صدر آیت کریمہ سے عیاں ہؤا کہ اس کائنات ارضی پر آباد ہونے والا پہلا کنبہ حضرت آدم و حوا کا تھا۔ اس سے ازلی زندگی کی اہمیت واضح ہوتی۔ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوتے فرمایا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً (رعد - ۵)

ہم نے آپ سے قبل بہت سے رسولوں کو بھیجا۔ اور ان کو بیوی بچوں والا بنایا۔

اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انبیاء جو دنیوی الجھنوں سے امکانی حد تک

Marfat.com

گریزاں رہتے ہیں۔ تجرد کی زندگی بسر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ خانگی زندگی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ "احیاء علوم الدین" میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں صرف شادی شدہ انبیاء کا ذکر کیا ہے۔ کسی غیر شادی شدہ نبی کا ذکر قرآن میں نہیں آیا۔ فرماتے ہیں" حضرت یحییٰؑ بھی شادی شدہ تھے۔ حضرت عیسےٰؑ آسمان سے نازل ہو کر شادی کریں گے۔ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں ان لوگوں کی مدح فرماتے ہیں جو اس سے طالبِ اولاد ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (فرقان ۶)

جو لوگ کہتے ہیں ایسی بیویاں اور اولاد عطا کر جو موجب راحت و سرور ہو۔

حدیث نبویؐ سے اہلی زندگی کی تاکید

بعض لوگ اہلی زندگی کی نازک ذمہ داریوں سے گھبرا کر مجرد رہنا چاہتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ضمن میں فرماتے ہیں۔

۱۔ جو شخص میرے اور داؤد و سلیمان اور ابراہیم علیہم السلام کے دین پر ہے اگر اسے توفیق ہو تو نکاح کرے (کنز العمال)

۲۔ جو آدمی نکاح کا مقدور رکھتا ہو اور نکاح نہ کرے اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں (کنز العمال)

۳۔ جس کو میری فطرت سے محبت ہے وہ میری سنت پر چلے اور وہ نکاح ہے۔ (تفسیر نیشاپوری)

۴۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اے جوانو! تم میں سے جو آدمی مہر و نفقہ کی استطاعت رکھتا ہو وہ نکاح کرے۔ کیوں کہ اس سے نگاہ پاک رہتی ہے اور اخلاق کی حفاظت ہوتی ہے جو شخص نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ روزے رکھے۔ (صحیح مسلم)

۵۔ انسان کے میزانِ اعمال میں جو چیز سب سے پہلے رکھی جائے گی وہ اس کا کنبہ

Marfat.com

پر کیا ہوا خرچ ہوگا (کنز العمال جلد ۸)

۶۔ جب کوئی شخص اپنا خانگی کام انجام دینے کے لئے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلہ میں ایک درجہ لکھتا ہے۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہو جاتا ہے تو اسے بخش دیتا ہے (کنز العمال جلد ۸)

۷۔ وہ بیوہ عورت جو اولاد کی پرورش کر کے تکلیف اٹھاتی ہے۔ قیامت کے روز اس طرح میرے قریب ہوگی۔ جیسے میرے ہاتھ کی دو انگلیاں (مشکوٰۃ)

۸۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" نکاح کے لئے دیندار عورت کا انتخاب کرنا چاہیئے نیز فرمایا کہ دُنیا کی عزیز ترین متاع نیک عورت ہے (کنز العمال)

۹۔ آپ نے فرمایا، مباح چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین چیز نکاح ہے۔ (تفسیر مدارک)

۱۰۔ آپ نے فرمایا جو شخص افلاس کے ڈر سے شادی نہ کرے وہ ہمارے طریقہ پر نہیں (الاحیاء)

اقوال و آثار

۱۔ بشر بن حارث فرمایا کرتے تھے کہ احمد بن حنبل مجھ سے تین باتوں میں فوقیت لے گئے (۱) وہ اپنے اور دوسرے دن کے لئے حلال روزی کماتے ہیں اور میں صرف اپنے لئے روزی کی فکر کرتا ہوں (۲) امام احمد شادی شدہ ہیں اور میں غیر شادی شدہ (۳) انہیں امامت عامہ کا منصب حاصل ہے اور میں اس منصب پر فائز نہیں۔

۲۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد کی بیوی فوت ہو گئی تو انہوں نے دوسرے ہی دن شادی کر لی اور فرمایا کہ میں تجرد کی حالت میں رات گزارنا پسند نہیں کرتا۔

۳۔ سفیان بن عیینہ کا قول ہے زیادہ عورتوں (شرعی حدود کے اندر) کو نکاح میں لانا دنیوی کام نہیں بلکہ ایک دینی امر ہے وہ اس کی دلیل یہ دیتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اصحاب رسولؐ میں سے بڑے زاہد تھے حالانکہ آپ کی چار بیویاں تھیں۔

Marfat.com

۴- حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اہل و عیال کی حفاظت و نگہداشت جہاد سے بھی افضل ہے (کیمیائے سعادت)

اہلی زندگی کی غرض و غایت

۱- بقائے نسل

دینی نقطۂ نظر سے عائلی زندگی کا اہم مقصد نسلِ انسانی کا تحفظ و بقا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِنِّیْ مُفَاخِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ (میں دوسری امتوں پر فخر کروں گا)

یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی کثرت کی بنا پر دوسری امتوں پر بروز قیامت فخر کریں گے۔ اکثر مفسرین لکھتے ہیں کہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (ہم نے آپ کو کثرت دی) میں کوثر کے لفظ سے امت محمدی کی کثرت مراد ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

"چونکہ انسان کو بقائے نسل کے لئے اولاد کی ضرورت تھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ میاں بیوی دونوں حسین معاشرت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ جب ان کے ہاں اولاد پیدا ہونے لگتی ہے۔ تو طبعاً ان کے دل میں اپنی اولاد پر شفقت کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ دونوں مل کر تربیت اولاد کا فرض ادا کرتے ہیں اولاد کی تربیت میں ماں کا حصہ مقابلتاً زیادہ ہے امور معاش میں وہ مرد کی نسبت کمتر درجہ رکھتی ہے۔ حیاء اور شرم کی صفت اس کی سرشت میں داخل ہے۔ گھر ہی کے اندر رہ کر گھر کے کاروبار میں مشغول رہنا اس کے لئے بارِ خاطر نہیں ہوتا۔ امور خانہ داری کو بہترین صورت پہ انجام دینے کی قابلیت اس میں کامل طور پر موجود ہے"

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ — تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔

(سورہ بقرہ ۲۲۳)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد و عورت کا تعلق باہم کسان اور کھیت کا سا ہے۔ کھیت میں کسان محض تفریح کے لئے نہیں جاتا بلکہ پیداوار حاصل کرنے جاتا ہے۔

Marfat.com

اسی طرح نسلِ انسانی کے کسان کو بھی انسانیت کی اس کھیتی میں اس لئے جانا چاہیئے کہ وہ اس سے نسل کی پیداوار حاصل کرے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کو کھیتی کی حیثیت سے محروم کر دینا ایک غیر فطری اقدام ہے اور غیر شرعی بھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

۱ - حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نکاح کیا اس نے اپنے نصف دین کی تکمیل کر لی۔ اب اس کو چاہیئے کہ باقی آدھے دین میں خدا سے ڈرتا رہے (بیہقی)

۲ - حضرت معقل بن یسار کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے محبت کرے اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو۔ اس لئے کہ میں دوسری امتوں کے مقابلہ میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا (ابو داؤد، نسائی)

۲- تربیت اولاد

گھر بچے کی اولین تربیت گاہ ہے۔ بچہ بچپن میں جو کچھ سیکھتا ہے وہ اس کے ذہن میں راسخ ہو جاتا ہے اور عمر بھر فراموش نہیں ہوتا اگر میاں بیوی دیندار، راست باز، شریف اور خوش اخلاق ہوں تو یقیناً ان کی اولاد بھی ان صفات کی حامل ہوتی ہے اور اگر وہ دین سے بیگانہ، امانت و دیانت سے دُور اور لڑائی جھگڑے کے دلدادہ ہوں تو ان کی اولاد بھی اسی رنگ میں رنگی جاتی ہے۔ دیندار والدین بچے کو شروع ہی سے دینی ماحول میں تربیت دیتے ہیں۔ اس کے دل میں ایمان کا جذبہ پیدا کرتے ہیں بچے کو آغاز کار ہی سے اسلامی آداب و اطوار کا خوگر بناتے ہیں۔ آج کل نوجوانوں کے اخلاق کا بگاڑ ان کی غیر دینی تربیت کا آئینہ دار ہے جب بچہ گھر کے ماحول میں شروع ہی سے ریڈیو کے فحش گانے سننے کا خوگر ہو چکا ہو۔ راتیں والدین کے ساتھ سینما ہال میں بسر ہوتی ہوں تو وہ جوان ہو کر کیوں کر عادات قبیحہ کا رسیا نہ ہو گا۔

چونکہ بچے اپنی پرورش میں والدین کے دست نگر ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کے دلوں میں بے پناہ شفقت و ہمدردی کا جذبہ پیدا کیا

Marfat.com

تاکہ وہ تربیت اولاد کا فرض انجام دے سکیں۔ ان کی تربیت ایسے طریقہ پر کی جائے جس سے ان کی زندگی سنور جائے۔ والدین اپنی اولاد کے حق میں بزرگ محترم ہونے کے علاوہ ان کے محسن بھی ہیں۔ اولاد کی تربیت میں انہوں نے وہ تکلیفیں برداشت کی ہیں جن کا اندازہ لگانا مشکل ہے ان وجوہ کی بناء پر والدین کی تعظیم اولاد کا فرضِ اولین ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" خبردار! تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ امام وخلیفہ لوگوں کا نگہبان ہوتا ہے۔ لہذا اس سے اس کی رعیت کی بابت پوچھا جائے گا۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کی بابت سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی محافظ ہے اور اس سے اس کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ غلام اپنے آقا کے مال کا محافظ ہے اس سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ خبردار! تم میں سے ہر شخص اپنی رعیت کا نگہبان ہے اور اس سے اس ضمن میں سوال کیا جائے گا (بخاری ومسلم)

اس حدیث سے اولاد کی تربیت کی اہمیت واضح ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کی نیک تربیت کرنا اسے اسلامی، اخلاق وآداب کا خوگر بنانا اور اس میں دینی شعائر کی محبت پیدا کرنا صرف ایک نیک کام ہی نہیں بلکہ ایک دینی فریضہ بھی ہے۔

۳۔ غضِّ بصر (نگاہ کا نیچا رکھنا)

اہلی زندگی کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے اخلاقی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے فوائد گناتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنَّہٗ یَغُضُّ البَصَرَ" اس سے نگاہ نیچے جھک جاتی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا جو مالی اعتبار سے خوشحال ہوں وہ شادی کرلیں کیونکہ اس سے نگاہ جھک جاتی ہے اور جو شخص اس استطاعت سے بہرہ ور نہ ہو اسے چاہیئے کہ روزے

Marfat.com

رکھے (مسلم) ایک حدیث میں آپؐ نے نکاح کو نصف ایمان فرمایا۔ حدیث میں وارد ہے کہ چند صحابہ کرام مسجد نبوی میں مختلف خیالات کا اظہار کر رہے تھے کسی نے کہا میں ہمیشہ روزہ دار رہوں گا۔ دوسرا بولا میں رات بھر عبادت میں مصروف رہوں گا۔ تیسرا کہنے لگا میں بیوی بچوں سے قطع تعلق کر لوں گا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب گفتگو سن لی۔ مسجد میں تشریف لا کر فرمایا "تم ایسے خیالات کا اظہار کر رہے ہو۔ میں سید الانبیاء ہوں اور میری نو بیویاں ہیں۔ اس سے نکاح کی غرض و غایت واشگاف ہوتی ہے۔

دیندار خاوند اور دیندار بیوی ایک دوسرے کا اخلاق سنوارنے میں بہت اہم کردار انجام دیتے ہیں۔ اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امکانی حد تک دیندار بیوی تلاش کرنا چاہیے آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ صالح اور دیندار بیوی دنیا کی افضل ترین متاع ہے۔ (کنز العمال)

۴۔ سکون و اطمینان

حضرت حوا کی تخلیق کی غرض قرآن نے یوں بیان فرمائی لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (تاکہ آدم حوا سے سکون حاصل کریں)

دوسری جگہ ارشاد ہوا

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ	اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ
مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا	تم ہی میں سے تمہارے لئے بیویاں پیدا
إِلَيْهَا .. (الروم - ۳۰)	کیں تاکہ تم ان سے سکون پاؤ۔

ان آیات میں بیوی کو وجہ سکون قرار دیا۔ اگر گھر میں امن و آشتی کا ماحول ہو تو ایسا گھر جنت ارضی قرار دینے کے قابل ہے میاں بیوی کے حسن سلوک سے جو قرار و سکون حاصل ہوتا ہے۔ وہ دولت کے ایک انبار سے بھی میسر نہیں آ سکتا۔ جب والدین امن و چین کی زندگی بسر کر رہے ہوں تو بچوں کی تربیت بھی نہایت خوشگوار ماحول میں ہو گی۔ مرد چونکہ معاشی امور کا کفیل ہوتا ہے اس لئے اسے رزق کی تلاش میں سرگرداں رہنا پڑتا ہے جب وہ محنت و مشقت سے روزی کما کر گھر پہنچتا ہے تو گھر کے پرسکون ماحول سے

Marfat.com

اس کی ساری کلفت کافور ہو جاتی ہے" الغرض اہلی زندگی کے دم سے کائنات ارضی کی یہ رونق وشادمانی قائم ہے۔ بخلاف ازیں تجرد کی زندگی سراسر وحشت و مایوسی کی زندگی ہے۔

۵۔ احساسِ ذمہ داری

خانگی زندگی کے فرائض انسان میں احساسِ ذمہ داری کے جذبہ کو جنم دیتی ہے صاحب خانہ میں یہ احساس کروٹ لیتا ہے کہ وہ تنہا نہیں بلکہ ایک بیوی کا خاوند اور چند بچوں کا باپ ہے۔ ظاہر ہے کہ بیوی اور بچے طرح طرح کی ضروریات رکھتے ہیں جن کے مہیا کرنے کے لئے اسے سخت محنت کی ضرورت ہے شادی بیاہ سے قبل اس کی بے کاری اور تن آسانی صرف اس کی ذات کے لئے ضرر رساں تھی۔ مگر اب پورا کنبہ اس کی لپیٹ میں ہے۔ بدیں وجہ مرد رزق کے نت نئے وسائل تلاش کرنا اور اپنی آمدنی کو بڑھانے کے لئے کوشاں رہتا ہے تحصیل رزق کے لئے اس کی یہ جد وجہد رائیگاں نہیں جاتی۔ بلکہ اللہ تعالےٰ اس میں برکت پیدا کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا۔

غیر شادی شدہ مردوں اور ان غلاموں اور لونڈیوں کی شادی کردو جو نکاح کے قابل ہیں اگر وہ تنگدست ہیں تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا
(سورۂ نور)

سوالات

۱۔ اہلی زندگی کی اہمیت واضح کیجئے۔

۲۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے عائلی زندگی کی غرض و غایت کیا ہے۔ تفصیلاً لکھیے

۳۔ حدیث نبوی کی روشنی میں اہلی زندگی کس اہمیت کی حامل ہے۔ احادیث سے ثابت کیجئے۔

۴۔ قرآن کس حد تک اہلی زندگی کی تاکید کرتا ہے کم از کم دو آیات لکھیے۔

Marfat.com

باب ۱۶

حقوق والدین و اولاد

اسلام میں حقوق کی اہمیت

چونکہ انسان کا تعلق کائنات ارضی کی ہر چیز سے ہے۔ اس لئے اس پر ہر چیز کی ذمہ داری کا بوجھ بھی ڈالا گیا ہے۔ حفاظت و نگہداشت کی ذمہ داری کا نام حق ہے اس کی جمع حقوق ہے۔ انسان پر جمادات کا حق یہ ہے کہ ان کو بلاوجہ تکلیف نہ پہنچائی جائے اور ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھا جائے نباتات کا حق یہ ہے کہ ان کو نشوونما اور تربیت کا موقع دیا جائے ایک انسان پر دوسرے بنی نوع انسان کا حق یہ ہے کہ بوقت ضرورت ان کی مدد کی جائے اور ان سے ہر موقع پر الفت و محبت کا سلوک روا رکھا جائے۔ خود انسان کا اپنے اوپر بھی حق ہے کہ اس کا ہر عضو جس غرض کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس سے وہی کام حد اعتدال کے اندر لیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"بے شک تیری جان کا تجھ پر حق ہے۔ تیرے بدن کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے (صحیح بخاری)

اسی لئے درخت لگانا اسلام میں کار ثواب سمجھا گیا ہے آپ نے فرمایا ہے جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے تو جو پرندے یا جانور یا انسان اس کا پھل کھاتے ہیں۔ اس کا ثواب درخت لگانے والے کو ملتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

آپ نے پھلدار درخت کو بلاوجہ کاٹنے سے منع فرمایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تمثیلی حکایت میں فرمایا کہ ایک شخص کو صرف اس لئے بخشا گیا کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی تھی اور ایک عورت پر صرف اس لئے عذاب ہوا کہ اس نے ایک بلی کو باندھا اور اس کو کھانے پینے کو نہیں دیا یہاں تک

Marfat.com

کہ وہ اسی طرح سسک سسک کر مر گئی۔ ایک اور شخص نے چیونٹی کو جلا دیا تھا۔ بنابریں اس سے بازپرس کی گئی۔ (بخاری)

حقوق کی ادائیگی میں اسلام نے ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھی ہے۔ ہر ایک کا درجہ اور مرتبہ الگ الگ مقرر کر دیا ہے۔ مثلاً ایک حیوان کے مقابلہ میں ایک انسان کی مدد ایک اجنبی شخص کے مقابلہ میں ایک دوست کی، بیگانوں کے مقابلہ میں ایک عزیز کی اور ان عزیزوں میں بھی قرابت کی دوری و نزدیکی کی ترتیب پیش نظر رکھی گئی ہے مگر یہ ترتیبی امداد حق کی شرط کے ساتھ مشروط ہے اگر کوئی قریبی عزیز باطل پر ہو تو اس کے مقابلہ میں اس غیر کی امداد جو حق پر ہے فرض ہے۔

رشتہ داروں کے حقوق اور اسلام

دین اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں انسانی حقوق کی درجہ وار کوئی تفصیل نہیں ہے مثلاً بدھ کی اخلاقی تعلیم میں قوم قبیلہ اور خاندان کی کوئی تمیز نہیں بلکہ سرے سے رشتہ اور قرابت ہی کی کوئی تفصیل موجود نہیں۔ ہندو مذہب میں گؤ ماتا مویشی ہونے کے باوجود ماں کا درجہ پا سکتی ہے۔ یہودیت اور عیسائیت میں تمام رشتہ داروں کو چھوڑ کر صرف ماں باپ کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے حق اطاعت کو تسلیم کیا گیا ہے باقی رشتہ داروں کو کوئی مرتبہ نہیں دیا گیا۔ لیکن اسلام نے اس مسئلہ میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے۔

اسلام نے اقارب کے حقوق میں جو ترتیب ملحوظ رکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرابت میں جس کا درجہ زیادہ ہے اس کا حق بھی بڑھ کر ہے۔ مثلاً ماں کا تعلق سب سے گہرا ہے پھر باپ کا، پھر بھائی کا اور اسی ترتیب سے ان کا حق ادا کرنا بھی ضروری ہے اسلامی نقطۂ نظر سے یہ نیکی نہیں کہ اپنی غریب اور بیمار ماں کو چھوڑ کر کوئی اپنے غریب اور بیمار پڑوسی کی خدمت کے لئے آمادہ ہو جائے یہ ایثار نہیں بلکہ ظلم ہے۔

والدین کے حقوق

والدین کی عزت، خدمت اور اطاعت حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی

Marfat.com

تعلیمات میں یکساں ضروری قرار دی گئی ہے انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول یوں نقل کیا گیا ہے۔

"خدا نے فرمایا ہے کہ اپنے ماں باپ کی عزت کر اور جو ماں باپ پہ لعنت کرے جان سے مارا جائے۔ تم کہتے ہو کہ جو کوئی اپنے باپ یا ماں کو کہے کہ جو کچھ مجھے تجھ کو دینا واجب تھا وہ خدا کی نذر ہو ا اور اپنے باپ یا ماں کی عزت نہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ پس تم نے اپنی روایت سے خدا کے حکم کو باطل کیا۔"
(متی - ۱۵-۴)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اگرچہ اس حد تک افراط نہیں پائی جاتی کہ "جو ماں باپ پر لعنت کرے، جان سے مارا جائے"، تاہم آپ نے والدین کے حقوق کی ادائیگی اور ان کا اکرام و احترام بجا لانے کی بے حد تاکید کی ہے۔ ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میں مالدار اور صاحب اولاد ہوں۔ میرے والدین بھی میرے مال کے محتاج ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم بھی اپنے باپ کا مال ہو اور تمہارا سب اثاثہ بھی (ابوداؤد) سالار رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد خدمت والدین کا درجہ قرار دیا اور اس کے بعد جہاد کا (ریاض الصالحین)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! والدین کا اولاد پر کیا حق ہے آپؐ نے فرمایا "وہ تیرے لئے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی (ابن ماجہ)

ماں کا درجہ

دین اسلام تورات و انجیل کی طرح نہ صرف والدین کی عزت اور ان سے ڈرتے رہنے کی تاکید کرتا رہتا بلکہ سب سے پہلے یہ واضح کرتا ہے کہ ماں اور باپ میں بھی سب سے بڑا درجہ ماں کا ہے۔ اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ ماں اپنی نسوانی کمزوری کے باوجود حمل، وضع حمل اور تربیت اولاد کے دوران سینکڑوں مصائب سے دوچار ہوتی ہے والدہ یہ سارے مصائب ہنسی خوشی برداشت کرتی چلی جاتی ہے اور اس کی پیشانی پر بل تک نہیں آتا۔

Marfat.com

قرآن کریم میں فرمایا

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا

(سورہ احقاف ۲)

اور ہم نے انسان کو تاکید کی کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے اس کی ماں نے اس کو تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور تکلیف کے ساتھ جنا۔

۱- حدیث نبویؐ میں والدہ کے ادب و احترام کی مزید تاکید کی گئی ہے ایک شخص نے خدمت اقدس میں آکر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا تیری ماں، پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ اس نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ تین دفعہ آپؐ نے یہی جواب دیا۔ چوتھی مرتبہ پوچھنے پر ارشاد ہوا۔ تیرا باپ اور اس کے بعد درجہ بدرجہ قرابت دار

(بخاری و مسلم)

۲- ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار بڑے گناہوں کا ذکر کیا اور سرفہرست ماں کی نافرمانی کو قرار دیا اور فرمایا کہ تمہارے خدا نے ماں کی نافرمانی تم پر حرام کی ہے۔ (صحیح بخاری)

۳- ایک دفعہ ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک بڑا گناہ کیا ہے کیا میرے لئے کوئی توبہ ہے؟ فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے؟ جواب دیا۔ نہیں۔ دریافت کیا خالہ ہے؟ گزارش کی "ہے" فرمایا تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر" یہی اس کی توبہ ہے (ترمذی)

۴- ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میں جہاد میں شرکت کرنا چاہتا ہوں اور مشورہ کی خاطر حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا "کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ جواب دیا "ہاں" فرمایا تو اسی کی خدمت میں لگے رہو کہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے"

(الترغیب والترہیب للمنذری)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ آپؐ کے بچپن میں وفات پا گئی تھیں۔ آپؐ کی

Marfat.com

کنیز ام ایمن نے آپ کی بہت خدمت کی اپنے بچوں کی طرح پالا۔ حضورؐ جب ام ایمن کو دیکھتے تو بڑے خوش ہوتے اور فرماتے ام ایمن میری والدہ ہیں۔ ایک مرتبہ ام ایمن نے آپ کو پانی پیتے دیکھا تو پینے کے لئے پانی طلب کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے ناراض ہو کر کہا کیا تم حضورؐ سے پانی طلب کرتی ہو۔ ام ایمن نے کہا تم نے مجھ سے بڑھ کر حضورؐ کی خدمت نہیں کی۔ حضور نے فرمایا ، یہ سچ کہتی ہیں۔ چنانچہ آپؐ پانی لاتے اور ام ایمن کو پلایا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۵ صـ ۳۱۹)

ان احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں تمام مخلوقات انسانی میں سے ماں کو برتری حاصل ہے۔ اور یہ برتری بالکل فطری ہے انسان اپنے وجود میں ذات باری تعالےٰ کے بعد جن کا سب سے زیادہ ممنون ہے وہ والدین ہیں مقابلتاً باپ کا اشتراک اس میں کم ہے۔ ماں وہ ہستی ہے جس نے ہزاروں سختیاں اٹھا کر نو ماہ تک اسے پیٹ میں رکھا پھر ولادت کی ناقابل برداشت تکلیف کو خندہ جبینی سے گوارا کیا پھر اس نومولود کو چھاتیوں سے لگا کر اپنا خون پانی کرکے اسے پلایا اور اس کی تربیت اور غور و پرداخت میں اپنی ہر راحت قربان اور اپنی ہر خوشی نثار کر دی۔ ایسی حالت میں ماں سے بڑھ کر انسان اپنے وجود میں اور کس کا محتاج ہوگا !

باپ کا درجہ

ماں کے بعد جو دوسری ہستی بچے کی محسن ہے۔ وہ باپ ہے اس میں شک نہیں کہ اس کی نشوونما اور تربیت میں ماں کے بعد باپ ہی کی جسمانی و مالی کوششیں شامل ہیں۔ اس لئے جب بچہ ان کی محنتوں اور کوششوں سے جوانی کو پہنچے تو اس پر فرض ہے کہ والدین کی کوششوں سے حاصل کی ہوئی قوت کا شکرانہ ان کی خدمت کی صورت میں ادا کرے قرآن پاک میں والدین کے ساتھ حسن سلوک، نیکی اور خدمت کی تاکید بارہ مختلف آیتوں میں نازل ہوئی۔ اکثر جگہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید توحید اور خدا پرستی کے حکم کے بعد آئی ہے اس میں اشارہ ہے کہ توحید خداوندی کے بعد اطاعت والدین کا درجہ ہے

قرآن میں فرمایا

Marfat.com

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ تم صرف خدا کی عبادت کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو

(سورہ بقر — ۸۳ رکوع ۱۸)

دوسری جگہ والدین کی مالی خدمت اور امداد کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ

فائدہ کی جو چیز تم خرچ کرو، ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے ہے

(سورہ بقر۔ ۲۶)

سورہ نساء میں توحید کے حکم اور شرک کی ممانعت کے بعد ہی والدین کے حسن سلوک کی تاکید کی۔

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (سورہ نساء ۱۶)

اور اللہ کی عبادت کیجئے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایئے اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو

دین اسلام میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے تاہم اگر کسی کے والدین مشرک ہوں تو اس حالت میں بھی ان کی خدمت سے پہلو تہی کرنا روا نہیں البتہ اگر وہ شرک کی دعوت دیں تو ان کی اس بات کو قبول نہ کیا جائے۔

"اور ہم نے انسان کو بتلا دیا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور اگر وہ تجھ کو مجبور کریں کہ تو خدا کے ساتھ اس کو شریک کرے جس کا تجھ کو علم نہیں۔ تو ان کا کہنا نہ مان۔ تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے۔ پس تم کو تمہارے اعمال سے آگاہ کروں گا (سورہٗ عنکبوت)

والدین کا حق یہ بھی ہے کہ اولاد ان کی زندگی میں اور ان کے بعد ان کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کرے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد مسلمان نہ تھا تاہم خدا سے اس کے لئے دُعا مانگی۔

Marfat.com

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ — اے میرے پروردگار مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔ (سورہ ابراہیم۔ ۲)

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہی دعا کی۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ — اے میرے پروردگار مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔ (سورہ نوح۔ ۲)

اس لئے والدین کے لئے دعائے مغفرت کرنا سنت انبیاء ہے۔

والدین کی ناراضی سے بچنا چاہیئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں (۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) والد کی دعا بیٹے کے لئے (ترمذی)

والدین کے اقارب سے حسن سلوک روا رکھنا بھی ان کے ادب و احترام میں شامل ہے ایک دفعہ آپؐ نے حضرت عباسؓ کے بارہ میں فرمایا "جس نے میرے چچا کو ایذا دی اس نے مجھے دکھ پہنچایا۔ کیونکہ چچا باپ کے مثل ہوتا ہے۔ ایک بار" آپ نے حضرت عباسؓ کی زکوٰۃ اپنے پاس سے دی اور فرمایا کہ چچا بھی تو باپ کی مثل ہوتا ہے (مسلم)

تورات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کے مقابلہ میں بیوی کی دلجوئی کو مقدم رکھا جاتے۔

"اس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی بیوی سے ملا رہے گا۔ اور وہ یک جان ہوں گے (کتاب پیدائش ۲۔ ۲۴)

اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ اس صورت میں والدین کی اطاعت کی جائے۔ بیوی کا تعلق ایسا ہے جو ٹوٹ کر جڑ سکتا ہے اور ٹوٹ کر بدل سکتا ہے لیکن والدین کا فطری تعلق ناقابل شکست ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ایک بڑی چہیتی بیوی تھی۔ ان کے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ اس اختلاف نے خانگی جھگڑے کی صورت اختیار کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ کو طلاق دینے کا حکم دیا۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کر دی (ترمذی)

Marfat.com

ایک دفعہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ جاں نثار بھی حاضر تھے آپ نے فرمایا، وہ خوار ہوا۔ وہ خوار ہوا۔ وہ خوار ہوا" صحابہ نے پوچھا" کون یا رسول اللہ فرمایا وہ جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت نہ حاصل کرلی۔ ایک دفعہ آپ نے والدین کی اطاعت کے اجر و ثواب کو ایک نہایت موثر حکایت میں بیان فرمایا۔ ارشاد ہوا تین مسافر کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ تینوں نے بھاگ کر ایک غار میں پناہ لی۔ ایک چٹان اوپر سے گری اور غار کا راستہ بند ہو گیا انہوں نے بارگاہ الہٰی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے انہوں نے سوچا کہ اس مشکل کا ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے نیک ترین عمل کے واسطے سے خدا کے حضور التجا کریں۔ ان میں سے ایک نے کہا" اے خداوند! میرے والدین بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ میں بکریاں چراتا تھا۔ شام کو جب بکریاں لے کر گھر آتا تو دودھ دوہ کر پہلے والدین کو پلاتا اور پھر اپنے بچوں کو۔ ایک دن میں دیر سے گھر لوٹا۔ میرے والدین سو چکے تھے۔ میں دودھ لے کر ان کے سرہانے کھڑا رہا۔ نہ ان کو جگاتا تھا اور نہ دور ہٹتا تھا کہ خدا جانے کب ان کی آنکھیں کھلیں۔ پاس ادب سے بچوں کو دودھ نہیں پلاتا تھا۔ وہ بھوک سے بلک رہے تھے میں اسی طرح پیالہ میں دودھ لیے رات بھر سرہانے کھڑا رہا۔ اسی انتظار میں رات گزر گئی۔ صبح ہوئی تو انہوں نے دودھ پیا۔ یا اللہ اگر میں نے یہ کام تیری رضا کے لئے کیا تھا تو اس پتھر کو دور کر دے۔ یہ کہنا تھا کہ پتھر کچھ سرک گیا۔ اس کے بعد باقی دو ساتھیوں نے بھی دعا کی اور غار کا منہ بالکل کھل گیا (بخاری)

حقوق اولاد

اسلام پہلا مذہب ہے جو اپنے پیروؤں کو سکھاتا ہے کہ اولاد کے بھی کچھ حقوق ماں باپ پر ہیں۔ دیگر مذاہب میں اولاد کا والدین پر کوئی حق تسلیم نہیں کیا گیا اور اس کو والدین کی بزرگی کے خلاف سمجھا گیا تھا سالار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دین لے کر تشریف لاتے وہ حقوق کے سلسلہ میں بڑے اور چھوٹوں کی تفریق کا قائل نہیں وہ جس طرح چھوٹوں پر بڑوں کے حقوق تسلیم کرتا ہے اسی طرح وہ چھوٹوں کے بھی بڑوں پہ مناسب حقوق قائم کرتا ہے۔

Marfat.com

آپ نے ارشاد فرمایا

"مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا" (ترمذی)	جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا ادب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

۱۔ اولاد کشی کا انسداد

ظہور اسلام سے قبل عرب کے لوگ بچوں کو مار ڈالتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیا کرتے تھے۔ بنو تمیم کے رئیس قیس بن عاصم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اعتراف کیا تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ سے آٹھ لڑکیوں کو زندہ دفن کیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا " اے قیس: ہر لڑکی کے کفارہ میں ایک اونٹ کی قربانی کرو (تفسیر ابن جریر و ابن کثیر)

اس رسم کے کئی اسباب تھے۔

(۱) والدین اپنے بچوں کو اپنے دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے خود ذبح کر دیا کرتے تھے۔ رومتہ الکبریٰ کے عظیم الشان متمدن قانون میں اولاد کو مار ڈالنے کا باپ کو بالکل اختیار تھا۔ اس قتل کی کوئی باز پرس نہ تھی۔

۲۔ اولاد کشی کا دوسرا سبب عربوں کا فقر و فاقہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ اولاد ہوگی تو اس کے کھانے پینے کا انتظام کرنا ہوگا۔

۳۔ قتل اولاد کی تیسری وجہ یہ تھی کہ ہماری لڑکی دوسروں کے گھر کی زینت بنے گی۔

قرآن نازل ہوا تو جاہل عربوں کو یہ تعلیم دی۔

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ (سورہ بنی اسرائیل - ۴)	اور اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے مار نہ ڈالو۔ ہم ان کو اور تم کو، دونوں کو روزی دیتے ہیں۔ ان کا مار ڈالنا بڑا گناہ ہے۔

اس اخلاقی نصیحت کے علاوہ اس رسم کے انسداد کے لئے آپ نے عورتوں اور مردوں سے بیعت لی۔ ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن عباس کی خدمت میں آ کر کہا

Marfat.com

کہ میں نے نذر مانی تھی کہ اپنے لڑکے کی قربانی کروں گی۔ فرمایا ایسا نہ کرو۔ بلکہ کفارہ دے دو۔ (موطا امام مالک)

مشہور شاعر فرزدق کا دادا صعصعہ اسلام لانے کے بعد جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا یارسول اللہ! میں نے اسلام سے پہلے ۳۶۰ لڑکیوں کو خرید کر موت سے بچایا ہے مجھ کو اس کا اجر ملے گا؟ فرمایا۔ ہاں ضرور ملے گا (تفسیر در منثور بحوالہ طبرانی)

صلح حدیبیہ کے بعد حکم ہوا کہ جو عورتیں اسلام لائیں ان سے توبہ کی بیعت لی جائے اس میں ایک بات یہ بھی ہو کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔

ایک دفعہ ایک صحابی نے دریافت کیا یارسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کونسا ہے فرمایا "شرک" پوچھا اس کے بعد" فرمایا "والدین کی نافرمانی" پھر عرض کی اس کے بعد، فرمایا یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی (بخاری)

آپ کا یہ جواب حقیقت میں مذکورہ صدر آیت کی تفسیر ہے آپ کی ان تعلیمات نے دلوں میں یہ یقین پیدا کر دیا کہ رازق خدا ہے اسی کے ہاتھ میں رزق کی کنجی ہے۔ ہر بچہ اپنی روزی کا سامان لے کر آتا ہے اس ایمان اور یقین نے اس جرم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا اور عرب کی سرزمین اس لعنت سے پاک ہو گئی۔

۲- اولاد کی پرورش

اولاد کے جینے کا حق تسلیم کرانے کے بعد پہلا فرض یہ ہے کہ اس کی نشوونما اور دودھ پلانے کے حق کو تسلیم کیا جائے اور جب تک وہ کھانے پینے کے قابل نہ ہو جائے اس کی خبر گیری کی جائے۔ دودھ پلانے کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال مقرر کی۔ اگر ماں مر چکی ہو یا طلاق لے کر شوہر سے علیحدہ ہو چکی ہو تو باپ پر اس کی رضاعت کا سامان کرنا اور اس کی اجرت ادا کرنا فرض ہے شیر خوارگی کے دنوں میں ماں کے علاوہ کوئی دوسری عورت بھی اپنا دودھ پلا کر اس کی زندگی کا سہارا بنے تو اسلام ہی ایک مذہب ہے جس نے قانوناً اس کی اہمیت کو قبول کیا اور اس کا درجہ بھی ماں کے قریب قریب قائم کر کے اس

Marfat.com

کی اولاد کو بھی بھائی اور بہن کے رشتہ کا منصب عطا کیا۔ حاصل یہ کہ بچوں کی نشوونما کی خدمت اسلام میں وہ مقام رکھتی ہے کہ نسبی رشتہ داریوں کے قریب پہنچ جاتی ہے اس کے بعد نابالغی کے زمانہ تک اس کی نگرانی اور اس کے خرچ کی کفالت کی جائے چنانچہ اسلام نے یہ دونوں ذمہ داریاں والدین پر عائد کیں۔

قرآن میں ارشاد ہوا۔

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں۔ یہ مدت اس کے لئے ہے جو پوری مدت دودھ پلانا چاہے اور باپ پر ان دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق واجب ہے (سورہ بقر - ۳۰)

لڑکی، لڑکے کی نسبت کمزور ہوتی ہے۔ اسی لئے ظہور اسلام سے قبل عربوں کا تختہ مشق ستم بنی رہی۔ اسلام نے اس کی پرورش ونگہداشت کی خاص تاکید کی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لڑکی کی پرورش والدین اور دوزخ کے درمیان پردہ ہے (ترمذی)

آپ نے فرمایا جو شخص دو لڑکیوں کو پال کر جوان کر دے تو (حضورؑ نے دو انگلیاں اٹھا کر فرمایا کہ) اس کا اور میرا مرتبہ جنت میں یوں ہوگا (مسلم)

آپ نے فرمایا جس کی دو یا تین بیٹیاں یا بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو جنت میں داخل ہوگا۔ (ترمذی)

۲۔ تعلیم و تربیت

جسمانی نشوونما کے بعد اولاد کی باطنی وروحانی تربیت کا درجہ ہے قرآن حکیم نے اس مفہوم کو ایک نہایت مختصر اور بلیغ فقرہ میں ادا کر دیا جس کی شرح وتفصیل کے لئے بڑے بڑے دفتر بھی ناکافی ہیں۔ فرمایا

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (سورہ تحریم - ۱۱)

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔

اس آیت میں خاندان کے سربراہ کو حکم دیا گیا ہے کہ شرعی احکام کی اطاعت کر کے اور اپنے اہل وعیال کو دینی زندگی کا عادی بنا کر خود بھی آتش جہنم سے بچو اور ان کو بھی بچاؤ

Marfat.com

اس آیت کی رو سے گھر کے سردار پر اولاد کی اخلاقی تربیت، دینی تعلیم اور نگہداشت لازمی قرار دی گئی ہے۔

قرآن میں فرمایا

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ ..

(سورہ فرقان - ٦)

جنت کے مستحق وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو، ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اولاد کو نیک اور سعادت مند بنانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس کی نیکی وسعادت مندی کی دعا بھی مانگتے رہنا چاہیئے۔ دیندار اولاد والدین کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ جب تک وہ نیک کام کرتے رہیں گے اور والدین کے حق میں دعاگو ہوں گے۔ والدین کی روح کو ثواب پہنچتا رہے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ بعض آدمی دیکھیں گے کہ جنت میں ان کا درجہ بلند تر ہو گیا ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ سے اس کا سبب پوچھیں گے جواب ملے گا کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لئے جو دعا کی یہ اس کی وجہ سے ہے (بخاری)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے باپ کا اپنے بچہ کو کوئی ادب سکھانا ایک صاع صدقہ سے بہتر ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی باپ اپنی اولاد کو اس سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے (صحیح مسلم)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس برس کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اسے مار کر نماز پڑھاؤ اور اسے الگ سلایا کرو (ابوداؤد)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے ان کی دعا اور نیکی کا اجر و ثواب، والدین کو وفات کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کی بہترین تربیت کی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا سب عورتوں

Marfat.com

سے بڑھ کر دانا ہیں۔ انداز کلام، حسنِ اخلاق اور وقار و متانت میں آنحضورؐ کے سوا آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ حضرت علیؑ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم بھی آپ کے تربیت یافتہ تھے۔ ان کی حیات مقدسہ اسلامی اخلاق کا زندہ پیکر تھی۔

۴۔ اولاد کے مابین مساوات

اولاد میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ نرینہ اولاد سے مقابلتاً ترجیحی سلوک روا رکھنا شرعاً درست نہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جس کے یہاں لڑکی پیدا ہو وہ اس کو زندہ باقی رہنے دے اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے نہ اس پر لڑکے کو ترجیح دے تو خدا اسے جنت میں داخل فرمائے گا (ابوداؤد)

لڑکوں میں بڑے اور چھوٹے کا امتیاز دین اسلام میں نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک یکساں طور پر ایک ہی والدین کی اولاد ہیں۔ یہاں تک کہ اگر لڑکوں میں کسی ایک کو بلاوجہ کوئی عطیہ دیا جائے جو دوسروں کو نہ ملا ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ظلم سے تعبیر فرمایا ہے۔ تورات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھا لڑکا قابل ترجیح ہے یورپ کے بعض ممالک میں آج تک یہ قانون چلا آتا ہے کہ بڑے بیٹے کو جائیداد میں سے زیادہ حصہ ملتا ہے۔ یہ امتیاز تقاضئے عدل و انصاف کے منافی ہے اس لئے اسلام نے اسے ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ ایک صحابی نے اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کو ایک غلام ہبہ کیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانا چاہا۔ انہوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے دریافت کیا کہ تم نے اپنے سب بچوں کو ایک ایک غلام دیا ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو میں ایسے ظالمانہ عطیہ پر گواہ نہیں بنوں گا۔ (ابوداؤد)

۵۔ شفقت و محبت

والدین میں اولاد کی محبت کا طبعی جذبہ ہوتا ہے۔ اسلام نے اولاد کی محبت کو ایک دینی فریضہ ٹھہرا کر اس میں اور تقویت پیدا کر دی۔ تاکہ اولاد کی پرورش میں کوئی کمی نہ رہ جائے اس ضمن میں آنحضرتؐ کی ذاتی مثال بڑی حد تک ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ آپ کو

Marfat.com

اولاد سے بے پایاں محبت تھی۔ آپ کے فرزند ابراہیم نے وفات پائی تو بے ساختہ آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔ فرمایا ابراہیم! ہمیں تمہاری جدائی کا بڑا صدمہ ہے۔ آپ کی صاحبزادی جناب فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لاتیں تو فرطِ محبت سے کھڑے ہو جاتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ اقرع بن حابس نامی ایک اعرابی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا آپ حضرت حسنؓ کو پیار کر رہے تھے۔ اس نے کہا کیا آپ بچوں کو پیار کرتے ہیں میرے دس بچے ہیں۔ میں نے ان میں سے کسی کو پیار نہیں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ پھر فرمایا اگر اللہ نے تیرے دل سے رحمت و شفقت کو نکال لیا ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا (بخاری، ابوداؤد)۔ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے آپ کی نواسی امامہ رضی اللہ عنہا آپ کے کندھے پر تھیں۔ آپ جس وقت رکوع اور سجدے میں جاتے تو انہیں زمین پر بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو پھر کندھے پر اٹھا لیتے تھے (صحیح مسلم)

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک غریب عورت سائل بن کر آئی اس کے ساتھ اس کی دو کمسن بچیاں بھی تھیں۔ کاشانہ نبوی میں اس وقت ایک کھجور کے سوا کھانے کو اور کچھ نہ تھا۔ ام المومنین نے وہی ایک کھجور اس کو دے دی۔ ماں کی مامتا نے گوارا نہ کیا کہ وہ کھجور آپ کھالے اور ان ننھی جانوں کو اس سے محروم رکھے اس نے کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا۔ حضرت عائشہؓ یہ ماجرا دیکھ کر حیران ہوتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو یہ واقعہ عرض کیا۔ حضور نے سن کر فرمایا جو شخص بچیوں کی آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے اور دوزخ کے درمیان پردہ ہوں گی (بخاری)

دین اسلام اولاد سے شفقت و محبت کی تاکید کرتا مگر ساتھ ہی حکم دیتا ہے کہ یہ محبت دین کے تابع رہنی چاہیئے ایسا نہ ہو کہ محبت کا غلبہ انسان کو دولت ایمانی سے محروم کر دے۔ قرآن میں فرمایا

اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ   تمہارے اموال و اولاد ایک

Marfat.com

آزمائش ہیں۔ (الانفال - ۲۸)

اس آیت کے پیش نظر محبت میں اعتدال ضروری ہے۔ حضرت نوح کا بیٹا کافر تھا وہ کفار کے ساتھ ہی طوفان کی نذر ہوگیا۔ حضرت نوحؑ نے اسے ڈوبتے دیکھا تو اس کے حق میں دعا کی۔ بارگاہ ایزدی سے جواب ملا کہ اس سے آپ کا کچھ تعلق نہیں

۶۔ عقیقہ

اولاد کی پیدائش پر عقیقہ کرنا بھی والدین کا حق ہے عقیقہ دراصل ان بالوں کو کہتے ہیں جو بچے کی ولادت کے وقت اس کے سر پر ہوتے ہیں پھر اس جانور کو بھی عقیقہ کہنے لگے جو بچہ کی پیدائش کے بعد ساتویں دن ذبح کیا جاتا ہے۔ عقیقہ سنت ہے۔ صاحب استطاعت شخص لڑکے کی پیدائش پر دو اور لڑکی کی ولادت پر ایک بھیڑ بکری ذبح کرے۔ حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " بچہ عقیقہ کے عوض رہن ہے۔ ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے۔ اس کا نام رکھا جائے اور اس کے بال کاٹے جائیں (احمد، ترمذی، نسائی) مندرجہ بالا کے علاوہ اولاد کے چھوٹے بڑے حقوق اور بھی ہیں جن کی تفصیلات کتب حدیث وفقہ سے معلوم کی جا سکتی ہیں۔

سوالات

۱۔ قرآن کریم کی روشنی میں والدین کے حقوق بیان کیجئے۔
۲۔ قرآن کریم میں والدہ کے ادب واحترام کے متعلق کیا تعلیم دی گئی۔
۳۔ قرآن کریم میں اولاد کے کیا حقوق بیان کئے گئے ہیں۔
۴۔ ظہور اسلام سے قبل عرب میں قتل اولاد کے محرکات کیا تھے؟
۵۔ اسلام نے اولاد میں عدل وانصاف کے سلسلہ میں کیا تعلیم دی ہے۔ تفصیلاً لکھیے
۶۔ اولاد کی تعلیم وتربیت کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے۔

Marfat.com

باب ۱۷

حقوق زوجین

مفہوم

زوج عربی میں نر و مادہ کے جوڑے کو کہتے ہیں اس کا اطلاق خاوند اور بیوی ہر دونوں پر ہوتا ہے اس کی جمع ازواج ہے جب زوج کے اخیر میں تا بڑھا کر زوجۃ کر دیا جاتے تو یہ لفظ بیوی کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے زوجین کے معنی ہیں دو زوج یعنی میاں بیوی۔ حقوق زوجین یعنی وہ حقوق جو میاں بیوی دونوں پر ایک دوسرے کے لئے عائد ہوتے ہیں۔

والدین اور اولاد کے بعد قریب ترین تعلقات کی فہرست میں تیسرا درجہ میاں بیوی کا ہے حقیقت یہ ہے کہ انہی تعلقات کی درستی پر ہر گھر کے عیش و مسرت کا انحصار ہے اگر میاں بیوی کے باہمی تعلقات خوشگوار ہوں تو گھر جنت کا نمونہ ہوگا اور اگر خدانخواستہ دونوں میں کشیدگی ہوگی تو گھر جہنم سے کم نہ ہوگا۔ ان تعلقات کا اثر صرف میاں بیوی پر ہی نہیں پڑتا بلکہ بچوں پر بھی پڑتا ہے۔ تعلقات کے کشیدہ ہونے کی صورت میں بچوں کا مستقبل تباہ ہو جاتا ہے۔ گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے ضروری ہے کہ میاں بیوی اپنی اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور احسن طریق اسلوبی سے نبھائیں اسی طرح ایک دوسرے پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کی بجاآوری میں کسی قسم کی کوتاہی سے کام نہ لیں۔

رشتۂ زوجیت اور اسلام

ظہور اسلام سے قبل تمام مذاہب میں عورت مرد کے ازدواجی تعلق کو روحانی ترقی میں مانع تصور کیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں بدھ، جین مت، ویدانت جوگ اور سادھوپن کے تمام پیرو اس نظریہ کے پابند تھے، عیسائی مذہب میں بھی عورت سے بے تعلقی ہی کو روحانی کمال کا ذریعہ تصور کیا جاتا تھا۔ اسلام نے آکر اس نظریہ پر کاری ضرب لگائی اور بتایا کہ رشتۂ زوجیت روحانی ترقی میں مانع تو کیا ہوگا۔ اس کے برعکس اس کے حصول میں

Marfat.com

ممد ومعاون ہوگا۔ سالار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت نو ازواج مطہرات کو عقدِ زوجیت میں لاکر اپنے عمل سے ثابت کیا کہ اہلی زندگی اور روحانی ارتقاء کے مابین کوئی تضاد نہیں اور ایک شخص گھر کی اتنی مصروف زندگی میں گھر کر سیّد الرسل کے منصب پر فائز ہو سکتا ہے اور افضل البشر بھی۔

نکاح موجب خیر و برکت

اسلام نے عقد نکاح کو ہر عمر کے مرد و عورت کے لئے خیر و برکت کا سبب قرار دیا ہے نکاح اہلی زندگی کا نقطۂ آغاز ہے نوع انسانی کی بقاء کا راز بھی اسی میں مضمر ہے یہ وہ عنوان ہے جس کے بغیر اولاد آدم کی بدنی اور روحانی تسکین کی داستان پریشان ہو کر رہ جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَائِکُمْ اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِھِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ

(سورہ نور۔ ۴)

اور اپنے میں سے بن شوہر عورتوں کا (خواہ وہ کنواری ہوں یا رانڈ) اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے نیکوں کا نکاح کر دیا کرو اگر وہ غریب ہوں گے تو اللہ ان کو اپنی مہربانی سے غنی کر دیگا اور اللہ وسعت والا اور علم والا ہے

اس آیت پاک کا یہ فقرہ کہ "اگر وہ غریب و تنگدست ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے ان کو غنی کر دے گا" یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ ازدواجی زندگی خیر و برکت کا ذریعہ ہے اگر ایک کی تقدیر میں غربت ہوگی تو شاید دوسرے کی تقدیر میں فارغ البالی ہو۔ تو ایک کے ذریعہ سے دوسروں کو فائدہ پہنچے گا۔

دنیوی اعتبار سے خیر و برکت کے دو سبب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ بصورتِ نکاح ایک کام کرنے والے کے بجائے گھر میں دو کام کرنے والے ہوں گے اور آگے اولاد کے ذریعے اور کام کرنے والے پیدا ہوں گے (۲۱) دوسرا سبب یہ ہے کہ نکاح کی مجبوری کے باعث ایک بیکار آدمی بھی کچھ کرنے کے لئے اپنے کو مجبور پائے گا۔ بیوی سے اس کی محبت اس کو بعض ایسے کاموں پر آمادہ کر دے گی جن کے لئے

Marfat.com

وہ اس کے بغیر ہرگز آمادہ نہ ہو گا۔

باعث راحت و سکون

نکاح کا مقصد صرف ایک فرض کو ادا کرنا ہی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کو ایک مناسب رفیقِ حیات کی تلاش ہوتی ہے یہ فطرتِ انسانی ہے اسی بنا پہ اللہ تعالےٰ نے میاں بیوی کے اخلاص و محبت کو اپنی نشانیوں میں سے ایک قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوا۔

"اور خدا کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں۔ تاکہ تم ان سے سکون پاؤ اور تم میں مہر و محبت پیدا کر دی بے شک اس میں سوچنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں"

(سورہ روم - ۲)

قرآن پاک نے ایک لفظ سکون سے بیوی کی رفاقت کی جس حقیقت کو ظاہر کیا ہے وہ ازدواجی تعلق کے فلسفہ کے پورے دفتر کو اپنے اندر سمیٹے ہوتے ہے اس لئے میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں اتنی خوشگواری ہونی چاہیئے کہ اس سے اس تعلق کے وہ خاص اغراض جن کے لئے خدا نے اس تعلق کو اپنے عجیب آثار قدرت میں شمار کیا ہے پورے ہوں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بیوی شوہر کی فرمانبرداری اور شوہر بیوی کی دلجوئی کرے۔ میاں بیوی گو اپنے اپنے حقوق کے لحاظ سے برابر ہیں لیکن مرد کو قدرے برتری اس لئے دی گئی ہے کہ وہ عورت کی خبر گیری کرتا ہے اور اس کے جائز مصارف کا بوجھ اٹھاتا ہے۔

میاں بیوی کا درجہ

انسانی مساوات کا تقاضا ہے کہ میاں بیوی کو معاشرہ میں یکساں مقام حاصل ہو۔ قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ " (البقرہ) — عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسے مردوں کے ہیں۔

مگر انتظامی اعتبار سے یہ مساوات مشکل تھی۔ جس طرح ایک ملک میں دو بادشاہ حکمران

Marfat.com

نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح گھر کی محدود ریاست میں میاں بیوی دونوں کا سکہ جاری نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو گھر کا انتظام تہ و بالا ہو جاتا۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے انتظامی امور کی سرداری مرد کو تفویض کی۔ اسی آیت کے آگے یوں ارشاد ہوا ہے "وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ" (مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے) (البقرہ)

دوسری آیت میں مرد کے تفوق کی وجہ بھی بتلادی۔ فرمایا

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ	مرد عورتوں پر نگہبان ہیں اس لئے کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لئے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔
سورہ نساء۔ آیت نمبر ۳۴)	

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ایک صنف یعنی مرد کو اللہ نے طبعاً بعض ایسی خصوصیات اور قوتیں عطا کی ہیں جو عورت کو نہیں دیں یا اس سے کم دی ہیں اس بنا پر خاندانی نظام میں مرد ہی منتظم ہونے کی اہلیت رکھتا ہے اور عورت فطرۃً ایسی بنائی گئی ہے کہ اسے خانگی زندگی میں مرد کی حفاظت و خبرگیری کے تحت رہنا چاہیئے (تفہیم القرآن)

ایک دوسرے کا لباس

مذکورہ صدر آیت سے کسی طرح بھی عورت کی تحقیر کا پہلو نہیں نکلتا صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تخلیقی اعتبار سے مرد متعدد ایسے اوصاف کا حامل ہوتا ہے جن سے عورت بہرہ ور نہیں۔ مردوں کو قوت جسمانی زیادہ عطا ہوئی۔ اس لئے جسمانی قوت کے کام مرد کے سپرد کئے گئے ہیں۔ عورت بھی چند خصوصیات رکھتی ہے جو مرد کا حصّہ نہیں۔ اس کا دائرہ کار اپنا ہے مثلاً عورت میں مہر و محبت کا جذبہ زیادہ رکھا گیا ہے تاکہ وہ اس جذبہ سے کام لے کر بچوں کی پرورش کر سکے۔ ایک میں قوت و طاقت اور سختی پائی جاتی ہے۔ دوسرے میں نرمی۔ تاکہ دونوں مل کر ایک کنبہ کی تشکیل کے فرائض انجام دے سکیں۔ اس لئے یہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم، ایک دوسرے کے پردہ پوش اور ایک دوسرے کی زینت

Marfat.com

ہیں۔ قرآن کریم نے ان تمام مطالب کو ایک نہایت بلیغ فقرے میں ادا کردیا ہے فرمایا
هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ — عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ (سورہ بقر ۲۲)

مقصد یہ ہے کہ تم ان کی ستر پوشی کرتے ہو اور وہ تمہاری۔ تم ان کی زینت ہو وہ تمہاری۔ تم ان کی خوب صورتی ہو وہ تمہاری۔ یہی نکاح کے اغراض ہیں اور انہی اغراض کو پورا کرنا حقوق زوجین ادا کرنا ہے۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالے نے عورت اور مرد کی تخلیق اور ان کے باہمی فرائض کی تشریح کی ہے۔ اللہ تعالے نے فرمایا اے لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک ذات (حضرت آدم) سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا (سورہ نساء۔ ۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نکاح ہی سے بنی نوع انسان دنیا میں پھلے پھولے ہر قسم کی رشتہ داریوں کی جڑ یہی نکاح ہے یہ نہ ہوتا تو دنیا کا کوئی رشتہ پیدا نہ ہو سکتا۔

خاوند کے فرائض

میاں بیوی کے باہمی حقوق کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں ان الفاظ میں فرمائی

لوگو! عورتوں کے حق میں میری وصیت کو مانو کہ یہ تمہارے ہاتھوں میں قید ہیں تم اس کے سوا اور کسی بات کا حق نہیں رکھتے لیکن یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں اگر ایسا کریں تو ان کو خواب گاہ میں علیحدہ کردو اور ان کو ہلکی مار مارو۔ اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر ان پر الزام لگانے کے پہلو نہ ڈھونڈو۔ بے شک تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارا حق تمہاری عورتوں پر یہ ہے کہ پاک دامن رہیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔ غیر محرم کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں۔ عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کے پہنانے اور کھلانے میں کمی نہ کرو (ابن ماجہ۔ کتاب النکاح)

ایک شخص نے آکر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! بیوی کا حق شوہر پر کیا ہے، فرمایا

Marfat.com

کہ جب کھاتے تو اس کو کھلائے، جب خود پہنے تو اس کو پہنائے، نہ اس کے منہ پر تھپیڑ مارے نہ اس کو بُرا بھلا کہے اور نہ سزا کے طور پر اس کو گھر سے نکالے۔

(ریاض الصالحین بحوالہ ابو داؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کا کام خانگی زندگی کا ساز و رنگ مہیا کرتا ہے، مالکانہ ہونے کی حیثیت میں اس کے کندھے پر بہت گراں ذمہ داریاں ہیں۔ اس کمائی کا سارا بوجھ خود برداشت کرنا چاہیے عورت کا کام یہ ہے کہ وہ اس کی کمائی کو سلیقہ سے خرچ کرے اور بال بچوں کی پرورش کرے

ایک مشہور حدیث میں آپ نے فرمایا

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہے۔ (ترمذی، دارمی، ابن ماجہ)

اس حدیث میں اچھے اور بُرے آدمی کا معیار بتایا گیا ہے یہ کسوٹی ایسی ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو اس پر پرکھ کر دیکھ سکتا ہے۔ ایک صحابی بڑے عابد و زاہد تھے۔ لیکن وہ اپنی بیوی کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ حال سنا تو ان کو بلوا کر فرمایا

وَلِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا (اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے بخاری)

ظہور اسلام سے قبل عورت کو بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ذرا سی بات پر اسے پیٹا جاتا تھا اور سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ اسلام آیا تو عورتوں کو بلا وجہ مار پیٹ سے روک دیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے برابر کا جواب دیا۔ حضرت عمرؓ مزید فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اسلام سے پہلے عورتوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اسلام آیا تو اس نے ظلم و تعدی سے روک دیا (صحیح بخاری)

اکثر عورتیں فطرۃً ضدی ہوتی ہیں۔ بعض مرد ان کی ضد کے مقابلہ میں سختی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ان کی ایک نہایت عمدہ تشبیہ دے کر نصیحت فرمائی کہ

Marfat.com

عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو کیونکہ ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے تم اس کے اس ٹیڑھاپن کے ساتھ کام لے سکو، تو لے سکتے ہو اور اگر اس کے سیدھی کرنے کی فکر کرو تو تم اس کو توڑ ڈالو گے (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (نساء - ۳)

اور بیویوں کے ساتھ معقول طریقہ سے گزارہ کرو۔ اگر وہ تم کو پسند نہ آئیں تو ممکن ہے کہ تم کو ایک چیز پسند نہ آئے اور خدا نے اس میں بہت خوبی رکھی ہو۔

جاہلیت میں دستور تھا کہ مرد قسم کھا لیتے تھے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک نہیں کریں گے اور جب انہیں کوئی سمجھاتا تو کہتے کہ ہم قسم کھا چکے ہیں اس لئے مجبور ہیں۔ ایسے لوگوں کو حکم دیا

"اور خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ تم حسن سلوک تقویٰ اور لوگوں کے درمیان صلح جوئی نہ اختیار کرو گے اور اللہ سنتا اور جانتا ہے (سورۂ بقرہ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرد کو عورت کے ساتھ حسن سلوک، پرہیزگاری اور صلح جوئی کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ شوہر کے فرائض کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱- مہر: مہر اس رقم کو کہتے ہیں جو حق زوجیت کے عوض بیوی کو دی جاتی ہے اس رقم کا انحصار مرد کی استطاعت پر ہے۔ مہر کی ادائیگی ضروری ہے تاہم بیوی کو معاف کرنے کا حق حاصل ہے۔

۲- نفقہ: شوہر کا دوسرا فرض یہ ہے کہ وہ بیوی کو ضروریات مہیا کرے اس کو نفقہ کہتے ہیں۔

۳- عدل و انصاف: مرد کا تیسرا فرض یہ ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کرے اور اگر بیویاں ایک سے زائد ہوں تو ان میں مساوات کے اصول پر

Marfat.com

گامزن رہے۔

بیوی کے فرائض

خاوند کی اطاعت اسلام میں اس قدر ضروری قرار دی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا اگر غیر اللہ کے آگے سجدہ جائز ہوتا تو میں حکم دیتا کہ بیوی اپنے خاوند کو سجدہ کرے (ترمذی)

کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ عورتوں میں سے افضل عورت کون سی ہے فرمایا کہ جب مرد اس کو دیکھے تو خوش ہو۔ مرد کوئی حکم دے تو اسے فوراً بجالائے اور اپنی جان و مال میں خاوند کی ایسی مخالفت نہ کرے جو اس پر ناگوار گزرے (نسائی)

آپ نے دوسری جگہ فرمایا

"تین شخص ہیں جن کی نہ تو نماز ہی قبول ہوتی ہے اور نہ ہی ان کی کوئی نیکی اوپر چڑھتی ہے (۱) بھگوڑا غلام یہاں تک کہ اپنے آقا کے پاس واپس آ جائے (۲) وہ عورت جس سے اس کا شوہر ناخوش ہو (۳) بے ہوش آدمی یہاں تک کہ ہوش میں آ جائے (بیہقی)

اسلامی نقطۂ نظر سے شوہر کی کامل اطاعت ضروری ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ بھی نہیں رہ سکتی اور نہ اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ خاوند کی اجازت کے بغیر کسی کو اس کے گھر میں آنے دے (بخاری، مسلم)

خاوند کی عزت و آبرو بڑی حد تک بیوی پر موقوف ہوتی ہے بیوی کو لازم ہے کہ شوہر کی آبرو کی حفاظت کرے، دل سے خاوند کی قدر کرے۔ اسلام میں تین دن سے زیادہ سوگ کی اجازت نہیں مگر خاوند کی وفات پر بیوی چار ماہ دس دن سوگوار رہتی ہے۔ (بخاری، مسلم)

ازواج مطہرات سے نبی کریمؐ کا برتاؤ

جس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیرونی زندگی مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے

Marfat.com

تھی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی کے جو واقعات منقول ہو کر ہم تک پہنچے ہیں وہ بھی ہمارے لئے مشعلِ ہدایت ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم اقدس میں ایک وقت نو بیویاں تھیں ان میں عام اصول فطرت کے مطابق ہر مزاج اور طبیعت کی عورتیں تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہمیشہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے اس لئے ان کو ضروریات زندگی مہیا کرنے کا انتظام بھی خاطر خواہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان کو شکایت کا موقعہ ملتا تھا۔ مگر بایں ہمہ آپ رنجیدہ نہیں ہوتے تھے اور ان کی شکایت کو خندہ پیشانی کے ساتھ سنتے تھے۔

جب حضرت خدیجہ سے شادی کی تو آپؐ اسوقت ۲۵ سالہ نوجوان تھے جو عنفوان شباب کی عمر ہوتی ہے۔ حضرت خدیجہؓ بیوہ تھیں اور عمر کی چالیس منزلیں طے کر چکی تھیں تاہم آپ نے ان کی وفات تک کوئی شادی نہیں کی۔ وفات کے بعد بھی جب کبھی ان کا ذکر آجاتا تو جوش محبت سے بے تاب ہو جاتے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے کسی عورت پر کبھی ایسا رشک نہیں آیا جیسا حضرت خدیجہؓ پر۔ حالانکہ میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جب جانور ذبح کرتے تو ان کے گھروں میں گوشت بھجواتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپ کے نکاح میں نو ازواج مطہرات رہیں۔ تاہم عدل و انصاف اور سکون و اطمینان کے اعتبار سے آپ کا گھر جنت تھا جس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ مثالی حیثیت کی حامل تھی۔ اسی طرح آپ کی خانگی زندگی بھی اپنی مثال آپ تھی۔

بیوی کے انتخاب کا معیار

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شادی کرنے کے لئے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر کیا جاتا ہے۔

مال ۱۔ نسب ۲۔ حسن ۳۔ دینداری۔ تم دیندار عورت تلاش کرو (مشکوٰۃ شریف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام میں دینداری کو مقدم رکھتے تھے اسی لئے ازواج

Marfat.com

مطہرات میں بھی وہی زیادہ منظور نظر ہوتی تھیں، جن سے دین کی خدمت زیادہ ادا ہو سکتی تھی حضرت عائشہ رضی سے خصوصی لگاؤ کی وجہ یہی تھی کہ آپ دینداری، ذہانت اور وسعت معلومات میں سب بیویوں پر فوقیت رکھتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی نے رفاقت نبوی سے اس قدر فائدہ اٹھایا کہ بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل میں اکابر صحابہ رضی سے اختلاف کرتی تھیں، خانگی زندگی کے متعلق اکثر دینی مسائل حضرت عائشہ رضی سے منقول ہیں۔ امت مسلمہ ہمیشہ انکے احسانات کی ممنون رہے گی

سوالات

۱۔ اسلام نے مرد و عورت کو کیا کیا ذمہ داریاں سپرد کی ہیں۔

۲۔ دین اسلام میں عورت کو کیا مقام حاصل ہے۔

۳۔ قرآن نے ازدواجی تعلقات کی کیا غرض و غایت بیان کی ہے۔

۴۔ خاوند کے فرائض بیان کیجئے

۵۔ بیوی کے فرائض قلمبند کیجئے

۶۔ بیوی کیسی انتخاب کرنی چاہیئے۔

Marfat.com

باب ۱۸

مسجد و مکتب

اسلامی نظامِ تعلیم

اسلام میں علم کا مقام

علم ایک ایسی چیز ہے جس کی اہمیت وفضیلت کسی پر پوشیدہ نہیں۔ ترقی کی دوڑ میں آج وہی قوم سب سے آگے ہے جس کا علمی پایہ سب سے بلند ہے جو تحقیق و تدقیق کے میدان میں سب سے آگے ہے جو سائنسی ایجادات میں دوسری قوموں کو مات دے چکی ہو۔ آج یہ بات ایک حقیقت ثابتہ بن کر اقوامِ عالم کے سامنے آئی ہے۔ اسلام چودہ صدیاں پہلے ببانگ دہل اس کا اعلان کر چکا ہے تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان ملک و قوم کے لئے مفید ثابت ہو۔ جاہل اور کم علم انسان معاشرہ پر ایک بار ہوتا ہے بخلاف ازیں ایک تعلیم یافتہ شخص معاشرہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوتا ہے وہ اپنے علم و تجربہ سے ملک و قوم کو گراں قدر فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ ہر قسم کی تعلیم سے یہ مقصد حاصل ہو سکے آج لاکھوں طالب علم کالجوں اور سکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں لیکن ان میں سے بیشتر معاشرہ پر بوجھ ہیں ایسے طالب علم جب اپنی درس گاہوں سے فارغ ہو کر نکلیں گے تو سوائے کلرک بننے کے انہیں اور کوئی راہ دکھائی نہ دے گی۔ ہر طالب علم کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ وہ تعلیم جو فکر و ذہن میں جلا پیدا کرنے کی بجائے اس کے ذہن کو ماؤف کر دیتی ہے۔ اس میں زندگی کی امنگیں باقی نہیں رہتیں اور اس پر جمود کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ بالکل بے کار ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے جو پہلی وحی نازل ہوئی اس میں ارشاد ہوا:۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ — اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو پیدا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر پڑھنے سے زیادہ ضروری کوئی اور کام ہوتا تو پہلے اس کی

Marfat.com

(مدینہ) نہیں آسکتے۔ اس لئے ہر قبیلہ سے ایک گروہ کو آنا چاہیئے تاکہ وہ علم دین حاصل کریں۔ اور واپس جاکر اپنی قوم کو ڈرائیں شاید یہ لوگ بری باتوں سے بچیں۔ (سورہ توبہ۔ آخری رکوع)

عہد نبوی میں اشاعت علم

چونکہ مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو نہ صرف شریعت کے اوامر و نواہی سے واقف ہو بلکہ شب و روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے سے تمام تر اسلامی رنگ میں ڈوب جائے۔ جس کی گفتار و کردار، بات چیت، نشست و برخاست قول و عمل، ایک ایک چیز، تعلیم نبوی کے پرتو سے منور ہو تاکہ وہ تمام ملک کے لئے نمونہ عمل بن سکے۔ اس لئے عرب کے ہر قبیلہ سے ایک جماعت آتی تھی اور آپ کی خدمت میں رہ کر تعلیمات سے بہرہ ور ہوتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں

"عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتا اور آپ سے مذہبی امور دریافت کرتا تھا اور دین میں تفقہ حاصل کرتا تھا۔

داعیان اسلام جو مختلف علاقوں میں بھیجے جاتے تھے ان کو ہدایت کی جاتی تھی کہ لوگوں کو اس بات پہ آمادہ کریں کہ وطن چھوڑ کر مدینہ آجائیں اور یہیں آکر بود و باش کریں۔ اس کا نام ہجرت تھا۔ اسی بنا پہ عرب کے بہت سے خاندان اپنے گھروں سے ہجرت کر کے مدینہ میں چلے آتے تھے

حضرت ابو موسٰے اشعری آئے تو ۸۰ شخصوں کو لے کر آئے اور مدینہ میں آباد ہوئے

عہد نبوی کا طریق تدریس

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عصر و عہد میں تعلیم و ارشاد کے مختلف طریقے تھے ایک یہ کہ باہر سے آنے والے کچھ عرصہ خدمت اقدس میں رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبائل میں واپس جاکر ان کو تعلیم دیتے تھے۔ مثلاً مالک بن حویرث نے مدینہ آکر بیس دن قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی۔ جب واپس جانے لگے تو آپ نے فرمایا "تم اپنے خاندان میں واپس جاؤ اور ان میں رہ کر ان کو دینی مسائل سکھاؤ

Marfat.com

تلقین کی جاتی۔ قرآن کریم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا سکھلائی گئی ہے:
رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (۲۰-۱۱۴) اے پروردگار میرے علم میں اضافہ کر دے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں دوسرے مناصب جلیلہ سے نوازے گئے وہاں آپ کو معلم اعظم کی مسند نشینی بھی تفویض ہوئی۔
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (سورۃ الجمعہ) آپ ان کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں
اس آیت سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ استاد و معلم دین اسلام کی نگاہ میں کس عزو وقار کا حامل ہے ایک طرف آپ سید الرسل اور افضل البشر کے منصب رفیع پر فائز ہیں اور دوسری جانب آپ کے کندھوں پر تعلیم و تدریس کے گراں بار فرائض بھی رکھے جا رہے ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ سالار رسل ہونے ہوتے بھی معلمی کے فرائض سے عہدہ برآ ہونا آپ کے لئے موجب عار نہیں

علم ظہور اسلام سے قبل و بعد

ظہور اسلام سے قبل عربوں میں علم کا ذوق و شوق تو کجا، شرفاء میں لکھنے پڑھنے کو عیب سمجھا جاتا تھا۔ پڑھے لکھے آدمی خال خال نظر آتے تھے۔ مورخ بلاذری کے بیان کے مطابق مکہ شہر میں کل سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اسلام آیا تو مسلمانوں کا ایک ایک گھر تفسیر حدیث اور فقہ کا دار العلم بن گیا۔ اسلامی رو سے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ ہر جماعت اور ہر قبیلہ میں کچھ ایسے لوگ موجود ہوں جو تعلیم و تبلیغ کا فرض انجام دے سکیں۔

خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے عازم مدینہ ہوئے تو سراقہ نامی ایک کافر نے انعام کے لالچ میں آپ کا تعاقب کیا مگر آخر کار امان طلب کی۔ سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے علاوہ ان کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ بھی آپ کے ہمراہ تھے انہوں نے امان نامہ لکھا۔ یہ واقعہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ دوران سفر بھی لکھنے پڑھنے کا سامان ساتھ رہا کرتا تھا۔
قرآن مجید میں فرمایا:۔ اور سب کے سب مسلمان تو سفر کر کے

Marfat.com

اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو۔ (بخاری)

صُفّہ کی درس گاہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا طریق تدریس یہ تھا کہ لوگ مستقل طور پر آکر مدینہ میں سکونت پذیر ہوتے اور علم دین حاصل کرتے تھے۔ مسجد نبوی کا صحن جسے صُفّہ کہا جاتا تھا۔ ان کی درس گاہ تھی اس میں زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام دنیاوی تعلقات سے آزاد ہو کر شب و روز خدمت علم میں مصروف رہتے تھے مشکوٰۃ کتاب العلم میں روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اس وقت مسجد میں دو حلقے تھے (۱) ذکر (۲) حلقۂ درس۔ آپ حلقۂ درس میں بیٹھ گئے۔ ان طالبانِ علم کو قرّا کہتے تھے۔ قبیلہ عُرینہ میں جو لوگ تبلیغ و تعلیم کے لئے گئے تھے اور کفار نے ان کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا وہ اسی درس گاہ کے تربیت یافتہ تھے۔ اربابِ سِیَر نے لکھا ہے کہ ان لوگوں میں سے جب کوئی شادی کر لیتا تھا تو اس جماعت سے نکل آتا تھا اور ان کی بجائے دوسرے لوگ شامل ہو جاتے تھے۔ اصحابِ صفہ صرف راہِ علم کے جادہ پیما نہ تھے بلکہ میدانِ جہاد کے غازی بھی تھے۔ وہ غزوات میں حصہ لیتے اور دادِ شجاعت دیتے تھے۔

اصحابِ صفہ اگرچہ زر و مال سے بہرہ ور نہ تھے تاہم صبر و قناعت اور سکون و اطمینان سے ضرور مالا مال تھے۔ فقر و افلاس کا یہ عالم تھا کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں تک چھوڑ دیتے تھے وہ چادر اور تہمد دونوں کا کام دیتا تھا۔ جفاکشی کی حد یہ تھی کہ جنگل میں جا کر لکڑیاں چن لاتے تھے اور ان کو بیچ کر آدھا خیرات کر دیتے تھے اور آدھا اپنے ہم مکتب بھائیوں کے ساتھ مل کر کھاتے تھے اس درس گاہ کے فاضل معلمین میں مشہور صاحبِ علم صحابی عبادہؓ بن صامت بھی تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تعلیم فقہ و قرآن کے لئے فلسطین بھیجا تھا ابوداؤد میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے۔

" عَلَّمْتُ نَاسًا مِنْ اَهْلِ الصُّفَّةِ الْقُرْاٰنَ وَالْكِتَابَ فَاَهْدٰى — میں نے اصحاب میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی اور اس کے

Marfat.com

اِلَی رَجُلٍ مِنْهُمْ قَوْسًا، صفہ میں مجھ کو ایک شخص نے ایک کمان

(ابوداؤد) تحفہ کے طور پر دی۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادہؓ کو اس تحفہ کے قبول کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ درس گاہ صفہ کے علاوہ اور بھی کوئی جگہ تھی جہاں اصحاب صفہ رات کو تعلیم پاتے تھے۔ مسند امام احمد بن حنبل میں ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں کہ اصحاب صفہ میں سے ۰ ے شخص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے۔

جنگ بدر میں قریش کے بعض آدمی گرفتار ہوئے جو لکھے پڑھے تھے آپ نے فرمایا اگر تم دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو تو تم آزاد ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نگاہ میں لکھنے پڑھنے کی کیا اہمیت تھی

خلافت راشدہ اور اس کے بعد اشاعت تعلیم

خلافت راشدہ کے دور میں درس و تدریس کی نئی راہیں کھلیں باقاعدہ معلمین مقرر کئے گئے جن کو بیت المال سے تنخواہ دی جاتی تھی بچوں کی تعلیم کے علاوہ تعلیم بالغاں کا بھی اہتمام تھا۔ معلم مسجدوں میں بیٹھ کر حدیث و فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ تجارت پیشہ لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اپنی تجارت کے بارے میں شرعی مسائل سیکھیں۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے جمع کردہ قرآن کریم کی نقلیں کروا کر اطراف ملک میں بھیجیں۔ آگے چل کر اموی و عباسی خلفاء نے اشاعت علم کے سلسلہ میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ علماء نے اپنی زندگیاں اس مقصد کے لئے وقف کر دیں۔

حضرت معاویہؓ علم کے بڑے دلدادہ تھے۔ انہوں نے تاریخ کی ایک کتاب مرتب کروائی اور ایک بڑا کتب خانہ قائم کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کتابت حدیث کا خاص اہتمام کیا۔ عباسی دور میں خلیفہ مامون و ہارون کا عہد خلافت

Marfat.com

کے لئے خاص طور سے مشہور ہے۔ مامون نے بیت الحکمت کی بنیاد رکھی جس میں بلند پایہ علماء دیگر زبانوں کی بلند پایہ کتب کے ترجمے کرتے تھے۔ خلفائے عباسیہ کا دار الخلافہ بغداد علم و فضل کا مرکز تھا۔ اس میں دینی مدارس کی بھرمار تھی۔ اور طلبہ تحصیل علم کے لئے یہاں جوق در جوق آتے اور فیض یاب ہو کر واپس جاتے تھے۔

تعلیم کی غرض و غایت

کسی کام کی سچی تڑپ، والہانہ جذبہ اور حقیقی ذوق و شوق اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب اس کے پیچھے ایک بلند نصب العین کارفرما ہو۔ بلند پایہ غرض و غایت اور اعلیٰ مطمحِ نظر کے بغیر آدمی اس کام کو اضطراراً و مجبوراً انجام دے سکتا ہے۔ البتہ اس کا قلب و ذہن اس حالت میں اس کا رفیقِ کار نہیں ہوتا۔

اسلام جس علم کو حقیقی قرار دیتا ہے۔ اور جس کی تحصیل کے سلسلہ میں وہ یہاں تک کہہ دیتا ہے کہ "فرشتے طالب علم کی رضا و خوشنودی کے لئے اپنے پروں کو اُنکے پاؤں کے نیچے بچھاتے ہیں"۔ وہ ایسا علم نہیں جس سے صرف روٹی کا مسئلہ حل ہو سکے یا اس کے بدولت انسان صرف معاشرہ میں بلند مقام و منزلت حاصل کر سکے۔ اگرچہ وہ خدا سے دوری کا موجب ہو اور آدمی جس قدر اس میں مہارت حاصل کرتا جائے اسی قدر اسلامی عقائد و عبادات سے نفرت و حقارت کا جذبہ اس کے دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے۔ ایسا علم اسلام کی نگاہ میں نہ صرف معیوب بلکہ قابلِ نفرین ہے۔

اسلام کی نگاہ میں علم وہ ہے جس کے پڑھنے سے آدمی اللہ اور رسول سے شناسا ہو اسلامی عقاید و اعمال سے آگاہی حاصل کرے۔ اسلامی شعائر کا ادب و احترام سیکھے۔ اسلاف کی محبت دل میں پیدا ہو اور دل میں غیر متزلزل قسم کا ایمان کروٹ لے جو علم انسان کو خدا سے بیگانہ بنا دے۔ رسول سے متنفر کر دے۔ صحابہ رسول سے باغی بنا دے، وہ علم نہیں، جہل ہے۔ مقام افسوس ہے کہ مسلمانوں نے طویل دورِ غلامی کے نتیجہ میں غلامانہ ذہنیت کے زیرِ اثر آج جہل ہی کو علم سمجھ رکھا ہے جانے کب مسلمانوں کی لوحِ ذہن سے دورِ غلامی کے یہ آثار محو ہو سکیں گے۔

Marfat.com

اس میں شبہ نہیں کہ پیٹ کا مسئلہ بھی دینی نقطۂ نظر سے کوئی معیوب کام نہیں بلکہ شرعی فرائض و احکام کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ معاشی مسائل سے عہدہ برآ ہونا عبادت میں داخل ہے بنابریں سائنس، ریاضی اور ڈاکٹری وغیرہ میں مہارت حاصل کرنا اگرچہ بظاہر ایک دنیوی فعل ہے مگر ان علوم کو دینی خدمت کے جذبہ سے حاصل کرنا اور عوام الناس کی فیض رسانی کو پیش نظر رکھنا ایک دینی فعل ہے اور موجب اجراء ثواب ہے مگر آج تو یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ مادی دنیا ہی سب کچھ ہے۔ انسان صرف پیٹ کا مسئلہ حل کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلامی زاویہ نگاہ سے دنیا و دین کے مابین کوئی خلیج حائل نہیں۔ دنیوی امور کو احکام کتاب و سنت کے مطابق انجام دینے کا نام دین ہے۔ ہمارا دین دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیتا ہے۔ بنابریں ہمارا نظام تعلیم ایسا ہونا چاہیے جو دین و دنیا کا امتیاز مٹا دے تمام علوم کو دینی قالب میں ڈھالا جاتے جو باتیں ان میں دینی احکام سے متصادم ہوں ان کو نکال دیا جاتے ہمارے مدارس کالجوں اور یونیورسٹیوں کا ماحول دینی ہو اور اساتذہ دینی جذبہ سے سرشار ہوں ان حالات کو پیدا کئے بغیر علم کی غرض و غایت حاصل نہیں ہو سکتی۔

سوالات

۱۔ اسلامی نقطۂ نظر سے تعلیم کا مقصد کیا ہے۔

۲۔ عہد نبوی میں اشاعت علم کا کونسا طریق رائج تھا

۳۔ اسلامی نقطۂ نظر سے علم کس اہمیت کا حامل ہے اور اس سے مراد کونسا علم ہے

۴۔ اشاعتِ علم کے لئے سرور کائناتؐ نے کیا جدوجہد فرمائی۔

Marfat.com

مکتب

مفہوم مکتب کا لفظ کتابت (لکھنا) مصدر سے اسم ظرف ہے اس کے معنیٰ ہیں لکھنے کی جگہ۔ عام استعمال میں مکتب کا لفظ مدرسہ کا ہم معنیٰ ہے مکتب یا مدرسہ اس ادارہ کا نام ہے جہاں لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہو۔

اہمیت انسانی زندگی میں مکتب بڑا اہم پارٹ ادا کرتا ہے آج کے بچے کل کے معمار ہیں۔ انہی پہ قوم کی آئندہ زندگی اور ترقی کا انحصار ہے۔ کل کو یہی ملک وملت کا بوجھ اپنے کندھوں پہ اٹھانے والے ہوں گے لہذا ان کی تربیت ازبس ناگزیر ہے یہ تربیت بچوں کو صرف مکتب میں حاصل ہو سکتی ہے اگر استاد اپنے فرض کو سمجھ کر بچوں کی تربیت صحیح طور پر کریں گے۔ انہیں ہر قسم کی بے راہ روی سے روکیں گے انہیں عمدہ اخلاق سکھائیں گے۔ ان کے دل میں دینِ اسلام اور وطن کی محبت کے جذبات پیدا کریں گے تو یقیناً بچوں پر اس کا اچھا اثر پڑے گا اور وہ آگے چل کر صحیح طور پہ قوم کے معمار ثابت ہوں گے تربیت دینے اور اخلاقی نگرانی کرنے میں استاد کا اپنا نمونہ سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوتا ہے اگر استاد اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل ہو گا تو یقیناً بچے بھی اس سے اثر قبول کریں گے لیکن اگر استاد کا اپنا نمونہ اچھا نہ ہو گا تو وہ بچوں کو لاکھ اخلاقی درس دیتا رہے ان پر کوئی اثر نہ ہو گا۔ والدین کے زیر سایہ ابتدائی تربیت حاصل کرنے کے بعد مکتب بچہ کی اولین تربیت گاہ ہوتی ہے۔ جہاں اس کا ذہن نئے سانچے میں ڈھلتا اور اس کے لئے زندگی کی نئی راہ متعین کرتا ہے اگر اچھے والدین کے بعد اچھا مکتب میسر آجاتے تو زہے نصیب! اس دور میں بچہ کی لوح ذہن بالکل صاف ہوتی ہے اور اس کا ذہن نیک و بد خیالات سے کلیتاً پاک ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جو باتیں اس کے ذہن نشین کرا دی جاتی ہیں گی وہ پتھر کی لکیر ثابت ہوں گی اور اس کے نقوش آئندہ زندگی میں کبھی مٹ نہ سکیں گے اس کی درخشندہ مثال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین صحابہ کرامؓ کی ہے۔ جنہوں نے آنحضور کے زیر اثر صفہ کی درس گاہ میں تعلیم دین حاصل کی تھی ان میں سبھی قسم کے لوگ تھے بچے بھی تھے، جوان بھی اور بوڑھے بھی۔ آگے چل یہی لوگ

Marfat.com

دین اسلام کے ستون ثابت ہوتے اور انہوں نے کائنات ارضی کے دور افتادہ گوشوں تک اسلام کا نام روشن کر دیا۔

مشہور مکاتب اچھے مکاتب اور ممتاز اساتذہ اقوام عالم کے لئے سرمایہ افتخار ہوتے ہیں۔ اچھے مکاتب قوم کی تاریخ پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ وہ قوم کو ایک نئی روح اور نیا جذبہ عطا کرتے ہیں۔ جو علماء وہاں سے سند فراغت لے کر نکلتے ہیں وہ قوم کی ترقی میں نمایاں حصہ لیتے ہیں اور اس قوم کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ تابندہ و درخشندہ رہتا ہے جو طلبہ مدرسہ سے سند فراغت حاصل کر کے نکلتے ہیں وہ زندگی بھر اسے فراموش نہیں کر سکتے۔ اساتذہ کو یاد کر کے ان کے سینے عقیدت کے جذبات سے لبریز ہو جاتے ہیں مسلمان بغداد کے مدرسہ نظامیہ کا ذکر بڑے فخر سے کرتے ہیں یہ مدرسہ ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا تھا جس میں چھ ہزار طلبا زیر تعلیم تھے مدرسہ ان کی خوراک و لباس کا کفیل تھا۔ بغداد سے علوم و فنون ہندوستان، چین اور تاتار تک پہنچے۔ اندلس کی جامعہ قرطبہ اور مصر کی ہزار سالہ قدیم ازہر یونیورسٹی تاریخ عالم میں ایک اہم مقام رکھتی ہیں دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ ملیہ دہلی اور جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے مسلمانوں کو علوم اسلامیہ اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے روشناس کرانے میں جو نمایاں خدمات انجام دیں ان سے انکار کرنا عظیم کفرانِ نعمت ہے۔

اشاعت علم میں مسلمانوں کا حصہ مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں علم اور علماء کو ہمیشہ قدر دانی کی نگاہ سے دیکھا۔ علم کی اشاعت مکاتب کی تعمیر اور تصنیف و تالیف کی حوصلہ افزائی کرنے سے کبھی دریغ نہ کیا مکاتب کی تعمیر کا سلسلہ اسلام میں عہد نبوی سے شروع ہوا مسجد نبوی اور اس کا سائبان جسے صُفّہ کہتے تھے اولین اسلامی یونیورسٹی تھی۔ معلم اعظم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اولین استاد تھے اور مدینہ کے نادار صحابہ جنہیں دنیا اصحاب صفہ کے نام سے جانتی ہے اس یونیورسٹی کے اولین طلبہ تھے۔

علم نوازی کا یہ سلسلہ خلافت راشدہ میں بھی جاری رہا۔ اس عہد میں قرآن کریم

Marfat.com

کو کتابی صورت میں جمع کیا گیا اور اس کی تعلیم و تدریس کے لیے تنخواہ دار معلم مقرر کئے گئے چاروں خلفائے راشدین خود عالم تھے اور علم کے قدردان۔ تاہم خلافت راشدہ تک تعلیم و تدریس کا سلسلہ مساجد ہی میں جاری رہا۔ مکاتیب کی باقاعدہ تعمیر بنو امیہ، بنو عباس کے عہد ہائے خلافت میں ہوئی جب عجمی اقوام کے اختلاط سے زندگی کے سانچے بدلنے لگے۔ سادگی کی جگہ تکلف و تصنع نے لے لی۔ اور عرب بھی سادہ طبع ہونے کے باوجود ٹھاٹھ کی زندگی بسر کرنے لگے۔ تاہم تاریخ اسلام کے ان زریں ادوار میں بھی مسجد کو مکتب کی حیثیت حاصل رہی اور اسے کلیتہً عبادت ہی کے لئے وقف نہ کیا گیا

۔ اموی خاندان کے بانی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاریخ کے بڑے دلدادہ تھے۔ عبدالملک ولید، عمر بن عبدالعزیز اور ہشام سب علم دوست خلفاء تھے۔ عباسی عہد خلافت میں اشاعت علم کی طرف اور زیادہ توجہ دی گئی۔ انہوں نے مکاتیب کی تعمیر پر زر کثیر خرچ کیا اور مدارس کی سرپرستی میں بڑی فیاضی دکھائی۔ دار التصنیف قائم تھا اور مختلف علوم و فنون پر مایہ ناز کتابیں تصنیف کی گئیں۔ فلسفہ و طب سے متعلق یونانی کتب کا عربی میں ترجمہ کیا گیا خاص یہ کہ علم ریاضی، علم طب، علم ہیئت، علم جغرافیہ اور علم تاریخ میں مسلم علماء نے حیرت انگیز مہارت حاصل کر لی اور یادگار کے طور پر زندہ جاوید کتابیں چھوڑ گئے۔

یہ حقیقت ہے کہ اس دور انحطاط میں جب کہ انگریز کی طویل غلامی نے اسلامی اقتدار کو پامال کر کے رکھ دیا ہے کسی نہ کسی طرح مسجد کی یہ حیثیت باقی ہے اور بعض مساجد میں قرآن کریم کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ مسلمانوں کی دیکھا دیکھی عیسائیوں نے اپنی بڑی بڑی یونیورسٹیوں کو اپنی مذہبی درس گاہوں کی بنیاد پر قائم کیا۔ چنانچہ آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی کی اساس گرجا پر ہی رکھی گئی ہے۔ مزید براں عیسائیوں کے اکثر تعلیمی ادارے وہاں کے گرجا ہی کے زیر سایہ چل رہے ہیں۔

طلبہ کے فرائض

طلبہ کو یہ امر کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ طالب علم ہیں وہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات اور اپنے والدین کی محنت شاقہ سے کمائی ہوئی دولت تحصیل علم پر صرف کر رہے ہیں اس کا تقاضا ہے کہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ

Marfat.com

ضائع نہ ہونے پاتے اور نہ ہی تحصیل علم کا مطمح نظر ان کی نگاہ سے کبھی اوجھل ہو۔ ایک زمانہ وہ تھا جب ذرائع آمد و رفت کا فقدان تھا۔ مسلمان ایک ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے پا پیادہ سینکڑوں میل سفر طے کرتے اور اس گوہر مقصود کو تلاش کرتے تھے۔ آج راحت و آرام کا دور دورہ ہے سب علوم و فنون سہولت سے حاصل کئے جا سکتے ہیں سائنسی ایجادات نے انسانی زندگی کی تمام سہولتیں مہیا کر دی ہیں اس دور میں علم سے محرومی حد درجہ کی حرماں نصیبی اور بدبختی ہے علاوہ ازیں مکتب کے کچھ آداب بھی ہیں جن کا ملحوظ رکھنا ایک طالب علم کے لئے بے حد ضروری ہے مثلاً یہ آداب قابل لحاظ ہیں۔

۱۔ **احترام اساتذہ** مکتب کا اولین ادب احترام استاد ہے۔ اسلام نے جہاں اقارب و اعزہ کا ادب و احترام سکھایا ہے وہاں استاد کا احترام بجا لانے کی بھی تاکید کی ہے۔ احترام کا تقاضا یہ ہے کہ استاد کی ہر بات نہ صرف تسلیم کی جائے بلکہ اس پر عمل کیا جائے۔ بات چیت کرتے وقت آداب معلمانہ کو نظر انداز نہ کیا جائے استاد کسی حیثیت کا بھی ہو اسے حقیر تصور نہ کیا جائے غرض اس کے احترام و اکرام کا خیال رکھا جائے۔

۲۔ **ہم مکتب طلبہ سے حسن سلوک** ۔ ہم مکتب اور خاص طور سے ہم جماعت طلبہ سے خوش اخلاقی، ملنساری اور الفت و محبت کا سلوک کرنا چاہیئے۔

۳۔ **دیگر ضروری امور یہ ہیں** ۔ (۱) شائستہ طرز کلام (۲) فحش گوئی سے احتراز (۳) صفائی پسندی اور سلیقہ شعاری (۴) بلا وجہ کوئی حرکت نہ کرنا (۵) مکتب کے اوقات میں توجہ سے اپنے کام میں مشغول ہونا۔

استاد کے اوصاف

شاگرد شعوری یا غیر شعوری طور پر استاد سے متاثر ہوتا ہے والدین کی تربیت کے بعد بچہ جس شخصیت کا اثر سب سے زیادہ قبول کرتا ہے۔ وہ استاد ہے طلبہ کی اثر پذیری کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ یہ تاثر اخلاق و عادات، طرز زندگی، علم و فضل، زہد و تقویٰ، سبھی امور کو شامل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اساتذہ کے انتخاب میں بڑی باریک بینی کی ضرورت ہے۔

۱۔ **تقویٰ** ۔ تقویٰ کا وصف استاد کے لئے لازمی اوصاف میں سے ہے۔ یہ وصف بعید

Marfat.com

جامع اور دیگر اوصاف کو شامل ہے اس لئے استاد کا متقی ہونا نہایت ضروری ہے ایک متقی استاد بلاشبہ مجموعہ اوصاف و اخلاق ہوگا

ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پاؤں ایک بچے کے پاؤں پر آ گیا۔ بچے نے چلا کر کہا۔ خدا سے نہیں ڈرتا۔ امام ابوحنیفہ غش کھا کر گر پڑے۔ اسلام، اساتذہ سے اسی قسم کے خوف خدا کا مطالبہ کرتا ہے۔

۲۔ خوش اخلاقی :۔ استاد خوش اخلاق، خندہ جبین اور نرم مزاج ہونا چاہیے۔ ایک ترش رو تند خو آدمی کامیاب استاد نہیں بن سکتا۔ استاد و شاگرد کا تعلق افادہ (فائدہ دینا) و استفادہ (فائدہ لینا) کا ہوتا ہے ظاہر ہے کہ یہ باہمی صورت میں ہو سکتا ہے۔ جب دونوں کے تعلقات خوشگوار ہوں اور شاگرد پڑی بے تکلفی سے علمی فوائد حاصل کر سکتا ہو۔ مگر تنگ دل استاد سے یہ ممکن نہیں استاد کی ناراضگی، خیر خواہی، ہمدردی اور محبت پر مبنی ہونی چاہیے۔ وہ بے شک انہیں جفا کشی، محنت اور مسلسل کام کرنے پر مجبور کر سکتا ہے اور اس میں سختی سے کام لینا بھی معیوب نہیں مگر اس کے دل کی گہرائیوں میں حسد و انتقام کا کوئی جذبہ پنہاں نہیں ہونا چاہیے۔

۳۔ اتباع شریعت استاد کے لئے متبع شریعت ہونا نہایت ضروری ہے ایک بے عمل شخص کی بات میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔

۴۔ عزت و وقار۔ استاد معزز ہونا چاہیے، عزت و خودداری کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا ایک استاد کے لئے موزوں نہیں۔ شاہ بخارا نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی تھی کہ قصر شاہی پر حاضر ہو کر اس کے بچوں کو صحیح بخاری پڑھایا کریں آپ نے اس کی خواہش کو ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ تمہیں علم کے اعزاز کو قائم رکھنا چاہیے۔

اسی طرح خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک سے درخواست کی میرے پاس حاضر ہو کر مجھے حدیث پڑھائیے۔ امام مالک نے انکار کیا اور فرمایا تمہیں علم کو سر بلند کرنا چاہیے اگر خلیفہ وقت ہی تذلیل پر اتر آئے تو علم کی شان کیوں کر قائم رہے گی

۵ صبر و استقلال :۔ استاد کو چاہیے کہ وہ صابر اور مستقل مزاج ہو [illegible]

Marfat.com

میں صبر و حوصلہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے ہمارے بزرگ اکابر امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس راہ میں جو شدائد و آلام برداشت کیے وہ بڑے صبر آزما تھے۔

وسعت قلب۔ استاد کے لیے فراخ دل ہونا ازبس ضروری ہے۔ ایک تنگدل شخص ہرگز کامیاب استاد نہیں بن سکتا۔

مکتب کی افادیت مکتب کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ہم بتلا چکے ہیں کہ مکتب کس حد تک طلبہ کی سیرت کی تشکیل میں ممد و معاون ہوتا ہے۔ اور اصلاح معاشرہ میں اس سے کہاں تک مدد ملتی ہے اب ہم ان فوائد کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔

۱۔ مکتب ازالۂ جہالت کر کے علم و فضل سے آراستہ کرتا ہے۔

۲۔ مکتب کے ذریعہ فاضل اساتذہ کی صحبت میسر آتی ہے جس سے طالب علم کے قلب و ذہن کی دنیا بدل جاتی ہے اور اس کی زندگی نئے سانچے اور نیا طرز و انداز اختیار کرتی ہے۔

۳۔ مکتب میں رہ کر ہم مکتب طلبہ کے ساتھ جو روابط و مراسم استوار ہوتے ہیں وہ تا زندگی باقی رہتے ہیں۔ اور لاتعداد فوائد کے موجب بنتے ہیں ہم جماعتوں کی ایک مستقل برادری قائم ہو جاتی ہے۔ جس کے اثرات بڑے دیرپا ثابت ہوتے ہیں۔

۴۔ مکتب میں رہ کر بچہ آداب مکتب و استاد سے آشنا ہوتا ہے اور آئندہ زندگی میں ایک مؤدب انسان بن جاتا ہے۔ اساتذہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اس کے سلیقہ پر بھی نظر رکھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ گفتگو کے آداب سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ بدزبانی سے احتراز کرتا ہے۔ صفائی اور سلیقہ شعاری کا خوگر ہوتا ہے اور زندگی کے دیگر آداب و اطوار سیکھتا ہے۔

۵۔ مکتب میں پابندی کے ساتھ ریاضت اور سیر و تفریح کا اہتمام کیا جاتا ہے جس سے

Marfat.com

جسمانی صحت کے قیام و بقا میں مدد ملتی ہے۔

۶۔ مکتب میں رہ کر بچہ بڑوں کی تعظیم و اکرام کرنا سیکھتا ہے۔

۷۔ مکتب کی زندگی سے طالب علم کے اندر احساس ذمہ داری کا جذبہ پروان چڑھتا ہے

۸۔ مکتب کی زندگی انسان کو نظم و ضبط کا عادی بناتی ہے۔

سوالات

۱۔ مکتب بچہ کے مستقبل کو سنوارنے میں کس حد تک مدد دیتا ہے؟

۲۔ اساتذہ کس حد تک طالب علم کی زندگی کو متاثر کرتے ہیں؟

۳۔ طلبہ کے فرائض و آداب کیا ہیں۔

۴۔ استاد کن خوبیوں کا حامل ہونا چاہیے۔ بہترین استاد کے اوصاف خصوصی کیا ہیں۔

۵۔ مکتب کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالیے۔

Marfat.com

باب ۲۰

اُستاد و شاگرد کے حقوق و فرائض

دین اسلام اور علم

علم کی فضیلت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ ترقی کی دوڑ میں آج وہی قوم سب سے آگے ہے جس کا علمی پایہ سب سے بلند ہے جو تحقیق و تدقیق کے میدان میں سب سے آگے ہے جو سائنسی ایجادات میں دوسری قوموں کو مات دے چکی ہو۔ آج تجربات ایک حقیقت ثابتہ بن کر اقوامِ عالم کے سامنے آگئی ہے اسلام چودہ صدیاں پہلے ببانگ دہل اس کا اعلان کر چکا ہے ادیانِ عالم میں اسلام سب سے زیادہ علم کی اہمیت و فضیلت کا اعتراف کرتا اور اس کے سیکھنے کی جانب توجہ دلاتا ہے۔ دینِ اسلام میں فضیلتِ علم کے اظہار کا آغاز آفرینشِ آدم ہی سے ہو گیا تھا۔ قرآن حکیم میں تخلیقِ آدم کا جو واقعہ مذکور ہے اس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ علم ہی سے حضرت آدمؑ نے فرشتوں پر برتری حاصل کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالٰی کی طرف سے جو پہلی وحی نازل ہوئی اس میں ارشاد ہوا

"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ" (سورہ علق) — اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو پیدا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر پڑھنے سے زیادہ ضروری کوئی اور حکم ہوتا تو پہلے آپ کو اس کی تلقین کی جاتی قرآن کریم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا سکھائی گئی ہے۔

رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (۲۰:۱۱۴) (اے پروردگار میرے علم کو زیادہ کر دے)

قرآن کریم میں حضرت موسٰی علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے جس سے علم کی فضیلت واضح ہوتی ہے آپ ایک جلیل القدر رسول ہونے کے باوجود طلبِ علم کے لئے پا پیادہ طویل مسافت طے کر کے جناب خضرؑ کے پاس پہنچے اور سفر میں ان کے ساتھ رہ کر علم حاصل کرتے رہے حالانکہ آپ ایک عظیم رسول تھے۔ اور حضرت خضر کا نبی ہونا اکثر علماء کے نزدیک ثابت نہیں یہ واقعہ فضیلتِ علم کی روشن دلیل ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ احساسِ عزت و عظمت کسی مرحلہ پر بھی تحصیلِ علم میں سنگِ راہ نہیں ہوتا

Marfat.com

چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ طلبِ علم کی راہ میں صعوبات سفر اور دیگر مشکلات کو برداشت کرنا سنتِ انبیاء ہے بہرکیف علم کی فضیلت میں اس قدر آیات و احادیث اور اقوال و آثار وارد ہوتے ہیں کہ ان کا ذکر و بیان موجب طوالت ہے۔

ظہورِ اسلام کے بعد اشاعتِ علم

ظہورِ اسلام سے قبل عربوں میں علم کا ذوق و شوق تو کجا لکھنے پڑھنے کو عیب سمجھا جاتا تھا پڑھے لکھے خال خال نظر آتے تھے۔ مورخ بلاذری کے بیان کے مطابق قریش کے سارے قبیلہ میں صرف ۱۷ آدمی لکھ پڑھ سکتے تھے۔ اسلام کی دینوی برکتوں میں یہ واقعہ بھی کچھ کم اہم نہیں کہ اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ نوشت و خواند کا فن بھی فروغ پاتا جاتا تھا۔ بدر کے قیدیوں میں جو نادار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ مقرر کیا تھا کہ وہ دس مسلمانوں کو لکھنا سکھا دیں۔ (مسند احمد جلد اول ص ۲۴۷)

اصحابِ صُفّہ میں کم و بیش سو صحابہ شامل تھے۔ ان کی دیگر تعلیمات کے ساتھ ساتھ لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا (مسند احمد۔ جلد ۳، ص ۱۹۲)

ازواجِ مطہرات میں حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہما لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ حضرت حفصہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ فن شفاء بنت عبداللہ سے سیکھا تھا (ابوداؤد)

بعض اور صحابیات بھی نوشت و خواند سے آشنا تھیں (فتوح البلدان بلاذری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

"عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتا اور آپؐ سے مذہبی امور دریافت کرتا اور دین میں تفقہ حاصل کرتا تھا"

دینِ اسلام میں استاد کا مقام!

دینِ اسلام نے استاد کو بڑے بلند منصب و مقام پر فائز کیا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں دوسرے مناصب جلیلہ سے نوازے گئے وہاں آپؐ کو معلم اعظم کی مسند نشینی بھی تفویض ہوئی۔ قرآن میں ارشاد ہوا

Marfat.com

"هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ
(سورہ الجمعہ)

وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے ان پڑھوں میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔ جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا۔ ان کا تزکیہ کرتا اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے اہم مقاصد تین ہیں۔

۱۔ تلاوت آیات

۲۔ تزکیہ نفوس

۳۔ تعلیم کتاب و حکمت

مولانا عبدالماجد دریاآبادی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

رسول کا کام محض تبلیغ و پیام رسانی پر ختم نہیں ہو جاتا۔ اس کا کام کتاب الٰہی کے بعد اس کی تعلیم و تدریس کا بھی ہے۔ تعلیم کتاب میں اس کی شرح و تفسیر بھی شامل ہے۔ اس سے ان کج فہموں کی تردید ہوتی ہے جو رسول کا منصب (معاذ اللہ) صرف ڈاکیہ یا قاصد کا سمجھے ہوتے ہیں گویا اس آیت کے پیش نظر رسول کی حیثیت معلم اعظم کی ہوئی "
(تفسیر ماجدی)

اس آیت سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ سالار رسل اور خاتم الانبیاء و المرسلین کے مقام رفیع پر فائز ہونے کے باوصف ایک معلم کا پارٹ ادا کرنے سے آپ کی شان میں قدح وارد نہیں ہوتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برملا اپنے آپ کو معلم قرار دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لاتے۔ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت ذکر خداوندی میں مشغول تھی۔ چند دیگر صحابہ پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوتے تھے۔ آپؐ ان کے حلقہ میں بیٹھ گئے اور فرمایا

" بُعِثْتُ مُعَلِّمًا " (مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے) (صحاح ستہ)

Marfat.com

قرآن کریم پڑھانے والے کی فضیلت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی۔

"خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ" (بخاری شریف)

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عصر و عہد میں تعلیم و ارشاد کے مختلف طریقے تھے۔ تعلیم و تدریس کا ایک طریقہ یہ تھا کہ باہر سے آنے والے کچھ عرصہ خدمت اقدس میں رہ کر عقائد وفقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبائل میں واپس جا کر ان کو تعلیم دیتے تھے حضرت مالک بن حُویرثؓ نے مدینہ آ کر ۲۰ دن قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی۔ جب واپس جانے لگے تو آپ نے فرمایا

"اپنے خاندان میں واپس جاؤ۔ ان میں رہ کر ان کو دینی مسائل سکھاؤ اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو" (بخاری شریف)

مذکورہ صدر احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فخریہ طور پر اپنے آپ کو معلم قرار دیتے تھے اور ایک معلم کے فرائض منصبی ادا کرنے کو اپنے لئے باعث عار و ننگ خیال نہیں فرماتے تھے

استاد و شاگرد کا باہمی ربط

دینی نقطہ نظر سے استاد و شاگرد کا باہمی ربط و تعلق بے حد گہرا ہے موجودہ مادی دور میں جہاں ہماری اور بہت سی اخلاقی اور روحانی قدریں برباد ہوئی ہیں۔ استاد اور شاگرد کا رشتہ بھی اس سے متاثر ہوا ہے یہ ایک المیہ ہے کہ یہ رشتہ جو محبت و تعظیم اور تعلق خاطر کا رشتہ تھا کاروباری سطح پر آ گیا ہے جب ماحول مادیت سے متاثر ہو تو شاگرد سمجھتا ہے کہ میں فیس ادا کرتا ہوں اس لئے مجھے یہ حق حاصل ہے کہ کلاس روم میں بیٹھوں اور لیکچر سنوں۔ میں استاد کا مرہون منت نہیں ہوں دوسری جانب اساتذہ میں بھی اس اخلاص کا فقدان ہے جو عہد سلف کا امتیاز تھا۔ اکثر اساتذہ محض کسب معاش کے لئے علم حاصل کرتے ہیں۔ تحصیل علم کی لگن ایک طلب ایک پیاس جو ایک عالم با عمل میں ہونی چاہیئے اساتذہ میں باقی نہیں ہے۔ جب علم

Marfat.com

محض کسب معاش کی خاطر حاصل کیا جائے تو وہ انسانی رگ و پے میں سماتا نہیں ہے۔ علم بڑا ہی غیور واقع ہوا ہے وہ ان لوگوں کے سینوں کو کبھی اپنا نشیمن نہیں بناتا جو اسے نیک مقاصد کے لئے حاصل نہ کرتے ہوں جب استاد محض کسب معاش کے لئے پڑھتا ہے تو اسے اپنے مضمون پر دسترس نہیں ہوتی اور جب مضمون پر دسترس نہ ہو تو وہ اپنی کمزوری کو طلبہ سے چھپانے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ طلبہ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں اور استاد صاحب انہیں دبانے اور رعب جمانے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ میں استاد کے لئے محبت و تعظیم باقی نہیں رہتی۔ شاگرد یہ سمجھتا ہے کہ میں نے فیس ادا کی ہے۔ استاد کا خیال یہ ہوتا ہے کہ مجھے اپنی تنخواہ کے عوض اتنے گھنٹے کام کرنا ہے اور اس معین وقت کے ختم ہو جانے کے بعد مجھ پر طالب علم کا کوئی حق باقی نہیں رہتا ؎

کچھ وہ کھچے کھچے رہے کچھ ہم تنے تنے
اس کش مکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

یوں یہ رشتہ کاروباری سطح پر آنے کی وجہ سے اپنی تمام جاذبیت کھو بیٹھا۔

دینی نقطۂ نظر سے استاد شاگرد کا ربط و تعلق

آیئے ہم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا علاج ڈھونڈیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا فَلَیْسَ مِنَّا ،، (مشکوٰۃ)	جو چھوٹوں پہ شفقت نہیں کرتا اور بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

طالب علموں کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ اساتذہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اساتذہ ان کی ذہنی تربیت کرتے ہیں اس لئے وہ ان کے محسن ہیں شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے محسن کے سامنے انسان کی نگاہیں جھکی رہیں۔ انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ جس شخص سے انسان فیض حاصل کرتا ہے۔ اس کے گریبان میں ہاتھ نہ ڈالے اسی طرح استاد کا یہ سمجھنا کہ ان معین گھنٹوں کے بعد شاگرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ میرے دروازے پر دستک

Marfat.com

دے۔ صریحا غیر اسلامی فعل ہے شاگردان کی معنوی اولاد ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شاگرد اپنی طالب علمانہ زندگی ہی میں نہیں بلکہ عمر بھر یہ حق رکھتا ہے کہ جب کبھی اسے کوئی الجھن پیش آئے وہ استاد کی خدمت میں حاضر ہو اور اپنے مسائل سلجھانے کی کوشش کرے

اس سے بڑھ کر اسلام تعلیم و تدریس کو ایک فریضہ بلکہ صدقہ جاریہ قرار دیتا ہے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین عمل ایسے ہیں کہ موت کے بعد بھی مسلمان کو فائدہ پہنچاتے ہیں (۱) وہ ایسا صدقہ کر گیا جس کا ثواب اس کی موت کے بعد بھی جاری رہا (۲) ایسی اولاد چھوڑ گیا جو اس کے لئے دعا کرتی ہے (۳) ایسے علم کی اشاعت کر گیا جس پر اس کے بعد بھی عمل کیا جاتا ہے (مشکوٰۃ)

مشہور نحوی خلیل بن احمد کہا کرتے تھے۔

اگر ثواب کے لئے نہیں تو اسی خیال سے لوگوں کو تعلیم دو کہ خود تمہارا علم تازہ رہے۔ کثرت سوال سے اکتاؤ نہیں کیونکہ اس سے تم پر علم کے نئے نئے دروازے کھلیں گے۔ (جامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ)

اس سے معلوم ہوا کہ علم پڑھانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے علم تازہ رہتا ہے لہٰذا طلبہ کو کسی وقت بھی مایوس نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ذوق و شوق سے ان کے سوالات کا اطمینان بخش جواب دینا چاہیئے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام خود لوگوں کو تحصیل علم کی دعوت دیا کرتے تھے عروہ بن زبیر اپنے لڑکوں سے کہا کرتے تھے "آؤ مجھ سے علم حاصل کرو کیونکہ عنقریب تم قوم میں بڑے آدمی ہو گے۔ میں بھی پہلے چھوٹا تھا اور کوئی میری پرواہ نہ کرتا تھا لیکن جب جوان ہوا لوگ دوڑ کر آتے اور مجھ سے فتویٰ لینے لگے اس سے بڑھ کر عیب اور کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی سے اس کے دین کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ جاہل نکلے۔

(جامع بیان العلم)

استاد کے حقوق

شاگردوں پر اساتذہ کے بہت حقوق ہیں۔ ان کو تلامذہ کے فرائض بھی کہہ سکتے ہیں۔

۱۔ **اطاعت استاد** استاد کا پہلا حق یہ ہے کہ شاگرد اس کے احسان کو تا زندگی یاد

Marfat.com

رکھے۔ اور اس کے حکم سے سرتابی نہ کرے استاد کا درجہ والد سے کسی طرح کم نہیں جس طرح حقیقی والد اولاد کی جسمانی تربیت کرتا ہے اسی طرح استاد اس کی روحانی اور ذہنی تربیت کا کفیل ہوتا ہے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں۔

"مَنْ عَلَّمَنِیْ آیَۃً مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ فَھُوَ مَوْلَائِیْ" — جس نے مجھے قرآن کی ایک آیت سکھائی وہ میرا آقا ہے۔

آپ ہی کا دوسرا قول ہے۔

مَنْ تَعَلَّمْتُ مِنْہُ حَرْفًا فَاَنَا عَبْدٌ — جس سے میں نے ایک حرف بھی سیکھا ہے میں اس کا غلام ہوں۔

۲۔ آدابِ مجلس :۔ استاد کا حق ہے کہ تلامذہ اس کی موجودگی میں آدابِ مجلس ملحوظ رکھیں۔ یہ اداب شاگرد کو مجلس نبویؐ سے سیکھنے چاہئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کے تعلق کے جہاں اور کئی پہلو تھے ان میں استاد اور شاگرد بھی تھا اس لئے کہ سردارِ انبیاء ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا منصب ایک معلّم اعظم کا بھی تھا۔ پس ایک مسلمان طالب علم کو اپنے استاد کے ساتھ برتاو کا ڈھنگ بھی مجلسِ نبوی ہی سے سیکھنا چاہیئے اس استاد اعظم سے بات کرنے کا سلیقہ قرآن مجید میں یوں سکھلایا گیا ہے۔

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ (الحجرات) — اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے اونچا مت ہونے دو اور ان سے زور زور سے باتیں مت کیا کرو۔ جیسے تم آپس میں کرلیا کرتے ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے استاد کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا کرنا صریحًا ناشائستگی ہے۔ (تفہیمات)

صحابہ مجلس نبوی میں کامل ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے تھے۔ صحابہ کرام کا بیان ہے کہ وہ مجلس نبوی میں یوں بیٹھتے تھے۔

Marfat.com

کَاَنَّ عَلٰی رُءُوْسِنَا الطَّیْرُ" گویا ہمارے سر پہ پرندے بیٹھے ہیں کہ
(صحیح بخاری) ذرا سی حرکت کرنے سے اڑ جائیں گے۔

اداب مجلس کا دائرہ بہت وسیع ہے اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ استاد کی بات کو خاموشی کے ساتھ سنے اور اس کی قطع کلامی نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں لگاتار دو برس ارادہ کرتا رہا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کروں مگر رعب کی وجہ سے ہمت نہ پڑتی تھی آخر ایک حج کے موقع پر جب وہ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس ہونے لگے تو میں نے دل کڑا کے عرض کیا۔ امیر المؤمنین! ایک حدیث کے متعلق دو برس سے سوال کرنا چاہتا ہوں۔ مگر آپ کا رعب بولنے نہیں دیتا۔ فرمایا۔ یوں نہ کیا کرو جب کچھ پوچھنا ہو۔ بے دھڑک پوچھ لیا کرو۔ علم ہوگا تو بتاؤں گا۔ ورنہ کہہ دوں گا کہ مجھے معلوم نہیں (جامع بیان العلم)

۳۔ تعظیم و احترام :۔ استاد کا تیسرا حق یہ ہے کہ اس کی تعظیم کو ملحوظ رکھا جائے تعظیم و احترام میں یہ امر بھی شامل ہے کہ شاگرد پہلے استاد کو سلام کہے۔ استاد مشفقانہ انداز سے اس کا جواب دے اور اس سے پہلو تہی نہ کرے۔ یہ اسلامی تعلیمات کا عین تقاضا ہے قرآن میں فرمایا

"فَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا" اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے زیادہ تپاک، اور گرمجوشی سے سلام کا جواب دو یا کم از کم ویسا ہی سلام لوٹا دو۔
(النساء - ۸۶)

تاہم اس میں کوئی حرج نہیں کہ استاد سلام میں پہل کرے بلکہ طلبہ کی تربیت کے لئے یہ بات مناسب تر اور سنت نبوی ہے۔ حدیث میں آیا ہے

"کَانَ یُسَلِّمُ عَلَی الصِّبْیَانِ"۔ (آپ بچوں کو خود سلام کہا کرتے تھے)
(بخاری شریف)

Marfat.com

۴ دعائے خیر: بات بھی شامل ہے کہ اس کے فوت ہونے کے بعد شاگرد اس کے حق میں دعائے خیر کرے اور بارگاہِ ربانی سے اس کی مغفرت طلب کرے، مرحوم اساتذہ کے لئے دعائے مغفرت اکثر علمائے سلف سے منقول ہے۔

استاد کے یہ چند آداب ذکر کئے گئے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر استاد سے ادب و احترام تعاون، ہمدردی اور اظہار نیازمندی کا سلوک کیا جائے بلکہ اس کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اس کے حقوق کو فراموش نہ کیا جائے۔

شاگردوں کے حقوق

اسی طرح اساتذہ پر ان کے شاگردوں کے لئے بھی چند حقوق ہیں۔ ان کو اساتذہ کے فرائض بھی کہہ سکتے ہیں۔

۱۔ **شفقت و محبت**: استاد کا پہلا فرض یہ ہے کہ شاگرد سے مہر و محبت کا سلوک روا رکھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ذکر کی جا چکی ہے "جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں،، شفقت و تعظیم باہم لازم و ملزوم ہیں کبھی تعظیم سے شفقت پیدا ہوتی ہے۔ اور کبھی شفقت تعظیم کو جنم دیتی ہے۔ شفقت وہ چیز ہے جو لوہے کو موم کر دیتی ہے۔ آج کل شفقت میں کمی آگئی ہے۔ بعض اساتذہ کو دیکھا ہے کہ طالب علم کے سلام کا جواب بڑی سرد مہری سے دیتے ہیں۔ اور بعض تو محض سر ہلا دیتے ہیں اور زبان سے دو حرف کہنا بھی انہیں گراں گزرتا ہے یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے شفقت و محبت کے اس سلوک کو قدیم اور فرسودہ کہہ کر ٹال نہیں سکتے آخر بے مروتی اور بداخلاقی کا نام تو تجدد پسندی نہیں ہے۔ اقبالؒ نے بجا فرمایا تھا ؎

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری، قصۂ جدید و قدیم

۲۔ **صحبت استاد**: استاد کی ہم نشینی اور صحبت و رفاقت شاگرد کا جائز حق ہے اور اس کو اس سے محروم کرنا نہایت نامناسب ہے۔ ہماری درس گاہوں میں طالب علم استاد کے کمرہ میں جائیں تو وہ کھڑے رہتے ہیں اور بالعموم انہیں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ یہ سب فرنگی تہذیب کے باقیماندہ آثار ہیں۔ بقول اقبالؒ

Marfat.com

دل توڑ گئی ان کا صدیوں کی غلامی

استاد و شاگرد کے مابین پیدا کردہ تفریق مغربی تہذیب کی منحوس یادگار ہے ؎

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

جب تک استاد اور شاگرد میں مہر و محبت اور الفت و موانست نہ ہو صحیح طور پر استفادہ نہیں ہو سکتا۔

۳۔ **حقِ سوال** شاگردوں کے حقوق میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جو بات انہیں معلوم نہ ہو وہ اساتذہ سے دریافت کر سکیں اس کی انہیں کھلی اجازت ہونی چاہیے اگر تلامذہ کو اس جائز حق سے محروم کر دیا جائے تو وہ بہت سی علمی باتوں سے محروم رہ جائیں گے اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ استاد اگر کسی وقت کسی بات کا جواب نہ دے سکے تو اسے اپنی کم علمی کا اعتراف فراخدلی سے کر لینا چاہیے یہ بات کسی طرح بھی شان علم کے منافی نہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا "سب سے اچھے مقامات کون ہیں؟ فرمایا میں نہیں جانتا" اس نے پھر سوال کیا۔ سب سے برے مقامات کون ہیں؟ فرمایا میں نہیں جانتا" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

"لوگو! جو بات جانتے ہو، وہی کہو جو نہیں جانتے اس پر اَللّٰہُ اَعْلَمُ (خدا بہتر جانتا ہے) کہا کرو۔ کیونکہ علم کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ انسان جو بات نہیں جانتا اس سے لاعلمی کا اظہار کرے۔

عبدالرحمان بن مہدی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس لگی ہوئی تھی ایک شخص آیا اور عرض کی "جناب! میں چھ ماہ کا طویل سفر کر کے خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میری قوم نے ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو"، اس نے مسئلہ پیش کیا۔ تو دیر تک سوچتے رہے۔ پھر فرمایا۔ مجھے یہ مسئلہ معلوم نہیں" سائل حیران رہ گیا، وہ تو یہ

Marfat.com

سمجھ کر آیا تھا کہ ایسے شخص کے پاس جا رہا ہوں جو سب کچھ جانتا ہے اب صاف جواب سن کر اس کی حیرت کی حد نہ رہی پھر کہنے لگا لیکن حضرت! لوٹ کر اپنی قوم سے کیا کہوں گا امام مالک نے جواب دیا، کہنا مالک نے مجھ سے کہا کہ میں اس مسئلہ سے ناواقف ہوں

(جامع بیان العلم لابن عبدالبرؒ)

۴۔ تعلیم کے لئے اہل لوگوں کا انتخاب استاذ کے فرائض میں یہ بات بھی شامل ہے کہ تعلیم کے لئے اہل لوگوں کو منتخب کرے اور نا لائقوں کو زیور تعلیم سے آراستہ نہ کرے۔ امام زہری فرمایا کرتے تھے۔

"علم پر بھی بربادیاں آتی ہیں۔ ایک بربادی یہ ہے کہ عالم کو ناقدری کی نگاہ سے دیکھا جاتے اور عالم اپنا علم سینہ میں چھپائے مر جاتے۔ ایک بربادی یہ ہے کہ علم میں جھوٹ کی آمیزش کی جاتے۔ یا نا اہلوں کو تعلیم دی جائے اور یہ علم کی سب سے بڑی بربادی ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ حسرت سے فرمایا کرتے تھے" میں یہ کیا دیکھتا ہوں کہ تمہارے علماء اٹھتے جاتے ہیں اور تمہارے جہلاء علم حاصل نہیں کرتے۔ لوگو! علم حاصل کرو۔ اس سے پہلے کہ اسے اٹھا لیا جاتے۔ علم کا اٹھ جانا۔ اہل علم کا مٹ جانا ہے۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ تم اس چیز کے پیچھے پڑے ہو جو تمہیں ضرور ملے گی اور اس چیز سے بے فکر ہو جس کی تحصیل تم پر واجب ہے (یعنی علم) میں تمہارے شریروں کو اس سے زیادہ پہچانتا ہوں جتنا سلوتری گھوڑوں کو پہچانتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کا استقبال پیٹھ موڑ کے کرتے ہیں اور کان بند کر کے سنتے ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگلے چلے جائیں اور پچھلے علم نہ سیکھیں اگر عالم مزید علم حاصل کریں تو ان کا علم بڑھ جاتے گا اور اس میں کمی نہیں ہوگی اور اگر جاہل علم طلب کریں تو علم کو اپنے لئے ہموار پائیں گے یہ کیا ہے کہ میں تمہیں کھانوں سے پیر اور علم سے خالی دیکھتا ہوں۔

(جامع بیان العلم)

حضرت عیسٰی علیہ السلام نا اہلوں کو تعلیم دینے سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"علم کو اہل لوگوں سے مت چھپاؤ کہ یہ گناہ کا کام ہے اور نا اہلوں کو پیش نہ

Marfat.com

کرو کہ یہ حماقت ہے مہربان طبیب کی طرح بنو جو دوا اسی جگہ استعمال کرتا ہے جہاں مفید ہوتی ہے"

دوسری جگہ فرماتے ہیں ۔

سؤر کے آگے موتی نہ ڈالو۔ کیونکہ وہ موتی کی قدر نہیں جانتا۔ جسے ضرورت نہیں اسے علم نہ دو۔ کیونکہ علم موتی سے زیادہ قیمتی ہے اور جسے حکمت کی تلاش نہیں وہ سؤر سے بدتر ہے (جامع بیان العلم)

۵۔ **خوش اخلاقی :-** استاد کا فرض ہے کہ خوش اخلاق ہو تاکہ ہر شخص اس سے استفادہ کر سکے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ۔

"خود علم سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ۔ علم کے لئے سنجیدگی اور بردباری پیدا کرو جس سے علم سیکھو اور جسے سکھاؤ۔ اس سے خاکساری برتو۔ جبار عالم نہ بنو کہ تمہاری بدمزاجی تمہارا ساتھ چھوڑ دے۔

۶۔ **اشاعت علم :-** معلم کا حق ہے کہ علم کی امکانی اشاعت کرے اور اس میں بخل سے کام نہ لے حضرت مالک بن دینار کا قول ہے ۔

"جو شخص اپنی ذات کے لئے علم حاصل کرتا ہے اس کا علم گھٹ جاتا ہے اور جو لوگوں کے لئے حاصل کرتا ہے اس کا بڑھ جائے گا۔ کیونکہ آدمی کی اپنی ضرورتیں کم ہوتی ہیں اور لوگوں کی بہت" (جامع بیان العلم)

۷۔ **اخلاص نیت :-** استاد کے لئے یہ عمل بھی ضروری ہے کہ علم، اجر و ثواب کے لئے حاصل کرے اور شاگرد کو بھی اس بات کی تلقین کرے ۔

حدیث میں فرمایا ۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (اعمال کا انحصار نیت پر ہے)

(بخاری و مسلم)

استاد اور شاگرد کے بارے میں چند امور کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں بہت زیادہ باتوں کی گنجائش ہے۔ اگر شاگرد یہ بات پلے باندھیں کہ استاد ان کے محسن ہیں و ان

Marfat.com

سے فیض حاصل کرتے ہیں اور استاد اپنے مضمون سے وفا کریں اور اس پر دسترس حاصل کرنے کے لئے کاوش کریں تو استاد اور شاگرد کے رشتے سے زیادہ پرکشش کوئی رشتہ نہیں۔ استاد اور شاگرد اسلامی تہذیب کے سانچے میں ڈھل جائیں تو آنے والا مورخ جب ان تعلیمی اداروں کی تاریخ لکھے گا تو یہ ہڑتالیں جو آئے دنوں ان درسگاہوں میں ہوتی رہتی ہیں ڈھونڈے سے بھی ان کا سراغ نہ مل سکے گا۔

سوالات

۱ - دینی نقطۂ نظر سے علم کی اہمیت اور استاد کا مقام واضح کیجئے۔
۲ - دینی تعلیمات کے پیش نظر استاد و شاگرد کے درمیان کس قسم کا رابطہ پایا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت کیجئے
۳ - استاد و شاگرد کے ربط و تعلق کو ملحوظ رکھنے سے تعلیمی اداروں کی بدنظمی کس طرح دور ہو سکتی ہے؟ اس پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔
۴ - کتاب و سنت کے دلائل سے استاد و شاگرد کے تعلق کی نوعیت واضح کیجئے

Marfat.com

مسجد

مفہوم مسجد کا لفظ عربی زبان میں اسمِ ظرف ہے اس کے معنی ہیں سجدہ گاہ، مسلمان جہاں بھی سجدہ خداوندی بجالاتا ہے۔ اسے لغت کے اعتبار سے مسجد کہہ سکتے ہیں۔ اصطلاح میں مسجد اس جگہ کو کہتے ہیں جو نماز کے لئے وقف کر دی گئی ہو۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنادی گئی ہے (مسلم)

اہمیت خلافت راشدہ میں مسجد کو مکتب کی حیثیت حاصل رہی۔ محدثین و فقہا کے حلقہ ہائے درس مساجد ہی میں منعقد ہوتے تھے۔ تشنگان علم دور و نزدیک سے آتے اور ان چشمہ ہائے علمی سے سیراب ہوتے تھے۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے دورِ اقتدار تک مسجد اسی اہمیت کی حامل رہی بڑے بڑے علمی مدارس مساجد ہی میں قائم کئے گئے۔ خلفاء کی وابستگی مساجد سے قائم رہی۔ اور وہ ان کی سرپرستی کرتے رہے۔ مساجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے۔ جمعہ کے روز منبر کی زینت بنتے اور لوگوں کو علمی فوائد سے مستفیض فرماتے الغرض تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں مساجد کو امتیازی حیثیت حاصل رہی اور وہ خانہ خدا ہونے کے علاوہ ایک بہترین درس گاہ اور یونیورسٹی بھی تصور کی جاتی تھیں۔

دینی نقطۂ نظر سے بعض مسجدیں خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ اور ان میں عبادت کرنا زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہے۔ حصولِ اجر و ثواب کے نقطۂ خیال سے دور دراز کا سفر طے کرنا بھی صرف انہی کے لئے روا ہے۔ وہ تین مساجد علی الترتیب یہ ہیں۔

(۱) خانہ کعبہ کی مسجد (۲) مسجد نبوی (۳) بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ

اشاعتِ علم میں مسجد کا کردار مسجد کو اسلام میں عظیم اہمیت حاصل رہی ہے مکہ میں نبوت کے بارھویں سال اگرچہ نماز فرض ہوگئی تھی مگر مسلمانوں کی عسکری قوت کی کمزوری کے باعث مکی زندگی میں نماز باجماعت کا اہتمام نہ کیا جاسکا۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اور ہر طرح سے ذہنی سکون حاصل ہوا تو آپ نے سب سے پہلے ایک مسجد کی تعمیر کا بیڑا اٹھایا جو آج تک

Marfat.com

مسجد نبوی کے نام سے مشہور چلی آتی ہے۔ یہی مسجد ملت اسلامیہ کا اولین مرکز قرار پائی۔ دیگر گوناگوں فوائد کے علاوہ اس مسجد کو اعلیٰ ترین درس گاہ بلکہ اسلامی یونیورسٹی ہوتے کا بھی فخر حاصل تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں رونق افروز ہوتے توصحابہ کرام حضور سے دینی مسائل دریافت کرتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو علمی فیوض سے مستفید فرماتے مجلس کا ہر سعادت مند شخص اپنی استعداد کے مطابق حضور کے فیض سے اپنا دامن مراد بھر لیتا۔ اصحاب صُفّہ مسجد نبوی میں رہ کر آنحضور سے حدیث و تفسیر کا درس لیا کرتے تھے اسی مسجد میں حلقہ ہائے درس قائم ہوتے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کو سن کر اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے تھے۔ باہر سے جو وفود آتے۔ مسجد نبوی ہی میں بسیرا کرتے تاکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب رہ کر زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عہد رسالت میں مسجد نبوی کچی اینٹوں سے تعمیر کی گئی تھی۔ خلافت صدیقی میں یہ جوں کی توں رہی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اسے دوبارہ انہی بنیادوں پہ استوار کیا۔ البتہ اس کے ستون کھجور کے بجائے عمارتی لکڑی سے بنائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں کئی تبدیلیاں کیں۔ چنانچہ مسجد کی دیواریں منقوش پتھر اور چونے سے بنائیں۔ اس کے ستونوں میں بھی منقوش پتھر ہی استعمال کیا۔ چھت ساگوان کی لکڑی سے تیار کی گئی۔

مسجد ایک دینی شعار کی حیثیت سے مسجد دین اسلام میں ایک عظیم دینی شعار کی حیثیت رکھتی ہے۔ مسجدیں اگرچہ خالص خدا کی عبادت کے لئے بنائی جاتی ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک مذہبی، تعلیمی اور ثقافتی مرکز کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ غزوات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ رات بھر انتظار فرماتے تھے۔ صبح کو جہاں سے اذان کی آواز آتی وہاں حملہ کرنے سے روک دیتے چنانچہ ایک سفر جہاد میں آپ کے کانوں میں ایک طرف اللہ اکبر کی آواز آئی تو آپ نے فرمایا "یہ فطری شہادت ہے" اس کے بعد آپ نے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ، کی آواز سنی تو فرمایا "آگ سے نجات ہو گئی۔ صحابہ نے ادھر ادھر دیکھا

Marfat.com

تو معلوم ہوتا چرواہے کی آواز ہے۔ (صحیح مسلم)

تمام مجاہدین کو بھی یہی حکم تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک لشکر بھیجا تو یہ وصیت فرمائی

"اِذَا رَأَيْتُمْ مَسْجِدًا اَوْ سَمِعْتُمْ صَوْتًا فَلَا تَقْتُلُوْا اَحَدًا" (ابوداؤد)

اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرو۔

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو قبائل اسلام لاتے تھے انہوں نے الگ الگ مسجدیں تعمیر کر لی تھیں اور ان میں پانچوں وقت غلغلہ تکبیر و اذان بلند ہوا کرتا تھا

مسجد دین اسلام کا ایک تابندہ نشان ہے مسجد کی عمارت انتہائی سادگی کے باوصف اپنے اندر مقناطیسی جاذبیت رکھتی ہے۔ ایک عبادت گذار شخص کے دل میں مسجد کے لئے بے پناہ محبت کے جذبات ہوتے ہیں۔ یہ عربی شعر اکثر مساجد کے دروازہ کی زینت ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

اَلْمُؤْمِنُ فِي الْمَسْجِدِ كَالسَّمَكِ فِي الْمَاءِ وَالْمُنَافِقُ فِي الْمَسْجِدِ كَالطَّيْرِ فِي الْقَفَسِ

(مومن مسجد میں ایسے ہوتا ہے جیسے پانی میں مچھلی اور منافق یوں ہوتا ہے جیسے پنجرہ میں پرندے)

کسی قوم کی زندگی اس کے دینی شعائر سے وابستہ ہوتی ہے اس کی ملی بیداری اور غیرت کی دلیل ہے یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں مسلمان مساجد کی تعمیر سے کبھی غافل نہیں رہے ہمارے ملک میں عظیم مساجد ابھی تک شاہان مغلیہ کی یاد تازہ کر رہی ہے۔ لاہور کی شاہی مسجد دیکھ کر باہر سے آنے والے سیاح ورطہ حیرت میں ڈوب جاتے ہیں۔ شاہی مسجد کی عظیم الشان عمارت مسلم سلاطین کے ماہر تعمیرات اور محب اسلام ہونے کا زندہ ثبوت پیش کر رہی ہے۔ مسجد سے پانچ وقت اذان کی صدا بلند ہوتی ہے۔ اذان اسلام کا ممتاز شعار ہے یہ سطوت اسلام کا مظہر ہے۔ تکبیر کی آواز مسلمان کے دل میں جذبات کا ایک طوفان برپا کر دیتی ہے۔ غیر مسلموں کے دل اذان سن کر دہل جاتے ہیں اور وہ اپنے لئے اسے جنگ کی للکار تصور کرتے ہیں۔

Marfat.com

عہد نبویؐ میں مساجد کی تعمیر

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ جاہ پرستی اور نمائش سے نفرت کرتے تھے۔ اس لئے اینٹ اور مٹی پر خرچ کرنا ناپسند فرماتے تھے۔ تاہم چونکہ اسلام کی تمام تحریکات کا مقصد صرف یادِ خدا اور تسبیح و تقدیس تھا اس لئے ہر قبیلہ کو مسلمان ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد کی ضرورت پیش آتی تھی۔ تعمیر مساجد کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نماز ادا کرنے کے علاوہ مساجد اہلِ محلہ کو دن میں پانچ بار ایک جگہ جمع کر کے ان کی اجتماعی اور اتحادی قوت میں اضافہ کا موجب بنتی تھیں اس لئے آپ باجماعت نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرماتے تھے۔ مدینہ میں بہت سے قبائل قیام پذیر تھے۔ ہر قبیلہ کا الگ الگ محلہ تھا اور ہر محلہ میں ایک ایک مسجد تھی۔ عام غربت اور سادگی کی وجہ سے اس دور میں جو مسجدیں تعمیر ہوئیں وہ زیادہ عرصہ تک باقی نہ رہ سکیں۔ اور ان کے ساتھ ان کا نام اور تاریخ بھی مٹ گئی تاہم جو مسجدیں مدتوں تک قائم رہیں ان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ ان مذہبی یادگاروں سے خالی نہ تھا۔ (نسائی شریف)

عرب کے عام قبائل سے بحرین کا ایک قبیلہ عبدالقیس اسلام لا چکا تھا۔ اس قبیلہ نے ایک مسجد تعمیر کی تھی چنانچہ اسلام میں مسجد نبویؐ کے بعد سب سے پہلے جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں

> مسجد نبویؐ کے بعد پہلا جمعہ قبیلہ عبدالقیس کی مسجد میں پڑھا گیا جو بحرین کے ایک گاؤں جواثا نامی میں واقع تھی (بخاری کتاب الجمعہ)

اہلِ طائف جب اسلام لاتے تو آپ نے ہدایت فرمائی کہ خاص اس جگہ مسجد تعمیر کرائیں جہاں ان کا بت نصب تھا (زاد المعاد جلد اول)

حضرت طلق بن علی سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں ایک گرجا ہے آپ نے اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ گرجے کو توڑ ڈالو اور وہاں یہ پانی چھڑک کر مسجد بنا لو۔ چنانچہ جب وہ لوگ واپس آئے تو حسب ارشاد مسجد تعمیر کر لی (نسائی)

Marfat.com

اس قسم کی مسجدیں اگرچہ عرب کے گوشہ گوشہ میں تعمیر ہوئیں۔ عموماً احادیث کی کتابوں سے صرف ان مسجدوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے جو مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں تعمیر ہوئیں امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں صراحتاً مسجد بنی زُریق کا نام لیا ہے۔ حضرت انس بن مالک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر اپنے محلہ میں آتے تھے یہاں لوگ مسجد میں منتظر رہتے تھے وہ آکر کہتے کہ مسجد نبوی میں نماز ہو چکی تب لوگ یہاں نماز پڑھتے تھے (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۳۲)

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ قبائل عرب کی مسجدیں الگ الگ تھیں۔ صحیح احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز باجماعت پڑھتے تھے اور پھر اپنے محلہ کی مسجد میں جا کر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل کا معمول یہی تھا۔

عہد نبوی میں مساجد کی تعمیر کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں جہاں کہیں نماز پڑھتے تھے۔ وہاں صحابہ تبرکاً مسجد تعمیر کر لیتے تھے۔ امام بخاری نے اپنی کتاب میں ایک مستقل باب باندھا ہے جس میں ان مساجد کا ذکر کیا ہے جو مدینہ کے راستوں اور ان مقامات میں تعمیر ہوئیں۔ جہاں آپ نے نماز پڑھی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان کے نام گنائے ہیں۔

ائمہ نماز کا تقرر مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ائمہ مساجد کا تقرر بھی عمل میں آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جو قبیلہ مسلمان ہو جاتا اس میں جو شخص سب سے بڑا حافظ قرآن ہوتا وہی امام مقرر کر دیا جاتا اس شرف میں چھوٹے بڑے آقا غلام سب برابر تھے آپ کی تشریف آوری سے قبل مدینہ میں جو مہاجرین آچکے تھے ان کے امام حضرت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالم تھے۔ جرم کا قبیلہ جب اسلام لایا تو عمرو بن سلمہ جو بھی اس وقت سات یا آٹھ برس کے کمسن بچہ تھے چونکہ اپنے قبیلہ میں قرآن کے سب سے بڑے حافظ وہی تھے اس لئے وہی امام قرار پائے۔

Marfat.com

امام کے انتخاب کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند اصول مقرر فرمادیئے تھے ابو مسعود انصاری سے مروی ہے کہ آنحضور نے فرمایا جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہو۔ اگر اس میں سب برابر ہوں تو جو حدیث سے زیادہ واقفیت رکھتا ہو اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی اور اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو"۔ (صحیح مسلم)

جب کوئی ایسا قبیلہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو آپ پوچھتے کہ تم میں سب سے اچھا حافظِ قرآن کون ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص ہوتا تو لوگ اس کا نام بتاتے اور آپ اس کو اس عہدے پر مقرر فرماتے چنانچہ اہل طائف کے امام عثمان بن ابی العاص اسی طرح مقرر ہوئے۔ دورِ حاضر میں امامت کا تصور یکسر بدل گیا ہے موجودہ دور کا امام ایک گھٹیا مخلوق ہے جو معاشی اعتبار سے مفلوک الحال، علم و فضل سے عاری، معاشرہ میں بے حیثیت اور ہر لحاظ سے ناقابلِ التفات ہے۔ تاریخ اسلام کے زریں دور میں جب اسلام کا سکہ رواں تھا قیصر و کسریٰ اسلام کے زیرِ نگیں تھے اور عرب و عجم پر مسلمانوں کی عظمت و شوکت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ امامت و خطابت کے فرائض وہ شخص ادا کیا کرتا تھا جس کے ہاتھ میں عنانِ اقتدار ہوتی تھی اور سیاہ و سفید کا مالک ہوا کرتا تھا۔ عباسی دور کے خلیفہ مامون و ہارون اس رعب و داب کے خلفاء تھے کہ قیصرِ روم ان کا نام سن کر لرزہ بر اندام ہو جاتا تھا۔ جب نماز کا وقت آتا تو تاج و تخت سے الگ ہو کر مسجد میں آتے اور فرائض امامت ادا کرتے۔ اسلامی شعائر کی بے توقیری اور زوال و انحطاط کی علامت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے؟

مسجد کے مقاصد و فوائد

مسجد کی اصلی غرض و غایت فریضۂ نماز کی ادائیگی ہے کسی شرعی عذر کے بغیر گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دے کر لوگوں کے گھروں میں جاتا اور جو لوگ بلا وجہ نماز با جماعت میں حاضر نہیں ہوتے۔ ان کے گھروں کو نذرِ آتش کر دیتا۔

۱۔ ذکرِ ربانی :۔ دین اسلام کے سوا کسی اور مذہب کی عبادت گاہ کو یہ شرف حاصل نہیں

Marfat.com

کہ وہاں ہر وقت ذکرِ خدا کی گرم بازاری رہتی ہو اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ادیانِ عالم میں صرف اسلام ہی توحیدِ خالص کا علم بردار ہے۔ دوسرے غیر مسلموں کی عبادت گاہوں میں ہفتہ یا دن میں ایک دفعہ لوگ عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں مگر مساجد میں روزانہ صبح سے لے کر رات گئے تک نماز اور تلاوتِ قرآن کا سلسلہ جاری رہتا ہے بلکہ عبادت کے علاوہ قرآن و حدیث کا درس بھی دیا جاتا ہے۔

۲ **دینی شعار** :۔ مسجد ایک عظیم دینی شعار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس شعار کو زندہ و تابندہ رکھنا علامتِ ایمان ہے۔

۳۔ **درس گاہ** :۔ درس و تدریس کے لئے مسجد موزوں ترین مقام ہے۔ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی میں پہلا مدرسہ قائم کیا جس میں اصحابِ صُفّہ آپؐ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ عہدِ سلف میں مسجد کو ہمیشہ مکتب کی حیثیت حاصل رہی مسجد میں قال اللہ و قال الرسول کا غلغلہ بلند ہوتا ہے اذان کی پانچ وقتہ صدا اٹھتی ہے خطیب ہر جمعہ کے دن لوگوں کو شرعی احکام سے آگاہ کرتا ہے۔

۴۔ **وقت کی پابندی** :۔ مسجد پابندیٔ وقت کا درس دیتی ہے دن میں پانچ مرتبہ مقررہ وقت پر اذان دی جاتی ہے جو شخص باقاعدہ نماز ادا کرنے کا خوگر ہو وہ وقت کی قدر پہچانے گا اور ہرگز سہل انگاری و اضاعتِ وقت کا مرتکب نہ ہوگا۔

۵ **تنظیم** :۔ نمازی مسجد میں حاضر ہو کر ایک امام کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں کوئی شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدہ نہیں کر سکتا۔ یہ اطاعتِ امیر کی بہترین تربیت اور نظم و ضبط کا زبردست مظاہرہ ہے۔ امام معاشرہ میں ادنیٰ درجہ رکھتا ہو تو بھی ایک بڑے سے بڑا آدمی اس کے اشاروں پر حرکت کرے گا۔ صفوں کا درست کرنا بھی تنظیم کی علامت ہے۔

۶۔ **مساوات** :۔ نماز باجماعت سے مساوات کا سبق حاصل ہوتا ہے۔ مسجد مساوات، اخوت، ہمدردی اور تعاون کے جذبات کا مرکزی نقطہ ہے ؎

ری درگاہ میں ... تجھے تو ... ہو سکے
بندہ و صاحب و محتاج و ... ہوتے (اقبالؒ)

Marfat.com

۷- **اصلاح معاشرہ**:- مسجد اصلاح معاشرہ میں حد درجہ معاون ہے اہل محلہ دن میں پانچ مرتبہ جمع ہو کر پیش آمدہ مسائل پر تبادلہ افکار کرتے ہیں یہ پانچ وقتہ ملاقات بغض وحسد کے ازالہ اور الفت و مودت کے جذبات استوار کرنے میں اہم پارٹ ادا کرتی ہے۔

۸- **روحانی تربیت**:- مسجد روحانی و اخلاقی تربیت کے لئے موزون ترین جگہ ہے

۹- **طہارت و نظافت**:- ایک نمازی شخص کے لئے جسم و لباس کی طہارت ضروری ہے۔ بنا بریں نماز کی پابندی کرتے سے طبعاً انسان میں طہارت و نظافت کے احساسات کروٹ لیتے ہیں جب کہ بے نماز شخص پاکیزہ رہنا ضروری نہیں سمجھتا بلکہ وہ پاک و ناپاک کے شرعی احکام سے بھی آگاہ نہیں ہوتا۔

۱۰- **اسلامی تہذیب**:- مسجد اسلامی تہذیب سے روشناس کراتی ہے۔ اس میں ہر وقت اسلامی تہذیب کے مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں۔

۱۱- **اتحاد**:- مسجد میں آنے والے سب ایک ہی مقصد کے لئے آتے ہیں۔ ان میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ جو اخوت کا سنگ بنیاد ہے۔ سب ایک ہی امام کے پیچھے قبلہ رو ہو کر ایک صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دن میں پانچ مرتبہ نماز باجماعت ادا کرنے سے رشتہ اخوت مضبوط سے مضبوط تر ہو جاتا ہے۔

۱۲ **جسم و روح میں توازن**: مسجد میں باقاعدہ حاضر ہو کر انسان خدا سے لو لگاتا ہے۔ دل دنیوی مشاغل سے ہٹ کر عبادت میں لطف و لذت محسوس کرنے لگتا ہے اس طرح جسم و روح کے مابین صحیح توازن پیدا ہوتا ہے۔ اگر مسجد نہ ہو تو انسان اپنی تمام تر صلاحیتوں اور جملہ اوقات کو کاروباری مصروفیات کی نذر کر دے۔

آداب مسجد مسجد خانہ خدا اور نہایت مقدس جگہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا ادب و احترام ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے قرآن کریم و احادیث صحیحہ کی روشنی میں آداب مساجد تحریر کئے جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا — مسجدیں خدا کے لئے ہیں اس لئے

Marfat.com

مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا" خدا کے سوا ان میں کسی اور کو مت پکارو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدیں خدا کے سوا کسی اور کے نام کا ذکر و وظیفہ جس کا شرعی جواز کوئی نہ ہو نہیں پڑھنا چاہیئے۔

۲۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں رکھا جائے اور یہ دعا پڑھی جائے۔

"اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" اے اللہ میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دے۔

۳۔ مسجد میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی بے مقصد باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

"اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا" (جب تمہارا گذر بہشت کے باغات میں ہو تو پھل چنا کرو) (مشکوٰۃ)

صحابہ کرام نے عرض کیا حضورؐ! وہ باغات کون سے ہیں؟ فرمایا "مسجدیں" اور ان میں خدا کو یاد کرنا پھل چننا ہے۔

۴۔ مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نفل ادا کرنا چاہیئے ان نوافل کو تَحِیَّۃُ الْمَسْجِد کہتے ہیں (مشکوٰۃ)

۵۔ مسجد کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہ گزرا جائے آپ نے فرمایا اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو معلوم ہوتا کہ اس میں کتنا گناہ ہے تو اسے چالیس ماہ یا چالیس سال کھڑا رہنا گزرنے کی نسبت زیادہ آسان ہوتا حدیث کے راوی کو شک ہے کہ آپ نے چالیس دن فرمایا یا چالیس ماہ یا چالیس سال (بخاری)

۶۔ مسجد میں کوئی ایسی حرکت کرنا منع ہے جو نماز کے منافی ہو اور اس سے نماز پڑھنے والوں کو تکلیف ہوتی ہو۔ مثلاً شور و غل، دنگا فساد یا لڑائی جھگڑا کرنا (مشکوٰۃ باب المساجد)

۷۔ مسجد کو پاک صاف رکھنا چاہیئے اور کوڑا کرکٹ اور گرد و غبار جمع نہیں ہونے دینا چاہیئے (مشکوٰۃ)

۸۔ کچا پیاز، لہسن، مولی اور ایسی کوئی چیز کھا کر مسجد میں نہیں آنا چاہیئے جس کے

Marfat.com

کھانے سے بدبُو آتی ہو (مشکوٰۃ)

۹۔ مسجد میں تھوکنا یا ناک صاف کرنا گناہ ہے (بخاری)

۱۰۔ مسجد میں خرید و فروخت کرنا یا گمشدہ چیز تلاش کرنا منع ہے (مشکوٰۃ)

۱۱۔ جو لوگ مسجد میں دیر سے آئیں انہیں پہلے آنے والوں سے آگے پہنچنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے پہلے آنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے (بخاری)

۱۲۔ جمعہ کے دن امام کا خطبہ توجہ اور خاموشی سے سننا چاہیئے۔

۱۳۔ مسجد سے باہر نکلتے وقت یہ دعا پڑھنا چاہیئے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ وَرَحْمَتِکَ

اے اللہ میں تیرا رحم و فضل طلب کرتا ہوں (مشکوٰۃ)

سوالات

۱۔ اشاعت علم میں مسجد کیا پارٹ ادا کرتی ہے۔

۲۔ دینی نقطۂ نظر سے مسجد کو کیا اہمیت حاصل ہے۔

۳۔ آدابِ مسجد تفصیلاً بیان کیجئے

۴۔ آنحضورؐ نے تعمیر مساجد کو کیا اہمیت دی ہے اور کیوں؟

۵۔ امام صلوٰۃ میں کن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے۔ منصبِ امامت اسلام میں کیا مقام رکھتا ہے تفصیلاً لکھئے۔

Marfat.com

باب ۲۲

اسلامی مُعاشرہ

مفہوم معاشرہ عربی زبان میں مصدر ہے۔ اس کا مادہ عَشَرَۃٌ زندگی بسر کرنا ہے۔ معاشرہ کے معنی ہیں۔ مل جل کر زندگی بسر کرنا۔ اصطلاحی اعتبار سے معاشرہ اس جماعت یا گروہ کا نام ہے۔ جو کسی خاص مقصد کے پیشِ نظر جمع ہوا ہو۔ اور اپنے مخصوص ثقافتی و معاشرتی عادات و اطوار کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہو۔ انسانوں کا وہ بے ہنگم گروہ جو اتفاقاً بلا مقصد و ارادہ کسی جگہ جمع ہو جائے۔ اسے معاشرہ کے نام سے نہیں پکارا جاتا۔

قیامِ مُعاشرہ کی ضرورت مُعاشرہ کا قیام انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ وہ طبعاً تنہائی سے گھبراتا ہے۔ اور اپنے بھائی بندوں کے ساتھ مل جل کر خوش ہوتا ہے۔ اگر جبراً انسان کو کسی جگہ تنہا رکھا جائے۔ سب لوازمات زندگی موجود ہوں۔ طرح طرح کی سہولتیں مہیا ہوں۔ انواع و اقسام کی نعمتیں اور لذتیں میسّر ہوں۔ تاہم وہ ایسی زندگی کو کبھی پسند نہ کرے گا۔ اور بنی نوع انسان کے ساتھ مل کر رہنے کو ترجیح دے گا۔ اگرچہ وہاں فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتا ہو۔ اور زندگی کی آسائشوں سے یکسر محروم ہو۔ حیوانات مل جل کر رہنے کی [illegible] میں اگرچہ بنی نوع آدم کے ساتھ شریک ہیں۔ مگر ان کا جذبۂ اتحاد و اختلاط کسی مقصد کا حامل نہیں۔ بخلاف ازیں انسانوں کی سعی اجتماع اپنے اندر بے پناہ مقاصد و غایات رکھتی ہے۔

مُعاشَرہ اجتماعی زندگی کی اساس ہے معاشرہ اجتماعی زندگی کی خشت اساس ہے۔

ہر قوم کی زندگی نظم جماعت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ گرہ جب کھل جاتی ہے تو قوم کا شیرازہ پراگندہ ہو جاتا ہے۔ اسلام میں نماز باجماعت کا اہتمام انسان کو اجتماعی زندگی کی راہ پر ڈالتا ہے۔ ایک محلّہ کے مسلمان دن کے پانچ اوقات میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ ہر جمعہ کے روز بڑے پیمانہ پر ایک اجتماع عام ہوتا ہے۔ ہر عید کے موقع پر ایک سالانہ

Marfat.com

اجتماع ہوتا ہے جس میں نہ صرف ایک گاؤں بلکہ گرد و پیش کے مسلمان اکٹھے ہو کر اپنے مذہبی اقتصادی سیاسی اور معاشرتی مسائل حل کرتے ہیں۔ نماز باجماعت میں مسلمانوں کا صف بصف کھڑا ہونا ایک دوسرے کے شانہ سے شانہ ملانا اور یکساں حرکت و جنبش کرنا۔ ان کی قومی زندگی کی مستحکم و مضبوط دیوار کا مسالہ ہے۔ جس طرح نماز کی درستی اس کی صف اور نظام جماعت کی درستی پر موقوف ہے۔ اسی طرح پوری قوم کی زندگی باہمی تعاون، مشارکت میل جول اور باہمی ہمدردی پر موقوف ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صفوں کی درستی پر بہت زور دیتے تُے فرماتے تھے کہ جب تک تم خوب مل کر کھڑے نہ ہوگے، تمہارے دل بھی آپس میں نہ ملیں گے۔ (صحیح بخاری)

نماز باجماعت مسلمانوں میں برادرانہ مساوات بلکہ عالمگیر انسانی مساوات کی درسگاہ ہے۔ یہاں امیر و غریب کالے، گورے، رومی، حبشی، عرب و عجم کی تمیز نہیں ہے۔ سب ایک ساتھ۔ ایک درجہ اور ایک صف میں کھڑے ہو کر خدا کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں۔ سب ایک ہی زمین پر ایک امام کے پیچھے ایک صف میں دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں۔ اور کوئی کسی کو اس کی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا۔ انسانی برادری کی یہ مشق دن میں پانچ دفعہ ہوتی ہے۔ کیا دنیا کا کوئی مذہب مسلمانوں کی معاشرتی جمہوریت کی نظیر پیش کر سکتا ہے۔

اجتماعی ترقی کی بنیاد افراد کے باہمی نظم و ارتباط پر ہے اور اجتماعی فائدہ کے لئے افراد کو اپنے ہر عیش و آرام کو قربان کر دینا اور اختلاف باہمی کو ختم کر کے صرف ایک مرکز پر جمع ہو کر جماعتی ہستی کی وحدت میں فنا ہو جانا اس کے حصول کی لازمی شرط ہے۔

اسلام نے جماعت سے علیحدگی کی اجازت صرف ایک ہی موقع پر دی ہے۔ کہ جماعت میں اس قدر بگاڑ پیدا ہو جاتے۔ کہ ان کا کوئی مرکزی نظام باقی نہ رہے۔ اور فتنہ و فساد کے شعلے اتنے بھڑک چکے ہوں، کہ ان کا بجھانا قابو سے باہر ہو جاتے۔ ایسے وقت میں جو لوگ فتنہ کی آگ کو بجھانے پر قادر نہ ہوں۔ جماعت سے الگ ہو

Marfat.com

جائیں، ورنہ ہر مسلمان کا فرض ہے، کہ وہ اس حالت میں تبلیغ اور امر بالمعروف کے فرض کو ادا کر کے جماعت کے بچانے میں پوری کوشش صرف کر دے۔ یہی وہ نمونہ ہے، کہ جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے دنیا میں پیش کیا، اور تمام بڑے بڑے صحابہ نے اس کی پیروی کی۔ آپ نے فرمایا بدی کو اپنے ہاتھ سے روکنا اور مٹانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اگر ہاتھ سے نہ مٹا سکے تو زبان سے مٹائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کو دل سے بُرا سمجھے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔ (صحیح مسلم)

رہبانیت کے معنے ہیں ترک دنیا اور قطع تعلقات۔

اسلام اور رہبانیت

اسلام رہبانیت کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بیوی بچوں، بھائی، بہنوں اور اقارب و اعزّہ کو چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشین ہو جائے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے دین و دنیا کے مابین کوئی خلیج حائل نہیں۔ جن کو دنیوی امور تصوّر کیا جاتا ہے، انہی کو شرعی حدود کے اندر انجام دینے کا نام دین ہے۔ دین اسلام صرف عبادتِ خداوندی کا طریقہ ہی نہیں سکھاتا۔ بلکہ زندگی کے تمام شعبہ جات کے لئے مشعلِ ہدایت کا کام دیتا ہے۔ اور اسی اعتبار سے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اقارب و اعزّہ قوم و ملّت اور احباب و اعوان سے کٹ کر درویشی کی زندگی بسر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ان کے حقوق و فرائض ادا کرنے سے قاصر رہتا۔ بلکہ ان سے راہ فرار اختیار کرتا ہے۔ یہ بات اسلام میں محبوب ہونے کے بجائے معیوب ہے۔ اسلام اسے بزدلی اور کم ہمتی قرار دیتا ہے، مردانگی و حوصلہ مندی کا تقاضا ہے کہ دنیا میں رہ کر اس کے دکھ سکھ سہے، اقارب و اعزّہ کے حقوق ادا کرے، اپنے کنبے کے لئے رزقِ حلال کمائے۔ اور اس راہ کے مصائب و آلام کو فراخدلی اور عزم بلند کے ساتھ برداشت کرتا رہے۔ حدیث نبوی میں وارد ہے کہ چند صحابہؓ مسجد نبوی میں بیٹھ کر اسی قسم کے عزائم باندھ رہے تھے۔ کسی نے کہا کہ میں عمر بھر روزے رکھتا رہوں گا۔ دوسرا بولا میں رات بھر قیام کروں گا، تیسرا کہنے لگا میں بیوی بچّوں کو خیرباد کہہ دوں گا۔ سالارِ انبیاء صلے اللہ علیہ وسلّم نے یہ باتیں سن کر فرمایا: "تمہارے عزائم کا پتہ چلا تمہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ

Marfat.com

میں سبھی کام کرتا ہوں۔ میں روزے رکھتا اور افطار کرتا ہوں، رات کو سوتا بھی ہوں۔ اور محوِ عبادت بھی ہوتا ہوں۔ عیالداری کا یہ حال ہے کہ میری نو بیویاں ہیں، یہ حدیث نبوی اس حقیقت کی آئینہ داری کرتی ہے، کہ افضل زندگی وہی ہے۔ جو معاشرہ میں رہ کر گزاری جائے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سالہ عہد نبوت مجمع انسانی میں رہ کر اور تمام تر انسانی جدوجہد میں شریک ہو کر گزارا۔ یہی طرزِ عمل خلفائے راشدین اور تمام صحابہ نے اختیار کیا۔ پورا قرآن پاک اسی انسانی جدوجہد سعی اور انسانی مجمع کے ساتھ عملِ صالح کی تعلیم سے بھرا ہوا ہے۔ تجرد و خلوت نشینی ترک عمل و جماعت کے لئے پورے قرآن میں ایک حرف بھی موجود نہیں ہے۔ اسلام کا صحیح تخیل یہ ہے کہ انسان تعلقات کے ازدحام اور علائق کے ہجوم میں گرفتار ہو کر اپنے فرائض کو بخوبی ادا کرے۔ جو شخص فرائض سے گھبرا کر گوشۂ عافیت کو تلاش کرتا ہے۔ وہ کارزار عالم کا بزدل سپاہی ہے۔ اسلام اپنے پیروؤں کو جواں مرد سپاہی دیکھنا چاہتا ہے۔ جو ان سب جھمیلوں کو اٹھا کر بھی خدا کو نہ بھولیں۔ ایک دفعہ کسی غزوہ میں ایک صحابی کا گزر ایسے مقام سے ہوا۔ جس میں ایک غار تھا۔ قریب ہی پانی کا چشمہ بھی تھا۔ ان کو خلوت گزینی کے لئے جگہ پسند آئی۔ آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہاں خلوت گزینی کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا " میں یہودیت اور عیسائیت لے کر دنیا میں نہیں آیا۔ بلکہ آسان اور روشن ابراہیمی مذہب لے کر آیا ہوں۔" (مسند امام حنبل جلد ۵ ۲۶۶)

فرد اور معاشرہ

فرد اور معاشرہ باہم لازم و ملزوم ہیں۔ جس طرح فرد معاشرہ سے الگ ہو کر ایک بے حقیقت اکائی کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح معاشرہ افراد کے بغیر معرض وجود میں نہیں آ سکتا۔ دوسرے لفظوں میں افراد کے اجتماع کا نام معاشرہ ہے۔ انسان خلقتاً مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی فطرت اسے مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ دیگر انسانوں کے ساتھ مل کر رہے۔ وہ پیدائش سے لے کر آخری دم تک دوسروں کے تعاون کا محتاج ہے۔ پیدا ہوتے ہی بچہ اپنے والدین کی نگرانی اور کفالت کا دست نگر ہوتا ہے۔ اگر والدین

Marfat.com

لمحہ کے لئے بھی غافل ہو جائے، تو اس کا جینا محال ہو جائے، ماں دودھ پلاتی ہے۔ اس کی صحت اور صفائی کا خیال رکھتی ہے، اس کے لئے رات بھر جاگتی ہے۔ باپ تلاش رزق میں مارا مارا پھرتا ہے اور اس کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرتا ہے، جب بچہ تعلیم کے قابل ہوتا ہے، تو اسے اساتذہ کی رہنمائی اور تربیت کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، جوں جوں اس کی عمر بڑھتی ہے، اس کے احتیاج کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ انسان زندگی کے کسی مرحلہ پر بھی اپنے ابنائے جنس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، علامہ اقبالؒ نے فرد اور معاشرے کے ربط کو اس طرح بیان کیا ہے۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اسلامی معاشرہ کی خصوصیات

اسلامی معاشرہ کی تشکیل چونکہ ضوابطِ کتاب و سنت کی روشنی میں تکمیل پذیر ہوتی ہے، اس لئے وہ وحدتِ فکر و عمل کا مجموعہ ہوتا ہے۔ وحدتِ فکر و عمل ہی وہ چیز ہے، جس کی بنا پر کسی معاشرہ کو استحکام اور پائیداری نصیب ہوتی ہے، فکر و عمل کا اتحاد اسلامی معاشرہ کی عظیم خصوصیت ہے، جو کسی دوسرے معاشرہ میں نہیں پائی جاتی، دینِ اسلام میں بذاتِ خود نہ فرد مقصود ہے نہ معاشرہ۔ اصلی مقصد یہ ہے کہ انسان زمین پر خلیفۂ خداوندی ہونے کے لحاظ سے اس کے احکام کی اطاعت کرے۔ اسلام فرد یا معاشرہ میں کسی ایک کو بھی دوسرے پر ترجیح نہیں دیتا، بلکہ دونوں میں اعتدال پیدا کرنا چاہتا ہے۔

کائناتِ ارضی کے تمام مسلمان کرۂ ارض کے کسی کونہ میں رہتے ہوں، کوئی زبان بولتے ہوں، کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں، عقائد و ایمانیات میں متحد الخیال ہوتے ہیں، ہر مسلمان خدا پر، اس کے رسولوں پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، طرزِ فکر کی وحدت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے؟

عقائد کے بعد۔ ارکانِ اسلام کا درجہ ہے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ میں مسلمانوں

Marfat.com

کی وحدت ان کے متحد العمل ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ مسلمان دنیا کے کسی کونہ میں بھی ہوں، نماز کے وقت قبلہ رو ہو کر نماز گزارتے ہیں۔ اور ایک ہی امام کے پیچھے دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بڑے، چھوٹے، امیر، غریب کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔

اسلامی معاشرہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اپنی تشکیل کے لئے اصول و ضوابط اور آئین و دستور وضع کرنے کا محتاج نہیں۔ اس کا ایک بندھا ٹکا نظام ہے مقررشدہ اصول و ضوابط ہیں، جن کی موجودگی میں کسی دوسرے نظام کی ضرورت ہے نہ آئین کی۔

اسلام کے اصول و قواعد معاشرہ کے قواعد ہیں اور اسلام کا نصب العین اس کا مقصودِ حقیقی ہے۔ طائرانہ نظر میں اسلامی معاشرہ کی بڑی بڑی خصوصیات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ **وحدت فکر و عمل:۔** اسلامی معاشرہ کے افراد میں پورے طور پر اتحادِ فکر و عمل پایا جاتا ہے۔ جس سے یہ معاشرہ مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ جس معاشرہ میں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں۔ اس معاشرہ میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔

۲۔ **اسلامی عقائد و احکام:۔** اسلامی معاشرہ کی اساس کتاب و سنت پر رکھی جاتی ہے۔ اس لئے تمام افراد خلوص و محبت سے پیش آتے ہیں اور دنگہ فساد کی نوبت بہت کم آتی ہے۔

اسلام نے وحدتِ فکر کا جو تصور پیش کیا ہے۔ دنیا کے کسی مذہب نے نہیں کیا۔ اس فکر و وحدت کی اساس ایمان ہے۔ ایمانیات کو عقائد اور اجزائے ایمان بھی کہا جاتا ہے۔ ہر مسلم خلوصِ دل سے ان کا معتقد ہوتا ہے۔ وحدتِ فکر کے بعد وحدتِ عمل کا درجہ آتا ہے۔ ارکانِ اسلام، وحدتِ عمل کی اوّلین اساس ہیں، تمام دنیا کے رہنے والے مسلمان ان پر عامل ہوتے ہیں، لہٰذا اختلاف کی نوبت بہت ہی

Marfat.com

کم آتی ہے۔

۳۔ اخوت و مساوات :۔ اخوت و مساوات ،شفقت و ہمدردی اور جذبات و کرم لطف اسلامی معاشرہ کی خشتِ اولین ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں طبقاتی کش مکش کا نام تک نہیں۔ امراء پر زکوٰۃ اس لئے فرض کی گئی ہے کہ وہ اپنے مال کا کچھ حصہ اپنے غریب بھائیوں کو دیں اور اس طرح امراء کی دولت میں کمی آکر غرباء کی دولت میں اضافہ ہوگا اور دونوں کے مابین توازن قائم ہوگا۔

۴۔ ایثار و قربانی :۔ اسلامی معاشرہ کے افراد ایثار ہمیشہ اور قربانی کے خوگر ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنی عزیز ترین متاعِ حیات بھی اپنے بھائی کے لئے قربان کر دیتے ہیں اور اس سے دریغ نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ جس معاشرہ کے افراد میں اس قدر ہمدردی ہوگی، وہ معاشرہ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔

۵۔ سادگی :۔ اسلامی معاشرہ سادگی کا علمبردار ہے۔ وہ آرائش و نمائش کو ناپسند کرتا ہے۔ اسراف سے روکتا ہے۔ وہ صفائی کی تلقین کرتا مگر تکلف و تصنع کو معیوب قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مرد ریشمی لباس اور سونے کے زیورات زیبِ تن نہ کریں۔ مردانہ صفات کے خوگر بنیں۔ اور نسوانی عادات و خصائل سے اجتناب کریں۔

۶۔ عالمگیر برادری :۔ اسلامی معاشرہ قوم و ملک کی حدود و قیود سے آشنا نہیں بلکہ یہ عالمگیر برادری کا علمبردار ہے۔ جو شخص بھی اسلامی عقائد و اعمال کا قائل و عامل ہے۔ وہ اس برادری کا فرد ہے۔ خواہ کسی ملک میں رہتا ہو یا کوئی زبان بولتا ہو۔

۷۔ اسلامی آداب و اطوار :۔ یہ معاشرہ اسلامی اخلاق کو اپنانے کی تلقین کرتا اور غیر شرعی آداب و اخلاق سے روکتا ہے۔ لہو و لعب اور بیہودہ مشاغل اس کی نگاہ میں بے کار کام ہیں۔ تاش، شطرنج، پتنگ بازی، کبوتر بازی وغیرہ لایعنی امور میں داخل ہیں۔

Marfat.com

۸۔ وضعداری :۔ عالمگیر برادری کا تصوّر رکھنے کے باوجود اسلامی معاشرہ کا اپنا ایک خاص رنگ ڈھنگ ہوتا ہے۔ جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ اس کے خاص آداب و اطوار ہیں۔ جو اسلامی معاشرہ کو ایک خاص وضع عطا کرتے ہیں۔ کھانے پینے، اٹھنے، بیٹھنے، گفتگو کرنے اور لباس وغیرہ کے بارے میں اسلام نے خاص ہدایات دی ہیں۔ جن سے ہر دیکھنے والا شخص مسلمان کو پہچان جاتا ہے۔

سوالات

۱۔ اسلامی معاشرہ کی اہمیت و افادیت پر ایک شذرہ سپردِ قلم کیجئے۔
۲۔ اسلامی معاشرہ کے وہ اوصاف کیا ہیں۔ جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں۔
۳۔ فرد اور معاشرہ میں کیا ربط پایا جاتا ہے۔
۴۔ رہبانیت (درویشی کی زندگی) اسلامی نقطۂ نظر سے کیوں معیوب ہے؟

Marfat.com

اقارب

قرآن کریم اور اقارب اگرچہ اسلام ایک عالمگیر برادری کا داعی ہے جس نے امیر و غریب اور قریب و بعید کو ایک رشتہ۔ اخوت میں جکڑ رکھا ہے، تاہم وہ خونی رشتہ کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ اور درجہ بدرجہ ان کے حقوق ملحوظ رکھنے کی تاکید کرتا ہے۔ اسلام میں رشتہ داروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے، ان کی ضروریات کا خیال رکھنے، ان کی مالی امداد کرنے، ان سے محبت و مروت سے پیش آنے بیماری کے موقع پر دل و جان سے ان کی تیمار داری کرنے، ترکہ میں سے انہیں پورا حصہ دینے اور خدا کی دی ہوئی عمر میں کچھ حصہ ان کی خدمت میں صرف کرنے کی اہمیت دنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن کریم میں بار بار اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ قرآن کریم کی بارہ آیات میں اس کی صریح تاکید کی گئی ہے۔ دین اسلام میں اقارب سے اچھا سلوک روا رکھنا احسان نہیں، بلکہ انسان کا حق اور اس پر فرض ہے۔

قرآن میں فرمایا کہ:۔

"وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهُ" (سورۃ روم - ۴)

(رشتہ داروں کو اس کا حق ادا کرو)

قرآن میں دوسری جگہ فرمایا کہ مال و دولت کی محبت اور ذاتی ضروریات کے باوجود صرف خدا کی خوشنودی کے لئے خود تکلیف اٹھا کر اپنے اقارب کی امداد اور حاجت روائی اصلی نیکی ہے۔ حاجت مند رشتہ داروں کی مدد کرنے میں ایک بڑی حکمت یہ ہے۔ کہ اس طرح سے وہ در بدر کی ٹھوکریں کھانے اور دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچ جائیں گے جس میں صرف ان کی بلکہ ان کے رشتہ داروں کی بھی ذلت و رسوائی ہے۔ اگر ایک مالدار آدمی کے کسی رشتہ دار کو لوگ سڑک پر بھیک مانگتے یا دوسروں

Marfat.com

کے آگے التجائیں کرتے دیکھیں گے۔ تو ہر شخص اس مالدار آدمی کی مذمت کرے گا۔ اور کہے گا۔ کہ فلاں آدمی کس قدر سنگدل ہے۔ کہ اس کے غریب رشتہ دار تو در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ اور وہ اپنے گھر میں بیٹھا عیش کر رہا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے والدین کے بعد ایک مسلمان کی دولت کا اوّلین مستحق اس کے رشتہ داروں کو قرار دیا ہے۔

چنانچہ فرمایا۔

وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى۔"	اصل نیکی اس شخص کی ہے جس نے اس کی محبت پر اقارب کو مال دیا

روز میثاق جب انسانوں سے شرعی احکام پر عمل کرنے کا عہد کیا گیا تھا۔ تو اس کے ساتھ رشتہ داروں سے حسن سلوک کا عہد بھی لیا تھا۔ فرمایا

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰى (بقرہ - ۱۰)	اور بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا کہ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرنا۔

قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک اسلام میں اس قدر اہمیت رکھتا ہے۔ کہ اسے توحید و عبادت خداوندی کے ہم پلہ قرار دیا۔ ارشاد ہوا۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰى" (النساء - ۶)	اور اللہ کی عبادت کرو۔ اور کسی چیز کو اس کا ساتھی نہ بناؤ اور ماں باپ اور قربت دار کے ساتھ نیکی کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] جس قدر تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں [illegible] گیا کہ میرے قرابت داروں سے محبت رکھا۔

Marfat.com

"قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (شوریٰ)" اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر اپنے قرابت داروں کے لئے محبت کے سوا کچھ نہیں چاہتا،

بعض اوقات کسی قرابت دار سے کوئی قصور سرزد ہو جاتا ہے۔ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس قصور کے باعث قرابت دار کے حقوق کی ادائیگی روک دی جائے اور اس کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق اپنے ایک غریب رشتہ دار مسطح بن اثاثہ کی امداد کیا کرتے تھے۔ ایک بار انہیں مسطح کے ذریعہ سخت تکلیف پہنچی جس پر انہوں نے قسم کھائی کہ آئندہ کبھی اس کی امداد نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ تھی۔ قرآن پاک میں یہ آیت نازل فرمائی "اور تم سے جو لوگ بزرگ اور صاحب مقدور ہیں، وہ قرابت داروں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو مدد نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں۔ انہیں چاہیئے کہ ان کے قصور بخش دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے" (سورۂ نور رکوع ۳) رشتہ داروں کا ایک اہم حق یہ ہے کہ انہیں ترکہ میں سے حصہ دیا جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تمام رشتہ داروں کے حصے مقرر کر دیئے ہیں۔ اور مومنوں کو حکم دیا ہے کہ کسی شخص کی وفات کے بعد اسی تناسب سے مرنے والے کی جائیداد تقسیم کی جائے۔ اگر کوئی شخص ساری جائداد پر خود قبضہ کر لیتا ہے۔ اور دوسرے رشتہ داروں کو اس میں سے حصہ نہیں دیتا، تو قطع رحمی کا مرتکب ہوتا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع کیا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ترکہ میں سے صرف انہی رشتہ داروں کو حصہ دیا جائے۔ جن کے حصے مقرر ہیں۔ بلکہ دوسرے رشتہ داروں کو بھی کچھ دینا موجب اجر و ثواب ہے۔

احادیث نبویہ سے قرابت داری کی اہمیت

ا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی بات بتایئے جو

Marfat.com

مجھے جنت میں لے جائے۔ فرمایا خدا کی بندگی کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ نماز پوری طرح ادا کرو۔ زکوٰۃ دو۔ اور قرابت کا حق ادا کرو۔ (صحیح بخاری)

۲۔ جُبَیر بن مُطعِم رضؓ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو صلہ رحمی کا حق ادا نہ کرے، وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری)

۳۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضورؐ نے فرمایا "جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور عمر میں برکت ہو۔ تو اس کو چاہیئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔ (صحیح بخاری)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نیک اعمال کا اثر اللہ نے یہ رکھا ہے کہ اس سے مال و دولت میں فراخی اور عمر میں زیادتی ہوتی ہے۔ کیونکہ صلہ رحمی کی دو ہی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ضرورت مند رشتہ داروں کی مالی مدد کی جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خدا کی دی گئی عمر میں سے کچھ حصہ ان کی خدمت میں صرف کیا جائے۔ مالی امداد کا اجر خدا کی طرف سے مالی وسعت اور کشادگی اور خدمت کا صلہ عمر میں برکت کی صورت میں ملتا ہے۔

۴۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ جو شخص عام غریبوں کو صدقہ دے گا، اسے ایک درجہ ثواب ملے گا۔ لیکن جو اپنے قرابت داروں کی مالی امداد کرے گا اسے دو درجہ ثواب ملے گا۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

۵۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ مجھے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی، کہ تم رشتہ داروں کے حقوق پوری طرح ادا کرو، خواہ وہ تم سے بدسلوکی سے پیش آئیں۔

۶۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنا باغ صدقہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ آنحضور صلی اللہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اپنا باغ صدقہ کرنا چاہتا ہوں، آپ اسے فقراء میں تقسیم کر دیجئے"۔ آپؐ نے فرمایا "تمہیں اپنی نیت کا ثواب مل گیا، اب

Marfat.com

تم اس باغ کو اپنے اقارب میں تقسیم کر دو۔" (بخاری)

۷۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی شخص کا کمال یہ نہیں ہے کہ وہ حسن سلوک کا جواب حسن سلوک سے دے بلکہ کمال یہ ہے کہ اس کے رشتہ دار اس سے بدسلوکی کریں اور وہ ان سے حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ (بخاری)

۸۔ سرکار دو جہاں صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اقارب سے حسن سلوک کی اہمیت اس قدر تھی کہ بعض اوقات آپ نے کسی قبیلہ پر فوج کشی محض اس لئے روک دی کہ وہاں کے لوگ رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے ارادے سے نکلے تو راستہ میں کسی شخص نے عرض کیا۔ حضور بنو مدلج کی بستی قریب ہے۔ اسے بھی مطیع کرتے چلیں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے اللہ تعالےٰ نے بنو مدلج پر چڑھائی کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ اقارب سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ (احیاء علوم الدین)

۹۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت کی خوشبو سو برس کی مسافت سے محسوس ہوگی۔ مگر والدین کی نافرمانی کرنے والے لوگ اس سے محروم رہیں گے (طبرانی) بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ اور ان کے حقوق ادا نہیں کرتے وہ جنت میں تو کیا داخل ہوں گے۔ اس کے قریب بھی نہ جا سکیں گے اور اس کے دروازے ان پر بالکل بند ہوں گے۔

۱۰۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ اپنی قرابت کو تازہ کرتے رہو۔ چاہے سلام کے ذریعہ ہی ہو۔ (کنز العمال جلد ۵)

اقارب سے حسنِ سلوک کے اثرات

دینی نقطہ نظر کے علاوہ اقارب سے حسن سلوک بیش بہا فوائد کا موجب ہوتا ہے۔ جو قریبی روابط و مراسم اقارب کے ساتھ استوار ہوتے ہیں دوسروں کے ساتھ ایسے تعلقات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ انسان دنیوی زندگی میں

Marfat.com

ہمیشہ خوش حال و فارغ البال ہی نہیں رہتا، بلکہ حوادث و آلام کی لپیٹ میں بھی آ جاتا ہے، بیماری اس کا تعاقب کرتی ہے، عسرت و افلاس سے دوچار ہوتا ہے، مقدمہ بازی میں گھر جاتا ہے۔ گردش روزگار کے ان ایام میں اقارب و اعزہ ہی کا دم غنیمت ہوتا ہے، جو بیماری میں اس کی تیمارداری کرتے، فقر و فاقہ میں اس کی مالی امداد کرتے اور مقدمہ کے چکر سے رہائی دلاتے ہیں۔ ایک مستحکم برادری والے انسان کا دل بہت مضبوط رہتا ہے۔ اسے علم ہوتا ہے کہ مصیبت کے وقت رشتہ دار ہر قربانی کریں گے اور اس کی تائید و نصرت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔

قرابت نوازی حسن خلق اور مروت سے بستیاں آباد ہوتی ہیں۔ اور عمریں دراز ہوتی ہیں جس نیکی کا سب سے جلد ثواب ملتا ہے، وہ صلہ رحم ہے۔ اگر اس خاندان کے لوگ تاجر ہوں۔ تو ان کے مال میں برکت پیدا ہوتی ہے، کوئی خاندان ایسا نہیں کہ وہ متحد ہونے کے باوجود افلاس و غربت کا شکار ہو۔ (کنز العمال)

تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو شروع شروع میں جن مشکلات کا سامنا ہوا۔ ان میں آپ کے چچا ابو طالب کی حمایت ہمیشہ بڑی مفید ثابت ہوتی رہی۔ جب کفار مکہ نے بنی ہاشم کا بائیکاٹ کر دیا کہ اسلام قبول کرنے کے باوجود نبی کا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ تو حضور اور ان کا قبیلہ مجبور ہو گئے کہ گھر بار چھوڑ کر شعب ابی طالب میں محصور ہو کر رہیں۔ قریش کھانے پینے کی اشیاء بھی وہاں نہیں جانے دیتے تھے۔ بنو ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اس قدر رویا کرتے کہ ان کی آواز گھاٹی کے باہر سنائی دیتی۔ ان حالات میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندان نے تین سال حضورؐ کے ہمراہ بسر کئے۔ یہ خاندانی تعلقات ہی تھے۔ جن کی بنا پر بنو ہاشم نے آپ کی خاطر اس قدر تکالیف برداشت کیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی پامردی کے ساتھ تمام مصائب کو برداشت کیا۔ دیمک کفار کے معاہدہ کا کاغذ کھا گئی جو کعبہ پہ آویزاں تھا۔ کفار نے پہرہ بٹھا دیا۔ تب آپ نے گھاٹی سے باہر نکل کر تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا۔

Marfat.com

اقارب نوازی کی حدود | قرآن وحدیث میں قرابت کی بے حد تاکید کی گئی ہے، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر جائز و ناجائز بات میں ان کی بے جا حمایت کی جائے۔ دین اسلام نے قرابت داری کی تاکید کے ساتھ ساتھ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کی بھی ہدایت کی ہے۔ قرآن میں فرمایا۔

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ (الانعام-۱۵۲) انصاف سے کام لیجئے۔ اگرچہ اقارب ہی کیوں نہ ہوں۔

اندھا دھند حمایت کا نام تعصب ہے۔ ظہور اسلام سے قبل عربوں میں حد درجہ تعصب پایا جاتا تھا۔ ہر شخص اپنے ہم قبیلہ شخص کی نصرت و حمایت کو اپنے لئے فرض عین تصور کرتا تھا۔ اگرچہ وہ ناحق پر ہو۔ اسلام نے اگر اس سے روک دیا اقارب کی قرابت داری کو برقرار رکھا، مگر ظالم کی حمایت کو ناروا قرار دیا۔ ایک دفعہ کسی شخص نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا کہ کیا اپنے اقارب سے محبت رکھنا تعصب میں داخل ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، تعصب یہ ہے کہ تو اپنے خاندان کی بے انصافی میں مدد کرے۔

(مشکوٰۃ شریف)

اسلام میں قوم اور قبیلہ کی بنا پر فخر کرنے کی اجازت نہیں۔ سورۃ الحجرات میں فرمایا۔ کہ ہم نے تمہیں اقوام و قبائل میں صرف تعارف کے لئے تقسیم کیا ہے۔ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ اعزاز و اکرام کا مستحق وہ ہے جو تقوے کے وصف میں سب سے پیش پیش ہو۔

خلاصہ یہ کہ دین اسلام نے قرابت داری کا حکم دیا ہے۔ مگر بے جا طرفداری تعصب کو ممنوع قرار دیا ہے۔

Marfat.com

سوالات

۱۔ اقارب سے حسنِ سلوک کہاں ضروری ہے۔ قرآنی آیات سے استشہاد کیجئے۔

۲۔ احادیث نبویہ سے ثابت کیجئے کہ اقارب سے حسن سلوک ضروری ہے؟

۳۔ قرابت داری کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا کن دنیوی فوائد کا موجب ہے۔ اس سے کیا اثرات و نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۴۔ آنحضور کے اقارب نے آپ سے کیسا سلوک کیا۔ مثال دے کر وضاحت کیجئے؟

۵۔ قرابت داری کی حدود بیان کیجئے۔

Marfat.com

ہمسایہ

مفہوم اپنے گھر کے قریب رہنے والے شخص کو ہمسایہ اور پڑوسی کہتے ہیں، عربی میں اس کے لئے جارؔ کا لفظ مستعمل ہے، جس کی جمع جیرانؔ ہے۔ پڑوسی کی کوئی شرعی حد و دلائل کتاب و سنت سے متعین نہیں، قرب و جوار میں رہنے والے شخص پر پڑوسی کا اطلاق کیا جاتا ہے، کوئی شخص جس قدر قریب تر ہوگا، اسی طرح دوسرے ہمسایوں کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، میرے دو پڑوسی ہیں، اگر تحفہ بھیجنا چاہوں، تو کس کو بھیجوں؟ فرمایا جس کا گھر قریب تر ہو۔ (بخاری)

اپنے رشتہ داروں کے بعد انسان کا سب سے زیادہ تعلق اپنے پڑوسیوں سے ہوتا ہے۔ اگر اس کو مدد پہنچتی ہے، تو سب سے زیادہ انہی سے پہنچتی ہے۔ اسی لئے ایک سچے مذہب کا فرض ہے کہ وہ ایسی تعلیم پیش کرے جس پر عمل کرکے ہمسایوں کے باہمی تعلقات مضبوط تر ہو جائیں اور وہ ایک دوسرے پر جان چھڑکنے لگیں۔

قرآن کریم نے دو قسم کے ہمسایوں کا ذکر کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے،

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ (نساء۔ ۴۶)	اور (خدا نے) ہمسایہ قریب اور ہمسایہ بعید اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ نیکی کا حکم دیا ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ پڑوسیوں میں ان کو ترجیح دی جاتی ہے، جن کے ساتھ پڑوس اور ہمسائیگی کے علاوہ کوئی دوسرا تعلق بھی ہو۔ خواہ رشتہ داری کا ہو۔ یا ہم مذہبی کا یا کسی اور قسم کا۔ اس آیت کے پیش نظر کافر ہمسایہ کا حق سب سے کم مسلمان ہمسایہ کا اس سے زیادہ اور رشتہ دار ہمسایہ کا سب پر فائق ہوگا۔

مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں،

Marfat.com

"وحی محمدی نے ہمسایہ کے پہلو بہ پہلو ایک اور قسم کے ہمسایہ کو جگہ دی ہے، جس کو عام طور پر پڑوسی اور ہمسایہ نہیں کہتے، مگر وہ ہمسایہ ہی کی طرح اکثر ساتھ رہتا ہے۔ جیسے ایک سفر کے دو رفیق۔ ایک مدرسہ کے دو طالب علم ایک کارخانہ کے دو ملازم، ایک استاد کے دو شاگرد، ایک دکان کے دو شریک، یہ بھی دراصل ایک طرح کی ہمسائیگی ہے۔ اس کا دوسرا نام رفاقت اور محبت ہے۔ ان سب قسم کے ہمسایوں میں تقدم اس کو حاصل ہے، جس کو ہمسایہ کے علاوہ رشتہ داری یا ہم مذہبی کا یا کوئی اور دوسرا تعلق بھی ہو۔"

ہمسائیگی کی اہمیت

حق ہمسائیگی صرف شرعی اعتبار سے ہی نہیں۔ بلکہ اخلاقی اور معاشرتی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ انسانی تمدن کی بنیاد اشتراک عمل اور باہمی تعاون پر قائم ہے۔ اس دنیا میں ہر انسان دوسرے انسان کی مدد کا محتاج ہے۔ اگر لوگوں کو ایک دوسرے کی مدد حاصل نہ ہو تو ہمارا معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ ہر انسان کا فرض ہے کہ اگر اس کا بھائی بھوکا ہو تو اسے کھانا کھلائے۔ تن پوشی کے لئے اس کے پاس کچھ نہ ہو۔ تو کپڑوں سے اس کی مدد کرے۔ اگر وہ بیمار ہو۔ تو اس کی تیمار داری کرے اور رنج و راحت میں اس کا دست و بازو بنا رہے۔

صحابہ کرام حق ہمسائیگی کو اس حد تک ملحوظ رکھتے تھے کہ جب فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، نے ایک چھاؤنی سے کوچ کا حکم دیا۔ سپاہی خیمے اکھاڑنے لگے تو دیکھا کہ فاتح مصر کے خیمے پر ایک کبوتری نے آشیانہ بنا کر انڈے دے رکھے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا۔ یہ کبوتری ہماری ہمسایہ ہے۔ جب تک انڈوں سے بچے نکل کر اڑنے کے قابل نہ ہو جائیں خیمہ اکھاڑا نہ جائے۔ آپ نے آشیانہ پر ایک محافظ مقرر کر دیا۔ کچھ دن بعد جب واپس آئے۔ تو خیمہ کے گرد ایک شہر آباد کیا جس کا نام فسطاط (خیمہ) رکھا۔ یہ شہر آج تک اسی نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

Marfat.com

پڑوس کی اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کو پڑوسی سے رنج والم پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے ایک اچھے مذہب کا فرض ہے کہ دونوں کو باہم ملائے رکھے تاکہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آئے۔ اور یہ پڑوس بہشت کا نمونہ معلوم ہو۔ عربوں میں دوسری قوموں سے زیادہ اسلام سے پہلے بھی پڑوس اور ہمسائیگی کے حقوق نہایت اہم تھے۔ اگر کسی عرب کے پڑوسی پر ظلم کیا جاتا یا کوئی شخص اس کی عزت و آبرو پر حملہ آور ہوتا تو دوسرا پڑوسی اسے گوارا نہ کر سکتا۔ اور اس کی خاطر لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جاتا۔ اسلام نے آکر عربوں کے اس احساس کو اور زیادہ قوت بخشی۔ البتہ اتنی ترمیم کر دی کہ ظلم و تعدی میں پڑوسی کی حمایت نہ کی جائے۔ نصرت و حمایت نیکی کے کاموں میں ہونی چاہیئے بدی میں نہیں۔

ہمسایہ اگر اچھا ہو تو اس سے بڑے فوائد کی توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ ہر وقت کا شریک رنج وراحت ہوتا ہے۔ وہ ایسے آڑے وقت میں کام آ سکتا ہے جب رشتہ دار بھی مدد کو نہ پہنچ سکیں اور اگر موذی اور بدفطرت ہو تو اس کی رنج رسانی سب دشمنوں پر سبقت لے جاتی ہے۔ اس لئے عقل و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ ہر حال میں ہمسایہ سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ اس کے دکھ سکھ میں شرکت کی جائے۔ حوادث روزگار میں اس کا ساتھ دیا جائے۔ تاکہ حسن سلوک پر امن زندگی کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ اسلام جو دین فطرت ہے۔ اس نے ان ہی مصلحتوں کے پیش نظر ہمسایہ کا خیال رکھنے کی بڑی تاکید کی ہے۔

ہمسایوں کے حقوق سے متعلق سرور کائنات کے ارشادات

۱۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے مجمع میں بڑے دل نشیں انداز میں فرمایا "خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا۔ خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا۔ خدا کی قسم وہ مومن نہ ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ "کون یا رسول اللہ!" فرمایا "وہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں" (صحیح بخاری)

Marfat.com

۲۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو قراد سے روایت ہے۔ کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ تو صحابہ تبرک کے طور پر آپ کے وضو کے پانی کو منہ پر ملنے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے دریافت کیا۔ کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ خدا اور رسول کی محبت کی وجہ سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھے، یا اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھیں، تو اسے چاہیئے کہ جب بولے سچ بولے۔ جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے۔ تو اس میں خیانت نہ کرے اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ (شعب الایمان)

۳۔ آپ نے فرمایا جو شخص خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیئے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔ (صحیح بخاری)

۴۔ آپ کا ارشاد ہے کہ جو شخص خدا اور روز جزا پر اعتقاد رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے۔ (صحیح بخاری)

۵۔ آپ نے فرمایا خدا کے نزدیک ساتھیوں میں بہتر وہ ہے۔ جو اپنے ساتھی کے لئے بہتر ہو۔ اور پڑوسیوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لئے بہتر ہو۔ (ترمذی)

۶۔ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جبرائیل مجھے ہمسایہ کے بارے میں یہاں تک تاکید کرتے رہے۔ کہ میں سمجھا کہ اسے وارث قرار دینے لگے ہیں۔ (بخاری)

۷۔ آپ نے فرمایا، تمہیں کیا معلوم ہمسایہ کا کیا حق ہے۔ خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ ہمسایہ کے حقوق ادا کرنے کی توفیق اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جس کے شامل حال ہو۔ (بخاری)

ہدیہ اور تحفہ دینا محبت میں بیش بہا اضافہ کا موجب ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کو اس کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ہدیہ اور تحفہ

Marfat.com

کے لیے کسی بیش قیمت چیز کی ضرورت نہیں، بلکہ کھانے پینے کی معمولی چیزیں بھی اس کے لیے کافی ہیں۔

۸۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے ابوذر غفاری کو نصیحت فرمائی۔ کہ اے ابوذر جب شوربہ پکاؤ تو پانی بڑھا دو۔ اور اس سے اپنے ہمسایوں کو تحفہ دو۔ (صحیح مسلم)

۹۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ کون شخص مجھ سے یہ کلمات سن کر ان کو یاد رکھتا اور ان پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ یا اس شخص کو سکھاتا ہے جو ان پر عمل کرے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے اٹھ کر کہا "یا رسول اللہ! میں اس کے لیے تیار ہوں۔" تب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر پانچ باتیں گنوائیں اور فرمایا

(۱)۔ جن چیزوں کو خدا نے حرام کیا ہے ان سے بچو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم سب لوگوں سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔

(۲)۔ اپنی تقدیر پر شاکر رہو تم سب لوگوں سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔

(۳)۔ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو تم کامل مومن ہو جاؤ گے۔

(۴)۔ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ وہی دوسروں کے لیے پسند کرو۔ تم پورے مسلمان بن جاؤ گے۔

(۵)۔ زیادہ مت ہنسو۔ کیوں کہ زیادہ ہنسنے سے دل مرجاتا ہے۔ (ترمذی)

۱۰۔ آپ نے خاص طور پر عورتوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اے مسلمانوں کی بیویو! تم میں سے کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لئے حقیر نہ سمجھے۔ اگرچہ بکری کی کھری ہی کیوں نہ ہو (بخاری)

ارشاد حضور کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو بھیجنے والی بیوی اپنے معمولی تحفہ کو حقیر سمجھ کر اپنی پڑوسن کو نہ بھیجے اور نہ دوسری بیوی اس معمولی تحفہ کو حقیر خیال کرے۔

۱۱۔ آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا" بدکاری حرام ہے۔ خدا اور رسول نے اس کو حرام قرار دیا ہے لیکن دس بدکاریوں سے بڑھ کر یہ ہے کہ کوئی اپنے

Marfat.com

پڑوسی کی بیوی سے حرام کاری کرے۔ چوری حرام ہے۔ خدا اور رسول نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ لیکن دس گھروں میں چوری کرنے سے بڑھ کر یہ ہے کہ کوئی اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چرائے۔ (ادب المفرد امام بخاری)

۱۲۔ دو صحابیہ تھیں جن میں سے ایک رات بھر نماز پڑھا کرتیں۔ دن کے روزے رکھتیں، صدقات و خیرات بھی کرتیں، مگر تیز زبان تھیں۔ پڑوسیوں کو ستاتی تھیں۔ لوگوں نے ان کا حال آپؐ سے عرض کیا۔ تو فرمایا ان میں کوئی نیکی نہیں۔ ان کو دوزخ کی سزا ملے گی۔ پھر صحابہ نے دوسری بیوی کا حال سنایا۔ جو صرف فرض نمازیں پڑھ لیتیں اور معمولی صدقہ دے دیتیں۔ مگر کسی کو ستاتی نہ تھیں۔ فرمایا یہ بیوی جنتی ہوگی۔ (ادب المفرد امام بخاری)

توراۃ و انجیل میں حق ہمسائیگی

توراۃ میں لکھا ہے "تم اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی مت دو۔ تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر۔ تو اپنے پڑوسی کی بیوی، اس کے غلام اور اس کی لونڈی اور اس کے بیل اور اس کے گدھے اور کسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے، لالچ نہ کر۔" (خروج ۲۰۔۱۷)

"تو اپنے پڑوسی سے دغا بازی نہ کر نہ اس سے کچھ چھین۔" (احبار ۱۹۔۱۳)

حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا۔

"تو اپنے پڑوسی کو ایسا پیار کر جیسا اپنے آپ کو" (مرقس ۱۲۔۳۰)

پڑوسی کے حقوق

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

تم جانتے ہو پڑوسی کا کیا حق ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اس کے حقوق یہ ہیں کہ اگر وہ تم سے مدد کی درخواست کرے تو مدد دو۔ قرض مانگے تو قرض دو۔ محتاج ہو۔ تو اچھا سلوک کرو۔ بیمار ہو تو عیادت کرو۔ مر جائے تو جنازے کے

Marfat.com

ساتھ جاؤ۔ خوشی کے موقع پر مبارک باد اور غم کی حالت میں تعزیت بجا لاؤ۔ اپنے گھر کی دیوار اتنی بلند نہ کرو، کہ اس سے ہوا رک جائے، پھل خریدو۔ تو اُسے بھی بھیجو۔ اور اگر نہیں بھیج سکتے تو پوشیدہ رکھو۔ اور اپنے بچوں کو پھل ہاتھ میں لئے ہوئے باہر نہ جانے دو کیوں کہ تمہارے بچوں کے ہاتھ میں پھل دیکھ کر اس کے بچے رنجیدہ ہوں گے۔ (احیاء علوم الدین امام غزالی)

امام غزالی کی ذکر کردہ اس حدیث میں آنحضورؐ نے پڑوسی کے حقوق کی تفصیلاً نشان دہی فرما دی۔ ان تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ ہر صحابی اپنے پڑوسی کا بھائی اور خدمتگزار بن گیا تھا۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے دیکھا کہ حضرت جابرؓ گوشت کا ایک بڑا ٹکڑا اٹھائے جا رہے تھے، دریافت کیا، کیا ہے؟ حضرت جابر نے عرض کیا۔ امیر المومنین! گوشت کھانے کو جی چاہتا تھا۔ ایک درم کا گوشت خریدا ہے فرمایا اے جابر! کیا اپنے پڑوسی یا عزیز کو چھوڑ کر صرف اپنے پیٹ کی فکر کیا چاہتے ہو کیا یہ آیت بھول گئے۔

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔	تم نے دنیوی زندگی ہی میں اپنے مزے لوٹ لئے۔ اور ان سے فائدہ اٹھایا۔

(سورہ احقاف۔ ۲۰) (موطا امام مالک) (معطا امام مالک)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں، کہ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم میں تمہارا رزق تقسیم کیا ہے۔ اسی طرح تم میں تمہارے اخلاق اور سیرتیں بھی تقسیم کی ہیں۔ بے شک اللہ تعالےٰ روزی اس کو بھی دیتا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے اور اس کو بھی جس کو وہ پسند نہیں کرتا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ کوئی بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور اس کی زبان مطیع فرمان نہ ہو جائیں، نیز وہ اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب

Marfat.com

تک اسکے پڑوسی اس کی ضرر رسانی سے محفوظ نہ ہوں (مسند احمد بن حنبل)

حضرت عمر کے عہد خلافت میں دو صحابیوں کے کھیت قریب قریب تھے، ان میں سے ایک صحابی ضحاک بن قیس نے دوسرے صحابی محمد بن مسلمہ کے کھیت سے پانی گزار کر اپنے کھیت تک پہنچانا چاہا، محمد بن مسلمہ نے انکار کیا۔

یہ معاملہ حضرت عمر کے پاس پہنچا۔ آپ نے محمد بن مسلمہ سے کہا آپ پانی گزارنے دیں۔ آپ کے پڑوسی کو بھی فائدہ ہے اور آپ خود بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، مگر انہوں نے نہ مانا۔ حضرت عمر نے پھر اصرار کیا، مگر محمد بن مسلمہ اس کے لئے تیار نہ ہوتے۔ آخر حضرت عمر نے فرمایا خدا کی قسم یہ پانی گزر کر رہے گا، خواہ تمہارے پیٹ پر سے ہو کر کیوں نہ جائے۔ چنانچہ ان کے کھیت سے نہر گزار دی گئی۔ (معطا امام مالک)

ہمسایہ کے بارے میں امام غزالی کے ارشادات

عظیم مفکر اسلام امام غزالی ہمسایوں کے حقوق کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"ہمسایوں کا حق یہی نہیں کہ اسے ضرر نہ پہنچایا جائے۔ کیونکہ یہ بات تو بے جان اشیا مثلاً اینٹ، پتھر وغیرہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ کہ اس سے کسی کو ایذا نہیں پہنچتی۔ بلکہ ہمسایہ دکھ پہنچائے تو صبر سے کام لے، اور صرف صبر پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ کہا گیا ہے کہ مفلس ہمسایہ قیامت کے دن اپنے امیر ہمسایہ سے جھگڑے گا، اور عرض کرے گا۔ کہ اے میرے پروردگار اس سے پوچھ کہ اس نے اپنے سلوک سے مجھے کیوں محروم رکھا۔ اور مجھ پر اپنا دروازہ کیوں بند کیا۔

ایک بزرگ کو پتہ چلا کہ ان کا ہمسایہ مقروض ہونے کی وجہ سے مکان فروخت کر رہا ہے۔ آپ اس کی دیوار کے سایہ میں بیٹھا کرتے تھے۔ یہ خبر سن کر فرمایا کہ اگر اس نے مفلسی کے سبب اپنا مکان فروخت کر دیا۔ تو ہم سے اس کی دیوار کے سایہ میں بیٹھنے کا حق بھی ادا نہ ہوا۔ پھر اس کو قرضہ کی رقم بھیج کر کہا کہ گھر کو مت فروخت کرو۔

اسی طرح کسی بزرگ کے گھر میں چوہے بہت ہو گئے تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ

Marfat.com

آپ بلی کیوں نہیں پال لیتے۔ انھوں نے کہا کہ یہ ڈر ہے کہ کہیں بلی کی آواز سن کر چوہے ہمسایوں کے مکان میں نہ چلے جائیں۔ جو بات میں اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ ان کے لئے کیوں پسند کروں۔

امام صاحب مزید فرماتے ہیں۔ ہمسایوں کے حقوق مختصراً یہ ہیں۔

۱۔ جب ہمسایہ سے ملے تو اسے پہلے سلام کرے۔
۲۔ اس کے ساتھ طویل گفتگو سے پرہیز کرے۔
۳۔ اس کی بیماری پرسی کرے اور مصیبت کے وقت اسے تسلی دے۔
۴۔ رنج والم میں اس کا ساتھ نہ چھوڑے۔
۵۔ خوشی کے موقعہ پر مبارک دے۔
۶۔ اس کی غلطیوں سے درگزر کرے۔
۷ چھت پر سے اس کے گھر نہ جھانکے۔
۸۔ دیوار پر شہتیر رکھنے اور پرنالہ لگانے سے نہ روکے۔
۹۔ اس کے گھر میں جانے کا راستہ تنگ نہ کرے۔
۱۰۔ ہمسایہ جو کچھ اپنے گھر میں لے جائے اسے نہ تاکے۔
۱۱۔ اس کے عیب کو چھپائے۔
۱۲۔ حادثہ میں اس کی مدد کرے۔
۱۳۔ جب وہ گھر میں موجود نہ ہو، تو اس کے مکان کی نگرانی کرے۔
۱۴۔ کسی سے اس کی برائی نہ سنے۔
۱۵۔ اس کے اہل خانہ سے نگاہ نیچی رکھے۔
۱۶۔ اس کے بچوں سے گفتگو میں نرمی برتے۔
۱۷۔ دین دنیا کی جو بات اسے معلوم نہ ہو اس کو ٹھیک بتا دے۔

(احیاء غزالی جلد ثانی)

Marfat.com

سوالات

۱۔ پڑوسی کسے کہتے ہیں، قرآن میں پڑوسی قریب و بعید کے مابین کیا امتیاز قائم کیا گیا ہے۔

۲۔ قرآن کریم کی روشنی میں ہمسائیگی کی اہمیت بیان کیجیے۔

۳۔ احادیث نبویہ کی روشنی میں ہمسائگی کی اہمیت بیان کیجیے

۴۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے بارے میں صحابہ کرام کا طرزِ عمل کیا تھا؟

۵۔ پڑوسی کے حقوق تفصیلاً بیان کیجیے۔

Marfat.com

باب ۲۵

شہری

مفہوم | شہری کا لفظ یہاں دیہاتی کے مقابلہ میں استعمال نہیں کیا جا رہا، لہٰذا یہاں شہری کے معنی شہر کا باشندہ نہیں، بلکہ شہری سے مراد وہ انسان ہے جو بخوشی خاطر کسی معاشرہ یا ریاست یا حکومت کے قانون و دستور کو قبول کر کے اس کی رکنیت اختیار کرے اور اس کے نصب العین کو صحیح تصور کرے۔ ایسا شخص گاؤں میں رہتا ہو، قصبہ میں یا کسی شہر میں اس ریاست کا شہری کہلائے گا۔ شہری ہونے کی حیثیت سے مسلم و غیر مسلم سب برابر ہیں۔ انگریزی میں شہری کے لئے (CITIZEN) کا لفظ ہے۔ جو غیر مسلم اسلامی ریاست کے زیر سایہ سکونت پذیر ہوا سے ذمی کہتے ہیں۔ سب لوگ ریاست کے وفادار اور اطاعت شعار ہونے کی صورت میں ریاست کی حدود کے اندر سکونت پذیر ہوں گے، ریاست و حکومت ان کی معاشی و سیاسی اور مذہبی ضروریات کی کفیل ہوگی۔ ان کی حفاظت کا اہتمام کرے گی؛ اور یہ اس کے صلہ میں حکومت کو مالی واجبات ادا کریں گے۔

شہری کے حقوق کا تحفظ اور اسلام | دین اسلام نے شہری (مسلم ہو یا غیر مسلم) کے حقوق کا کامل تحفظ کیا ہے۔ قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ دینی احکام کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ حقوق اللہ

۲۔ حقوق العباد

چونکہ اسلام امن و سلامتی کا پیامبر ہے، لہٰذا اس نے حقوق العباد پر بڑا زور دیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "روز قیامت سب سے پہلے حقوق العباد کا محاسبہ کیا جائے گا۔ اسلام نے بنی نوع انسان کے ہر طبقہ کے لئے جو حقوق مقرر کئے ہیں۔ اس میں شہری کے حقوق بھی شامل ہیں۔ شہری کا مفہوم بڑا

Marfat.com

وسیع ہے۔ اسے مسلم شہری کی حد بندی میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام کا دامن غیر مسلموں کے لئے ہمیشہ کشادہ رہا رہا، قرآن میں فرمایا۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۱

"کسی قوم کی عداوت تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے، کہ تم عدل و انصاف نہ کرو۔ عدل و انصاف کرو کیونکہ یہ بات تقوےٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اس آیت میں ہر فرد و بشر کو عدل و انصاف کا حکم دیا، قطع نظر اس کے کہ اس کا تعلق کسی مذہب و ملّت سے ہو۔ نبی کریم کا ارشاد گرامی ہے "تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔ (مستدرک حاکم)

یہ حدیث رحمۃ العالمین صلے اللہ علیہ وسلّم کی شانِ رحمت کو کتنی عمومیت کے ساتھ ظاہر کرتی ہے۔ ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا۔

"جو مسلمان کوئی درخت لگائے گا۔ اس سے جو انسان یا پرندہ کچھ کھائے گا، تو اس کا ثواب درخت لگانے والے کو ملے گا۔" (بخاری)

اس فیض کے عموم میں انسان کے علاوہ چرند پرند کو بھی داخل کر دیا۔ ایک اور حدیث میں فرمایا۔ تم اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرو، جو اپنے لئے چاہتے ہو۔

بھائی کے لفظ سے مسلمان بھی مراد ہو سکتا ہے، اور عام انسان بھی۔

صدقہ خیرات میں مسلم فقراء و مساکین کو ترجیح دینا، ایک فطرتی امر ہے۔ تاہم حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں غیر مسکینوں کے حقوق کا بھی خیال رکھا، قاضی ابو یوسف نے کتاب اخراج میں لکھا ہے، کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے دیکھا کہ ایک غیر مسلم بوڑھا جو اندھا بھی تھا، ایک دروازہ پر کھڑا بھیک مانگ رہا ہے۔

حضرت عمرؓ نے پیچھے سے اس کے بازو پر ہاتھ مارا، اور پوچھا کہ تم کو بھیک مانگنے کی ضرورت کیا پڑی، اس نے کہا، جزیہ ادا کرتے " اپنی ضرورت پوری کرنے اور بڑھاپے

Marfat.com

کی وجہ سے بھیک مانگتا ہوں۔ حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لائے اور اپنے گھر سے اسے کچھ دیا پھر اسے بیت المال کے خزانچی کے پاس بھیجا اور کہا کہ ایسے لوگوں کو تلاش کرو، خدا کی قسم ہم انصاف نہیں کریں گے۔ اگر ہم اس کی جوانی کی کمائی تو کھائیں اور اس کے بوڑھے ہونے پر اس کی مدد نہ کریں۔

یہ مسئلہ مشہور ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے عام صدقے غیر مسلموں کو دیئے جا سکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی خاندان کو صدقہ دیا، ام المومنین حضرت صفیہ نے اپنے دو یہودی رشتہ داروں کو ۳۰ ہزار درہم کی مالیت کا صدقہ دیا۔ امام مجاہد کہتے ہیں کہ مشرک رشتہ دار کا قرض معاف کر دینا ثواب کا کام ہے، ابن جریج محدث فرماتے ہیں، کہ قیدی کو کھلانا کارِ ثواب ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صحابہ کے زمانہ حکومت میں مشرک ہی قید ہو کر آتے تھے، آنحضرت کے زمانے میں حضرت عمر نے اپنے مشرک بھائی کو تحفہ بھیجا (صحیح مسلم)

روایت میں آیا ہے، کہ صحابہ جب مذہبی اختلاف کی وجہ سے غریب مشرکوں کی مدد سے دست کش ہو گئے تو یہ آیت اتری،

"ان کو ہدایت دینا تیرے اختیار کی بات نہیں۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے راہ پر لے آتا ہے۔ اور جو مال تم خرچ کرو گے۔ اس کا فائدہ تمہیں کو پہنچے گا،

(سورۃ بقرہ - ۲۷)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا،

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک پورا مومن نہیں ہو گا، جب تک وہ اور لوگوں کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے۔ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے،"

(مسند احمد۔ جلد ۳، صفحہ ۲۷۲)

اس حدیث میں محبت انسانی کی وسعت سازی انسانی برادری تک وسیع کر دی گئی ہے۔ (سیرت النبی سید سلیمان)

ایک شہری کے حقوق کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

۱۔ مذہبی حقوق ۲۔ معاشی حقوق

۳۔ معاشرتی حقوق ۴۔ سیاسی حقوق

۱۔ **مذہبی حقوق**

۱۔ عقیدہ کی آزادی۔

ہر شہری کو کامل آزادی حاصل ہے کہ جون سا مذہب چاہے اختیار کرے۔ دین اسلام اسلامی ریاست میں رہنے والوں کو پوری آزادی دیتا ہے۔ اس ضمن میں قرآن کریم نے بڑا بے لاگ فیصلہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین اسلام میں جبر نہیں۔

(البقرہ۔ ۲۵۶)

اسلامی ریاست اپنی غیر مسلم رعایا کو تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کرتی۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم سلاطین اس ضمن میں بڑے کشادہ دل واقع ہوئے ہیں۔ عباسی خلافت کے زریں دور میں غیر مسلم بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں کبھی ان سے تبدیل مذہب کے لئے نہیں کہا گیا۔ خود ہندوستان میں یکے بعد دیگرے متعدد مسلم خاندان وارث تاج و تخت ہوئے۔ اگر وہ چاہتے تو سرزمین ہند کے طول و عرض میں کسی غیر مسلم کو زندہ باقی نہ چھوڑتے۔ مگر انہوں نے عین اس کے برخلاف وسیع النظری اور عالی ظرفی سے کام لیتے ہوئے غیر مسلموں سے رواداری برتی۔ اور ان کو حکومت کی کلیدی آسامیاں تفویض کر دیں۔ جلال الدین اکبر کا عہد حکومت اس کی بہترین مثال ہے۔

جس طرح ایک غیر مسلم کو اسلامی ریاست میں کامل آزادی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کو اس کی کھلی اجازت ہے کہ مختلف فقہی مسالک مثلاً حنفی، شافعی مالکی یا حنبلی میں سے جون سا طرز فکر چاہیں اختیار کریں، یا براہ راست کتاب و سنت کی پیروی کریں۔ اور کسی بھی فقہی مکتب خیال کی تقلید جامد کو اپنے لئے ضروری نہ سمجھیں۔ جس طرح آئمہ اربعہ کے ظہور سے قبل لوگ براہ راست قرآن و حدیث کا اتباع کرتے تھے، اسلامی ریاست کو یہ حق حاصل نہیں کہ لوگوں کو کسی خاص مکتب خیال کی پیروی پر

Marfat.com

مجبور کرے۔

خلیفہ منصور و ہارون نے جب مالکی فقہ کو بزور ملک میں رائج کرنا چاہا، تو امام مالک نے یہ کہہ کر اس سے باز رکھا کہ علماء کا (فرعی) اختلاف اس امت کے لیئے رحمت الٰہی ہے۔ البتہ اسلامی ریاست کو یہ حق حاصل ہے، کہ وہ اندرون ملک کفر و الحاد کی ترویج و اشاعت کو روک دے اور ملک میں ایسے افکار و نظریات کو پھلنے پھولنے نہ دے جو اسلام کے بنیادی افکار و عقائد سے متصادم ہوں۔

ب۔ عبادت کی آزادی،

ریاست کا شہری اس امر میں آزاد ہونا چاہیئے، کہ وہ اپنی مذہبی روایات کے مطابق عبادت کر سکے، اس کے ساتھ ساتھ عبادت گاہوں کا تحفّظ اور ان کی تعمیر بھی حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔

مسلمان ہمیشہ یہود و نصاریٰ کے معابد کی حفاظت کرتے رہے ہیں، اور انہوں نے کسی عبادت گاہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی،

معاشی حقوق

ا۔ ذریعہ معاش،

ہر انسان کو آزادی ہونی چاہیئے، کہ وہ حسب مرضی ذریعہ معاش اختیار کر سکے، بشرطیکہ وہ ذریعہ معاش شرعی یا اخلاقی اعتبار سے ناجائز نہ ہو، مثلاً جوا بازی، چور بازاری اور حرام اشیاء مثلاً شراب وغیرہ کی خرید و فروخت۔ اس حق کے زیر اثر حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنے شہریوں کے لیئے تجارتی سہولتیں مہیا کرے، تاکہ وہ اپنے کاروبار کو فروغ دے سکیں،

ب۔ ہر شہری اپنی وسعت اور استعداد کے مطابق دولت کما سکتا ہے۔ یہ دولت اس کی انفرادی ملکیت ہے، جس کا حکومت سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ حکومت اپنے جائز واجبات وصول کرنے کی مجاز ہے۔ اسلام میں معاشی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی جسمانی و ذہنی صلاحیت کو کام میں لا کر دولت کمانے کا مجاز ہے۔ اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے، یہ ضروری نہیں کہ سب افراد کی معاشی حالت مساوی ہو۔

Marfat.com

البتہ یہ ضروری ہے کہ کوئی شخص اس سے محروم نہ رہے۔

ج۔ حکومت کا فرض ہے کہ رعایا کے مال کی حفاظت کرے۔ اور اس کو اغیار کی دست اندازی سے بچائے۔

د۔ تمام شہری اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ اپنی صحت کے تحفظ کے لئے مناسب اوقاتِ کار کا مطالبہ کریں۔ اور معقول مزدوری حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔ اس قسم کی مساعی کو بغاوت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ معاشرتی حقوق

ا۔ جینے کا حق۔

ایک شہری جس ریاست کا باشندہ ہو، اس میں اسے زندگی بسر کرنے کا حق حاصل ہے، حکومت کا فرض ہے کہ اس کی جان و مال کی حفاظت کرے، تاکہ وہ پُر امن زندگی بسر کر سکے۔

ب۔ قانونی مساوات کا حق۔

ریاست کے ہر شہری کو قانونی مساوات حاصل ہونی چاہییں، اسلامی ریاست کا قانون امیر و غریب، مسلم و کافر سب کے لئے یکساں ہوتا ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ قانونی مساوات کا ایک بنیادی پہلو یہ بھی ہے کہ وہ بلا معاوضہ ہو۔

مسلم سلاطین کی قانونی مساوات ضرب المثل کی حد تک مشہور ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت کا واقعہ ہے کہ آپ کی زرہ گم ہو گئی، زرہ کچھ مدت کے بعد ایک یہودی کے پاس دیکھی گئی۔ مقدمہ عدالت میں پہنچا اور حضرت علی بنفسِ نفیس فریقِ مقدمہ کی حیثیت سے تشریف لائے، آپ کے پاس چونکہ گواہ نہ تھا، اس لئے قاضی نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ آپ نے قطعاً برا نہ مانا۔ یہودی کو معلوم تھا کہ یہ زرہ حضرت علی کی ہے، لیکن قانونی ثبوت مہیا نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو نہ مل سکی۔ وہ اسلامی انصاف کا یہ عالم دیکھ کر ایمان لے آیا۔

ج۔ عزت و آبرو۔

معاشرتی اعتبار سے تمام شہری مساوی ہیں، ان کی ناموس و آبرو بھی یکساں اہمیت

Marfat.com

رکھتی ہے۔ کسی کی بے عزتی کرنا، بہتان لگانا، گالی گلوچ دینا حکومت میں ممنوع ہونا چاہیئے
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمانوں پر ایک دوسرے کی توہین حرام ہے۔

د۔ آزادیٔ تحریر و تقریر۔
ہر شہری کو تحریر و تقریر کی آزادی حاصل ہونی چاہیئے تاکہ وہ دیانت داری سے
اپنا مافی الضمیر واضح کر سکے۔ اور اس میں اس پر کوئی پابندی نہ ہو۔

ر۔ پرامن اجلاس۔
ریاست کے شہری پرامن اجلاس کر کے اپنے افکار و آراء کا اظہار کر سکتے ہیں بشرطیکہ
اس میں قانون شکنی سے احتراز کیا جائے۔ اور فساد کا اندیشہ نہ ہو۔

معاشرتی حقوق کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ مثال کے طور پر چند امور کا ذکر کیا گیا ہے۔
اس میں طبی امداد کے حق، گھریلو زندگی کی آزادی کے حق اور حق تعلیم نیز جائداد بنانے کے حق
کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ ریاست کے شہریوں کے لئے یہ تمام
مراعات مہیا کرے۔

۴۔ سیاسی حقوق

ا۔ ووٹ دینے کا حق۔
اسلامی حکومت عوام کے مشورے سے قائم کی جاتی ہے۔
اس کے ہر عاقل و بالغ شہری کو رائے دہی کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔ تاکہ ہر شخص کامل
آزادی سے اپنے ووٹ کا استعمال کرے۔

ب۔ حقِ تنقید۔
ریاست کے ہر شہری کو یہ حق حاصل ہونا چاہیئے۔ کہ حکومت پر تعمیری تنقید کر سکے۔
خلافتِ راشدہ کے دوران عوام برملا خلفاء پر تنقید کرتے تھے اور خلفاء نہ صرف اسے
گوارہ کرتے بلکہ اس پر اظہار خوشنودی کرتے تھے۔

ج۔ حکومت کے مناصب۔
ہر شہری کا حق ہے۔ کہ وہ حسب استعداد حکومت کے ہر عہدے پر فائز ہو سکے، اس
میں کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھا جائے۔

Marfat.com

شہری کے فرائض

حقوق کے علاوہ ایک شہری کے کچھ فرائض بھی ہیں۔

۱۔ **حکومت کی اطاعت** :۔ ایک شہری کا فرض اولین ہے کہ وہ حکومت وقت کی مکمل اطاعت کرے۔ ملک کا وفادار ہو اور اس کی ترقی و سلامتی میں کوشاں رہے۔ قرآن کریم میں مسلم حکام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ ہادیٔ برحق صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو۔ اور امیر کا حکم سنو اور بجالاؤ۔ اگرچہ کوئی غلام تم پر امیر ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ اگرچہ وہ ناک کٹا حبشی غلام ہو۔ (مشکوٰۃ)

۲۔ **قانون کا احترام** :۔ قانون کا احترام بھی ایک شہری کے لئے از بس ضروری ہے، اگر سب لوگ قانون شکنی پر اتر آئیں تو ملک میں ابتری پھیل جائے۔ اس لئے ہر اچھا شہری قانون کا احترام کرتا اور قانون شکنی کو جرم خیال کرتا ہے۔

۳۔ **واجبات کی ادائیگی** :۔ حکومت کو مختلف مدات پر کثیر اخراجات کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اس لئے حکومت کے واجبات کو بخوشی ادا کرنا نہایت ضروری ہے۔

۴۔ **حکومت سے تعاون** :۔ ہر مسلمان شہری کا فرض ہے کہ حکومت سے تعاون کرے، قرآن حکیم میں اسے فرض قرار دیا گیا ہے۔

۵۔ **آمدنی کا جائز استعمال** :۔ اچھے شہری کا فرض ہے کہ آمدنی کو جائز اخراجات پر صرف کرے۔ اور جو رقم زائد ہو اسے رفاہ عامہ کے کاموں میں لگائے۔

اچھے شہری کے اوصاف

اسلامی زندگی کا ایک معیاری شہری درج ذیل اوصاف کا حامل ہوتا ہے۔

۱۔ وہ دل و جان سے حکومت کا وفادار ہوتا ہے۔

۲۔ وہ اپنے حقوق و فرائض سے کلیتہً نہ صرف آگاہ ہوتا ہے، بلکہ مستعدی و جانفشانی سے انہیں ادا کرتا ہے۔

۳۔ وہ ملکی قوانین کی پابندی کرنا اور حکومت سے تعاون کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔

Marfat.com

۴۔ وہ قیامِ امن میں حکومت کا ساتھ دیتا ہے۔
۵۔ وہ ملک و ملت کے تحفظ و بقا کے لئے کوشاں رہتا ہے۔
۶۔ وہ نیکی کی اشاعت کرتا اور اخلاقی و معاشرتی برائیوں کا انسداد کرتا ہے۔
۷۔ وہ خدمتِ خلق کے جذبہ سے سرشار ہوتا ہے۔
۸۔ وہ ملک میں طبقاتی نسلی اور صوبائی تعصبات کو اجاگر نہیں کرتا۔
۹۔ وہ دوسروں کے عیوب کو تلاش نہیں کرتا۔
۱۰۔ وہ اخلاقِ حسنہ سے موصوف ہوتا ہے۔
۱۱۔ وہ متعصب اور تنگ نظر نہیں ہوتا۔
۱۲۔ وہ کسی کو ظلم و تعدی کا نشانہ نہیں بناتا۔

سوالات

۱۔ اسلام غیر مسلموں کے حقوق کا کہاں تک تحفظ کرتا ہے۔ غیر مسلم رعایا کے متعلق اسلامی احکام کا خلاصہ لکھیے۔
۲۔ ایک شہری کے حقوق کیا ہیں۔ تفصیلات لکھیے۔
۳۔ ایک شہری پر کون سے فرائض عائد ہوتے ہیں تفصیلاً لکھیے۔
۴۔ آپ کے خیال میں ایک اچھا شہری کن اوصاف کا حامل ہونا چاہیے۔
۵۔ ایک شہری کے معاشرتی فرائض کیا ہیں۔ تفصیلاً لکھیے۔

Marfat.com

اسلامی حکومت

حکومت کی ضرورت داخلی و خارجی انتظامات کے لئے حکومت کا قیام ناگزیر ہے۔ ریاست اور حکومت میں فرق یہ ہے کہ حکومت اس ادارہ کو کہتے ہیں جو کسی ریاست کا انتظام کرتا ہے۔ حکومت ریاست کے زیر اثر ہوتی ہے حکومت کو بدل بھی سکتے ہیں۔ قیام حکومت کے بغیر نہ ملکی حدود کا تحفظ ممکن ہے۔ نہ داخلی انتشار و خلفشار کو روکا جاسکتا ہے۔ ہر شہری کے کئی حقوق ہیں۔ اسی طرح اس کے ذمہ کچھ فرائض بھی ہیں۔ حکومت کے بغیر حقوق کی حفاظت و نگہداشت کی کوئی صورت ہے۔ نہ فرائض کی عدم ادائیگی پر زجر و عتاب کا کوئی امکان ہے۔ ظہور اسلام سے قبل جزیرہ نمائے عرب کی یہی حالت تھی۔ منظم حکومت نہ ہونے کے باعث ہر طرف غنڈہ گردی اور شر و فساد کا دور دورہ تھا۔ غارت گری اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ نہ مظلوم کسی کے آگے داستان غم و ستم بیان کرکے دادخواہی کا طالب ہوتا نہ ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے کوئی قوت حرکت میں آتی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مظلومی کی طویل داستان تھی۔ اسلام کی اقتصادی اور سیاسی قوت دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتی گئی۔ ۲ھ میں غزوۂ بدر کی شاندار فتح نے مسلمانوں کے لئے قوت و شوکت کا دروازہ کھول دیا۔ ماہ رمضان ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا جس نے کفار قریش کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ کفر ہمیشہ کے لئے مغلوب ہوگیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب فاتحانہ شان سے مدینہ لوٹے تو اسلامی حکومت کی تشکیل کے احساس نے کروٹ لی۔ آپ نے تاسیس حکومت کے سلسلہ میں پہلا کام یہ کیا، کہ قبائل میں محصلین زکوٰۃ کا تقرر فرمایا۔ لیکن دراصل خلافت الٰہی کے تمام اجزاء آخر ۱۰ھ حجۃ الوداع کے زمانہ میں تکمیل پذیر ہوئے۔ چونکہ آپ کا اصل مقصد دعوت اسلام اصلاح اخلاق اور تزکیہ نفس تھا۔ اس لئے آپ نے ملکی انتظامات اسی حد تک قائم کئے جہاں تک ملکی بدنظمی کے باعث دعوت توحید میں رکاوٹ پیدا ہوتی تھی۔

Marfat.com

اسلام کا تصوّرِ حکومت حکومت کے متعلق اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنا خلیفہ (نائب) بنا کر بھیجا ہے تاکہ جہاں تک ممکن ہو احکامِ خداوندی کی اطاعت کرنے اور اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر شرعی احکام کو دنیا میں نافذ کرے. قرآن کریم نے بتایا ہے کہ انسان کی غایت تخلیق اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت ہے. ارشاد فرمایا.

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ (الذاریات)	میں نے جن و انس کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں.

عبادت کا اطلاق بندگی اور اطاعت دونوں پر ہوتا ہے. آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ انسان دنیا میں خداوند تعالیٰ کی عبادت و اطاعت دونوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ انسان طبعاً اس کے لئے تیار نہیں اس کے مختلف وجوہ اسباب ہیں.

۱. انسان طبعاً تغافل شعار واقع ہوا ہے.

۲. دنیوی حرص و ہوا عبادتِ خداوندی سے مانع ہے.

۳. انسان مختلف مصروفیات و مشاغل میں منہمک ہو کر عبادتِ خداوندی بجا لانے سے قاصر رہتا ہے.

خلافتِ ارضی ان امور و اسباب کا تقاضا ہے کہ کوئی بالائی قوت ہونی چاہیئے. جو انسان سے امر خداوندی کی تعمیل کرائے، اور نافرمانی ہونے سے بچائے، ظاہر ہے کہ یہ اختیار اسی انسان کو ودیعت کیا جاتا ہے. جو ہر لحاظ سے اس کا اہل ہوتا ہے، اس کو امیر، خلیفہ یا امام کہتے ہیں.

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	خدا نے تم میں سے ایمانداروں،
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	اور نیکوکاروں سے وعدہ کیا ہے
فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ	کہ ان کو زمین میں اپنی خلافت
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ	اسی طرح عطا کر دے گا جس

Marfat.com

لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط " (سورہ نور)

طرح کہ گزشتہ امتوں کو اس نے اپنی خلافت عطا کی تھی۔ اور ان کے اس دین کو جس کو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ قوت بخشے گا۔ اور ان کی بے امنی کو امن سے بدل دے گا۔

یہ آیت کریمہ اس حقیقت کی غمازی کرتی ہے۔ کہ خدا کی اس امانت (خلافت ارضی) کا بار انہی لوگوں میں ڈالا جاتا ہے۔ جو مندرجہ ذیل اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔

۱۔ وہ ایماندار ہوں۔

۲۔ اعمال صالحہ انجام دیتے ہوں۔

۳۔ خدا کی عبادت کرتے ہوں۔

۴۔ شرک سے بے زار ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر جو قوم ایمان نہیں رکھتی یا اس کے احکام کو تسلیم نہیں کرتی خواہ وہ کس قدر طاقت ور با اقتدار اور زور آور ہو، وہ خلافتِ الٰہی سے بہرہ ور نہیں ہو سکتی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حاکمیت مطلقہ صرف خدا کی ذات کے لئے ہے دنیا میں جو حاکم ہو گا۔ وہ صرف خدا کا خلیفہ ہو گا۔ دوسرے یہ کہ خلیفہ بنانے کا وعدہ تمام مومنوں سے کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ تمام مومن خلیفہ بننے کے مستحق ہیں اور جو خلافت ان کو ملے گی۔ وہ عمومی حیثیت رکھے گی۔ کسی ایک شخص یا خاندان یا نسل یا طبقہ میں محدود نہ ہو گی۔ بالفاظ دیگر ہر مومن خدا کا خلیفہ ہے اور اسی حیثیت سے خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔

مدینہ منورہ تشریف لا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومتِ الٰہیہ کی تشکیل فرمائی، آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ کو یہ عظیم امانت سونپی گئی۔ خلافتِ راشدہ صحیح معنے میں حکومتِ الٰہیہ اور نیابتِ نبوت تھی۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خلفاء

Marfat.com

راشدین با ایمان مخلص عبادت گزار اور نیکوکار تھے، انہی صفات کی بنا پر اس عظیم امانت کے لئے ان کا انتخاب عمل میں آیا۔

خلافت کے لئے امارت اور امامت کے الفاظ بھی استعمال کئے جاتے ہیں، مگر ان کا اطلاق بادشاہی پر بھی کیا جاتا ہے، جب کہ خلافت کا لفظ خاص ہے، اور صرف اسی امارت یا امامت پر بولا جاتا ہے، جو جادۂ سنت پر مبنی ہو۔ آج کل حکومت کا لفظ عام معنوں میں بولا جاتا ہے۔ اس میں خلافت و امامت اور امارت سب شامل ہیں۔ اسلامی حکومت نہ تو خالص جمہوریت (DEMOCRACY) ہے۔ کہ جس میں تمام لوگ حکومت کا قانون بناتے ہیں اور اس میں ردّ و بدل کا پورا حق رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی یہ وہ تھیوکریسی (THEOCRACY) ہے جس میں پورے اختیارات مخصوص مذہبی طبقہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اور وہ ان کو قوانین الٰہی کی حیثیت سے نافذ کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت کو الٰہی جمہوری حکومت کہا جاتا ہے۔ اس حکومت میں لوگوں کی رائے سے ایک مجلس عاملہ بنائی جاتی ہے۔ وہ اس مجلس کو توڑ بھی سکتے ہیں۔

اسلامی و غیر اسلامی حکومت کے مابین وجہ امتیاز

اسلامی حکومت انسانی ذہن کے اختراع کردہ قوانین کی مرہون منت نہیں ہوتی، نہ اسے انسانی قواعد و ضوابط کا کچھ احتیاج ہوتا ہے۔ اس کے پاس ایک بنا بنایا دستور ہوتا ہے جو اس خطۂ ارضی پر بسنے والے تمام بنی نوع انسان کی ضروریات کا کفیل ہے۔ انسانی تمدن بدلتا رہتا ہے۔ انسانی ذہن کے سانچے نئے نئے قالب اختیار کرتے ہیں، ہر ملک اور ہر قوم کے جذبات و احساسات طرز بود و باش اور طرز فکر و نظر میں بڑا فرق ہوتا ہے، مگر دستور الٰہی کبھی نہیں بدلتا اور بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہوتا ہے، یہ دستور اس قانون ساز حقیقی کا وضع کردہ ہے۔ جو علیم و خبیر اور علام الغیوب ہے۔ اسے انسانی ضروریات کا بخوبی علم ہے اور اس کا وضع کردہ قانون ان سے پوری طرح میل کھاتا ہے۔

اسلامی حکومت میں خلیفہ صرف احکام کو نافذ کرتا ہے، وضع نہیں کرتا، اس لئے

Marfat.com

اقتدار اعلیٰ قانون سازِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے قبضہ میں ہوتا ہے۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" حکم صرف خدا کا ہے۔

(الانعام ر ۷)

اس آیت سے خلیفہ و امیر کے حدودِ اختیار پر بھی روشنی پڑتی ہے، کہ وہ اپنی طرف سے کوئی ایسا حکم نہیں دے سکتا، جو اللہ و رسول نے نہ دیا ہو۔ اگر وہ ایسا حکم دے گا، تو وہ قابل اطاعت نہیں، گویا اطاعت اللہ کی ہے، امیر کی نہیں، البتہ امیر اس لئے بھی واجب الاطاعت ہے کہ وہ خدا کے احکام دنیا میں نافذ کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اطاعتِ امیر پر بڑا زور دیا گیا ہے، قرآن میں فرمایا۔

مسلمانوں اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں، ان کی اطاعت کرو۔ پھر اگر کسی بات میں حاکم وقت سے تمہارا اختلاف ہو تو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی یہی طریقہ اچھا ہے۔

(سورہ نساء۔ رکوع ۸)

اس آیت میں اولوالامر (حاکمِ وقت) کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، بشرطیکہ وہ "منکم" (مسلمانوں) میں سے ہی کی شرط کا حامل ہو، احادیثِ نبویہ میں اطاعتِ امیر کی تاکید کی گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت وہ ہے جو انسانی قانون کے بجائے اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ قوانین پر عمل پیرا ہو، یہ ضروری نہیں کہ جس ریاست و حکومت میں مسلمان بود و باش رکھتے ہوں اور ان کا حاکم بھی مسلمان ہو، اس ریاست کو بھی اسلامی کہا جائے۔ اسے مسلم حکومت یا مسلم سٹیٹ تو کہا جا سکتا ہے مگر اسلامی حکومت کے نام سے نہیں پکارا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

خلیفہ کا انتخاب خلافت کا حق پوری ملت کو عطا ہوتا ہے۔ اس ملت کے سب افراد نظم و نسق میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ افراد ملت میں چند دیندار اور اہل آدمیوں کا انتخاب کر کے ایک مجلس شوریٰ مرتب کی جاتی ہے۔ یہی مجلس شوریٰ خلیفہ کا انتخاب کرتی ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ - ۳۸) — وہ اپنے معاملات مشورہ سے طے کرتے ہیں۔

شوریٰ:

مجلسِ شوریٰ کے تمام ممبر قابل، دیانت دار اور ہر لحاظ سے اس کے اہل ہوں۔ خلیفہ کے انتخاب کے لئے مجلس شوریٰ کا انتخاب شرط نہیں، بلکہ ملتِ اسلامیہ کی رضامندی اور عام پسندیدگی ضروری ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے وقت کوئی مجلس شوریٰ نہ تھی۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جو لوگ موجود تھے۔ انہوں نے آپ کی بیعت کر لی تھی۔ اس کے بعد عام لوگوں نے بیعت کر لی۔ اور کسی نے ناپسندیدگی کا اظہار نہ کیا۔ حضرت عمر کو حضرت ابوبکر صدیق نے خلیفہ مقرر کیا تھا۔ سب لوگوں نے اس پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ حضرت عمر فاروق نے لائق ترین اشخاص کی ایک جماعت کو انتخاب کر کے یہ کہا تھا کہ اپنے میں سے ایک کو خلیفہ چن لیں۔ انہوں نے حضرت عثمان کو خلیفہ منتخب کیا۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد اہل مدینہ نے حضرت علی کو خلافت کے لئے چنا۔ اہل شام کے سوا سب لوگ آپ کی بیعت پر متفق ہو گئے۔ خلفائے راشدین کا طریق انتخاب گو جداگانہ نوعیت کا تھا۔ مگر جمہوریت کی روح ہر انتخاب میں موجود تھی اور یہی اصل مقصود ہے۔

اس سے خلافت اور بادشاہت کا فرق بھی واضح ہو گیا۔ خلیفہ شوریٰ کا انتخاب کردہ ہوتا ہے۔ بخلاف ازیں ایک بادشاہ کو سابق حکمران نامزد کرتا ہے۔ علاوہ ازیں بادشاہ کے ہاتھ میں اقتدار اعلیٰ ہوتا ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے حکومت کرتا ہے۔ مگر خلیفہ اقتدار اعلیٰ پر قابض نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ صرف احکام خداوندی کو دنیا میں نافذ کرتا ہے۔ خود حکم صادر نہیں کرتا۔ دین اسلام میں خلیفہ کے عزل و نصب کا حق پوری قوم کو ہوتا ہے۔ خلافت اسی صورت میں صحیح ہو گی جب اس میں شوریٰ کی روح کارفرما ہو۔ خلافت کا منصب

Marfat.com

انسانوں کو بحیثیت مجموعی عطا ہوا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص انفرادی طور پر خلیفہ کہلانے کا مجاز نہیں حضرت ابوبکر خلیفہ کہلانے کو ناپسند کیا کرتے تھے۔

اسلامی حکومت کے فرائض

۱۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اسلامی حکومت کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ حدود مملکت میں نیکی کو پھیلانے اور فواحش ومنکرات کا سدباب کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے

(مسلمان وہ لوگ ہیں) جن کو ہم زمین میں غلبہ عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے اور لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیں گے۔ اور بری باتوں سے روکیں گے۔ اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ (سورہ الحج رکوع ۵)

۲۔ قیام عدل و انصاف۔

عدل و انصاف کا قیام کسی حکومت کی بنیادی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر اس کو ثبات و استحکام نصیب ہوتا۔

قرآن میں فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ (النساء رکوع ۸)	اللہ تعالےٰ تمہیں حکم دیتا ہے۔ کہ تم اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو۔ اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ تو عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بادشاہ اس کائنات ارضی میں خدا کا سایہ ہے ہر مظلوم اس کے دامن عاطفت میں پناہ لیتا ہے۔ جب وہ انصاف کرتا ہے تو اسے انصاف کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور جب ظلم کرتا اور ناانصافی کرتا ہے تو اس پر بے انصافی کا بوجھ ہوتا ہے اور رعیت کو چاروناچار صبر کرنا پڑتا ہے۔ (ترمذی)

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے سات آدمیوں کا ذکر کیا جنہیں قیامت کے روز خدا کا سایہ نصیب ہوگا۔ ان میں سے ایک عادل حاکم بھی ہے۔ (بخاری)

Marfat.com

۳۔ رعایا سے شفقت و ہمدردی،

حکومت کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ رعایا کی خیرخواہی کرے۔ ان سے مہربانی نرمی اور شفقت سے پیش آئے، ان پر ناروا ٹیکس نہ لگائے،

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

"جو شخص کسی قوم پر حاکم ہو، اور اس کی موت اس حالت میں آئے، کہ وہ رعایا کا بدخواہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔"
(بخاری و مسلم)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی۔

"اے اللہ! جو شخص میری امت کا حاکم مقرر ہو اور وہ انہیں مشقت میں ڈال دے تو تُو اسے مشقت میں ڈال، اور جو میری امت کا والی قرار پائے اور ان کے ساتھ نرمی و مہربانی سے پیش آئے۔ تو تو اس پر مہربانی کر۔ (صحیح مسلم)

۴۔ جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ

رعایا کی جان و مال اور ناموس و آبرو کی حفاظت حکومت کا فرض اولین ہے۔ اگر ملک میں بدامنی اور شر و فساد کا دور دورہ ہو۔ تو اس کا انسداد کرنا حکومت پر لازم ہے، اس کے بغیر نہ جان و مال کی حفاظت ممکن ہے، نہ کسی کی آبرو محفوظ رہ سکتی ہے۔

۵۔ ملکی دفاع،

داخلی انتظام کے علاوہ حکومت کا یہ بھی فرض ہے کہ ملک کو بیرونی حملوں سے بچائے اور اس مقصد کے لئے اسلحہ جنگ اور ضروری سامان سے لیس فوج ہر وقت تیار رکھے اگر ضرورت کا تقاضا ہو تو ہر مسلمان کو سپاہیانہ تربیت دی جائے۔

۶۔ کتاب و سنت کی پیروی

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ احکام کتاب و سنت کی پیروی کرے اور کوئی قانون ایسا نہ بنائے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو۔

۷۔ عہدوں پر مناسب اشخاص کا تقرر۔

حکومت کی مشینری قابل اشخاص کے کل پرزوں سے چلتی ہے، لہٰذا حکومتی عہدوں

Marfat.com

پر مناسب اور اہل آدمیوں کا تقرّر ضروری ہے۔ اس ضمن میں اقربا نوازی اور کنبہ پروری کے جذبات کا کوئی عنصر شامل نہیں ہونا چاہیئے۔ ورنہ حکومت کو اس سے شدید ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

۸۔ اقلیتوں کا تحفظ

جو غیر مسلم اسلامی ریاست میں اقامت پذیر ہوں، انہیں ذمّی کہا جاتا ہے۔ جس طرح مسلم رعایا کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کرنا حکومت پر فرض ہے، اسی طرح غیر مسلم اقلیت کا تحفظ بھی ازبس ناگزیر ہے۔ اسلامی حکومت میں ان کو ہر طرح مذہبی آزادی حاصل ہوگی، معاشی اعتبار سے بھی وہ آزاد ہوں گے، جون سا پیشہ چاہیں، اختیار کریں، بشرطیکہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو اس سے ٹھیس نہ لگتی ہو۔ ان کو مسلمانوں کے ساتھ معاشرتی مساوات بھی حاصل ہوں گی۔ اہلِ ذمّہ سے فوجی خدمت نہیں لی جاتی۔ اس کے عوض انہیں ایک معمولی سا ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ جسے جزیہ کہا جاتا ہے۔ بچے، بوڑھے اور معذور افراد اس ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

۹۔ بیت المال کا صحیح استعمال

حکومت کا فرض ہے کہ قومی دولت کو ضائع نہ کرے۔ اور اسے ضروری کاموں پر صرف کرے۔

سوالات

۱۔ نظامِ حکومت کی ضرورت کس لئے لاحق ہوتی ہے۔ حکومت کے فرائض تحریر کیجئے۔

۲۔ اسلام کا تصوّرِ حکومت کیا ہے؟ اسلامی حکومت کی خصوصیات لکھئے۔ اور بتایئے۔ کہ اسلامی اور غیر اسلامی حکومت میں کیا فرق ہے۔

۳۔ خلافتِ ارضی سے کیا مراد ہے۔ نظریۂ خلافت کی تشریح کیجئے۔

۴۔ اسلام میں انتخابِ خلیفہ کے لئے کیا طریق مقرر ہے۔ خلفائے راشدین کا انتخاب کیسے عمل میں آیا۔

۵۔ اسلامی حکومت کے فرائض و واجبات کیا ہیں؟ تفصیلاً لکھئے۔

Marfat.com

باب ۲۷

دُنیائے اِسلام

اُمّت

دنیائے اسلام

دین اسلام کسی قوم و وطن کے دائرہ کے اندر محدود نہیں۔ اسلام ایک دینی تحریک ہے اور دوسری تحریکوں کی طرح چند اصول و ضوابط رکھتی ہے۔ جس شخص اور جس قوم میں یہ عقائد و اعمال موجود ہوں اسے مسلم قرار دے سکتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کسی ملک میں رہتا ہو۔ کوئی زبان بولتا ہو۔ کسی رنگ و نسل سے وابستہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے شہرۂ آفاق خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔

"آج کے دن میں نے جاہلیت کے تمام امتیازات اپنے پاؤں تلے روند ڈالے۔ گورے کو کالے پر کوئی فوقیت ہے نہ عرب کو عجمی پر، میں نے سابقہ حسد و بغض کو ختم کر دیا۔ ہر مسلمان کی عزّت و آبرو اور جان و مال دوسرے پر حرام ہے۔" (بخاری)

یہ آنحضورؐ کے طویل خطبہ کا مختصر اقتباس ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلام کسی قوم کا ورثہ ہے نہ کسی ملک کے رہنے والوں کی جاگیر، جو شخص اس کے عقائد کو اپنے قلب و ذہن میں جگہ دیتا ہے اور اس کے ارکان پر عمل پیرا ہے وہی مسلمان ہے۔ مختلف خطہ ہائے ارضی میں بسنے والے مسلمانوں کے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی حالات مختلف ہو سکتے ہیں مگر جہاں تک احکام دین کا تعلق ہے ان میں سرِ مُو فرق نہیں ایک ملک والوں کے لئے دینی احکام و اوامر اتنے ہی ضروری ہیں جیسے دوسرے ملک والوں کے لئے۔ سب مسلمان اُمّتِ محمدیّہ کے افراد ہیں اور اس مضبوط و مستحکم رشتہ کی بناء پر بھائی بھائی ہیں۔ احکام دین کو لوگوں تک پہنچانا ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔ جب اعداءِ دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں سنگِ راہ ہوں تو اسلام کی نشر و اشاعت

Marfat.com

ہر مسلمان پر فرضِ عین ہو جاتی ہے

اسلام میں قومیت کے لئے کوئی جگہ نہیں

اسلام میں قومیت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ بلکہ نظریۂ قومیت اسلامی اصول و ضوابط کے منافی ہے۔ ایک جاٹ کا بیٹا جاٹ ہو سکتا ہے، ایک سید زادے کو بھی سید کہہ سکتے ہیں، مگر ایک مسلم سپوت اس وقت تک سچا مسلمان کہلانے کا استحقاق نہیں رکھتا جب تک اسلامی عقائد کی صداقت اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ اس سے واضح ہوا۔ کہ کرۂ ارضی کے مسلمانوں کے مابین دینِ اسلام ایک زبردست رشتۂ اتحاد ہے۔ جس نے انہیں تسبیح کے دانے کی طرح ایک شیرازہ میں منسلک کر رکھا ہے۔ اگر یہ تعلق کمزور پڑ جائے۔ یا ٹوٹ جائے تو قومیت کا کوئی رشتہ انہیں جوڑنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

پاکستان اسی نظریہ کے پیشِ نظر دنیا کے نقشہ پر معرضِ وجود میں آیا تھا۔ کہ ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں۔ ہندو کا مذہب، تہذیب و ثقافت اور معاشرت بالکل الگ ہے مسلمان باوجود اختلاف افکار و نظریات ایک قوم ہیں۔ اسی نظریہ کے تحت مشرقی پاکستان کو جغرافیائی فاصلہ اور اختلافِ تہذیب و معاشرت کے باوجود پاکستان کا ایک حصہ قرار دیا گیا۔

نئی پود کے ذہن سے نظریۂ پاکستان مٹ گیا۔ مشرقی پاکستان کے خالص ہندو نما اساتذہ نے نئی پود کے ذہن میں اس بات کو راسخ کر دیا، کہ نظریۂ پاکستان کوئی چیز نہیں۔ اس طرح مشرقی و مغربی پاکستان کو جوڑنے والی طاقت جو کہ دینِ اسلام تھی۔ کمزور پڑ گئی تو اس کے نتیجہ میں دسمبر ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان نے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ اور "بنگلہ دیش" کی نام نہاد حکومت وہاں قائم ہو گئی۔

مغربی پاکستان میں بھی چار قوموں کا پروپیگنڈہ زور شور سے جاری ہے۔ اگر اس کا انسداد نہ کیا گیا۔ اور طلباء کو نظریۂ پاکستان سے روشناس کرانے کی کوشش نہ کی گئی تو کچھ بعید نہیں۔ کہ خدانخواستہ پاکستان کا وجود ہی باقی نہ رہے اور قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی مساعی جمیلہ بے کار ہو کر رہ جائیں، خدا نہ کرے کہ یہ روزِ بد مسلمانوں

Marfat.com

کو دیکھنا پڑے۔

بعض عرب ممالک عرب قومیت کا گمراہ کن پروپیگنڈہ کرکے اسلامی نظریات کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ قلوب و اذہان سے دینی حِسّ کلیۃً مفقود ہو جائے اور مسلمانوں کو ایک شیرازہ میں پرونے کے لئے صرف عربی قومیت کا نظریہ باقی رہے۔

اتحادِ ممالک اسلامی

مختلف اکناف ارضی کے مسلمان نظریاتی طور پر متحد ہیں، توحید اور نبوت، خانہ کعبہ اور دیگر اسلامی ارکان و شعائر کی وحدت نے ان کو ایک زبردست رشتہ اتحاد میں پرو رکھا ہے، تاہم تاریخ کے بعض ادوار میں یہ تحریک اٹھتی رہی کہ انہیں عملاً بھی متحد کر دیا جائے۔ یہ مساعی جمیلہ اپنی جگہ قابلِ تحسین ہیں۔

امّت کا مفہوم

عربی زبان میں امّت کا لفظ ان معانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ۱۔ نعمت و برکت ۲۔ شان و شوکت ۳۔ خوش حالی ۴۔ فارغ البالی ۴۔ فرقہ ۵۔ امانت ۶۔ کسی نبی کے پیرو ۷۔ قوم قبیلہ گروہ ۸۔ چہرہ ۹۔ مدت ۱۰۔ عرصہ (القاموس)

اسلامی اصطلاح میں امّت کا لفظ افراد کے اس مجموعے پر بولا جاتا ہے۔ جو کسی خاص نبی کی پیروی کرتا ہو۔ مثلاً

حضرت موسےٰ علیہ السلام کے پیروؤں کو موسوی امّت کہیں گے۔ حضرت عیسےٰ کی اطاعت کرنے والوں کو عیسائی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے معتقدین کو امّت محمدیہ۔ قرآن کریم میں فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ " (النحل، ۳۶)	ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جو لوگوں سے کہتا ہے) صرف خدا کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

Marfat.com

اس آیت میں امت کا لفظ ہر نبی کے پیروؤں کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ لفظ امت کا اطلاق ایک شخص پر بھی کیا جاتا ہے۔

قرآن میں فرمایا۔

اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ کَانَ اُمَّةً　　ابراہیم ایک امت تھے۔

(النحل - ۱۲۰)

اللہ تعالےٰ نے تمام بنی نوع انسان پر بحیثیت مجموعی بھی لفظِ اُمّت کا اطلاق کیا ہے فرمایا۔

کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً　　پہلے سب لوگ ایک ہی امت تھے

اس آیت میں سب انسانوں کو امت فرمایا ہے۔

اُمم سابقہ اللہ تعالیٰ نے بعثتِ انبیاء کی علت غائی اور مختلف اقوام و امم میں تفرق و انقسام کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"پہلے سب لوگ ایک ہی امت تھے، پھر ان میں اختلافات پیدا ہو گئے، تب اللہ نے انبیاء کو بھیجا جو بشارت دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے تھے، اور ان پر سچی کتاب اتاری تاکہ حق کے بارے میں جو لوگوں کے درمیان جھگڑا ہوا ہے، ان کا فیصلہ کریں۔ اختلاف ان ہی لوگوں نے کیا تھا۔ جن کو حق کا علم دیا گیا تھا۔ اور واضح احکام ان کے پاس آ گئے تھے۔ یہ آپس میں بغاوت اور زیادتی کی غرض سے تھا۔ پس اللہ نے ایمان والوں کو اپنے حکم سے سچائی کی طرف رہنمائی کی۔ جس کے بارے میں اختلاف ہوا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

(سورۂ بقرہ۔ رکوع ۲۶)

دوسری جگہ ہے۔

لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ط وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰکِنْ

تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص راستہ تجویز کیا ہے، اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی

Marfat.com

لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۔

سورۂ مائدہ
رکوع ۷

اُمّت بنا دیتا لیکن ایسا نہیں کیا۔ یہ دین تم کو دیا ہے۔ تاکہ اس میں تم سب کا امتحان لے۔ تم مفید باتوں کی طرف سبقت کرو۔ تم سب کو خدا کے پاس جانا ہے۔ پھر وہ تم سب کو جتلا دے گا۔ جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمام بنی نوع انسان کو ایک ہی رشتۂ مذہب و ملت میں منسلک دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کا امتحان کرنا چاہتا ہے کہ کون شخص راہ راست اختیار کرتا ہے اور کون سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے اس لئے انہیں آزادی دے دی کہ وہ اپنے لئے جونسی راہ چاہیں، اختیار کر لیں۔

سابقہ آیات سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ ظہورِ اختلاف سے قبل سب بنی نوع انسان توحید اور دیگر دینی حقائق پر متفق تھے۔ جب باہمی اختلافات کی بنا پر وہ توحید کی سیدھی راہ سے ہٹ گئے۔ تو ان کے اختلافات نے ایک دائمی صورت اختیار کر لی۔ اگر منشاء ایزدی یہ ہوتا۔ کہ جبر و اکراہ سے سب لوگوں کو ایک ہی راستہ پر گامزن کر دیا جائے تو وہ ایسا کر سکتے تھے۔ مگر دانستہ ایسا نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اُمّتِ محمدیہ میں شامل ہونے کا شرف عطا فرمایا ہے۔ ہم سب کا خدا ایک ہے۔ رسول ایک ہے اور کتاب ایک ہے۔ اس امر کا تقاضا یہ تھا کہ سب مسلمان باہم بھائی بھائی ہو کر رہتے اور ایک دوسرے سے اس قدر یگانگت اور محبت کا سلوک کرتے کہ دوسرے مذہب والے ہمارے اتحاد کو دیکھ کر ہماری طرف کشاں کشاں کھنچے چلے آتے۔ لیکن افسوس ایسا نہیں ہے۔ اور ایک اُمّت میں ہونے کے باوجود مسلمان مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وحدت و اتحاد کے مرکز پر رہنے اور اختلاف و تفرقہ سے

Marfat.com

بھیجنے کی تلقین فرمائی ہے۔

اُمّتِ محمدیہ کی وسعت و جامعیّت جس طرح قرآن کریم نے نازل ہو کر آسمانی کتابوں کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اور سابقہ کتب منسوخ قرار پائیں، اسی طرح ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ابدالآباد تک رسالت اور نبوّت کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔ اب نہ کوئی تشریعی نبی آسکتا ہے نہ غیر تشریعی، نہ ظلّی نہ بروزی۔

آپ نے فرمایا۔

اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ	اس میں ذرا شک نہیں کہ رسالت
قَدِ انْقَطَعَتَا فَلَا رَسُوْلَ	اور نبوّت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔
بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ	اب میرے بعد نہ کوئی رسول آئے
(ترمذی)	گا نہ نبی

اُمّت محمدیہ کا خاتم الامم ہونا سلسلہ کتب و رسل کے اختتام کے بعد اُمّت محمدیہ کا آخر الامم ہونا ایک بدیہی بات ہے، جب نبی کریمؐ کے بعد کوئی نیا نبی پیدا ہو کر مبعوث نہیں کیا جا سکتا۔ تو اُمّت محمدیہ کے بعد کوئی اُمّت بھی عالم وجود میں نہیں آسکتی۔ جس طرح نبی کریمؐ کی رسالت ہمہ گیر ہے، کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، کسی خطہ ارضی تک محدود نہیں، کسی قوم کے اندر محصور نہیں، اسی طرح اُمّت محمدیہ کی وسعت و جامعیّت کا دائرہ بھی غیر محدود ہے۔ اس کی رکنیت کا دروازہ ہر ایک کے لئے ہر وقت کھلا ہے۔ قومی، نسلی یا جغرافیائی تفریق سے کچھ فرق نہیں پڑتا، ہر رکن اس عالمگیر ادارے کی مساوات سے بہرہ اندوز ہو سکتا ہے، اُمّت محمدیہ کا کوئی منصب کسی کا ورثہ نہیں، علم و روحانیت بھی کسی خاندان میں محدود نہیں، اس میں ہندوؤں کی طرح برہمن اور شودر کی کوئی تقسیم نہیں، ہر مومن احکامِ شریعت کی اطاعت کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (سورۃ اعراف)

آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سورۃ سبا)

ہم نے آپ کو سب لوگوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

متذکرہ صدر دونوں آیات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو تمام جہان کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کرۂ ارض کا کوئی گوشہ آپ کے جاں نثاروں سے خالی نہیں۔

امتِ محمدیہ میں شمولیت کے شرائط

ہر وہ شخص جو توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہے، امتِ محمدیہ میں شامل ہے۔ خواہ وہ شمال میں رہتا ہو، یا جنوب میں، مشرق میں ہو یا مغرب میں، عربی ہو یا عجمی، گورا ہو یا کالا۔ اس کا رکن بننے کے لئے رسمی فارم پُر کرنے یا چندہ جمع کرنے کی ضرورت نہیں، سب یکساں طور پر واجب الاحترام ہیں۔ عزّ و شرف کا مدار نسبی شرافت پر نہیں بلکہ تقوٰے پر ہے۔ جو شخص جتنا زیادہ متقی ہے۔ وہ اسی قدر بارگاہِ ایزدی میں زیادہ واجب العزت ہے۔ کوئی قومی، نسلی یا جغرافیائی تفریق امتِ مسلمہ کے افراد کی یکسانیت و یگانگت میں حائل نہیں ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھ کر ہر شخص اس کا رکن بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کسی بنیادی عقیدہ کا منکر نہ ہو۔ ہمیں کسی کے دل کا حال معلوم نہیں۔ اگر کوئی شخص دل سے مسلمان نہ بھی ہو، تو ہم اسے اس وقت تک خارج از اسلام قرار نہیں دے سکتے جب تک وہ علانیہ کسی بنیادی عقیدہ کا منکر نہ ہو جائے۔ امتِ اسلامیہ کی رکنیت کا دروازہ ہر ایک کے لئے ہر وقت کھلا ہے۔ امت کا کوئی عہدہ یا منصب متوارث نہیں ہوتا۔ علم اور روحانیت کسی کی میراث نہیں، یہاں تک کہ ایک کما حبشی غلام بھی

Marfat.com

خلافت کے منصب پر فائز ہو سکتا ہے۔

اُمّتِ محمدیہ کی خصوصیات

متعدد آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ میں اُمتِ محمدیہ کی فضیلت آئی ہے۔ فرمایا:

"وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" — اور ہم نے تمہیں ایک باانصاف امت بنایا، تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔

(سورۃ بقرہ، آیت ۱۴۳)

یعنی ایسی اُمّت جو ہر اعتبار اور معیار سے معتدل ہے، ہر کجی اور ہر افراط و تفریط سے پاک، وَسط کا لفظ عربی زبان میں خاص مدح کے موقعہ پر آتا ہے۔ ملّت اسلامیہ انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے ساری دنیا کے لئے بطور نمونہ کے تیار کی گئی ہے۔ کائنات کی ہر امت کو اسی سانچہ میں ڈھلنا اور اسی معیار پر پورا اترنا چاہیئے۔ آیت سے کمال درجہ کی فضیلت اُمّت اسلامیہ کی ثابت ہو رہی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران۔ ۱۱۰) — تم بہترین اُمّت ہو جسے لوگوں کے لئے ظاہر کیا گیا ہے۔

اس آیت میں اُمّتِ محمدیہ کو خیر امۃ (بہترین امت) کے شاندار لقب سے نوازا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضورؐ نے فرمایا، مجھے ان انعامات سے مشرف فرمایا گیا، جو کسی دوسرے کے حصّہ میں نہیں آئے۔

۱۔ دشمن اسلامی لشکر سے ایک ماہ کے فاصلہ پر سے ہراساں ہو جاتا ہے۔
۲۔ مجھے روئے زمین کی کنجیاں عطا کی گئیں (یعنی سب کرۂ ارضی میرے زیرنگیں کر دیا)
۳۔ مجھے احمدؐ کے نام سے پکارا گیا (احمد کے معنی ہیں کثیر الصفات)
۴۔ مٹی کو میرے لئے پاک کر دیا گیا (کہ بوقتِ ضرورت اس سے تیمم کیا جا سکتا ہے)

Marfat.com

۵۔ میری امت کو سب امتوں کی سرداری عطا کی گئی (مسند امام احمد)
بخاری و مسلم میں یہ خصوصیات مزید بیان فرمائیں۔
۶۔ میرے لئے مال غنیمت کو حلال قرار دیا گیا۔
۷۔ مجھے شفاعت کرنے کا حق ارزانی کیا گیا ہے۔
۸۔ میری بعثت کے ساتھ نبوت کو ختم کر دیا گیا۔ (نیل الاوطار للشوکانی جلد اوّل)

سوالات

۱۔ امت کے لفظی و اصطلاحی معنی بیان کیجئے۔
۲۔ امت محمدیہ کی خصوصیات پر سیر حاصل تبصرہ کیجئے۔
۳۔ سابقہ امم سے تقابل کر کے امت محمدیہ کی فضیلت ثابت کیجئے۔
۴۔ قومیت کا تصور کہاں تک درست ہے، دلائل سے اس کی تردید یا تائید کیجئے۔
۵۔ قوم اور امت میں کیا فرق ہے، امت دعوت اور امت اجابت کا فرق واضح کیجئے۔

Marfat.com

باب ۲۷

اُخوّت

اسلامی اخوّت

سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب ایک دوسرے کے دشمن اور جان لیوا تھے۔ ہمیشہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسرِ پیکار رہتا۔ لڑائی کا سلسلہ جب ایک بار چھڑ جاتا تو کہیں رکنے کا نام نہ لیتا۔ حرب و ضرب کے محرکات بھی کچھ اہم نہیں ہوتے تھے۔ کبھی صرف اس بات پر لڑائی ٹھن جاتی۔ کہ اونٹوں کو پہلے پانی کون پلائے گا۔ کبھی گھوڑ دوڑ کا میدان سیف و سناں (تلوار، وغیرہ) کی جلوہ گاہ بن جاتا۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرماتے مدینہ ہوئے تو یہاں بھی وہی سماں نظر آیا۔ مدینہ کے دو مشہور قبیلے اوس و خزرج باہم نبرد آزما رہتے تھے۔ اسلام نے آکر انہیں شیر و شکر کر دیا۔ اسی نعمت کو جتلاتے ہوئے قرآن میں فرمایا۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا

اور تم اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے۔ اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پھر تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے۔

(آلِ عمران۔ رکوع ۱۱)

اوس و خزرج کے دلوں میں الفت و محبت کی یہ تخم ریزی عین عنایت ایزدی سے ہوئی تھی۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ اگر نبی کریمؐ اس کے لئے مال و دولت کے انبار خرچ کر دیتے تو بھی اس کا حصول ممکن نہ تھا۔ فرمایا:

لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۱

اگر آپ زمین کی ساری دولت خرچ کر دیتے۔ تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے مگر خدا نے الفت پیدا کر دی

Marfat.com

(سورۃ انفال رکوع ۹) بے شک وہ غالب اور مصلحتوں سے آگاہ ہے۔

مسلمانوں کو مہر و محبت اور جذبات لطف و کرم کا خوگر بنانے کے سلسلے میں بتاکید فرمایا۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ
(سورۃ انفال رکوع ۶)

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگے رہو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

احادیث نبویہ اور اخوت

۱۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر کم و بیش ایک لاکھ صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے لوگو! میری بات سنو، اچھی طرح جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ سب اہل اسلام کی ایک برادری ہے کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال حلال نہیں۔ جب تک وہ خود اپنی خوشی سے نہ دے، ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو" (ترمذی)

۲۔ آنحضور کا ارشاد ہے۔ کہ خدا تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا۔ باہم محبت رکھنے والے کہاں ہیں۔ مجھے اپنی عظمت کی قسم آج میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا۔ آج میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے۔ (مسلم)

۳۔ آپ نے فرمایا، مسلمان آپس میں ایک عمارت کی طرح ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔

۴۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس سے خیانت نہیں کرتا۔ اس سے جھوٹ نہیں بولتا اور نہ تکلیف کے وقت

Marfat.com

اسے تنہا چھوڑتا ہے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی آبرو، مال اور خون حرام ہے۔ (ترمذی)

۵۔ ایک شخص کسی دوست کی ملاقات کے لئے دوسرے گاؤں گیا۔ اللہ تعالےٰ نے اس راستہ میں ایک فرشتہ مقرر کر دیا۔ جب یہ شخص فرشتہ کے پاس پہنچا، تو اس نے دریافت کیا، کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواباً کہا، میں اپنے بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتہ نے دریافت کیا، تم اس پر کوئی احسان کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ اس شخص نے کہا۔ نہیں میں صرف رضائے الٰہی کے لئے اسے ملنا چاہتا ہوں۔ فرشتہ نے کہا، غور سے سنئے۔ میں خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں، اور تمہیں اس بات سے آگاہ کرنے آیا ہوں۔ کہ خدا تجھ سے محبت کرتا ہے (صحیح مسلم)

۶۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اے ابوذر تم جانتے ہو۔ کہ ایمان کا کون سا کڑہ مضبوط ہے"؟

حضرت ابوذر نے جواب دیا کہ "خدا اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے"۔

آپؐ نے فرمایا "صرف خدا کے لئے باہم دوستی رکھنا اور صرف خدا ہی کے لئے کسی سے محبت اور صرف خدا ہی کے لئے کسی سے دشمنی رکھنا"

(مشکوٰۃ شریف)

۷۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کرنے اور محبت و شفقت میں جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ اس کے ایک عضو میں تکلیف ہو، تو بدن کے سارے اعضاء بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(بخاری)

مواخاتِ مدینہ بعثت کے بعد مکہ میں ۱۳ سال مظلومی کی زندگی بسر کر کے جب آپؐ نے مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو مکہ سے آنے

Marfat.com

والے مہاجرین اور انصار مدینہ کے مابین ایک بھائی چارہ قائم کیا جسے تاریخ اسلام نے مواخات کے نام سے محفوظ رکھا ہے۔ یہ بھائی چارہ ایسی مستحکم بنیاد پر استوار کیا گیا تھا کہ مصنوعی اور حقیقی بھائیوں میں امتیاز دشوار تھا۔ اکثر نے اپنی نصف املاک اپنے بھائی کے حوالے کر دیں، جس کی دو بیویاں تھیں، اس نے اپنے مہاجر بھائی کے حق میں ایک بیوی سے دست بردار ہو جانے کی پیشکش کی، بشرطیکہ وہ نکاح کے لئے رضامند ہو، ایک بھائی کے مرنے کے بعد دوسرا بھائی حقیقی بھائی کی طرح اس کا وارث قرار دیا جاتا تھا۔ قرآن میں جب وراثت کے احکام نازل ہوئے، تو حقیقی رشتہ داروں کو وارث قرار دیا گیا۔ البتہ مسلمان باہم لطف و کرم سے پیش آتے رہے، تاریخ اسلام کے اوراق ایسے واقعات سے پُر ہیں۔ جب ایک بھائی نے اپنی جان پر کھیل کر دوسرے کی جان بچائی۔ یا دوسرے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے کہ کسی قوم نے مذہبی رشتے کی بنا پر ایسے عدیم المثال ایثار کا مظاہرہ کیا ہو۔

قطع تعلق کی ممانعت آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنے سے منع فرمایا۔ حضور کا ارشاد ہے۔ مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ مسلمان بھائی سے تین روز سے زیادہ تعلقات منقطع رکھے (بخاری) آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ اصلی مسلمان وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان کو ایذا نہ پہنچے۔ (بخاری)

سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"باہم حسد نہ کرو، صرف کسی چیز کی قیمت بڑھانے کے ارادے سے بولی نہ دو، آپس میں بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو۔ دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرو۔ اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کا ساتھ چھوڑتا ہے۔ نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے، اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔ آپ نے تین دفعہ سینہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ تقوے یہاں ہے

Marfat.com

ایک آدمی میں اتنی ہی برائی بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔ ہر مسلم پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔ (مشکوٰۃ)

باہمی حقوق نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔

۱۔ جب ملے تو السلام علیکم کہے۔

۲۔ اس کی دعوت قبول کرے۔

۳۔ جب چھینک مارنے والا الحمدللہ کہے تو سننے والا یرحمک اللہ کہے۔ پھر چھینک مارنے والا اس کے جواب میں یہ الفاظ کہے۔

یَهْدِیْکُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ

۴۔ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کو جائے۔

۵۔ جب فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ جائے۔

۶۔ مسلمان بھائی کے لئے وہی چیز پسند کرے۔ جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (ترمذی)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان وہ ہے۔ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔ یعنی اس کے ہاتھ اور اس کی زبان سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔ اسی طرح قرآن کریم میں غیبت سے منع کیا گیا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوا:

وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ (الحجرات)	اور تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اس کو ضرور ناپسند کرو گے۔

جب حضور سے غیبت (چغلی) کی تعریف دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔

ذِکْرُکَ اَخَاکَ بِمَا	اپنے بھائی کا ذکر اس انداز سے

Marfat.com

کرنا جو اسے ناگوار نہ ہو۔ (صحیح بخاری) یہ کہہ کر
صحابہ نے عرض کیا حضور! اگر فی الواقع اس میں وہ عیب موجود ہو تو کیا پھر بھی اسے غیبت کہیں گے؟ فرمایا "اگر اس میں وہ عیب موجود ہو تو غیبت ہے، ورنہ بہتان ہے جو غیبت سے بھی بڑا گناہ ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے حقوق ہیں۔ مثلاً

۱۔ مسلمان کی پردہ پوشی کی جائے۔ اس کے عیوب و نقائص کو اجاگر نہ کیا جائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

۲۔ مسلمان کی خیر خواہی۔ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

۳۔ اپنی ذات پر ترجیح:۔ ایک مسلمان کو چاہیئے کہ وہ دوسرے مسلمان کو اپنی ذات پر ترجیح دے اور اس کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھے۔ تاریخ اسلام میں مواخاتِ مدینہ کا واقعہ اپنی ذات پر ترجیح دینے کی درخشندہ مثال ہے۔

۴۔ کسی مسلمان کی عدم موجودگی میں اس کے عیوب نہ بیان کرے نہ دوسروں سے سنے۔

۵۔ اگر مسلمان بھائی پر ظلم ہو رہا ہو تو حتی الامکان اس کا انسداد کرے۔

۶۔ مسلمان کو چاہیئے کہ جماعت سے وابستہ رہے اور ملتِ اسلامیہ کے نفع و ضرر اور دکھ سکھ میں برابر کا شریک رہے۔

۷۔ ضرورت مند مسلمان کی حاجت روائی کرے۔

۸۔ اگر مسلمان سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اسے معاف کر دے۔

۹۔ کسی مسلمان کو بلا وجہ شک و شبہ کی نگاہ سے نہ دیکھے۔

۱۰۔ مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو کو نقصان نہ پہنچائے۔

یہاں باہمی حقوق و فرائض کا بتمام و کمال احاطہ کرنا مقصود نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک مسلمان وہی کام کرے جس میں دوسرے بھائی فائدہ پہنچنے کی توقع ہو۔

Marfat.com

اس کی ضرر رسانی ہرگز پیش نظر نہ ہو۔

سوالات

۱۔ اخوت کے مفہوم کی وضاحت کیجئے اور بتایئے کہ دین اسلام کس حد تک اخوت کے قیام میں معاون ثابت ہوا۔

۲۔ اخوت کی تائید میں کتاب وسنت کے دلائل سے استشہاد کیجئے اور بتایئے کہ اسلام میں اس کی کیا اہمیت ہے۔

۳۔ مسلمانوں کے باہمی حقوق کی وضاحت کیجئے۔

۴۔ اسلامی اخوت کے تقاضے کیا ہیں۔ تفصیلاً لکھئے۔

Marfat.com

باب ۲۹

تبلیغ

مفہوم تبلیغ مصدر ہے۔ اس کا مادہ بلوغ ہے۔ بلوغ کا لفظ متعدد معانی کیلئے آتا ہے۔

تبلیغ کے معنی ہیں پیغام پہنچانا۔ شرعی اصطلاح میں خدا کے احکام بندوں تک بلاکم و کاست پہنچانے کو تبلیغ کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں لفظ تبلیغ کے علاوہ انذار، دعوت اور تذکیر کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ یہ سب متحد المعنی ہیں۔ ان کا مفہوم بھی ایک ہے یہ الفاظ بھی اسی مفہوم کو ادا کرتے ہیں۔

۱۔ انذار ہوشیار اور آگاہ کرنے کو کہتے ہیں۔

۲۔ دعوت کے معنے ہیں، بلانا اور پکارنا۔

۳۔ تذکیر کے معنے ہیں، یاد دلانا اور نصیحت کرنا۔

تبلیغ اور ادیان عالم تبلیغ کی غرض یہ ہے کہ انسان جو نیکی کا کام خود کر رہا ہو، جو اعتقاد رکھتا ہو، اسے دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرے۔ ادیان عالم میں یہ شرف اسلام کو حاصل ہے، کہ اس نے تبلیغ کی اہمیت کو سمجھا۔ اپنی کتاب ہدایت میں اس کے واضح احکام صادر کئے اور اپنے عمل سے اس بات کی تائید فرمائی۔

دیگر مذاہب عالم دو وجوہات کے پیش نظر تبلیغ کے قائل نہ تھے۔

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک قبولیت حق کا اعزاز پیدائش سے حاصل ہوتا ہے۔ کوشش سے نہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ شرف اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے، جو خاندانی اعتبار سے اس کا اہل ہو۔ کوئی ادنیٰ شخص سعی وجہد سے یہ مقام حاصل نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حق جو ان کے پاس ہے وہ اس قدر پاکیزہ ہے کہ ان کے مقدس خاندان کے علاوہ ایسے دوسرے ناپاک لوگوں تک پہنچانا اس مقدس مذہب کی توہین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک دفعہ جب ایک یونانی عورت نے ان سے برکت چاہی تو فرمایا۔

"میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" (متی ۱۵۔ ۲۵)

پھر فرمایا۔

"مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی (بنی اسرائیل کا مذہب) کتوں (غیر اسرائیلی قوموں) کو پھینک دیں" (متی ۱۵۔ ۱۷)

حضرت مسیح علیہ السلام نے مزید فرمایا۔

"وہ چیز جو پاک ہے، کتوں کو مت دو، اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ پھینکو" (متی ۷۔ ۶)

ہندوؤں نے اسی لئے اپنے مذہب کو تمام قوموں سے چھپا کر رکھا کہ وہ اپنا مذہب اچھوتوں کو سکھا کر اس کو ناپاک نہیں کرنا چاہتے تھے، یہودیوں کا بھی خیال تھا کہ غیر اسرائیلی لوگ اس نعمت کے اہل نہیں۔

تبلیغ اور دین اسلام

سید سلیمان ندوی تبلیغ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"نبی کا سب سے پہلا اور اہم فریضہ دعوت و تبلیغ ہے۔ یعنی جو سچائی اس کو خدا کی طرف سے ملی ہے اس کو دوسروں تک پہنچا دینا اور جو علم اس کو عطا ہوا ہے اس سے اوروں کو بہرہ ور کرنا۔ خدا کا جو پیغام اس تک پہنچا ہے۔ وہ لوگوں کو سنا دینا۔ اس نے اس کو جس صداقت سے آگاہ کیا ہے اس سے اپنے ہم جنسوں کو باخبر کرنا۔ جو مالی، جانی، زبانی، دماغی روحانی اور اخلاقی طاقتیں اس کو بخشی گئی ہیں ان کو اس میں صرف کرنا۔ اس

Marfat.com

اعلانِ دعوت میں جو تکلیف بھی آئے۔ اس کو راحت جاننا جو مصیبت بھی درپیش ہو اس کو آرام سمجھنا۔ حق کی آواز کو دبانے کے لئے جو قوت بھی سر اٹھائے اس کو کچل دینا۔ اور مال و منال اہل و عیال الغرض جو چیز بھی اس سفر میں سنگِ راہ ہو کر سامنے آئے اس کو ہٹا دینا۔ اس کی اس ساری کد و کاوش کا مقصد خدا کی رضامندی، مخلوق کی خیر خواہی اور اپنے فرض رسالت کی ادائیگی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا، دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے انہوں نے اپنے فرض کو اسی ایثار اور قربانی کے ساتھ سرانجام دیا۔ اور ایک لمحہ بھی اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کی۔ آج دنیا میں جو کچھ خدا کی محبت، بھائیوں کا پیار، انسانوں کی ہمدردی، بیکسوں کی مدد، غریبوں کی اعانت اور دوسری نیکیوں کا اس سطح زمین پر اثر ہے۔ وہ سب بواسطہ یا بلاواسطہ، دانستہ یا نادانستہ انہی کی دعوت و تبلیغ اور جدّ و جہد کا اثر اور نتیجہ ہے۔

(سیرت النبی جلد چہارم)

تبلیغ کی ضرورت و اہمیت

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اس کا دائرہ جملہ اقوام عالم اور جمیع ازمنہ و امکنہ کو محیط ہے۔ اس لئے ہر دور کے مسلمانوں پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ ہمہ تن تبلیغ اسلام کے لئے تیار رہیں اور جس مذہب کو انہوں نے حق سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ دوسروں کو بھی اس سے روشناس کرائیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"۔

(آل عمران ۱۰۴)

تمہارے اندر ایک ایسی جماعت کا وجود ناگزیر ہے۔ جو لوگوں کو نیکی کی دعوت دیتی، نیکیوں کا حکم دیتی اور برائی سے باز رکھتی ہے۔

اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا کہ امت مسلمہ میں مبلغین کی ایک جماعت کا وجود از بس ضروری ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دین اسلام ایک کامل و اکمل دین ہے۔ اور

Marfat.com

اس کے مبلغ اعظم صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے۔ جن کے بعد رسالت و نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔ اب آپ کے بعد دین کی اشاعت و تجدید کے لئے کوئی نیا نبی مبعوث ہو کر نہیں آئے گا، بلکہ تا قیام قیامت اصحاب علم مسلمان خطۂ ارضی کے دور افتادہ کونوں تک اس کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے۔ دنیوی مشاغل میں منہمک ہو کر جب دینی جذبات سرد پڑ جاتے ہیں تو ان کو گرمانے اور از سر نو زندہ کرنے کے لئے بھی تبلیغ کی ضرورت ہوتی ہے، بنا بریں مسلم و غیر مسلم دونوں کو دینی احکام سے روشناس کرانے کے لئے ہر دور میں تبلیغ کی شدید ضرورت ہے، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے خطرات سے بے پرواہ ہو کر پیام الٰہی کو لوگوں تک پہنچایئے۔ اور اگر ایسا نہ کیا تو آپ نے فریضۂ رسالت انجام ہی نہیں دیا۔

ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ ۔۔۔ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

(المائدہ ـ ۶۷)

اے رسول تیرے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تیری طرف اترتا ہے، اس کو پہنچا دے، اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا اور تجھ کو خدا لوگوں سے بچا لے گا۔

دوسری جگہ فرمایا۔

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ

(ذاریات ۳۔)

اور نصیحت کر کہ نصیحت اہلِ ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

نیز فرمایا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ

تم بہترین امت ہو جو لوگوں

Marfat.com

لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلِ عمران۔ ۱۱۰)

کے لئے ظاہر کی گئی، تم اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو۔ اور بری بات سے روکتے ہو۔

اس آیت میں امت مسلمہ کو ''خَیْرُ اُمَّۃٍ'' (بہترین امت) قرار دیا۔ اور اس کی وجہ بھی بتادی کہ تم اچھی باتوں کا حکم دیتے اور منکرات و فواحش سے روکتے ہو۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ تبلیغ و دعوت عظمت و شرف کی موجب ہے امت محمدیہ کو یہ فضیلت محض تبلیغ کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

احادیث نبویہ میں تبلیغ کی تاکید

۱۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ اے علی! تمہاری کوشش سے ایک آدمی کا دین حق کو قبول کر لینا بڑی سے بڑی دولت سے بھی بڑھ کر ہے۔ (صحیح مسلم)

۲۔ آپ نے فرمایا۔

مَنْ رَّاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ (مشکواۃ شریف)

تم میں سے جو شخص بھی کوئی برائی دیکھے، تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر زبان سے منع کرے۔ اور یہ ممکن نہ ہو۔ تو اسے دل میں برا سمجھے (آخری صورت) کمزور ترین ایمان ہے۔

۳۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ بنی اسرائیل میں جب بھی خرابی پیدا ہوئی، تو یوں ہوئی کہ جب کوئی اپنے بھائی کو گناہ کرتا دیکھتا تو اسے منع کرتا تھا۔ پھر دوسرا دن آتا۔ تو نہ روکتا۔ کیونکہ اس کا ہم خیال ہو جاتا تھا۔ اس کے بارے میں لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ سے فَاسِقُوْنَ تک قرآن نازل ہوا۔ آنحضور صلے اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم مسند سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ یہ آیت پڑھ کر بیٹھ گئے اور صحابہ سے فرمایا۔ "تم برائی کو روکنے سے ہرگز نہ رُکنا حتےٰ کہ ظالم کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف جھکا دو۔" (ترمذی)

۴۔ ہادیٔ برحق صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اچھے کاموں سے حکم دیتے رہیں۔ اور لوگوں کو برائی سے باز رکھیں ورنہ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالےٰ تم پر عذاب بھیج دے۔ پھر تم اسے پکارو گے۔ اور تمہیں کوئی جواب نہیں ملے گا۔ (ترمذی)

۵۔ آپؐ نے فرمایا۔

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَ لَوْ آیَۃً — مجھ سے سن کر آگے پہنچاؤ اگرچہ یہ ایک ہی آیت ہو۔ (بخاری)

۶۔ آپؐ نے فرمایا۔

"خدا اس شخص کو مسرور و شادمان رکھے جو میری بات کو سن کر حفظ کرلے اور اسے آگے پہنچائے۔ اس لئے کہ بہت سے اہلِ علم (علمی باتوں کو) ان لوگوں سے بھی زیادہ یاد رکھتے ہیں جنہوں نے اسے براہِ راست (شارع علیہ السلام) سے سنا۔ (بخاری)

تبلیغ کے اصول

قرآن کریم نے نہایت اختصار کے ساتھ اپنے پیروؤں کو بتایا کہ پیغامِ الٰہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے۔ اور کس طرح ان کو قبولِ حق کی دعوت دی جاتے۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہمیشہ تبلیغ سے پھیلا ہے۔ اس سلسلہ میں علماء اور صوفیائے کرام نے نہایت بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ آتش پرست تاتار نے تقریباً آدھی اسلامی دنیا کو تہ و بالا کر دیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اس دین کے نام لیوا ہو گئے۔

ارشاد فرمایا۔

Marfat.com

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (النحل - ۱۲۵)

اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو دانائی اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ سے بلایئے۔ اور نہایت عمدہ طریقے سے مناظرہ کیجئے۔

مذکورہ صدر آیت کریمہ میں دعوت وارشاد کے تین اصول بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ عقل وحکمت

۲۔ موعظۂ حسنہ

۳۔ جدالِ احسن

ان طریقہ ہائے سہ گانہ کی توضیح یہ ہے کہ جب ہم کسی کے سامنے کوئی نئی بات پیش کرکے اس کے قبول کی دعوت دیتے ہیں، تو عموماً تین طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اس بات کے ثبوت اور تائید میں دل نشین دلائل پیش کرتے ہیں۔

۲۔ اس کو مخلصانہ نصیحت کرتے ہیں اور مؤثر انداز سے اس کو نیک وبد اور نشیب وفراز سے آگاہ کرتے ہیں۔

۳۔ اس کے دلائل کی بہ طریقِ احسن تردید کرکے اس کی غلطی کو اس پر واضح کرتے ہیں۔

پہلے طریقہ کا نام حکمت، دوسرے کا نام موعظہ حسنہ اور تیسرے کا نام جدال بطریقِ احسن ہے۔ دعوت وارشاد کے لئے اسلام نے یہی تین طریقے بتائے ہیں، تبلیغ وارشاد کے بڑے بڑے اصول حسب ذیل ہیں

۱۔ رفق ونرمی

ایک داعی اور مبلغ کے لئے نرم گفتگو، شیریں بیانی اور لطف وتحمل کی سخت

Marfat.com

ضرورت ہے۔ قرآن کریم نے اپنے پیغمبروں کو ہدایت کی ہے کہ شدید ترین دشمن سے بھی نرم لہجہ میں بات کریں۔ حضرت موسےٰ و ہارون کو فرعون جیسے سرکش کے سامنے پیغام ربانی لے کر جانے کی ہدایت کی تو فرمایا۔

"تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ اس نے سرکشی کی ہے اس سے نرم گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرے یا خدا سے ڈرے"۔ سورۃ طٰہٰ۔ ۲

دعوت و تبلیغ میں نرم گفتاری کی تعلیم کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی اس لئے کہ کوئی داعی اور مبلغ پیغمبروں سے بہتر نہیں ہوسکتا اور فرعون سے بڑھ کر کوئی مجرم نہیں ہوسکتا ہے۔

۲۔ اعراض اور قولِ بلیغ

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ

"فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا" (النساء۔ ۶۳)

تو ان سے درگزر کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے ایسی بات کر جو ان کے دلوں میں اثر کرے۔

اس آیت میں تین باتوں کا حکم دیا۔

۱۔ اوّل یہ کہ دعوت و ارشاد میں مخالف کی بدتہذیبی اور درشت کلامی کو برداشت کرنا چاہیئے۔

۲۔ تیسرے یہ کہ گفتگو کا طرزِ انداز بڑا دل نشین ہونا چاہیئے۔

۳۔ سہولت و بشارت

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری کو یمن میں دعوتِ اسلام کے لئے متعین فرمایا۔ تو رخصت کرتے وقت یہ

Marfat.com

نصیحت فرمائی۔

یَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا

دین اسلام کو آسان کر کے پیش کرنا سخت بنا کر نہیں، لوگوں کو خوشخبری سنانا۔ نفرت نہ دلانا (بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے اور صحابہ نے تمام مسلمانوں کے سامنے اسی طریقہ کے مطابق دین الٰہی کو پیش کیا اور کامیابی حاصل کی۔

۴۔ تدریج

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا ایک اور اصول یہ سکھایا کہ کسی نئی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکام کا بوجھ ایک دفعہ اس کی گردن پر نہ ڈالا جائے، بلکہ رفتہ رفتہ وہ اس کے سامنے پیش کیے جائیں، پہلے توحید اور رسالت کو پیش کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد عبادت کو عبادات میں بھی اہم پھر اہم کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

۵۔ تالیفِ قلب

تالیفِ قلب کے معنی ہیں مائل کرنا۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ جس کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہو، اس سے لطف و محبت اور امداد و اعانت اور غم خواری اور ہمدردی کا سلوک روا رکھا جائے۔ کیونکہ انسان طبعاً شریفانہ جذبات کا ممنون ہوتا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو اسی طریقہ سے حلقہ بگوش اسلام بنایا تھا چنانچہ مکہ کے بعض رئیس اس جذبہ سے متاثر ہو کر اسلام لائے تھے، آنحضرت نے جنگ حنین کی غنیمت کا سارا سامان ان ہی میں تقسیم کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پھر حق کے خلاف ان کی گردنیں کبھی نہ اٹھ سکیں۔

Marfat.com

۶۔ دین میں جبر نہیں

اسلام پہلا مذہب ہے جس نے چودہ سو سال پیشتر یہ نعرہ لگایا تھا کہ

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ — دین میں زبردستی نہیں

سورۃ البقرہ ۳۴

ظاہر ہے کہ جو مذہب اپنی اشاعت کے لئے صرف دعوت و تبلیغ کی تلقین کرتا ہو۔ جس نے اس کے اصول بتائے ہوں جس نے ہر معاملہ میں لوگوں سے عقل و دانش اور فہم و تدبر سے مطالبہ کیا ہو۔ ہر قدم پر عقلی استدلال اور مصلحت و حکمت کا اظہار کیا ہو وہ کیونکر جبر و اکراہ کے طریقہ کو اختیار کر سکتا تھا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلَاغُ (سورۃ کہف)

پس اگر وہ اسلام لائیں۔ تو انہوں نے ہدایت پالی اور اگر وہ منہ موڑ لیں تو آپ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے۔

۷۔ عمل سے تبلیغ

تبلیغ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ قول کے بجائے عمل اور اخلاق سے تبلیغ کی جائے۔ مبلغ خواہ کس قدر خوش بیان ہو۔ جب تک اس میں اخلاقی کشش نہ ہو۔ اس کا کلام موثر نہیں ہو سکتا۔ اسلام کی نشر و اشاعت بڑی حد تک آنحضور کی اخلاقی کشش کی رہین منت تھی۔

قرآن مجید نے یہ نکتہ خود بیان کیا ہے۔ فرمایا

لَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ

محمد اگر تم درشت طبع اور سخت دل ہوتے تو لوگ تمہارے

Marfat.com

پاس سے چل دیتے۔ (آل عمران - ۲)

آپ کی یہی معجزانہ کشش تھی، جو کشاں کشاں لوگوں کو دائرہ اسلام میں لے آئی حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے آپ سے بہت سی بکریاں مانگیں، آپ نے دے دیں اس پر آپ کی فیاضی کا اس قدر اثر پڑا، کہ اس نے اپنے قبیلہ میں آکر کہا۔ لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمدؐ اس قدر دیتے ہیں کہ ان کو تنگ دست ہونے کا مطلق خوف نہیں ہوتا۔ (بخاری و مسلم)

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک یہودی عالم کے مقروض تھے، اس نے تقاضا کیا۔ تو آپ نے فرمایا، کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں۔ اس نے کہا میں تو لے کر ٹلوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ اب میں تمہارے ساتھ بیٹھتا ہوں۔

چنانچہ آپ ظہر سے لے کر فجر کی نماز تک اس کے ساتھ بیٹھے رہے، صحابہ نے اس کی گستاخی پر ناراضی ظاہر کی، اور عرض کی یارسول اللہؐ! آپ کو ایک یہودی نے روک رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں مجھے خدا نے اس سے منع کیا اور کہا کہ میں کسی ذمی یا اور کسی شخص پر ظلم کروں۔

دن چڑھا تو یہودی نے کلمہ پڑھا اور کہا کہ "میرا نصف مال خدا کی راہ میں صدقہ ہے۔ میں نے یہ گستاخی صرف اس لئے کی کہ تورات میں نبی آخر الزماں کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا تجربہ کروں" مشکوٰۃ کتاب الفتن

فتح مکہ میں جب صفوان بن امیہ مجبوراً اسلام لایا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو تین سو اونٹ دے دیئے۔

صفوان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس قدر دیا کہ آپ پہلے میرے نزدیک مبغوض ترین خلق تھے۔ لیکن اس فیاضی سے محبوب ترین شخص بن گئے۔ (صحیح مسلم)

ابوسفیان کی بیوی ہندہ خاندان نبوت کی قدیم ترین دشمن تھی۔ جنگ احد میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ اسی نے چبایا تھا۔ اور آپ کے ناک

Marfat.com

کان کاٹ کر کلیجہ چبا ڈالا تھا۔ فتح مکہ میں بھیس بدل کر آپ کی خدمت میں اسلام لانے کے لئے حاضر ہوئی۔ مگر گستاخی سے باز نہ آئی۔ دربارِ رسالت میں پہنچ کر آپ کے حسن خلق سے اس قدر متاثر ہوئی کہ بے اختیار بول اٹھی۔ یا رسول اللہ! آج سے پہلے آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھرانہ مجھے ناپسند نہ تھا لیکن آج آپ کے گھرانے سے کوئی گھرانہ محبوب تر نہیں۔

آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ خدا کی قسم ہمارا بھی یہی حال ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۷)

آپ کی اخلاقی و عملی تبلیغ کا جو نتیجہ برآمد ہوا۔ وہ پروفیسر مارگولیتھ کے الفاظ میں سنئے۔

"محمدؐ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا۔ آپ ایک سلطنت کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ آپ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا۔ آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا۔ اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔"

(لائف آف محمدؐ مارگولیتھ صفحہ ۱۷۱)

سوالات

۱۔ تبلیغ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کیجئے۔

۲۔ کتاب و سنت کے دلائل سے تبلیغ کے مفہوم کی اہمیت واضح کیجئے۔

۳۔ تبلیغ اسلام کے بارے میں اسوۂ نبوی کیا تھا۔ تاریخ اسلام سے مثالیں پیش کیجئے۔

۴۔ دین اسلام میں تبلیغ کے اصول کیا ہیں۔ مفصل لکھئے۔

۵۔ تبلیغ کی اہمیت و ضرورت کے بارے میں کم از کم دو احادیث لکھئے۔

Marfat.com

باب ۳۰

جہاد

معنی و مفہوم

جہاد اور مجاہدہ فعال اور مفاعلہ کے وزن پر مصدر ہیں۔ ان کا مادہ جہد ہے۔ یہ لفظ عربی میں متعدد معانی کے لئے مستعمل ہے۔ الجہد (بالفتح الجیم و الضم) طاقت، مشقت اور محنت کو کہتے ہیں۔

جہاد۔ (بکسر الجیم) کوشش، دشمن سے لڑنا۔ مجاہدہ کے بھی یہی معنی ہیں۔

اجتہاد کے معنی ہیں کوشش کرنا، طاقت استعمال کرنا۔

(قاموس المحیط جلد ۱)

اصطلاحی مفہوم

شرعی اعتبار سے جہاد ہر اس سعی و جہد کا نام ہے جو جسم و جان سے دین کی سربلندی اور نشر و اشاعت کے سلسلہ میں انجام دی جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن نعمت ہائے بیکراں سے نوازا ہے خواہ ان کا تعلق انسان کے جسم و جان سے ہو، یا مال و متاع سے ان [illegible] ت دین کی خاطر صرف کرنے کا نام جہاد ہے۔ یہاں تک کہ اس کے لئے [illegible] عزیز [illegible] ب ل [illegible] عیال کی، خاندان و قوم کی جان تک قربان کر دینا اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں و دشمنوں کو توڑنا۔ ان کی تدبیروں کو [illegible] نیگاں کرنا ان کے حملوں کو روکنا اور [illegible] س [illegible] لئے جنگ کے میدان میں کودنا پڑے تو کود پڑنا جہاد ہے۔ جو اسلام [illegible] یت [illegible] ت [illegible] کن اور عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔

جہاد کی اہمیت

[illegible] جہد و سعی اور [illegible] کوشش کے [illegible] کو نی کام انجام نہیں پاتا۔ اگر کسان کی کوشش شامل حال نہ ہو تو کھیتیاں خشک ہو جائیں، ہرے بھرے کھیتوں کا نام و نشان نظر نہ آئے۔ تجارتی زندگی میں جو چہل پہل نظر آتی ہے یہ تاجروں کے سرمایہ و محنت کی کرشمہ سازی ہے

Marfat.com

علم و ادب کے میدان میں بلند پایہ ادبا، اور مصنفین اگر تحقیق و تدقیق کے گھوڑے نہ دوڑاتے تو آج علمی کتب کا نام و نشان بھی نظر نہ آتا۔ دینِ حق کی نشر و اشاعت اگرچہ خداوند کریم نے اپنے ذمہ لی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (الصف ۔ ۸)

اللہ تعالے اپنے نور کی تکمیل فرمائے گا۔ اگرچہ یہ مشرکوں پر ناگوار ہو۔

تاہم اہل ایمان کو حکم دیا ہے۔ کہ قلم و زبان اور سیف سناں سے اس کے نشر و ارتقا کے لئے کوشاں رہے بنا بریں جہاد فکری، قولی، عملی اور مالی ہر لحاظ سے ہو سکتا ہے، علوم و فنون میں غور و فکر، دعوت حق کی راہ میں مجاہدانہ سرفروشی، میدان عمل میں جسم و جان کی سخت کوشی اور مال و متاع کی قربانی سب جہاد میں شامل ہے۔

قرآن میں فرمایا۔

مومن وہی ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔ اس میں ڈگمگائیں نہیں اور خدا کے راستہ میں اپنی جان اور اپنے مال سے کوشش کریں۔ یہی سچے لوگ ہیں۔ سورۃ حجرات ۔ ۲

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ (سورہ عنکبوت ۶)

جو کوئی جہاد کرتا ہے، بے شک اللہ جہان کرتا ہے بے شک اللہ جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

اسلام کا تصور جہاد

یورپ کے نام نہاد علماء عام طور سے اس غلط فہمی کا شکار ہیں۔ کہ جہاد کا لفظ جنگ کا مترادف ہے۔ ان کے نزدیک اسلام کے لغت میں جہاد سے زیادہ ہیبت ناک اور مہیب کوئی لفظ نہیں، وہ جس انداز میں اسلامی جہاد کی تصویر پیش کرتے ہیں فی الواقع وہ اتنی خطرناک ہے۔ یہ لفظ جہاد کے معنی و مفہوم سے ان کی ناواقفیت۔

Marfat.com

بثبوت ہے۔ جنگ کے لئے عربی زبان میں متعدد الفاظ مستعمل ہیں۔ مگر عرب نے لفظ جہاد کو عام جنگ کے معنے میں کبھی استعمال نہیں کیا۔ جنگ کے محرکات عام طور پر جذبات بغض و عناد، قدیم عداوت یا ہوس زر و مال ہوتی ہے۔ شرافت و انسانیت ایسے نیک احساسات کا جنگ سے کوئی واسطہ نہیں۔ بخلاف ازیں جہاد کے عوامل و محرکات کبھی برے نہیں ہوتے۔ جو کام بھی رضائے الٰہی کے پیش نظر انجام دیا جائے اور دوسرا کوئی جذبہ اس کا محرک نہ ہو وہ جہاد ہے۔ تاجر کی تجارت، کسان کی زراعت، طالب علم کی شبانہ روز محنت و کاوش اگر خدا کی خوشنودی کے حصول کے لئے عمل میں آئے تو عین جہاد ہے۔ قرآن پاک میں جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ کے الفاظ الگ الگ استعمال کیے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں الفاظ الگ معانی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

مقام حیرت و استعجاب ہے کہ اہل یورپ نے جہاد کے وسیع مفہوم کو صرف دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کے محدود معنی میں محصور کر دیا۔ جہاد کی حقیقت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس شریعت کو لے کر دنیا میں آئے وہ محض نظریہ اور فلسفہ نہیں، بلکہ سراپا عمل ہے۔ آپ کے مذہب میں نجات کا استحقاق گوشہ گیری رہبانیت اور گیان دھیان پر موقوف نہیں بلکہ خدا کی توحید، رسولوں اور کتابوں اور فرشتوں کی سچائی۔ قیامت اور جزا و سزا کے اعتقاد کے بعد ان کے مطابق نیک عمل، نیک کرداری کی جدوجہد پر مبنی ہے۔ اس سعی و کاوش کو جہاد کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں جہاد کے مقابلہ میں قعود (بیٹھ رہنا) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے تغافل و تکاسل مقصود ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ

مسلمانوں میں سے وہ جن کو کوئی جسمانی تکلیف نہ ہو اور بیکار بیٹھے رہیں، اور وہ جو خدا کی راہ

Marfat.com

فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ — میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے ہوں، برابر نہیں۔

(سورہ نسآء۔ ۱۳)

بیٹھنے اور "جہاد" کرنے کے باہمی تقابل سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جہاد کی حقیقت بیٹھے، سستی کرنے اور راحت پسندی کے سراسر خلاف ہے۔ یہ جذبہ و عمل جس کو جہاد کہتے ہیں، ہر قسم کی سعادت و ترقی کے حصول کا ذریعہ ہے، اسی جذبہ جہاد اور اسی کے حصول ثواب کی آرزو تھی جس کے سبب سے مکہ میں مسلمانوں نے ۱۲ برس تک ہر قسم کی تکلیفوں کا بہادرانہ مقابلہ کیا، ریگستان کی جلتی دھوپ، پتھر کی بھاری سل طوق و زنجیر کی گراں باری، بھوک کی تکلیف، پیاس کی شدت، نیزہ کی نوک، تلوار کی دھار، بال بچوں سے علیحدگی، مال و دولت سے دست برداری اور گھر سے دوری کوئی چیز بھی ان کے استقلال کے قدم کو ڈگمگا نہ سکی۔ اور پھر دس برس تک مدینہ منورہ میں انہوں نے تنوا لی جہادوں میں جس طرح گزارے وہ دنیا کو معلوم ہے۔

جب جہاد کے معنے محنت، سعی بلیغ اور جدوجہد کے ہیں۔ تو ہر نیک کام اس میں داخل ہو سکتا ہے۔

اقسام جہاد

۱۔ **جہاد بالنفس** :۔ صوفیہ کی اصطلاح میں جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم اپنے نفس سے جہاد کرنا ہے۔ اسے "جہاد اکبر" کہتے ہیں۔ خطیب بغدادی "تاریخ بغداد" میں حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں۔ کہ نبی کریم نے ان صحابہ سے فرمایا، جو ابھی ابھی لڑائی کے میدان سے واپس آرہے تھے۔

" تمہارا آنا مبارک، تم چھوٹے جہاد (غزوہ) سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو سب سے بڑا جہاد اپنی نفسانی خواہشات کو روکنا ہے"۔

اسی طرح حضرت ابوذر روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرے۔

(کنزالعمال)

Marfat.com

صوفیہ کی اصطلاح ہے۔ جہاد بالنفس کا عام مفہوم یہ ہے کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اشاعت دین کا فریضہ ادا کیا جائے۔ ایسے لوگوں کو دینی اعتبار سے مجاہد (جہاد کرنے والا) کہا جاتا ہے۔ اگر غازی و مجاہد راہ خدا میں اپنی جان عزیز قربان کر دے۔ تو اسے شہید کے لقب سے پکارا جاتا ہے عشق و محبت کی راہ کے شہید زندۂ جاوید ہیں ؂

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

شہداء کے بارے میں فرمایا ہے۔

"خدا کی راہ میں جان دینے والوں کو مُردہ نہ کہو۔ درحقیقت وہ زندہ ہیں، لیکن تم اس بات کو سمجھتے نہیں (البقرہ)۔

صرف یہی نہیں کہ زبان سے ان کو مُردہ نہ کہو، بلکہ دل میں بھی یہ خیال نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں وہ ابدی زندگی حاصل کر چکے ہیں

ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ (آل عمران - ۱۶۹)	جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہوئے ان کو اپنے دل میں بھی مردہ خیال نہ کرو۔ وہ دراصل زندہ ہیں، اپنے رب کے ہاں انہیں رزق ملتا ہے

۲۔ جہاد بالعلم دنیا کا تمام شر و فساد جہالت کا نتیجہ ہے۔ اس کا دور کرنا ہر حق طلب کے لئے ضروری ہے۔ ایک انسان کے پاس اگر عقل و معرفت اور علم و دانش کی روشنی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس سے دوسرے تاریک دلوں کو فائدہ پہنچائے۔ تلوار کے ڈر سے کسی کے دل میں وہ طمانیت پیدا نہیں ہو سکتی جو دلیل و برہان کی قوت سے لوگوں کے سینوں میں پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے

Marfat.com

ارشاد کا یہ طریقہ جہاد کی ایک قسم ہے۔ اسی کا نام "جہاد باللسان" ہے۔ اسی کو جہاد بالعلم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

امام ابوبکر جصاص رازی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں اس پر بڑی عمدہ بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ جہاد بالعلم کا درجہ جہاد بالنفس اور جہاد بالمال دونوں سے بڑھ کر ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ حق کی حمایت اور دین کی تائید و نصرت کے لئے علم و عقل، فہم و بصیرت حاصل کرے۔ اور ان کو اس راہ میں صرف کرے۔ یہ علم کا جہاد ہے۔ جو اہل علم پر فرض ہے۔

قرآن کے ایک عالم کو قرآن کی صداقت کے لئے قرآن سے باہر کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ روحانی امراض کے ازالہ کے لئے آنحضورؐ کو یہی نسخہ اکسیر دیا گیا تھا۔ اور اسی سے کفار و منافقین کے شکوک و شبہات کو دور کیا گیا۔

جہاد بالعلم کے پیش نظر ہر مسلمان کا فرض ہے۔ کہ حق کی حمایت اور اس کی نصرت و تائید کے لئے عقل، فہم علم اور بصیرت حاصل کرے اور ان کو اس راہ میں صرف کرے۔ اور وہ تمام علوم جو اس راہ میں کام آ سکتے ہوں۔ ان کو اسی لئے حاصل کرے کہ ان سے حق کی اشاعت اور دین کی مدافعت کا فریضہ انجام پائے گا یہ علم کا جہاد ہے جو اہل علم پر فرض ہے۔

۲۔ جہاد بالمال دینِ حق کی نشر و اشاعت کے لئے مال صرف کرنے کو جہاد بالمال کہتے ہیں۔ جسمانی جہاد یعنی لڑائی کی ضرورت ہر وقت پیش نہیں آتی۔ لیکن جہادِ مالی کی ضرورت ہر وقت ہوتی ہے۔ انسان کی یہ کمزوری ہے۔ کہ مال کی محبت جان کی محبت پر اکثر غالب آجاتی ہے۔

گر جان طلبی مضائقہ نیست
گر زر طلبی سخن دریں است

قرآن کریم میں جہاں جہاں جہاد بالنفس کا ذکر آیا ہے۔ وہاں جہاد بالمال کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور جہاد بالنفس کا بعد میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسمانی اعتبار سے

Marfat.com

سب لوگ جہاد میں حصہ لینے کے اہل نہیں ہوتے۔ بعض چھوٹی عمر کے ہوتے ہیں بعض بڑھے اور بعض جسمانی کمزوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہیں کر سکتے۔ اس لئے مال کا کوئی خاص معیار مقرر نہیں، کم و بیش حسب استطاعت جو سرمایہ ہو اشاعت دین کے لئے صرف کیا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ تحریکوں کی طرح اسلام کو بھی اپنی ہر قسم کی تحریکات اور جہاد کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ اس سرمایہ کا فراہم کرنا جہاد بالمال ہے صحابہ کرام نے عسرت و افلاس کے باوجود نہایت آڑے وقت میں جس طرح مالی جہاد کیا ہے وہ تاریخ اسلام کا روشن باب ہے۔ ان ہی کی حاتمانہ فیاضیوں سے دین حق کا باغ چمن آرائے نبوت کے ہاتھوں سرسبز و شاداب ہوا۔ اور اسی لئے اسلام میں ان بزرگوں کا بڑا مرتبہ ہے۔

قرآن میں فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

(سورہ انفال ۱۰)

جہاد کی ان اقسام کے علاوہ ہر نیک کام اور ہر فرض کی ادائیگی میں اپنی جان و مال اور اپنی دفاعی قوت صرف کرنے کا نام بھی اسلام میں جہاد ہے سید سلیمان ندوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"لڑنے مرنے کا موقعہ ہر مسلمان کو کم و بیش ہی پیش آتا ہے مگر حق کی راہ میں دن رات جد و جہد اور وہ جہاد ہے جو ہر مسلمان کو ہر وقت پیش ہے سلطنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امتی پر یہ فرض ہے کہ دین کی حمایت، علم دین کی اشاعت، حق کی نصرت، عزیزوں کی مدد غریبوں کی امداد، نیک کاموں کی ہدایت امر بالمعروف نہی عن المنکر

Marfat.com

اقامت دین، رد ظلم اور ... اعلائے کلمۃ الحق میں ... ہمہ تن اور ہمہ وقت لگا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی زندگی کی ہر جنبش و سکون ایک جہاد بن جاتی ہے۔ اور اس کی پوری زندگی جہاد کا ایک غیر منقطع سلسلہ نظر آتی ہے۔

اسلام میں اذنِ جہاد

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم اور مہاجرینِ اوّلین کی مکی زندگی مظلومی اور ستم رسیدگی کی طویل داستان تھی۔ خندہ پیشانی سے کفار مکہ کے مظالم برداشت کرتے رہے اور اُف تک نہ کی۔ مدینہ طیبہ کی ہجرت نے حالات کا دھارا یکسر بدل دیا۔ عسکری اور سیاسی کمزوری قوت اور شوکت میں بدل گئی۔ حالات کی تبدیلی شرعی احکام میں تغیر کا موجب ہوتی ہے۔ اور بارگاہ ایزدی سے حکم ملا کہ اب مظلوموں کو انتقام لینے کی اجازت ہے۔

ارشاد باری تعالٰے ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ	جن لوگوں سے لڑا جاتا تھا، ان کو انتقام لینے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ اور اللہ تعالٰے ان کی امداد پر قادر ہے۔
(الحج - ۳۹)	

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ اوّلین آیت ہے۔ جس میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ اذن جہاد کے ساتھ ساتھ اس کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ وہ مظلوم ہیں۔ مظلومی کو باعث قتال کی علت قرار دینے سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ اسلامی لڑائیاں جارحانہ مقاصد کے پیش نظر نہیں لڑی گئیں۔ بلکہ ان کا مقصد بڑی حد تک دفاع اعدا رہا۔ مولانا شبلی نے سیرت النبی جلد اوّل میں بہ دلائل ثابت کیا ہے۔ کہ آنحضور نے کوئی لڑائی جارحانہ مقاصد کے تحت نہیں لڑی۔ بلکہ سب غزوات میں آپ نے صرف مدافعت پر اکتفا فرمایا۔

Marfat.com

اذن جہاد کے شرائط | اللہ تعالے نے امن عامہ کے قیام کے لئے جہاد کی ضرورت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

لولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العالمین	اگر اللہ تعالے لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے باز نہ رکھتا تو زمین میں فساد پیدا ہوجاتا لیکن اللہ تعالے سب جہانوں پر رحم کرنے والا ہے۔
(سورۃ البقرہ ۔ ۲۵۰)	

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد رحمت خداوندی ہے اور اس سے ظالم کا دفاع کیا جاتا ہے۔ دین اسلام بلاوجہ جہاد کی اجازت نہیں دیتا بلکہ خاص موقع پر اس کی اجازت ہے۔

۱۔ اعداء دینی احکام پر عمل کرنے سے روکتے ہوں۔
۲۔ جب دشمن اسلامی حکومت پر حملہ آور ہو۔
۳۔ جب دشمن معاہدہ توڑ کر اسلامی حکومت پر یورش کرنا چاہتا ہو۔
۴۔ جب دشمن مسلمانوں کو گھروں سے نکال دے اور فتنہ بازی کا خواہاں ہو۔
۵۔ جب اسلامی عبادت گاہوں کو مسمار کیا جارہا ہو۔

مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آجائے تو اس کا سدباب کرنے کے لئے جہاد کی اجازت ہے۔

جنگ میں اصلاحات | ظہور اسلام سے قبل جنگ کا لفظ ہیبت ناک تھا اس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔ اسلام نے آکر اسے رحمت قرار دیا اور اس کے تصور کو یکسر بدل دیا۔

آپ نے فرمایا۔

Marfat.com

۱۔ بچوں۔ بوڑھوں، اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔

۲۔ دشمن کے مکانات نہ جلائے جائیں۔

۳۔ پھلدار درخت نہ کاٹے جائیں۔

۴۔ فصلوں کو بلا وجہ نقصان نہ پہنچایا جائے۔

۵۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص کسی کافر کو امان دے تو اس سے کچھ تعرض نہ کیا جائے

جب کوئی فوج بھیجنا چاہتے۔ تو ان کے سپہ سالار کو ہدایت فرماتے۔ میدان جنگ میں آغاز جہاد سے قبل دشمن کو تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے قبول کرنے کی دعوت دو۔ اگر وہ قبول کرلے تو حملہ کرنے سے رک جاؤ۔

۱۔ دشمن کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ مان لے، تو جنگ سے رک جاؤ۔

۲۔ دشمن سے کہئے کہ وہ اسلامی ملک میں آجائے اسے شہری حقوق حاصل ہوں گے۔ اگر وہ نہ آئے تو اس کی حالت بدو مسلمان کی سی ہوگی۔ اس پر مسلمانوں کا قانون جاری ہوگا۔ اور ان کو مال غنیمت سے حصہ نہیں ملے گا۔

۳۔ اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو وہ جزیہ دے کر اسلامی حکومت میں رہے اور اگر وہ تسلیم کرلے تو اس سے مت لڑیئے۔ اور اگر وہ یہ تسلیم نہ کرے تو پھر توفیق ایزدی اس سے جنگ کیجئے۔ (صحیح مسلم)

ان اصول و قواعد سے مقصود یہ تھا۔ کہ خونریزی سے احتراز کیا جائے۔ نہ کہ کسی کو مجبور کرکے بزور شمشیر مسلمان بنایا جائے۔ عہد صحابہ میں جب ایرانیوں سے لڑائی ہوئی۔ تو تین دن تک مسلمانوں نے تلوار نہ اٹھائی۔ حضرت سلمان فارسی تین روز تک ان کو سمجھاتے رہے کہ میں تمہاری طرح ایرانی ہوں۔ لیکن دیکھتے ہو کہ عرب میرے تابع فرمان ہیں۔ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو تم کو بھی وہی حقوق ملیں گے جو ہمارے ہیں۔ اگر تم اپنے ہی مذہب پر رہنا چاہتے ہو تو جزیہ دے کر

Marfat.com

رہ سکتے ہو (اتر مادی)

پاک بھارت جنگ اسلامی جہاد کی تازہ ترین مثال پاکستان و بھارت کی سابقہ جنگ ہے۔ جسے دنیائے اسلام کے علماء نے جہاد عظیم قرار دیا۔ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت نے اچانک بین الاقوامی سرحد عبور کر کے ظلمت شب میں پاکستان پر بزدلانہ حملہ کر دیا۔ پاکستانی فوجوں نے اپنی روایتی جرات مندی شجاعت اور عزم محکم سے پاکستان کی تاریخ میں ایک شاندار باب کا اضافہ کیا اور ایک بار پھر دنیا کو دکھا دیا کہ پاکستانی مسلمان ایک زندہ اور متحد قوم کی حیثیت میں ہر وقت اپنی مقدس سرزمین کی حفاظت کے لئے ہمہ تن مستعد ہیں مگر دسمبر ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ نے ایک نیا انداز اختیار کیا۔ ۱۹۶۵ء کے بالکل برعکس اس جنگ میں نہ صرف مشرقی پاکستان، مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتا رہا، بلکہ مغربی پاکستان کے قریباً پانچ ہزار مربع میل پر بھارت کے برہمنوں نے قبضہ کر لیا۔ اس جنگ کی وجہ سے روئے زمین کے مسلمان رسوا ہو گئے۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل کی حکومت نے جس کی آبادی صرف چھبیس لاکھ یعنی لاہور کی آبادی کے برابر ہے۔ عربوں کے جو علاقے چھین لئے تھے ابھی (۱۹۷۳ء) تک وہ اس سے واپس نہیں لے سکے۔ حالانکہ عرب ممالک کی مجموعی تعداد چونتیس ہے۔

اے کاش! کہ یہ دو رسواکن اور ذلت آمیز شکستیں خوابیدہ مسلمانوں کو جگا سکتیں۔ اور ان کے لئے سرمہ چشم عبرت و بصیرت ثابت ہوتیں۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آثار اس کی شہادت نہیں دے رہے۔ ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

غلام احمد حریری عفی عنہ

Marfat.com

سوالات

۱۔ جہاد کا مفہوم غرض و غایت اور حقیقت بیان کیجئے

۲۔ اسلام کا تصورِ جہاد کیا ہے۔ تشریح کیجئے اور بتایئے اسلام نے جنگ میں کیا اصلاحات کیں

۳۔ جہاد کی اقسام بیان کیجئے اور کتاب و سنت سے اس پر روشنی ڈالیے۔

۴۔ اہل یورپ کا یہ خیال کہاں تک صحیح ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا۔

۵۔ کن حالات میں جہاد کی اجازت ہے تفصیلاً لکھئے۔

۶۔ پاکستان اور بھارت کی حالیہ جنگ کیا جہاد تھی یا نہیں؟ جو موقف اختیار کریں۔ اسے دلائل کی روشنی میں ثابت کریں۔

Marfat.com

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ط

اور ہم نے آپ کو سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے

(حصّہ دوم)

سیرت النّبی صلّی اللہ علیہ وسلم

عرب کا جغرافیہ

اور

عرب کی قبل از اسلام سیاسی مذہبی اور تمدنی حالت

Marfat.com

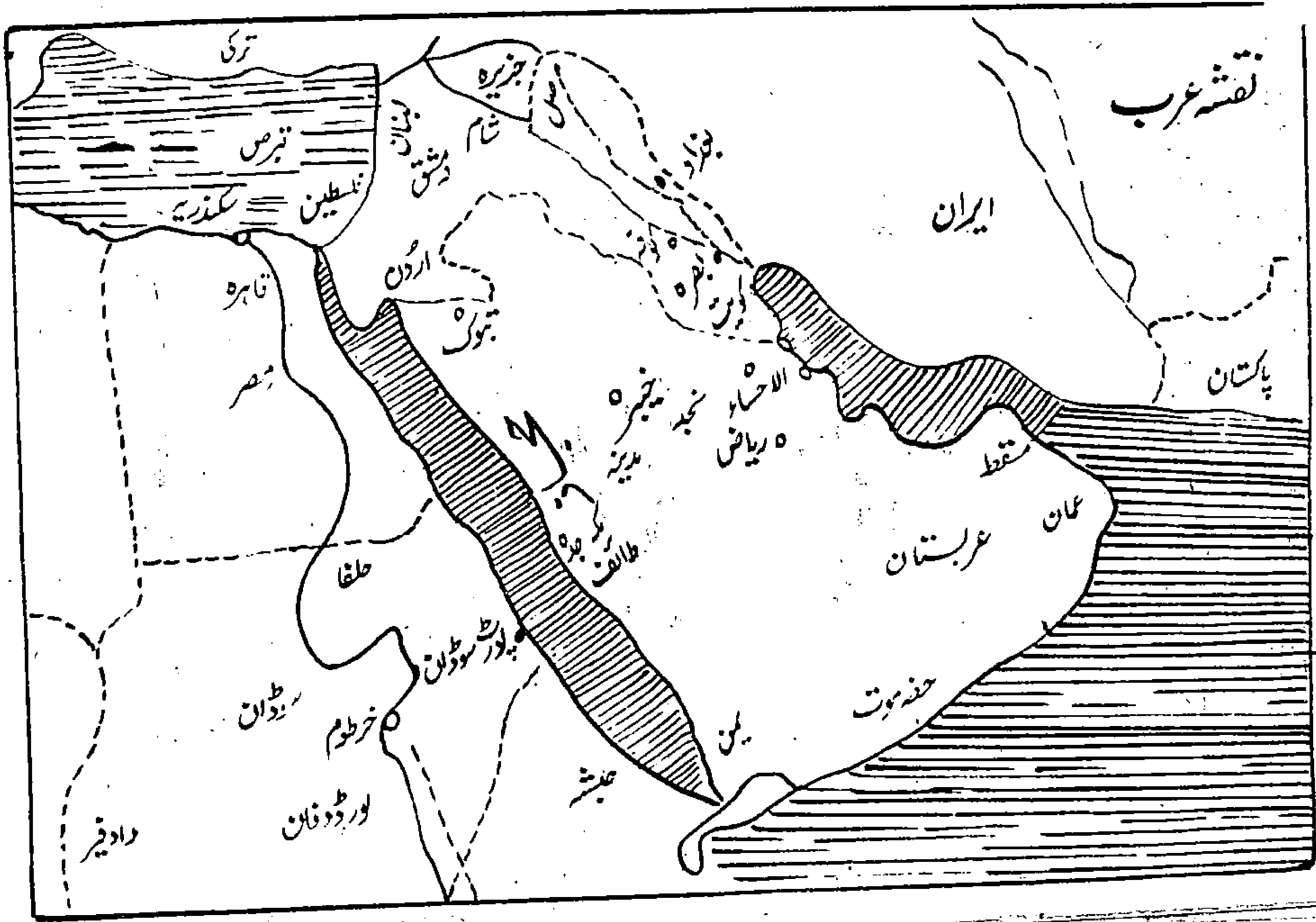
نقشہ عرب
ترکی
اسکندریہ
فلسطین
لبنان
شام
دمشق
جزیرہ
بغداد
ایران
اردن
تبوک
قاہرہ
مصر
خیبر
نجد
الاحساء
ریاض
مدینہ
طائف
عربستان
عمان
مسقط
پاکستان
حضرموت
یمن
حبشہ
خرطوم
حلفا

Marfat.com

پہلا باب

جزیرۂ عرب

وجہِ تسمیہ دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما عرب بارہ لاکھ مربع میل کے رقبہ پر مشتمل ہے عرب والے اسے جزیرۃ العرب کہتے ہیں۔ عربی میں جزیرہ ٹکڑہ اور قطعہ کو کہتے ہیں ــــ عرب کی وجہِ تسمیہ میں دو قول مذکور ہیں ــــ ایک یہ کہ عرب کے لفظی معنی فصیح اللسان اور زبان آور کے ہیں۔ چونکہ عرب اپنی شیریں بیانی اور زبان آوری کے مقابلہ میں ساری دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اس لئے اپنا نام عرب یعنی فصیح و بلیغ اور دوسری قوموں کا عجم یعنی گونگا رکھا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عرب کا لفظ "عربہ" سے مشتق ہے ــــ جس کے معنی صحرا و بیابان کے ہیں۔ چونکہ عرب کا بڑا حصہ لق ودق میدانوں اور بیابانوں پر مشتمل ہے اس لئے سارے ملک کو عرب کہنے لگے۔

محلِ وقوع عرب ایک جزیرہ نما ہے جس کے تین طرف پانی اور ایک جانب خشکی ہے۔ یہ پاکستان کے مغرب اور ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے اس کے مشرق میں بحرِ ہند، خلیج فارس اور خلیج عمان ہے۔ مغرب میں بحیرۂ قلزم آبنائے سوئز اور بحیرۂ روم ہے۔

Marfat.com

جنوب میں بحر ہند اور شمال میں شام و عراق کے ممالک ہیں۔

رقبہ و آبادی عرب کی اب تک باقاعدہ پیمائش اور مردم شماری نہیں ہوئی۔ تاہم رقبہ قریباً بارہ لاکھ مربع میل ہے جو جرمنی اور فرانس سے چوگنا ہے۔ آبادی ایک کروڑ سے زیادہ ہے ملک کا بڑا حصہ ریگستان اور صحرا پر مشتمل ہے ملک بھر میں پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے عراق، یمن اور شام کے خطے شاداب و زرخیز ہیں۔ محل وقوع کے اعتبار سے ہر مقام کی آب و ہوا مختلف ہے لیکن عموماً گرم و خشک ہے۔

عرب کی طبعی تقسیم طبعی اعتبار سے جزیرہ نمائے عرب مندرجہ ذیل خطوں میں بٹا ہوا ہے :-

۱:- **حجاز** یہ عرب کا سب سے بڑا صوبہ ہے جس کا رقبہ ڈیڑھ لاکھ مربع میل ہے اس میں ریگستان اور صحرا کثرت سے ہیں۔ جنوب میں یمن سے لے کر مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ شمال میں ملک شام تک پھیلا ہوا ہے اس کے شمال میں خلیج عقبہ اور مشرق میں نجد ہے۔ اس کے مشہور شہر مکہ مدینہ اور طائف ہیں۔

مکہ معظمہ (MECCA) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت گاہ ہے یہاں بیت اللہ شریف ہے جہاں تمام دنیا سے ہر سال لاکھوں مسلمان فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے آتے ہیں۔ مکہ بہت بڑا شہر ہے۔ یہ شہر چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔

مدینہ منورہ (MEDINA) یہ مکہ مکرمہ سے جانب شمال دو سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہجرت سے پہلے اس کا نام یثرب تھا پھر اسے مدینۃ النبیؐ (نبی کا شہر) کہنے لگے۔ لبعد ازاں صرف مدینہ

Marfat.com

کے نام سے مشہور ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا روضۂ اطہر اور مسجد نبویؐ اسی شہر میں ہے۔

طائف (TAIF) مکّہ سے جنوب مغربی جانب پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے یہ شہر سطح سمندر سے تقریباً چھ ہزار کی فٹ کی بلندی پر واقع ہے اس لئے عرب کا صحت افزا مقام اور نہایت پر رونق شہر شمار ہوتا ہے۔ یہاں شہد اور ہر قسم کے پھل بکثرت ملتے ہیں۔

جدّہ (JADDA) ایک بندرگاہ ہے جو مکّہ کے قریب ساحل سمندر پر واقع ہے اس کی آبادی ایک لاکھ کے قریب ہے۔

۲۔ **نجد** :۔ (NEJUD) نجد کے لغوی معنی ہیں بلند۔۔ یہ صوبہ عرب کے وسط میں واقع ہے یہاں پہاڑوں اور خمدار وادیوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔۔۔ یہ علاقہ آج کل تیل کے چشموں کے لئے مشہور ہے۔ اس علاقے میں عمدہ قسم کے گھوڑے اور اونٹ ملتے ہیں۔ آج کل نجد کا صدر مقام ریاض (RIYADH) ہے۔

۳۔ **یمن** (YEMEN) مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ صوبہ حجاز کے جنوب میں واقع ہے اس کا رقبہ ۷۵ ہزار مربع میل ہے سرسبز و شاداب علاقہ ہونے کی وجہ سے گنجان آباد ہے آبادی تقریباً چالیس لاکھ ہے۔ جنوبی حصے میں بندرگاہ عدن (ADEN) اور کچھ ملحقہ علاقہ انگریزوں کے قبضے میں ہے۔ جہاں آج کل حصول آزادی کے لئے عربوں نے انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کر رکھی ہے۔ یمن کی خاص پیداوار جَو، گندم، باجرہ اور کافی ہے آج کل اس کا صدر مقام صنعاء (SANA) ہے

۴۔ **حضر موت**۔ یہ علاقہ بحیرہ عرب کے ساحل کے ساتھ یمن اور عمان

Marfat.com

کے درمیان واقع ہے۔ اس میں ایک بہت لمبی موسمی ندی بہتی ہے۔ ساحلی علاقہ زیادہ آباد ہے خاص پیداوار کھجور ہے۔

۵۔ عمان ۔ یہ صوبہ عرب کے بالکل مشرق میں واقع ہے اس کا رقبہ بیاسی ہزار مربع میل ہے اور موجودہ آبادی پانچ لاکھ پچاس ہزار ہے — مسقط (MUSCAT) صدر مقام ہے۔ پہاڑی علاقہ کے قرب وجوار میں کاشت کا کام ہوتا ہے کھجور یہاں کی خاص پیداوار ہے۔

۶۔ الاحساء :- یہ صوبہ عمان کے شمالمغربی جانب واقع ہے۔ پچیس میل کا ایک ریتلا قطعہ اس کو خلیج فارس سے جدا کرتا ہے الاحساء کے جن حصوں میں نہروں سے آبپاشی ہوتی ہے۔ وہ شاداب ہیں۔ یہاں کھجور بکثرت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعض علاقوں میں چونے کا پتھر ملتا ہے آجکل وہاں میں تیل کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

۷۔ بحرین :- خلیج فارس میں ایک چھوٹا سا جزیرہ بحرین (BAHREIN) ہے جس کا رقبہ قریباً ۲۱۳ مربع میل ہے بحرین کا علاقہ تیل کے چشموں اور سمندر کے موتیوں کے لئے مشہور ہے

۸۔ تہامہ :- تہامہ کے لغوی معنی ہیں ساحلی علاقہ ـــ اس نام کا اطلاق اس تنگ قطعہ پر ہوتا ہے۔ جو یمن، حجاز، اور سمندر کے درمیان ہے۔ یہ میدانوں اور پہاڑوں کا مجموعہ ہے ـــ آب وہوا گرم خشک ہے۔

۹۔ ربع خالی :- یہ عرب کا صحرائے اعظم ہے۔ رقبہ میں عرب کے چوتھائی حصہ کے برابر ہے۔ آبادی اس میں بالکل نہیں۔ اس لئے الربع الخالی کہلاتا ہے۔

اس کے بعض سرحدی علاقوں میں اونٹ پالے جاتے ہیں یہاں کے

Marfat.com

اونٹ بہت بیش قیمت ہوتے ہیں۔ صحرا میں کہیں کہیں نمکین پانی کے چشمے ملتے ہیں ـــــ انسان ان کا پانی نہیں پی سکتے۔ اس لئے وہ اونٹنیوں کے دودھ پر گزارہ کرتے ہیں۔ ربع خالی میں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جہاں سے گزرنا ممکن نہیں ان علاقوں میں کبھی عاد و ثمود کی پرشکوہ قومیں آباد تھیں آج وہاں ان کی آبادی کا کوئی نشان نہیں ملتا صحرا کے کناروں پر آج کل تیل کے چشمے اُبل رہے ہیں۔ اور پختہ سڑکوں کا جال بچھایا جا رہا ہے۔

آب و ہوا اور پیداوار

عرب کی آب و ہوا سخت گرم و خشک ہے۔ بارش شاذ و نادر ہی ہوتی ہے پہاڑوں میں موسم قدرے معتدل ہوتا ہے ملک میں چونکہ دریا نہیں ہیں اس لئے پانی کمیاب ہے موسمی ندی نالے کافی تعداد میں ہیں مگر وہ ہمیشہ جاری نہیں رہتے۔ ان کی گزرگاہیں وادیاں کہلاتی ہیں گرمی میں سخت گرمی پڑتی ہے اور بادِ سموم چلتی ہے۔ بارش نہ ہونے کے باعث زراعت نہیں ہو سکتی۔ زیادہ تر لوگ بکریاں اور اونٹ پالتے ہیں۔ عربی گھوڑے بہت خوبصورت اور تیز رفتار ہوتے ہیں عرب گھوڑوں کو بہت عزیز رکھتے ہیں اور بچھیروں کو اولاد کی طرح پالتے ہیں اونٹ سواری اور باربرداری کے کام آتا ہے۔ جہاں پانی موجود ہے وہاں شہر اور گاؤں آباد ہیں۔ یہاں کا مشہور پھل کھجور ہے ـــــ کہیں کہیں باجرہ، جَو اور گیہوں بھی پیدا ہوتے ہیں۔ طائف کے پھلوں میں انار اور انگور بہت لذیذ اور مشہور ہیں۔ عربوں کا انحصار زیادہ تر کھجور پر ہے وہ اس کی گٹھلی بھی ضائع نہیں کرتے اس سے کوکو بناتے ہیں یا اونٹوں کو کھلاتے ہیں۔ کھجور کے درخت سے ستون اور شہتیر بناتے ہیں اس کی چھال کو روئی کی جگہ گدّوں میں بھر لیتے ہیں

Marfat.com

اور اس سے روٹیاں بناتے ہیں۔ ستو عربوں کی محبوب غذا ہے جنوب کے ساحلی علاقوں میں روئی۔ کافی۔ گرم مصالحے اور خوشبوئیں کافی مقدار میں ہوتی ہیں۔ انہیں دور دور کے ملکوں میں درآمد کیا جاتا ہے آج کل عرب میں تیل کے کنوؤں کی بہتات ہو رہی ہے۔ یہ کنوئیں بحرین احساء کویت اور ان سے اوپر کے شمالی رقبوں میں ہیں ان علاقوں کے ساحل کے ساتھ سمندر کے نیچے سے بھی تیل نکالا جاتا ہے

عرب کے باشندے

جزیرۂ عرب کے باشندوں کی دو قسمیں ہیں

۱:۔ شہروں اور دیہات میں رہنے والے حضری کہلاتے ہیں۔ حضری لوگ عام طور سے تجارت۔ کھیتی باڑی یا صنعت و حرفت کے ذریعہ پیٹ پالتے ہیں۔

۲:۔ صحرا اور بادیہ نشین بدوی کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ اونٹ اور بھیڑ بکری پال کر گزارہ کرتے ہیں — یہ لوگ نقل مکانی کرتے رہتے ہیں جہاں گھاس اور پانی کی فراوانی ہوئی وہاں پہنچ گئے۔ جب گھاس اور پانی ختم ہو گیا — تو یہ وہاں سے چل دیتے۔

عرب کے تمام قبائل سامی نسل سے تعلق رکھتے ہیں نسلی اعتبار سے عربوں کو تین قسموں میں منقسم کیا گیا ہے۔

۱:۔ عرب بائدہ ۲:۔ عرب عاربہ ۳:۔ عرب مستعربہ

عرب بائدہ :۔ زمانۂ قدیم میں ملک عرب میں عاد اور ثمود وغیرہ قبیلے آباد تھے۔ مادی اعتبار سے انہوں نے بہت اونچا مقام حاصل کیا تھا۔ آخر خدا کے نافرمان ہو کر اس کے غضب کا شکار ہوئے اور صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کیلئے مٹ گئے۔ اسی لئے ان کو عرب بائدہ (ہلاک شدہ عرب) کہتے ہیں۔

۲:۔ **عرب عاربہ** :۔ یہ یمن کے رہنے والے بنو قحطان ہیں جو عرب بائدہ

Marfat.com

کے بعد اس ملک کے اصل باشندے ہیں ان کا اصلی وطن یمن تھا۔ وہاں سے عرب بھر میں پھیل گئے ۔ چونکہ یمن کا ایک قحطانی بادشاہ ہمیشہ سرخ لباس پہنتا تھا اس لئے اس کا خاندان حمیری (سرخ لباس والا) کہلانے لگا۔ اور قحطانی حمیری کے نام سے بھی مشہور ہوئے ان کو یمنی بھی کہتے ہیں۔

۲۔ **عرب مستعربہ**:- یہ بنو اسمٰعیل ہیں جو زیادہ تر حجاز میں آباد تھے۔ ان کا دوسرا نام عدنانی یا مضری بھی ہے یہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہیں اس کے بعد ایک دوسرے سربراہ خاندان فہر کی وجہ سے جس کا لقب قریش تھا تمام خاندان قریش کہلانے لگا۔

ظہور اسلام کے وقت اور اس کے بعد یہی نام استعمال ہوتا رہا۔ خانہ کعبہ کے متوّلی ہونے کی وجہ سے قریش کو تمام عرب میں عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

عرب کے رہنے والے مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا سردار ہوتا تھا۔ قبیلے کے سب افراد اپنے سردار کی اطاعت کرتے تھے۔ قبائلی زندگی نے عربوں میں خاندانی اتحاد اور یک جہتی پیدا کر دی تھی۔ خون اور نسب اتحاد کا بڑا ذریعہ تھا۔ ہر شخص کا فرض ہوتا تھا کہ خاندان اور قبیلے کی ناموس و آبرو کی حفاظت کرے۔ قبیلے کا سردار امن کے زمانے میں اپنے علاقے کا بادشاہ ہوتا تھا۔ اور جنگ کے زمانے میں سپہ سالار بن جاتا تھا تلوار، نیزہ اور تیر عربوں کے مشہور ہتھیار تھے۔

طلوعِ اسلام کے وقت عربوں کی حالت

ظہور اسلام کے وقت عرب سیاسی معاشرتی اور مذہبی لحاظ سے حد درجہ پست

Marfat.com

تھے۔ ظہورِ اسلام کے قبل کے زمانہ کو "دورِ جاہلیت" کہا جاتا ہے اس وقت وہ لوگ فطری ذہانت، زبان دانی، جرأت و شجاعت اور قوتِ خطابت کے باوجود ضلالت وجہالت کی تاریکی میں گھرے ہوئے تھے۔

سیاسی حالت

ظہورِ اسلام کے وقت جزیرۂ عرب میں کوئی باقاعدہ نظامِ حکومت موجود نہ تھا۔ آپس کے جھگڑوں کے تصفیہ کے لئے کوئی عدالت نہ تھی امن قائم رکھنے کے لئے پولیس کا محکمہ نہ تھا۔ بیرونی حملوں کی روک تھام کے لئے کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی عربوں کے ہاں اپنا کوئی سکہ اور ٹکسال بھی موجود نہ تھا۔

جزیرہ عرب کے باشندے مختلف قبیلوں میں منقسم تھے۔ ہر قبیلہ چند خاندانوں کا مجموعہ ہوتا تھا۔ ان قبیلوں کے نام ان کے کسی بزرگ کے نام پر ہوتے تھے مثلاً بنی ہاشم، بنی عدنان، بنی عباس وغیرہ

ہر قبیلہ کا ایک سردار ہوتا تھا۔ جو شیخ کہلاتا تھا اہلِ قبیلہ اس کا انتخاب کرتے تھے عموماً اس شخص کو سردار چنا جاتا تھا۔ جو مجموعہ صفات ہوا کرتا تھا۔ اس کو سارے قبیلہ پر حاکمانہ اختیارات حاصل ہوتے تھے وہ تمام امورِ قبیلہ کے ممتاز لوگوں کے مشورے سے انجام دیتا تھا۔ ان قبائل میں ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا ہو جاتا۔ جو بڑھ کر جنگ کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ اگر اتفاق سے دو قبیلوں کے درمیان لڑائی چھڑ جاتی تو اکثر حالتوں میں اس لڑائی کی آگ کئی نسلوں تک سلگتی رہتی۔

اور لبا اوقات بہت سے قبیلے اس کی لپیٹ میں آجاتے۔ جب بھی کسی قبیلے کو موقعہ ملتا وہ اپنے حریف قبیلے پر حملہ کر کے قتل وغارت کا بازار گرم کر دیتا قبیلہ بکر اور تغلب کے درمیان جو ایک اونٹنی کے باعث جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا

Marfat.com

تھا۔ اس کا سلسلہ چالیس سال تک جاری رہا۔

ادبِ عربی میں یہ واقعہ جنگِ بسوس کے نام سے مشہور ہے اسی طرح ایک مرتبہ گھوڑے دوڑانے پر بنو عبس اور ذبیان کے درمیان تنازعہ ہوگیا اس کو جنگ داحس وغبراء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ دونوں قبیلے برسوں تک باہم نبرد آزما رہے۔

عربوں کے ادبی میلے

عرب کے مختلف مقامات پر لوگ ہر سال اکٹھے ہوتے تھے ان میلوں میں تجارتی کاروبار ہوتا اور شعر و ادب کی گرم بازاری رہتی تھی۔ پرانے جھگڑے چکائے جاتے تھے۔ ان میلوں کو اتنی اہمیت حاصل تھی کہ اہل عرب محرم، رجب، ذیقعد اور ذی الحجہ کے مہینوں میں لڑائی کو حرام سمجھتے اور ان مہینوں میں اجتماعات منعقد کیا کرتے۔

تین تین ہفتوں تک ایک ہی میلہ لگا رہتا۔ سب سے بڑا میلہ مکّہ کے قریب عکاظ کے بازار میں لگتا تھا۔ جہاں تمام عرب سے لوگ جمع ہوتے تھے۔

عرب حکومتیں

قبائلی نظام کے علاوہ ظہور اسلام سے قبل چند عرب حکومتوں کا پتہ بھی ملتا ہے۔ یہ حکومتیں باقاعدہ طور پر صاحبِ تخت و تاج حکمرانوں کے زیرِ نگیں تھیں ـــــ یمن کے علاقے میں معینی اور سبائی دو شاہی خاندان بہت مشہور تھے۔

حکومت معینی بڑی دولت مند اور صاحبِ ثروت تھی اس کی تجارت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی دولتِ معینیہ کا پتہ آثار قدیمہ کی کھدائی سے چلا ہے۔ اس سلطنت کے ۲۶ حکمرانوں کے نام ملے ہیں اس کی حکومت نجران اور حضر موت کے درمیان کے علاقوں میں تھی ۔ اس کا عہد حکومت ۱۳۰۰ء

Marfat.com

سے ۶۵۰ء قبل مسیح تھا۔

ملکہ سبا (بلقیس) سبائی خاندان میں سے تھیں اس خاندان کا عہد حکومت از ۹۵۰ء تا ۱۱۵ء قبل مسیح تھا۔ صنعا کے علاقے کی حکومت سب سے بڑی تھی۔ اس کا بادشاہ یوسف ذونواس یہودی ہو گیا تھا

ایک دفعہ روم سے کچھ لوگ عیسائیت کی تبلیغ کے لئے صنعا آئے یوسف ذونواس نے ان لوگوں پر بڑا ظلم کیا اور انہیں آگ میں ڈال دیا۔ یہ حادثہ ۵۲۴ء میں پیش آیا۔ قیصر (شاہ روم) نے اپنے ماتحت بادشاہ نجاشی (شاہ حبشہ) کو اس ظلم کا بدلہ لینے کا حکم دیا۔

حبشہ سے ایک سردار اریاط فوج کا ایک دستہ لے کر آیا لیکن ذونواس نے خودکشی کر لی۔ کچھ عرصہ کے بعد اریاط کے امیر فوج ابرھہ نے اریاط کو قتل کر دیا۔ اور خود بادشاہ بن بیٹھا —— ابرہہ پکا عیسائی تھا۔ اس نے صنعا میں ایک بڑا گرجا بنوایا اور عرب بھر میں اعلان کروا دیا کہ آئندہ لوگ خانہ کعبہ کے بجائے اس کا طواف کیا کریں۔ لیکن عرب لوگ چونکہ خانہ کعبہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ اس لئے ابرہہ کے حکم کی پرواہ نہ کی —— ابرہہ ایک لشکر جرار لے کر ۵۷۰ء میں مکہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ خانہ کعبہ کو مٹا کر اہل عرب کو اپنے خود ساختہ گرجا کی زیارت پر مجبور کرے لیکن اللہ تعالے کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ جب مکہ کے قریب آیا تو اللہ تعالےٰ نے اس پر عذاب نازل کیا۔ اور پرندوں کے غول کے غول بھیجدیئے جو پتھر کی کنکریاں برساتے تھے۔ ان کنکریوں کے بادلوں نے اس زور کا طوفان اٹھایا کہ ابرہہ کے ہاتھی گھبرا کر چیخنے لگے۔ اور اپنے ہی آدمیوں کو روند ڈالا چنانچہ ابرہہ کی فوج تباہ و برباد ہو گئی۔ قرآن حکیم کی سورہ الفیل میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

Marfat.com

ابرہہ کے بعد اس کے بیٹے حکمران بنے ـــــ پرانے بادشاہوں کی اولاد میں سے کچھ لوگ باقی تھے جنہوں نے شاہ ایران کی مدد سے دوبارہ یمن پر قبضہ کرلیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ایران کے بادشاہ نے اپنا حاکم بھیج کر یمن کو ایرانی صوبہ بنالیا۔

یمن کے علاوہ عراق میں سلطنتِ حیرہ اور شام کی سرحد پر غسّانی حکومت قائم تھی۔ جس کا حاکم عیسائی ہوگیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک غسّانی لوگ عیسائی تھے پھر اسی عہد میں مسلمان ہوگئے۔

تمدنی اور سماجی حالت

ظہورِ اسلام سے قبل عرب تمدنی لحاظ سے بہت پست تھے۔ لہٰذا تہذیب و تمدن کے اعتبار سے ان کی حالت یکساں نہ تھی دراصل تمدن اور معیشت میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

عرب کے جن علاقوں کی معاشی حالت اچھی تھی ـــــ وہاں تمدن نے بھی ترقی کی۔ جنوبی عرب یعنی یمن کے علاقوں میں رہنے والے چونکہ خوش حال تھے اس لئے وہاں تہذیبی ترقی کے آثار بھی ملتے ہیں صنعاء اور اس کے قریب جن عظیم الشان قلعوں اور فصیلوں کے آثار ملتے ہیں ان سے اہل یمن کی تمدنی حالت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے یہی حالت حضرت موت کے علاقہ کی تھی۔ وہاں کے آثار قدیمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہاں ایک ترقی یافتہ قوم آباد تھی۔ سبا کے دارالحکومت مآرب کا بند اور اس سے آب پاشی کا انتظام متمدن انسانوں کا کارنامہ تھا۔

اسی طرح حیرہ اور حوران جو عراق و شام کی سرحد پر عربی حکومتوں کے دارالحکومت تھے خاصے ترقی یافتہ تھے۔ ان کا رہن سہن اور معاشی نظام اپنے قرب و جوار کی ایرانی اور رومی سلطنتوں کے مطابق تھا۔ لیکن عرب کے اندرونی مقامات کی یہ حالت

Marfat.com

نہ تھی۔ عربی زبان نہایت وسیع ہے مگر اس کے باوجود جن چیزوں کا تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے ان کے لئے خاص عربی زبان میں کوئی لفظ نہیں ملتا مثلاً سکہ۔ چراغ۔ کوزہ۔ طشت درہم ودینار وغیرہ کے لئے جو لفظ عربی زبان میں رائج ہوئے وہ سب دوسری زبانوں سے لئے گئے تھے

عربی زبان ادبی لحاظ سے بہت مالدار ہے اور اہل عرب کو اپنی زبان دانی پر اتنا فخر تھا کہ وہ غیر عرب لوگوں کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے۔ عرب میں شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا۔ چونکہ عام طور پر عرب لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے ان کے یہاں تصنیف و تالیف کا کوئی سلسلہ نہ تھا۔ لوگ اشعار کو زبانی یاد کر لیتے تھے عربوں کی قوت حافظہ ضرب المثل کی حد تک مشہور ہے۔ اشعار میں زیادہ تر جنگوں کے حالات یا اپنے قبیلہ کی بہادری کا تذکرہ ہوتا تھا۔ اخلاقی پستی کا یہ عالم تھا کہ شاعر اپنی محبوبہ کا نام لے کر اشعار میں اس کی تعریف کرتا تھا۔ ادبی میلوں میں شاعر اپنا کلام سناتے اور حسب قابلیت خراج تحسین وصول کرتے تھے۔

عرب عام طور پر معاشی بدحالی کا شکار رہتے تھے بارش کی کمی کے باعث کھیتی باڑی نہ ہو سکتی تھی۔ اس لئے لوگوں کا عام پیشہ اونٹ اور بھیڑ بکری پالنا تھا۔ اونٹ عربوں کی بہت بڑی دولت تھا۔ مویشی پالنے کے علاوہ کچھ لوگ دوسرے ممالک سے بھی تجارت کرتے تھے چونکہ اہل عرب روزمرہ کی چیزوں کو اپنے ہاتھ سے تیار کرنے کو باعث شرم سمجھتے تھے اس لئے صنعت و حرفت سے واقف نہ تھے۔ یمن میں البتہ چادریں اور کمبل بنائے جاتے ہیں اس کے علاوہ کہیں کہیں آلات جنگ بھی تیار کئے جاتے تھے۔

عرب بڑے سادہ مزاج تھے ان کے قومی اخلاق میں سخاوت مہمان نوازی ایفائے عہد اخوت شجاعت اور باہمی ہمدردی کے اوصاف نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ وہ آزادی کے شیدائی اور زبان دانی میں بے مثال تھے۔ عربی شاعری حقیقت نگاری کی آئینہ دار ہوتی تھی عرب اپنے خاندانوں اور قبیلے کی عزت و ناموس کے لئے اپنی جان پر کھیل جانے کو ایک معمولی بات سمجھتے تھے۔ اپنے عورتوں کی عزت اور قبیلے کی نیک نامی کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہتے تھے۔ امیر و غریب سب مسافروں اور مہمانوں کی خاطر و مدارات میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ سخاوت میں حاتم طائی ایسے لوگوں کے نام آج بھی مشہور ہیں عرب وعدے

Marfat.com

کے بڑے پکے ہوتے تھے۔ اور وعدہ خلافی کو ایک نہایت بُرا فعل قرار دیتے تھے۔ آزادی اور خود مختاری بھی جاہل عربوں کا قومی کردار تھا۔ عرب انفرادی اور قومی آزادی کو ہر طرح اور ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ انہیں یہ ہرگز گوارہ نہ تھا۔ کہ کسی شخص یا قبیلے کی آزادی چھن جائے۔

زمانہ جاہلیت کے عربی معاشرہ میں عورتوں کو اچھی خاصی آزادی حاصل تھی۔ عورت کاروبار اور تجارت کر سکتی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مثال ہمارے سامنے ہے عرب عورتیں مردوں کے ساتھ میدان جنگ میں جاتیں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور لڑائی کے وقت مردوں کو بہادری اور بے جگری سے لڑنے پر اکساتی تھیں مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل تھی۔ مرد جتنی بیویاں چاہے رکھ سکتا تھا۔ بعض قبائل میں کسی شخص کے مرنے پر اس کی بیویاں لڑکے کے حصے میں آجاتی تھیں صرف حقیقی ماں مستثنیٰ تھی۔ عرب معاشرہ میں عورت کو ورثہ نہیں ملتا تھا۔

مذموم رسوم و عادات

زمانہ جاہلیت کے عرب معاشرہ میں جہاں بہت سے اوصاف اور خوبیاں موجود تھیں وہاں یہ معاشرہ کئی بری رسموں اور بدعادتوں کا شکار تھا۔ قدیم عرب اس حد تک بے رحم تھے۔ کہ نشانہ کے لئے زندہ جانوروں اور پرندوں پر مشق کرتے تھے۔ زندہ اونٹ کے جسم سے گوشت کاٹ کر کھا جاتے تھے۔ دشمن قابو میں آجاتا تو اسے سنگدلی سے قتل کرتے تھے۔ ایک ایک کر کے اس کے اعضا کاٹتے تھے یا اسے درخت سے باندھ کر تیر کا نشانہ بناتے تھے۔ عرب بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ توہم پرست بھی تھے۔ بھوت پریت ان کی رگوں پر سوار رہتے تھے۔ مُردوں کے بارے میں اُن کا خیال تھا کہ مُردے کا روح اُلو بن کر اس کی قبر پر ٹھکانہ کر لیتی تھی۔ ان میں کہانت یعنی فال گیری اور جادو کا بہت رواج تھا۔ اس فن کے ماہرین عورتوں میں بہت مقبول ہوتے تھے۔ کاہن عورتوں سے خوب دولت کماتے تھے۔

شراب نوشی عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی شراب نوشی کا ذکر اپنے اشعار میں فخریہ کرتے تھے۔ قمار بازی بہت عام تھی۔ سودی کاروبار پر کوئی پابندی نہ تھی ضرورت پڑنے

Marfat.com

یہ لوگ اپنے بیوی اور بچے رہن رکھ کر رقم حاصل کر لیتے تھے افلاس اور عار کی وجہ سے بعض قبیلے لڑکیوں کو پیوندِ خاک کر دیتے تھے جب کسی کے ہاں بچی پیدا ہوتی تو اس کا سر ندامت سے جھک جاتا بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ مرد و زن ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ غلامی کا رواج عام تھا۔ غلاموں کی حالت از حد خراب تھی ان کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا غربت اور ناداری کی وجہ سے لوٹ مار اور چوری ڈکیتی عام تھی۔ عرب اس کو بہادری اور جواں مردی خیال کرتے تھے۔

ملک بھر میں کہیں کوئی مدرسہ نہ تھا۔ حجاز میں جو چند لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ وہ وہی تھے جو تجارت کے سلسلے میں شام و عراق جاتے رہتے تھے۔ مدینہ کے لوگ کسی حد تک زیادہ تعلیم یافتہ تھے کیونکہ وہاں یہود کے کئی قبیلے آباد تھے۔ جن سے انہوں نے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا تھا حضور کی بعثت کے وقت تک گنے چنے چند لوگ مکّہ میں لکھنا جانتے تھے۔

مذہبی حالت

عرب میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کا صور پھونکا اور خدائے واحد کی پرستش کے لئے مکہ میں سب سے پہلا گھر بنایا رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں سے صدائے توحید کا اثر زائل ہو گیا تھا اور نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا میں خالص خدا کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہ گیا تھا۔ پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ کرۂ ارضی کے کسی حصے میں کوئی حقیقی خداشناس قوم باقی نہ رہی۔ جن قوموں میں نورِ الٰہی کی کوئی کرن تھی بھی ——— تو اس پر ضلالت اور جہالت کے اتنے پردے پڑ گئے تھے۔ کہ ان کی اصلی صورت پہچانی نہ جاتی تھی ——

ملکِ عرب جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کی رُوح پھونکی تھی۔ اور خدا کی عبادت کے لئے سب سے پہلا خانۂ خدا بنایا تھا۔ دوسری قوموں سے کسی طرح بہتر نہ تھا عرب دین ابراہیمی کے پیرو کہلاتے تھے۔ مگر اس دین کی صورت مسخ ہو چکی تھی توحید کا رُخِ زیبا شرک اور بت پرستی کے اوہام میں چھپ کر رہ گیا تھا۔ خدائے واحد کے ساتھ اور بہت سے کارساز شریک ہو گئے تھے۔ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ سینکڑوں بتوں کو

Marfat.com

خدا کا مظہر مان کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ ان میں لات منات ہبل اور عزیٰ زیادہ مشہور تھے ہبل خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ تمام عرب اس کی پرستش کیا کرتا تھا۔ مختلف قبائل کے بت الگ الگ تھے منات اوس اور خزرج کا بت تھا۔ لات قبیلہ ثقیف کا اور عزیٰ غطفان کا۔

عزیٰ کی پرستش ارکانِ حج میں داخل تھی۔ ان بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑے جاتے تھے۔ ان پر انسانوں کی قربانیاں ہوتی تھیں ان کے علاوہ سینکڑوں لکڑی اور مسالے کے خانہ ساز خدا تھے۔

بتوں کے علاوہ عرب ستاروں اور چاند سورج کو بھی پوجتے تھے کچھ قبیلے بھوت پریت کی بھی پوجا کرتے تھے اور ان کے بارے میں عجیب و غریب عقائد رکھتے تھے شمالی عرب کے قبائل ایرانیوں کی تقلید میں آگ کو پوجنے لگے تھے کچھ لوگ ایک خدا کو بھی مانتے تھے۔ مگر وہ عیسائی ہو گئے تھے۔ ان کے علاوہ یہودی اور زرتشتی مذہب کے لوگ بھی موجود تھے عیسائی اور یہودی دونوں اپنے اصل مذہب سے بہت دور ہٹ چکے تھے۔ عیسائی تین خداؤں کے قائل تھے ان کے بے شمار فرقے تھے۔ جو آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ یہودی بھی انتہائی پستی میں گرے ہوئے تھے مال و دولت کی ہوس ان میں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ وہم پرستی، جادو اور عملیات کو انہوں نے مذہب کا جزو بنا لیا تھا۔ یہودی علماء نے تورات میں ترمیمیں کر دی تھیں اپنی روٹیوں کی خاطر ساری قوم کو مبتلائے فریب کر رکھا تھا۔

ان مذاہب کے علاوہ مختلف قسم کے خیالات اور عقائد پائے جاتے تھے کچھ ملحد تھے جو سرے سے خدا کے وجود ہی کے منکر تھے غرض کوئی ایسا عقیدہ نہ تھا۔ جو عربوں میں رائج نہ ہو۔ اہل عرب ایسے صنعت کار نہ تھے۔ ان کے بت عموماً ناتراشیدہ پتھر یا لکڑی کے ہوتے تھے۔ عربوں کی متلون مزاجی بتوں کے باب میں بھی عجیب شگوفے کھلاتی تھی کوئی پہلے سے زیادہ خوبصورت پتھر ملا تو اسے معبود بنا ڈالا اور پہلے کو اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ (ابن اثیر) ایندھن کی حاجت ہوئی تو لکڑی کے بت ہی کو توڑ کر جلا لیا۔ لیکن شوق

Marfat.com

چرالیا تو آٹے کا صنم بنالیا۔ پھر بھوک لگی تو اسے توڑ کر پیٹ کی نذر کردیا۔ بہت کم بت سرداروں کی ستم ظریفی سے محفوظ رہتے تھے۔

کعبہ

جزیرہ عرب میں مکہ مکرمہ بڑا مشہور اور مرکزی شہر ہے تمام علاقہ بنجر اور غیر زرعی ہے شہر کے چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ ہیں مکہ بندرگاہ سے تقریباً ۴۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے

مکہ کو اُمّ القریٰ ۔ بَلَدِ اَمین اور بکہ کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس مقدس شہر کی عزت وعظمت بیت اللہ کی وجہ سے ہے جسے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ نے بنایا تھا۔ مکعب عمارت ہونے کی وجہ سے اسے کعبہ کا نام دیا گیا ہے جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ میں آباد کیا تو آپ نے دعا مانگی تھی۔

اے اللہ ـــــ ! میں نے ان لوگوں کو بے آباد اور غیر زرعی بستی میں بسایا ہے۔ تو مہربانی فرما اس شہر کو امن وسلامتی کا مرکز بنادے۔ اور لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف مائل کردے۔

کعبہ کی تعمیر سے پہلے اس مقام (مکہ) پر کوئی آبادی نہ تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے اثر اور کعبہ کی کشش سے لوگ رفتہ رفتہ یہاں آکر آباد ہونے لگے۔ اور سب سے پہلے جرہم کا قبیلہ یہاں آکر آباد ہوا۔ کعبہ کا انتظام حاجیوں کی خدمت اور مکہ کی حکومت پہلے آلِ اسمٰعیل اور پھر بنو جرہم کے ہاتھ میں رہی۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے اس قبیلہ کے سردار کی لڑکی سے شادی کی اس سے بارہ بچے تولد ہوئے حضرت ابراہیم کی زندگی ہی میں کعبہ کو سارے عرب میں مرکزیت حاصل ہوگئی تھی۔ بنو جرہم اس تسلط کی بناء پر مغرور ہوگئے انہوں نے تولیت کعبہ کے گھمنڈ میں بڑی بدعنوانیاں شروع کردیں۔ خانہ کعبہ کا چڑھاوا کھا جاتے۔ حجاج کو ستاتے۔ جب بنو جرہم کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو آلِ اسمٰعیل نے انہیں مکہ سے نکال کر پھر کعبہ کی تولیت واپس لے لی۔

یہ منصب نسلاً بعد نسلٍ عدنان تک پہنچا۔ یہ بڑا تاریخی شخص ہے آنحضرت صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم اور اکثر صحابہ کا سلسلۂ نسب اسی پر منتہی ہوتا ہے عدنان کی اولاد بہت پھلی پھولی۔ ربیعہ، مضر، اور قضاعہ کے نامور قبائل اسی کی نسل سے تھے جنہوں نے عرب کی پرانی تاریخ میں بڑی عظمت وشان حاصل کی۔ عرب کے تمام حصوں میں ان کی حکومتیں پھیلی ہوئی تھیں ان کا خاص پیشہ تجارت تھا۔

قریش

آگے چل کر عدنان کی نسل سے فہر نامی ایک بزرگ پیدا ہوئے جس سے خاندانِ قریش کی بنیاد پڑی فہر کا لقب قریش تھا۔ اسی نسبت سے اس کی نسل قریشی کہلاتی ہے قریش کے سب خاندان اسی کی نسل سے تھے اِس کی پانچویں پشت میں قریش کا تاریخی شخص قصی پیدا ہوا۔ قریش کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کا آغاز اسی نامور شخص سے ہوا اس نامور شخص نے قریش کے مختلف خاندانوں کو اکھٹا کر کے ان میں اتحاد پیدا کیا۔ اور خود بیت اللہ شریف کا دینی و مذہبی سردار اور مکہ شریف کا پہلا جمہوری حاکم قرار پایا۔

قصی نے یہ چھوٹی سی ریاست جمہوری اصول پر قائم کی اس کے کئی شعبے تھے۔ جو مختلف قبائل میں تقسیم تھے۔ بڑے شعبے تین تھے۔

۱:۔ فوجی ۲:۔ عدالتی ۳:۔ مذہبی

پھر یہ تینوں کئی شعبوں میں منقسم تھے۔ قصی کے جمہوری نظام میں چار چیزیں خاص طور پر قابل ذکر تھیں:۔

۱:۔ دارالندوہ:۔ قصی نے دارالندوہ (کمیٹی گھر) کی بنیاد رکھی۔ دارالندوہ عربوں کا پہلا اسمبلی ہال تھا۔۔۔ یہاں قریش کے تمام سردار جمع ہوتے اور سیاسی اجتماعی اور مذہبی مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ شادی بیاہ کے معاملات بھی یہیں طے پاتے تھے چالیس برس سے کم عمر کے لوگ دارالندوہ کے رکن نہ بن سکتے تھے دارالندوہ وزارتِ داخلہ اور عدلیہ کے برابر تھا۔

۲:۔ اللواء:۔ یعنی علم (قومی جھنڈا) کا شعبہ دراصل وزارت دفاع کے برابر تھا جنگ کے تمام امور اس محکمہ کے سپرد تھے۔

Marfat.com

۳:۔ **کعبہ شریف کی پاسبانی** :۔ یہ شعبہ بنو عبدالدار کے سپرد تھا۔ متولی کے بغیر دوسرا کوئی شخص کعبہ کا دروازہ کھولنے کا مجاز نہ تھا۔ بیت اللہ کی کنجی متولی کے پاس رہتی تھی۔ کعبہ کی تمام خدمات متولی کے سپرد تھیں جسے عرب حاجب کعبہ (کعبہ کا دربان ریا پاسبان) کہتے تھے۔

۴:۔ **حاجیوں کے کھانے پینے کا اہتمام** :۔ لوگ دور دراز سے حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ میں آتے اہل مکہ حاجیوں کے پینے کے لئے زمزم کے پانی سے بہت سے حوض بھر دیتے اور کھجوریں ڈال کر پانی کو شیریں بنا دیتے تھے ظہور اسلام کے وقت پانی پلانے کا انتظام عباس بن عبدالمطلب کے سپرد تھا۔

خانہ کعبہ سارے عرب کا مرکز تھا۔ حج کے موقعہ پر ہزاروں آدمی جمع ہوتے تھے قصیٰ سے پہلے ان کی آرام و آسائش کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ سب سے پہلے قصیٰ نے اس طرف توجہ کی اور قریشیا سے کہا۔ کہ لوگ دور دور سے حرم کی زیارت کے لئے آتے ہیں ان کی میزبانی ہمارا فرض ہے۔

اس تحریک پر قریش نے اس کام کے لئے سالانہ ایک رقم مقرر کر دی جس سے منیٰ میں حاجیوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ مکہ ایک خشک اور بے آب و گیاہ مقام ہے قصیٰ نے چرمی حوض بنوا کر پانی کا معقول انتظام کیا۔

قصی کی موت کے بعد اس کا بیٹا عبد مناف حاجیوں کی مہمان نوازی کے کا انتظام کرتا رہا۔ عبد مناف کے چھ لڑکے تھے۔ ان میں ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا سب سے زیادہ با اثر تھے۔ چنانچہ مہمان نوازی کی خدمت ان کے حصہ میں آئی۔ پھر ہاشم کا بیٹا عبدالمطلب۔ پھر ان کے بیٹے ابوطالب اور عباس یکے بعد دیگرے یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

ھاشم :۔ کعبہ کے متولیوں میں ہاشم بڑے رتبہ کے آدمی تھے انہوں نے اپنے زمانہ میں خاندانِ قریشیا کی بڑی عزت و عظمت قائم کی۔ قریش کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ وہ مختلف ملکوں میں پھر کر تجارت کرتے تھے۔ ہاشم نے کوشش کر کے قیصر و نجاشی کے حدود سلطنت میں

Marfat.com

قریش کے تجارتی مال کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرایا۔ عرب کے راستے محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے دورہ کر کے قبائل سے معاہدہ کیا کہ وہ قریش کے کاروانِ تجارت سے کوئی تعرض نہ کرینگے۔ ہاشم حرم سے متعلق خدمات نہایت خوبی سے ادا کرتے تھے۔ ان وجوہ واسباب کی بناء پر وہ قریش میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کا اصلی نام عمرو تھا۔ ایک دفعہ مکہ میں قحط پڑا انہوں نے لوگوں کو شوربہ میں روٹیاں چورا کر کے کھلائیں اس کے بعد لوگ ان کو ہاشم (چورا کرنے والا) کہنے لگا۔

عبدالمطلب :- ہاشم نے مدینہ کی ایک خاتون سلمیٰ سے شادی کی وہ خزرج کی ایک شاخ بنو نجار سے تھیں۔ سلمیٰ کے بطن سے عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ ہاشم کے جانشین ان کے بھائی مطلب تھے۔ اور ان کے بعد عبدالمطلب بن ہاشم ـــــ حضرت عبدالمطلب کا پیدائشی نام شیبہ تھا۔ نہایت حسین اور باوقار تھے۔ مکے کے رئیس اعلےٰ تھے انہی کے عہد تولیت میں ابرہہ حبشی نے مکہ پر ناکام حملہ کیا تھا۔ چاہِ زمزم ایک مدت سے اٹا پڑا تھا لوگوں کو اس کا نشان تک معلوم نہ تھا۔ حضرت عبدالمطلب کو خواب میں بشارت ہوئی اور اور یہ کنواں دوبارہ کھودا گیا۔ عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر وہ اپنی زندگی میں اپنے دس لڑکوں کو جوان دیکھ لیں گے، تو ان میں سے ایک لڑکا خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔

جب یہ آرزو برآئی تو سب لڑکوں کو لے کر کعبہ گئے عبداللہ کے نام، جو سب لڑکوں سے محبوب تر تھے۔ قرعہ نکلا ـــــ عبدالمطلب بہت پریشان ہوئے آخر میں قریش نے مشورہ سے عبداللہ کے بجائے سو اونٹ قربان کر کے منت پوری کی۔ (سیرت ابن ہشام جلد اول صـ۸۲)

عبداللہ :- اس واقعہ کے بعد عبدالمطلب نے قبیلہ بنو زہرہ کے ایک معزز رئیس وہب بن عبدمناف کی لڑکی حضرت آمنہ سے عبداللہ کی شادی کر دی۔ شادی کے تھوڑے دنوں کے بعد عبداللہ کا مدینے میں انتقال ہو گیا۔ اس وقت ان کی عمر پچیس ۲۵ سال تھی۔ عبداللہ کی وفات کے چند ماہ بعد عین بہار کے موسم میں ۲۰ر اپریل ۵۷۱ء میں ۱۲ر ربیع الاول کو عبداللہ کے گھر میں فرزند تولد ہوا۔ بوڑھے دادا عبدالمطلب

Marfat.com

پوتے کے تولد کی خبر سن کر گھر آئے اور نومولود بچے کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اس کے لئے دعا مانگی۔ ساتویں دن عقیقہ کر کے محمّد نام رکھا۔ سب قریش کی دعوت کی۔ محمّد کا نام عرب میں بالکل نیا تھا۔ قریش نے اس نامانوس نام رکھنے کا سبب پوچھا۔ عبدالمطلب نے کہا۔ تاکہ میرا فرزند ساری دنیا میں مدح و ستائش کا سزاوار قرار پائے۔

(سیرت ابن ہشام جلد اول و ابوالفداء جلد اوّل)

سوالات

۱ - جزیرہ نمائے عرب کا مختصر جغرافیہ بیان کیجئے۔

۲ - عرب کے باشندے کس نسل سے تعلق رکھتے ہیں ان کے طرز بود و ماند اور مخصوص حالات پر روشنی ڈالئے۔

۳ - ظہور اسلام کے وقت عرب کی معاشرتی، سیاسی اور مذہبی حالت بیان کیجئے۔

۴ - عربوں کے محاسن و معائب پر تبصرہ کیجئے۔

۵ - عربوں کے قومی اخلاق و اوصاف تحریر کیجئے۔

۶ - کعبہ اور قریش کے حالات بالاختصار تحریر کیجئے۔

۷ - قصی بن کلاب اور عبدالمطلب کے کارہائے نمایاں پر روشنی ڈالئے۔

Marfat.com

دوسرا باب

سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلّم

رسول اللہؐ کی ابتدائی زندگی

تربیت مکہ مکرمہ کے شرفا کا دستور تھا۔ کہ وہ اپنے دودھ پیتے بچوں کو اچھی تربیت کے لئے صحرا یا دیہات میں بھیج دیا کرتے تھے تاکہ ننھے بچے کھلی اور صحت بخش تازہ ہوا میں پرورش پائیں۔

ولادت باسعادت کے چند روز بعد ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثوئبیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کو بھی اسی ثوئبیہ نے دودھ پلایا تھا۔ بناء بریں حضرت حمزہؓ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ چھ ماہ بعد عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو بنی سعد کی ایک خاتون حلیمہ کے سپرد کر دیا۔ جو بچوں کی تلاش میں مکہ میں آئی ہوئی تھیں چار برس تک آپؐ نے حلیمہ سعدیہ کی گود میں پرورش پائی۔ پھر وہ آپؐ کو والدہ ماجدہ کے پاس لے آئیں۔

مدینہ کا سفر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ برس کے ہوئے تو حضرت آمنہ آپ کو ہمراہ لے کر مدینہ تشریف لے گئیں عبدالمطلب کے ننھیال مدینہ میں تھے۔ نیز وہاں آپ کے والد محترم عبداللہ کی قبر بھی تھی۔ واپسی پر بمقام ابواء میں والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اور یتیم بچہ چھ ہی برس کی عمر میں ماں کی محبت سے بھی محروم ہو گیا ہو گیا عبدالمطلب کو شروع سے یتیم پوتے کے ساتھ حد درجہ محبت تھی۔ بہو کے انتقال کے بعد یہ محبت شیفتگی کی حد تک پہنچ گئی ہر وقت پوتے کو ساتھ رکھتے ایک پل کے لئے آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ آپ کی ادب شناسی اور سلیقہ نوازی کو دیکھ دیکھ کر مسرور ہوتے تھے اور آپ کے شاندار مستقبل کی پیشگوئی کیا کرتے تھے (البدایہ والنہایہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمر کے آٹھویں برس میں تھے۔ کہ عمر رسیدہ دادا نے اس جہان

Marfat.com

سے سفر کیا۔ وفات سے قبل آپؐ کو حقیقی چچا ابوطالب کے سپرد کر گئے ابوطالب نے آپ کی خبرگیری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی آپ کو اپنے بیٹوں سے بھی بڑھ کر چاہتے تھے۔ ہر وقت بڑے لطف و کرم کا مظاہرہ کرتے اور جہاں جاتے ساتھ جاتے تھے۔ آپ کی ذات مبارک فیض و سعادت کا سرچشمہ تھی ایک دفعہ خشک سالی ہوئی حضرت ابوطالب نے آپ سے دعا کرائی۔ اچانک گھٹا امڈ آئی اور بارش برس گئی۔ حضرت ابوطالب نے اس واقعہ کو ایک قصیدہ میں نظم کیا۔

سفرِ شام

بارہ برس کی عمر میں آپؐ اپنے شفیق چچا ابوطالب کے ہمراہ ملک شام تشریف لے گئے۔ گو ابوطالب آپکو ایک لمحہ کیلئے جُدا نہیں کرتے تھے لیکن چلتے وقت آپ چچا سے لپٹ گئے۔ اس لئے وہ ساتھ لے جانے پر مجبور ہو گئے۔

یہ آپ کا پہلا سفر تھا ـــــــ اس سفر میں بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی اس نے آپ میں علاماتِ نبوت دیکھ کر اپنی قوم کو طلب کیا۔ اور آپ کی نبوت سے ان کو مطلع کیا۔ راہب مذکور نے ابوطالب کو مشورہ دیا کہ ان کو واپس مکہ بھیجدیں اور ملک شام میں ساتھ نہ لے جائیں کیونکہ یہودیوں کی طرف سے خطرہ ہے۔ چنانچہ آپ کو وہیں سے واپس مکہ بھیج دیا گیا۔ پھر دوبارہ آپ حضرت خدیجہؓ کا سامانِ تجارت لے کر ان کے غلام میسرہ کے ہمراہ شام تشریف لے گئے۔ نسطورا راہب کی طرف جب آپؐ کا گزر ہوا اس نے آپ میں شانِ نبوت دیکھ کر میسرہ کو آپ کے حالات سے آگاہ کیا اس نے واپسی پر حضرت خدیجہؓ کو سب واقعات سنائے حضرت خدیجہؓ نے یہ سن کر اپنے آپ کو آنحضور کی زوجیت میں دینے کا ارادہ کیا (تاریخ ابن خلدون جلد اوّل)

عالمِ شباب

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے زیرِ سایہ پرورش پاکر آہستہ آہستہ جوانی کی عمر کو پہنچے مگر لڑکپن میں لڑکوں کے ساتھ کھیلے اور نہ جوانی میں جوانوں کی بُری صحبت میں بیٹھے ہمیشہ بیکار مشاغل اور جاہلیت کی خرافات سے دور رہے آپ کی لیاقت اور فراست اور خوش تدبیری کی بہت قدر تھی!

Marfat.com

امانت و دیانت کی بنا پر آپ کو "الامین" کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

حلف الفضول

آپ نے اپنے ملک کے رواج کے مطابق بچپن میں لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ نہ دی۔ البتہ تجارتی لین دین خوب سیکھ لیا۔ بیس برس کی عمر میں آپ نے ایک جنگ میں حصہ لیا جسے حرب فجار کہتے ہیں یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلوں کے درمیان برپا ہوئی تھی۔ اس جنگ میں آپؐ نے ہتھیار نہیں چلائے صرف اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا کر دیتے تھے۔ حرب الفجار کے بعد قریش نے آنحضرت کے چچا زبیر کی تحریک سے ایک قرارداد پاس کی کہ آئندہ ہم ہر مظلوم کی مدد کریں گے۔ خواہ وہ مکہ کا ہو یا باہر کا۔ غریبوں کی مدد کریں گے اور مظلوموں کو ظالموں کے پنجے سے چھڑائیں گے۔ آنحضرتؐ بھی اس معاہدے میں شریک تھے۔ آپؐ زمانہ اسلام میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس معاہدے کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دیئے جاتے تو بھی میں نہ لیتا۔ اور آج بھی اس قسم کا اگر کوئی معاہدہ ہوا تو میں اس میں شرکت کے لئے تیار ہوں۔ چونکہ اس معاہدہ میں ایسے متعدد اشخاص نے شمولیت کی تھی جن کا نام فضل تھا۔ لہٰذا اسے حلف الفضول (فضل نام والوں کا معاہدہ) کہا جانے لگا۔

(ابن اثیر و مستدرک حاکم)

حضرت خدیجہ سے شادی

حضرت خدیجہ قریش کی ایک معزز، پاکیزہ اخلاق اور دولت مند بیوہ تھیں ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی تجربات اور دیانتداری کا شہرہ سن کر انہوں نے درخواست کی کہ میرا سامان فروخت کرنے کیلئے شام لے جایئے جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دگنا آپ کو دوں گی۔ آپ نے منظور کر لیا اور حضرت خدیجہؓ کا سامان لے کر بصریٰ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ اور واپس آکر حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا۔ وہ آپ کے پاکیزہ اخلاق سے پہلے ہی متاثر تھیں میسرہ کے بیان سے مزید تصدیق ہو گئی ان کو اپنا کاروبار چلانے کے لئے ایک پاکیزہ اخلاق اور

Marfat.com

امین شوہر کی ضرورت تھی۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی درخواست کی آپ نے منظور فرمالیا۔ اور ابوطالب نے نکاح پڑھا دیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ کی چالیس کی تھی۔ پانچویں پشت پر دونوں کا نسب مل جاتا ہے۔ حضرت خدیجہ رضؓ کے بطن سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار لڑکیاں ہوئیں حضرت زینب حضرت رقیہ رضؓ حضرت ام کلثوم رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ۔ چار صاحبزادے تھے حضرت قاسم۔ حضرت طیب حضرت طاہر اور حضرت عبداللہ رضؓ یہ چاروں صاحبزادے قبل اسلام رحلت فرماگئے (تاریخ طبری۔ زرقانی۔ ابن اثیر)

تجدید کعبہ

خانہ کعبہ کی عمارت نشیب میں تھی۔ بارش کے زمانہ میں پانی بھر جاتا تھا۔ اس سے بچانے کے لئے بند بندھوایا گیا لیکن وہ ٹوٹ جاتا تھا خانہ کعبہ کی عمارت بوسیدہ ہو چکی تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قریش نے اسے ازسرنو تعمیر کرنا چاہا۔ اس وقت آپ کی عمر پینتیس برس تھی۔ جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو اس شرف کے حصول کے لئے قبائل میں تلواریں نکل پڑیں۔ آخر یہ طے ہوا کہ دوسرے دن سویرے جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں آئے وہی اس کا فیصلہ صادر کرے

اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کی امانت و دیانت پر سب کو اعتماد تھا۔ آپ نے پتھر اٹھانے کی یہ صورت نکالی کہ چادر بچھا کر حجر اسود اس میں رکھ دیا۔ اور فرمایا۔

" ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی چادر پکڑ کے اٹھائے جب چادر اس جگہ کے برابر آگئی جہاں حجر اسود کو نصب کرنا تھا۔ تو آپ نے اسے اٹھا کر موزوں جگہ پر رکھ دیا اس حسن تدبیر سے ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔

(تاریخ ابن خلدون جلد اول)

Marfat.com

سوالات

۱ :۔ خاندانِ نبوی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ـــــ ؛ قریش نے کس طرح عروج حاصل کیا۔ ؟

۲ :۔ آغازِ نبوت سے پہلے رسول اللہ کی زندگی کے اہم واقعات بیان کیجئے۔

۳ :۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھئے۔

حلف الفضول ۔حرب فجار۔ بحیرہ راہب ۔ ٥ حضرت خدیجہؓ۔

Marfat.com

تیسرا باب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

بعثت بعثت کا مطلب ہے منصب نبوت پر فائز ہونا۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دل پیدائش ہی سے توحید کا نشیمن تھا۔ آپؐ کو بتوں سے نفرت تھی ایک دفعہ آپکے سامنے بتوں کی نذر کا کھانا آیا۔ آپؐ نے انکار کر دیا (بخاری شریف) آپ مشرکانہ رسوم سے دُور رہتے تھے آپ کا دل یاد الہیٰ سے آباد تھا۔ آپ تفکر کی طرف بہت مائل رہتے تھے رفتہ رفتہ خلوت پسندی کی طرف آپ کا رجحان بڑھنے لگا۔ مکّہ سے تین میل دور جبل فاران کی چوٹی پر حِرا نام کی پہاڑی میں ایک غار تھا۔ جسے غارِ حِرا کہتے ہیں اس کا بالائی حصّہ اب گر چکا ہے غار کا صرف نشان باقی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر غار حرا میں تشریف لاتے اور فکر میں کھو جاتے تھے۔ اپنے طور پر اللہ تعالےٰ کی عبادت بھی کرتے تھے۔ آپ پانی اور ستو ساتھ لے جاتے اور کئی روز غار حرا میں قیام فرماتے تھے۔ (بخاری۔ مسلم)

غار حرا میں خلوت گزینی سے قبل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور سحر کی طرح سچے خواب نظر آنے لگے۔ آپؐ خواب میں جو کچھ دیکھتے۔ عالم بیداری میں رونما ہو جاتا۔ نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے یہ عالم تھا۔ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے باہر تنہائی میں نکل جاتے تو ہر درخت، ہر پتھر آپؐ کی خدمت میں ہدیۂ سلام پیش کرتا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی چالیس سالہ زندگی نبوت کا پیش خیمہ تھی۔

نزولِ وحی جب آپؐ کی عمر پورے چالیس برس کی ہوئی تو ایک روز غار حرا میں فرشتہ آپؐ کے سامنے آیا اور کہا۔

اِقْرَاْ (پڑھیے) آپؐ نے فرمایا میں پڑھ نہیں سکتا۔ فرشتے نے دوبارہ کہا کہ "پڑھو!" آپ نے وہی جواب دہرایا۔ اس کے بعد فرشتے نے آپؐ کو سینے سے لگا کر زور

Marfat.com

سے دبایا۔ اور کہا کہ پڑھ۔ پھر یہ آیات تلاوت کیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝	پڑھ اپنے خدا کے نام سے۔ جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا خدا کریم ہے وہ جس نے قلم کو سکھایا وہ جس نے انسان کو وہ

باتیں سکھائیں۔ جو اسے معلوم نہ تھیں ـــــ "

آپ نے ان آیات کو دہرایا پھر وہ فرشتہ واپس چلا گیا۔ یہ جبریل امین تھے۔ تمام انبیاء پر وحی ان ہی کے واسطے سے آتی رہی ہے آپ گھر واپس آئے تو جلالِ خداوندی سے لبریز تھے حضرت خدیجہؓ سے واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں خدا کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے ایک عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ یہ توریت و انجیل کے عالم تھے انہوں نے یہ ماجرا سن کر کہا۔ یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اترا تھا! کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا۔

جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔ اس وقت آپ کی مدد کرتا۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ آپ پر اصل حقیقت منکشف ہوئی اور آپ نے اپنا فرض سرانجام دینا شروع کر دیا۔ (بخاری شریف)

اس واقعہ کے بعد چھ ماہ تک وحی رکی رہی۔ ان ایام کو فَتْرَةُ الْوَحْيِ (وقفۂ وحی) کا زمانہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد ایک دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم راہ پر چلے جاتے تھے کہ اوپر سے ندا آئی آپؐ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حضرت جبرئیل فضا میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ آپؐ پر دہشت طاری ہو گئی۔ گھر تشریف لائے اور فرمایا۔ دَثِّرُوْنِي دَثِّرُوْنِي (مجھے چادر اڑھاؤ) گھر والوں نے تعمیل ارشاد کر دی ـــــ تب یہ آیات نازل ہوئیں۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝	اے چادر اوڑھنے والے! اٹھئے اور لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرایئے اور اپنے رب

Marfat.com

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ کی بڑائی بیان کیجئے — اور اپنے کپڑے صاف رکھیئے اور گندگی سے دُور رہیئے۔

اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ پہلی وحی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت سے آگاہ کیا گیا تھا۔ دوسری وحی میں تبلیغ وہدایت کا حکم ہوا حضرت جبریل علیہ السلام نے آپکو وضو اور نماز کا طریقہ بھی سکھایا۔ فجر اور عصر کی دو دو رکعت کی نماز فرض ہو گئی (تاریخ طبری و ابن اثیر)

دعوتِ اسلام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کا آغاز کر دیا لیکن ایک ایسی قوم کو دعوتِ اسلام دینا آسان نہ تھا۔ جو صدیوں تک شرک اور ضلالت وبت پرستی میں مبتلا تھی اس لئے آپ نے پہلے خفیہ تبلیغ کو مناسب خیال کیا اور صرف اپنے خاص خاص دوستوں اور عزیزوں کو دعوتِ حق دی۔ جو لوگ آپ کے عادات و اخلاق سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے بلا تامل اس دعوت کو قبول کر لیا۔ چنانچہ عورتوں میں سب سے پہلے آپ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہؓ مردوں میں آپؐ کے رفیق قدیم و محرم راز حضرت ابوبکر صدیقؓ غلاموں میں آپ کے محبوب غلام زیدؓ نوجوانوں میں آپ کے چچیرے بھائی حضرت علیؓ اسلام سے مشرف ہوئے۔ آپؐ تین سال تک خاموشی کے ساتھ اس فرض کو ادا کرتے رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق بڑے با اثر تھے۔ ان کے اثر و رسوخ سے حضرت عثمان بن عفانؓ، زبیر بن عوامؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ طلحہ بن زبیرؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اس کے بعد اسلام کے دائرہ میں وسعت آتی چلی گئی۔ چنانچہ حضرت خبابؓ۔ عمار بن یاسر سعید بن زید، عبداللہ بن مسعود، عثمان بن مظعون، ابو عبیدہ، صہیب، اور ارقم رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔ آزاد کردہ غلاموں میں حضرت بلالؓ مسلمان ہوئے۔ اسلام کا نام رازداری کے باوجود دُور دُور تک پہنچ گیا۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ باہر سے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی (البدایہ والنہایہ ابن کثیر)

Marfat.com

علانیہ تبلیغ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جن مقاصد کے عالمِ وجود میں آئی تھی۔ وہ چند آدمیوں کے مسلمان ہو جانے سے پورے نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے تین سال کے بعد علانیہ تبلیغ کا حکم نازل ہوا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحجر) جس امر کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے اسے کھل کر کہہ دیجئے)

اس آیت کے نازل ہونے پر آپ نے کھل کر دعوتِ اسلام کا آغاز کیا ـــــ اس کے بعد وحی آئی :-

فَانْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء ـــــ ۲۱۴)

"اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈرائیے"

چنانچہ آپ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا اور جب وہ جمع ہو گئے۔ تو آپ نے پوچھا ـــــ "اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف تمہارے دشمنوں کا ایک لشکر جمع ہے۔ اور تم پر حملہ کرنے والا ہے۔ تو کیا تم میرا یقین کرو گے ـــــ"، تمام قریشی سرداروں نے کہا ـــــ "بیشک کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ کہ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں ـــــ" پھر آپ نے ارشاد فرمایا ـــــ "

اللہ ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں۔ اگر تم ایمان نہ لائے اور خدا کا پیغام نہ مانا" تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا ـــــ" یہ سن کر آپ کا چچا ابولہب بہت بگڑا اور کہنے لگا ـــــ تو (نعوذ باللہ) ہلاک ہو ـــــ کیا ہمیں اسی لئے بلایا تھا ـــــ" لوگ ناراض ہو کر چلے گئے۔

ابولہب کے گستاخانہ فقرے کے جواب میں ایک سورت نازل ہوئی جس میں ابولہب کی ہلاکت کی پیش گوئی تھی۔ (صحیح مسلم)

اس واقعہ کے چند دن بعد آپ نے ایک دعوت کا انتظام کیا اور عبدالمطلب کی اولاد کو جمع کر کے ان سے فرمایا۔

"میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دنیا و دین کی فلاح و بہبود کی ضامن ہے۔ اور اس

Marfat.com

بار گراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیتا ہے ——

سب خاموش رہے۔ حضرت علی نے جواب دیا —— گو میری آنکھیں دکھتی ہیں۔ میری ٹانگیں تپلی ہیں۔ اور نو عمر ہوں۔ لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ ان کے علاوہ سب خاموش کے ساتھ لوٹ گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ کہ تم لوگوں میں یہ میرا بھائی اور خلیفہ ہے۔ اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ لوگ مذاق اڑانے لگے۔ اور ابو طالب سے کہا۔ کہ تو تمہیں بیٹے کی اطاعت کا حکم ہو رہا ہے۔

(تاریخ طبری۔ ابن اثیر۔ البدایہ والنہایہ)

کفار کی ایذا رسانی

اب مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچ چکی تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حرم میں جاکر توحید کا اعلان کیا اس جرم پر مشرکین ٹوٹ پڑے حارث بن ابی ہالہ نے آپ کو بچانے کی کوشش کی اس میں وہ جان سے مارے گئے۔

یہ راہِ خدا میں پہلا خون تھا اب تک مشرکین نے اسلام کی دعوت کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی۔ لیکن جوں جوں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا مشرکین کی مخالفت بڑھتی جاتی تھی۔ سب قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ شروع میں انہوں نے سختی کے بجائے صلح و آشتی سے آپ کو دعوت اسلام سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ جب اس میں مایوسی ہوئی تو معززین قریش کا ایک وفد آپ کے چچا ابو طالب کے پاس گیا۔ انہوں نے سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فریضہ سے دستکش نہیں ہو سکتے تھے۔ قریش نے جب دیکھا کہ آپ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تو دوبارہ ابو طالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے۔ ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے اس لئے یا تو تم درمیان سے ہٹ جاؤ۔ ورنہ پھر میدان میں آؤ۔ کہ ہم تم فیصلہ کر لیں ——" یہ صورت حال دیکھ کر ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر سمجھایا۔ کہ بیٹا چچا پر ناقابل برداشت بوجھ نہ ڈالو اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دو۔ آپ کا ظاہری

Marfat.com

سہارا جو کچھ تھے ابو طالب تھے۔ ان کی زبان سے اس قسم کی باتیں سن کر آپ آبدیدہ ہو گئے۔ اور فرمایا ـــــ چچا جان ـــــ خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب لا کر رکھدیں جب بھی میں اس فریضہ سے دستکش نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ میں کامیاب ہوں۔ یا اسی راہ میں میری جان کام آجائے ـــ"
ابو طالب یہ جواب سن کر سخت متاثر ہوئے اور کہا ـــــ "جاؤ ـــــ جو دل میں آئے کرو میں کسی حالت میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا ـــــ"

(سیرت ابن ہشام جلد اول صـ۸۹ـ)

جب دھمکیوں سے کچھ کام نہ چلا تو کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لالچ دینے کی کوشش کی اس مقصد کیلئے رئیس قریش عتبہ بن ربیعہ کو آپ کے پاس بھیجا اس نے مکہ کی سرداری، مال و دولت کسی معزز گھرانے میں شادی غرض ہر قسم کا لالچ دیا۔ تاکہ آپ کفار کے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں ـــــ مگر آپ نے اس کے جواب میں صرف قرآن پاک کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں جن میں وحدانیت کی تعلیم اور شرک سے بچنے کی تلقین تھی عتبہ نہایت غور سے ان کو سنتا رہا۔ یہاں سے واپس ہوا تو اس کا رنگ بدل چکا تھا۔ چنانچہ قریش سے جا کر کہا۔ کہ ـــــ محمد جو کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ سحر ہے نہ کہانت نہ شاعری۔ وہ کچھ اور ہی چیز ہے۔ اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے نہیں سنا میری رائے میں تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہوئے تو بھی تمہاری عزت ہے اور اگر عرب کامیاب ہوئے جب بھی تمہاری عزت ہے لیکن قریش نے ان کی رائے منظور نہ کی۔

(سیرت ابن ہشام جلد اول صفہ ۱۵۴)

دَورِ ابتلاء

ہر طرح مایوس ہونے کے بعد قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں۔ آپ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے۔ نماز پڑھتے میں پشت مبارک پر نجاست کا بار لا کر لا دیتے۔ بدزبانیاں کرتے۔ ایک مرتبہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ نے گردن مبارک میں اپنی چادر رسی کی طرح ڈال کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے آپ ان تمام سختیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ

Marfat.com

برداشت کرتے تھے۔ اور اپنا فرض برابر ادا کئے جاتے تھے۔ (صحیح بخاری)

کفارِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکالیف پہنچانے کے ساتھ ساتھ غریب اور بےبس مسلمانوں پر مظالم توڑنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا مجبور اور بے بس مسلمانوں پر تو عرصۂ حیات ہی تنگ کر دیا۔ غلاموں پر طرح طرح کے ستم ڈھاتے اور انہیں جسمانی سزائیں دیتے تھے۔ انہیں ستانے کیلئے نت نئے اندازِ ستم ایجاد کئے جاتے تپتی دوپہر کے وقت گرم سنگریزوں پر لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھدیتے۔ کہ غریب ہلنے نہ پائیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے اور اس وقت تک جنبش نہ کرنے دیتے جب تک زخموں کی رطوبت سے آگ بجھ نہ جاتی۔ پانی میں غوطہ دیتے رسی باندھ کر گھسیٹتے۔ حضرت بلال خبابؓ، عمار، صہیب رضی اللہ عنہم اس ستم رسیدہ جماعت کے سرخیل تھے۔ مرد تو مرد عورتیں تک ان ظالموں کے ظلم سے محفوظ نہ تھیں حضرت بلال وغیرہ کی طرح حضرت سُمَیّہؓ۔ زُنَیرہؓ اور لُبَینہؓ پر بھی مظالم ڈھائے گئے۔

سمیہؓ کو ابوجہل نے نیزے سے چھید چھید کر ہلاک کر دیا۔ حضرت عمرؓ قبل از اسلام لُبینہؓ کو اتنا مارتے کہ وہ حواس باختہ ہو جاتیں۔ حضرت عمرؓ تھک کر ستانے بیٹھتے تو کہتے میں نے تمہیں اس لئے چھوڑا ہے کہ ذرا دم لے لوں۔ یہ پیکرِ استقامت جواب دیتیں۔ اگر تم اسلام قبول نہیں کروگے تو اللہ تعالےٰ تم سے یہی سلوک کرے گا۔ حضرت زُنَیرہؓ نے بھی حضرت عمرؓ کے ہاتھوں بہت دُکھ اٹھائے۔ ظالم ابوجہل نے انہیں مار مار کر اندھا کر دیا۔ اور کہا کہ لات و عزیٰ نے تمہاری بینائی لے لی ہے۔؟

زنیرہؓ بولیں —— لات و عزّیٰ بھلا کیا ہیں ——؟

میرا رب میری بینائی لوٹانے پر قادر ہے اگلی صبح آنکھیں روشن ہو گئیں۔ دشمنوں نے کہا یہ (نعوذ باللہ) محمد کا جادو ہے۔ (ابن اثیر۔ البدایہ والنہایہ)

اہل اسلام نے ہمت و استقلال سے مصائب کا مقابلہ کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں صبر کی تلقین فرماتے تھے۔

ایک دفعہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ آپؐ ہمارے لئے اللہ تعالےٰ سے مدد طلب کریں آپؐ نے فرمایا —— تم سے پہلوں پر یہاں تک گزری۔ کہ انہیں گڑھا کھود کر اس میں کھڑا

Marfat.com

کیا گیا۔ اور آرہ سے دو نیم کر دیئے گئے۔ لیکن یہ بات انہیں دین سے روک نہ سکی۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت اور پٹھے اکھیڑ دیئے گئے۔ لیکن وہ دین پر قائم رہے۔ اس دین کو یہاں تک قبول حاصل ہوگا۔ کہ صنعاء سے حضرموت تک لوگوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا خوف نہ ہوگا۔ مگر تم جلدی سے کام لے رہے ہو۔

(ترمذی شریف)

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام سے متاثر ہو کر عمرؓ بن الخطاب مسلمان ہوگئے وہ دیگر رؤسائے قریش کی طرح اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ اور اپنے بہن اور بہنوئی کو جو مسلمان ہو چکے تھے اسلام کے جرم میں سزا دینے گئے تھے۔ لیکن قرآن کی آیتیں سن کر مسحور ہوگئے۔ اگرچہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد خاصی ہو چکی تھی۔ لیکن وہ بڑی بے کسی کی حالت میں تھے۔ ان کے لئے علانیہ نماز پڑھنا بھی ممکن نہ تھا۔ حضرت عمرؓ بہت بہادر تھے ان کے مسلمان ہوتے ہی دفعۃً حالت بدل گئی انہوں نے بھرے مجمع میں اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ مشرکین نے پہلے ان پر بڑی سختی کی۔ لیکن ان کی ثابت قدمی نے کفار کو شکست دی۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو لے کر علانیہ حرم میں نماز ادا کی۔ اور اس وقت سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

(سیرت ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۸۶)

ہجرت حبشہ

رسول خدا کی پیہم کوششوں سے جب اسلام کا دائرہ وسیع ہو گیا اور اکابر قریش حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو کفار مکہ آگ بگولا ہو گئے اور انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے۔ جب غریب مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا تو وہ کسی جائے پناہ کی تلاش کرنے لگے۔ اہل عرب کے اہل حبشہ سے دوستانہ مراسم تھے۔ وہاں کا عیسائی بادشاہ جس کا نام اصحمہ تھا۔ اور جو نجاشی کہلاتا تھا۔ اپنی رحمدلی اور انصاف پسندی کیلئے مشہور تھا۔

نبوت کے پانچویں سال مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تاکہ ہمدرد اور دوستانہ

Marfat.com

سکیں وہ ایک طرف تو کفار کے مظالم سے نجات حاصل کر سکیں۔ اور دوسری طرف کامل یکسوئی سے دین اسلام کی پیروی اور اشاعت بھی کر سکیں۔

مندرجہ صدر حقائق کے پیش نظر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حق پرستوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ جس میں گیارہ افراد اور چار عورتیں تھیں حضرت عثمان کے زیر قیادت رات کی تاریکی میں مکہ سے چلا۔ مکہ والوں کو علم ہوا تو وہ تعاقب میں دوڑے لیکن ساحل تک جا کر مایوس لوٹ آئے۔

اتفاق دیکھئے کہ مہاجرین جوں ہی ساحل پر پہنچے انہوں نے وہاں دو جہاز تیار پائے جنہیں حبشہ کو جانا تھا۔ چنانچہ وہ جہاز میں سوار ہو کر حبشہ پہنچ گئے۔ یہ لوگ تین ماہ تک حبشہ میں اقامت گزیں رہے اسی اثناء میں کسی نے یہ افواہ اڑا دی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں اس پر یہ لوگ واپس لوٹے مگر مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ اب واپسی مشکل تھی۔ چنانچہ یہ لوگ چوری چھپے مکہ میں داخل ہو گئے۔

مسلمانوں کی یہ پہلی ہجرت دوسری ہجرت حبشہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد جب کفار اپنے مظالم میں حد سے زیادہ بڑھ گئے تو مسلمانوں کا ایک بہت بڑا قافلہ جس میں قریباً بارہ عورتیں اور ۸۲ مرد تھے۔ حبشہ پہنچے حضرت عثمان اور حضرت رقیہ مکہ ہی میں مقیم رہے۔

(سیرت ابن ہشام)

قریش کو جب اس ہجرت کا علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کی قیادت میں ایک وفد قیمتی تحائف کے ساتھ نجاشی کے پاس بھیجا۔ انہوں نے نجاشی سے کہا۔

"مسلمان ہمارے مجرم ہیں۔ ان کو ہمارے حوالے کیا جائے۔" نجاشی نے جب مسلمانوں سے حقیقت حال دریافت کی تو حضرت جعفر بن ابی طالب نے اس کے سامنے اسلام کے عروج اور اس کی خوبیوں کے بارے میں ایسی عمدہ تقریر کی کہ بادشاہ بہت متاثر ہوا نجاشی کی فرمائش پر حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں کلام الٰہی کو سن

Marfat.com

نجاشی رونے لگا۔ اور کہا انجیل و قرآن ایک ہی چراغ کی روشنیاں ہیں۔ قریش سے صاف صاف کہدیا کہ وہ مسلمانوں کو ان کے حوالے نہیں کر سکتا۔ نجاشی نے بعد ازاں اسلام قبول کر لیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وفات کی خبر سن کر اس کا غائبانہ جنازہ بھی پڑھایا تھا۔

حبشہ کے مہاجرین کو حکومت کی طرف سے امن و امان حاصل تھا۔ حبشہ کے بعض مہاجرین ہجرت نبوی کے فوراً بعد مدینہ پہنچ گئے۔ باقی جنگ خیبر کے موقع پر وارد مدینہ ہوئے حضرت ابوبکرؓ بھی حبشہ روانہ ہونے کے لئے تیار ہوئے تھے۔ قبیلہ قارہ کا ایک رئیس آپ کو پناہ میں لے کر مکہ واپس لایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے چند روز کے بعد اس کی پناہ لوٹا دی اور حفاظت خداوندی کو کافی خیال کیا۔

(البدایہ والنہایہ)

شعب ابوطالب میں محصوری

جب قریش کی سب تدبیریں ناکام رہیں اور ان کے جور و ظلم کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ تو قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے بنو ہاشم اور بالخصوص عبدالمطلب کے خاندان کے خلاف ایک نیا قدم اٹھایا۔

قریش نے فیصلہ کیا کہ عبدالمطلب کی اولاد اور خاندان نبوت سے قطع تعلق کر کے ان کا دانہ پانی بند کر دیا جائے۔ ان سے کسی قسم کا ربط و ضبط نہ رکھا جائے۔ مشرکین کی شرطیں ایسی تھیں کہ کوئی با اہمیت ہاشمی انہیں پورا کرنے کے لئے تیار نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے ابوطالب اپنے خاندان کو لے کر ایک گھاٹی میں جو انہی کی نسبت سے شعب ابی طالب مشہور تھی۔ چلے گئے۔ اور تین سال تک انتہائی مصیبتوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ باہر سے ان کے کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچنے نہ پاتی تھی۔ بعض رحم دل کچھ غلہ چوری چھپا کر پہنچا دیا کرتے تھے۔ جس پر ان لوگوں کی زندگی کا دارومدار تھا۔ آخر قریش کے چند افراد کو بنو ہاشم اور بنو مطلب کے حال پر رحم آیا اور انہوں نے طے کیا کہ اس عہد نامے کو ختم کر دیا جائے۔ اور خاندان نبوت کو شعب ابی طالب سے باہر نکالا جائے۔ چنانچہ قریش کے چند سرداروں نے یہ عہد نامہ چاک کر دیا اور جا کر بنی ہاشم کو قید سے نکال لائے۔ (تاریخ طبری و سیرت ابن ہشام)

Marfat.com

عام الحُزن

نبوت کے دسویں برس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو شدید صدمے پہنچے اور وہ یہ کہ آپ کے چچا ابوطالب وفات پا گئے۔ ان کی عمر اسی برس سے زائد تھی تین روز بعد حضرت خدیجہ بھی جنت کو سدھاریں ان دو ہستیوں کے دم سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سہارا تھا۔ ان کے اٹھ جانے سے یہ سہارا جاتا رہا۔ آپ کے لئے یہ غم کا سال تھا۔ اس لئے اسے عام الحزن کہتے ہیں۔

کفار کے حوصلے بڑھ گئے ــــ ان کی اب بیباکی اور سفاکی کو کون روک سکتا تھا ایک دن جناب سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی قریب بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ کون ہے جو اونٹ کی اوجھ اٹھا لائے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب سجدہ میں جائیں تو آپ پر ڈال دے

عقبہ اٹھا۔ قریب سے ایک اوجھ اٹھا لایا اور حضور جب سجدہ میں گئے۔ تو آپ کے کندھوں پر رکھ دی۔ آپ اٹھ نہ سکے۔ کفار دیکھتے تھے اور ہنستے ہنستے ایکدوسرے پر گرتے پڑتے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا تشریف لائیں اور آپ سے یہ بوجھ دور کیا۔

(بخاری۔ البدایہ والنہایہ)

معراج اور فریضہ نماز

نبوت کے دسویں سال ۲۷ رجب کو معراج کا واقعہ پیش آیا۔ معراج ہی میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی ــــ!

طائف کا سفر

ابوطالب کی وفات کے بعد قریش کی شرارتیں حد سے بڑھ گئیں اس ظلم و تعدی کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ کوئی اور قبیلہ تلاش کیا جائے۔ جو اسلام کی دعوت کو قبول کرنے کی اہلیت اور استعداد رکھتا ہو۔

چنانچہ آپ نے طائف جا کر وہاں کے سرداروں کو اسلام کی طرف بلایا۔ طائف شہر مکہ سے تقریباً پچاس میل دور ہے اس زمانے میں بھی یہ ایک شاداب اور پر رونق تھا۔ یہاں بنو ثقیف آباد تھے۔ یہ قریش سے رقیبانہ چشمک رکھتے تھے۔ آنحضور صلی

Marfat.com

علیہ وسلم نبوت کے دسویں سال شوال کے مہینہ میں طائف تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ بھی تھے۔

(ابن اثیر)

طائف کے لوگوں نے آپ کی آواز پر کان نہ دھرے بلکہ الٹا بے ادبی سے پیش آئے اور اہل مکہ سے زیادہ سنگدل ثابت ہوئے۔ طائف کے شریر لوگوں نے پتھر مارے اور آپ کو لہو لہان کر دیا۔ آپ دکھ سے مجبور ہو کر بیٹھ جاتے۔ تو آپ کو بازو سے پکڑ کر کھڑا کرتے آپ قدم اٹھاتے تو سنگباری کرتے۔

زید بن حارثہ نے آپ کی حفاظت میں کوئی کسر نہ چھوڑی ـــــ ان کے سر پر چوٹیں آئیں۔ آخر کار شہر کے بعض لوگوں نے آپ کو حفاظت میں لے لیا اور شہر سے باہر ایک باغ میں چھوڑ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

"اے خداوند تعالیٰ ـــــ تیرے ہی حضور اپنی ناتوانی و کم سامانی کا شکوہ اور لوگوں کی "تحقیر" کا گلہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الرحمین! تو ہی عاجز نواز اور میرا پروردگار ہے تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے۔ کیا ایسے ظالم سے کہ جو مجھ سے بد دماغی کرے یا ایسے دشمن کے، جسے تو نے مجھ پر قدرت دے دی ہے تجھ سے عرض گزار ہوتا ہوں کہ تو مجھ سے راضی رہ ـــــ تمام ـــــ قوت تیرے ہاتھ میں ہے۔"

(ابن اثیر و ابن ہشام)

جبریل امین خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا آپ فرمائیں تو یہ پہاڑ طائف والوں پر گرا دوں ـــــ ، آپ نے فرمایا ـــــ نہیں، مجھے توقع ہے کہ ان کی اولاد سے اہل ایمان اٹھیں گے ـــــ "

(بخاری شریف)

طائف کے لوگوں کی بدسلوکی دیکھ کر آپ مکہ میں واپس تشریف لے آئے مطعم بن عدی نے آپ کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ اور اسی کی امان میں آنے کے بعد آپ نے اور زیادہ وسعت کے

Marfat.com

ساتھ اپنا فرض ادا کرنا شروع کر دیا۔ عام مجمعوں اور میلوں میں تشریف لے جاکر دعوت اسلام دیتے۔ دشمن اسلام ابولہب ہر جگہ ساتھ جاتا تھا اور کہتا تھا۔

"یہ دین سے پھر گیا ہے۔ جھوٹ کہتا ہے۔ اس کی باتیں نہ سنو ـــــ" مگر آپ اس کی بدگوئی اور بہتان طرازی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنے میں مشغول رہتے

(مواہب لدنیہ از زرقانی جلد اوّل صفحہ ۳۰۲)

مدینہ میں اشاعت اسلام

مکہ اور طائف والوں سے جب آپ دل برداشتہ ہو گئے۔ تو رحمت الٰہی سے اشاعت اسلام کا ایک اور دروازہ کھل گیا۔ حضورؐ کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ میں جب دور دراز کے قبائل آکر مکہ کے قریب ٹھہرتے تو آپ ایک ایک قبیلے کے پاس جاکر توحید اور احکام الٰہی کی تبلیغ فرماتے اس عرصہ میں آپ نے عرب کے اکثر قبائل کو دعوت اسلام دی۔

ایک طرف حضور کی یہ جدّ و جہد جاری تھی۔ دوسری طرف اہل مکہ کی ایذا رسانی میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ مدینہ میں اوس و خزرج قحطانی نسل کے دو قبیلے تھے۔ اگرچہ یہ بھی مشرکین مکہ کی طرح بت پرست تھے۔ لیکن یہودیوں کی ہمسائیگی کی وجہ سے مذہبی کتابوں سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ ان پر یہودیوں کا بڑا اثر و اقتدار تھا۔ مدینہ کے قرب وجوار میں ان کے بہت سے قلعے تھے۔ یہ بھی حج کے لئے مکہ آیا کرتے تھے۔

اوس وخزرج کا پیشہ زیادہ تر زراعت تھا۔ پہلے مدینہ میں ان کا بہت زور تھا لیکن خانہ جنگی میں مبتلا ہو کر قوت کھو بیٹھے۔ یہودیوں نے موقعہ دیکھا اور ان پر بالادستی قائم کر لی یہود ان کی باہمی عداوت کو اور ہوا دیتے تھے۔

موسم حج میں تبلیغ کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور قبائل عرب کے ساتھ قبیلہ خزرج کے چند آدمیوں کے سامنے بھی جو مکہ میں آئے ہوئے تھے اسلام پیش کیا۔ ان میں سے سات آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ جب یہ لوگ وطن واپس گئے۔ تو اسلام کا پیغام دوسرے لوگوں تک پہنچایا۔ اب یثرب کے گھر گھر میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہونے لگا۔

Marfat.com

بیعت عقبہ اُولیٰ

اگلے سال نبوت کے گیارہویں برس بارہ آدمی مدینہ سے حج کے لئے مکہ آئے۔ عقبہ کے قریب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی۔ عقبہ عربی میں بلند پہاڑی راستہ کو کہتے ہیں ان بارہ آدمیوں نے پہلی مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باضابطہ بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ اُولےٰ کہلاتی ہے۔ اس کی شرائط یہ تھیں۔ کہ شرک، چوری، زنا، قتل اولاد اور بہتان طرازی سے دور رہیں گے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم مانیں گے۔ ان حضرات نے آپ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کسی معلم کو بھیجیے۔ آپ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو بھیجا۔ اوس کے سردار سعد بن عبادہ اور خزرج کے رئیس سعد بن معاذ جو پہلے اسلام کے سخت مخالف تھے مشرف بااسلام ہو گئے۔ حضرت مصعبؓ نے گھر گھر جا کر اسلام کی دعوت دی۔ ان کی کوششوں سے چند دنوں میں اچھا خاصہ اسلام پھیل گیا۔

(فتوح البلدان بلاذری و سیرت ابن ہشام)

بیعت عقبہ ثانیہ

اگلے سال حضرت مصعبؓ حج کے لئے مکہ آئے تو ان کے ساتھ تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ انہوں نے عقبہ کے مقام پر بیعت کی۔ ان لوگوں نے آپ کو یثرب چلے جانے کا مشورہ دیا۔ آپ کے چچا حضرت عباسؓ بھی جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے پہنچ گئے اور آپ کو کہا کہ سوچ سمجھ کر یثرب جانے کا فیصلہ کریں۔ حضورؐ نے ان مسلمانوں سے عہد لیا کہ یثرب میں اگر کوئی آپ پر حملہ کرے تو وہ لوگ آپ کی مدافعت کریں گے۔ سب نے آپ کی ہدایات پر عمل کرنے اور اسلام کی خاطر لڑنے کا عہد کیا۔

قریش مکہ میں آپ کے یثرب چلے جانے کے ارادہ کا تھوڑا سا چرچا ہوا۔ لیکن ان مسلمانوں کے سوا کسی کو اس واقعہ کا یقینی علم نہ تھا۔ اس لئے معاملہ دبا رہا۔ اس کے بعد جو لوگ اسلام لاتے یثرب چلے جاتے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے اہل یثرب کے مسلمانوں کے ہر خاندان کا ایک سردار مقرر کر کے کل بارہ سردار بنا دئے جو اپنے اپنے خاندان کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے۔

Marfat.com

سوالات

۱ :- آپ کی زندگی میں دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کا خلاصہ لکھیئے۔

۲ :- حبشہ کی پہلی اور دوسری ہجرت کے اسباب و حالات کی تفصیلات بیان کیجئے۔

۳ :- رسولِ کریم کے قیامِ مکّہ کے دوران اسلام کو کس قدر فروغ حاصل ہوا مختصر بیان کیجئے۔

۴ :- مکّہ میں قیام پذیر ہوتے ہوئے آنحضور کے ابتدائی ساتھیوں نے جو تکلیفیں اٹھائیں ان کا مختصر حال بیان کیجئے۔

۵ :- بیعت عقبہ اُولیٰ و ثانیہ سے کیا مُراد ہے۔ تفصیلاً لکھیے۔

۶ :- شعب ابی طالب میں محصوری کے واقعات قلمبند کیجئے۔

Marfat.com

چوتھا باب

ہجرتِ مدینہ

ہجرت کے اسباب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے آبائی شہر مکہ کو خیر آباد کہہ کر مستقل طور پر مدینہ منورہ چلا جانا اور وہاں پہ ایک آزاد اسلامی ریاست قائم کرنا تاریخ اسلام کا ایک زرین باب ہے اور یہیں سے اس اسلامی سلطنت کا آغاز ہوا جو آگے چل کر تمام روئے زمین میں دین حق کی اشاعت کا باعث بنی۔ ہجرت کے مندرجہ ذیل اسباب تھے۔

۱۔ کفار کی ایذا رسانی کوئی شخص بخوشی اپنے آبائی وطن کو ترک نہیں کرنا چاہتا۔ اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکالیف اٹھانی پڑیں اور جس طرح کفار مکہ نے دعوت اسلام کے سلسلہ میں رکاوٹیں ڈالیں انہوں نے آپ کو مجبور کر دیا کہ آپ نبوت کے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لئے اللہ کے حکم کے مطابق کوئی ایسی جگہ تلاش کریں۔ جہاں اہل اسلام اطمینان قلب اور پوری تندہی سے اپنے فرائض ادا کر سکیں۔ اس طرح کفار کی ہٹ دھرمی اور ایذا رسانی ہجرت مدینہ کا باعث بنی۔

۲۔ مسلمانوں پر مظالم کفارِ قریش نے نہ صرف آنحضورؐ کو جھٹلایا بلکہ خود ذاتِ اقدس اور دیگر مسلمانوں پر کھلم کھلا سختیاں شروع کر دیں غریب اور غلام مسلمان جن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے عظیم اور صاحب عزم و استقامت صحابی شامل تھے خاص طور پر سخت مصیبت میں مبتلا تھے۔ ان مصائب سے بڑھ کر وہ معاشی و معاشرتی قطع تعلق تھا جس کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کے خاندان کو تین سال تک نہایت بدحالی میں شعب ابی طالب میں زندگی بسر کرنا پڑی۔ مختصر یہ کہ مکہ میں مسلمانوں پر زندگی اجیرن ہو چکی تھی۔ چنانچہ آپ مسلمانوں کی تکالیف کے ازالہ اور دین اسلام کیلئے سازگار ماحول پیدا کرنے کے لئے مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لے جانا چاہتے تھے۔

۳ ہجرتِ حبشہ کی کامیابی

ہجرت حبشہ کے کامیاب تجربے نے مسلمانوں پر واضح کر دیا تھا کہ وہ اپنے وطن سے دور رہ کر ہی اپنے خالق حقیقی کی عبادت آزادی سے کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک تو وہ جگہ بہت دور تھی دوسرے وہاں کا بادشاہ ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اس لئے حبشہ میں دعوتِ اسلام کا کام انجام دینا آسان نہ تھا۔ لہٰذا ہجرت کے لئے مدینہ سے بہتر کوئی جگہ نہ تھی۔

۴۔ رسول اللہ کے قتل کی سازش

مزید برآں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑنے کا ارادہ اس وقت کیا جب کفار نے آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں جب اسلام پھیلنا شروع ہوا تو کفار آگ بگولا ہو گئے۔

ایک رات بہت سے قبیلوں کے افراد نے مل کر آپ کو قتل کرنا چاہا۔ آپ کو اس سازش کا بروقت پتہ چل گیا۔ اور آپ نے مکہ چھوڑ کر مدینہ میں آباد ہونے کے ارادے کو عملی شکل دینے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اور تمام ساتھیوں کو ہجرت کیلئے ہدایات دیں۔

۵۔ اہل مدینہ سے آنحضورؐ کے مراسم

مدینہ کا شہر مکہ سے جانب شمال ناہموار پتھریلی سطح پر واقع ہے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ شہر میں داخل ہونے کے لئے تنگ درے ہیں۔ شمالی جانب کھلی ہے۔ مدینہ تقریباً دس میل طول و عرض میں پھیلا ہوا ہے۔ آج کل مدینہ ایک گنجان آباد شہر ہے مرکزی اور قدیم ترین بستی کا نام یثرب تھا۔ اس کے نام سے سارا شہر یثرب کہلاتا تھا۔ آنحضور وہاں تشریف لے گئے۔ تو اس کا نام مدینۃ النبی (نبی کا شہر) پڑا۔ رفتہ رفتہ مختصر ہو کر صرف مدینہ کہلانے لگا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو طیبہ بھی کہا کرتے تھے۔ مدینہ میں دو قسم

Marfat.com

لوگ آباد تھے۔

۱:۔ یہود

۲:۔ اوس وخزرج کے قبیلے ۔ جو بعد میں انصار کہلائے۔

یہودیوں میں تین قبیلے زیادہ ممتاز تھے۔

۱:۔ بنو نضیر ۲:۔ بنو قُریظہ ۳:۔ بنو قینقاع

یہود کا ذریعہ معاش صنعت کاری۔ کھیتی باڑی ۔ سود خوری اور تجارت تھا۔ مدینہ کی منڈیوں اور بازاروں پر ان ہی کا تسلط تھا ان کا سودی جال بہت دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ یہود گفتار کے غازی ضرور تھے مگر مرد میدان نہ تھے۔ مکہ کے مقابلہ میں مدینہ مالداروں اور زمینداروں کا شہر تھا۔ مگر یہاں کے لوگوں میں اتحاد مفقود تھا۔ وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ عرب قبیلوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دی اور ہر طرح کی مدد کا وعدہ کیا۔ اس لئے ہجرت کے بعد یہ لوگ "انصار" (مددگار) کہلائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینے کے لوگوں سے ہجرت کے وقت ہی تعلق قائم نہیں ہوا بلکہ اس سے پہلے بھی ان کے مدینہ والوں کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ آنحضرت کی والدہ مدینہ کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس طرح مدینہ آپ کا ننھیال تھا۔ جب آنحضرتؐ کی عمر چھ سال کی تھی۔ تو آپ نے اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ جاکر چند روز قیام بھی کیا تھا۔

نبوت کے دسویں سال سے آپ کا مدینے کے لوگوں سے براہ راست تعلق پیدا ہوا اس سال آپ نے حج کے موقعہ پر جو اہل مدینہ آئے تھے۔ ان کو دعوت اسلام دی۔ دوسرے سال مدینہ کا ایک بارہ اشخاص پر مشتمل وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ نبوت کے بارھویں سال حج کے موقعہ پر مدینہ کے ۷۲ آدمی پوشیدہ طور پر آنحضرت سے عقبہ کے مقام پر ملے اور اسلام قبول کیا۔ یہ بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے اس وفد کی واپسی کے بعد مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ مکہ کے مسلمان رفتہ رفتہ مدینہ میں پناہ گزین ہوگئے۔ یہاں تک کہ مکہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور چند دیگر صحابہ رہ گئے۔

Marfat.com

ہجرت نبوی

ہجرت سنتِ انبیاء علیہم السلام ہے اسلام کی پہلی ہی صدا سن کر ورقہ بن نوفل نے ہجرت کی پیشگوئی کی تھی نبوت کے پانچویں برس صحابہ کی ایک جماعت حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی تھی۔ باقی جماعت کے لئے مناسب وقت کا انتظار تھا ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ نخلستانی زمین میں ہجرت کر گئے ہیں آپ کا خیال تھا کہ یہ یمامہ کی سرزمین ہوگی۔
(بخاری و مسلم)

خداوند کریم نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار قریش کے مذموم ارادہ سے آگاہ کیا اس لئے آپ عازم مدینہ ہوئے۔ آپ کے ذمہ اہل مکہ کی کچھ امانتیں تھیں حضرت علی کو بلا کر یہ امانتیں سپرد کیں اور فرمایا۔

"میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر سو رہو۔ صبح کو سب امانتیں پہنچا دینا —" خدا کو اپنا دین مکمل کرنا تھا اس لئے مشرکین کو نیند آ گئی۔ اور انہیں غافل پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نکل آئے اور پُر حسرت لہجے میں فرمایا۔

"مکہ تو مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے۔ لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔"

پھر حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لائے یہاں سامانِ سفر پہلے سے تیار تھا۔ فوراً دونوں روانہ ہو گئے۔ اور مکہ سے تین میل چل کر غارِ ثور میں روپوش ہوتے تین دن تک اس غار میں مقیم رہے۔ اس اثناء میں حضرت ابوبکر صدیق کے صاحبزادے عبداللہ رات کو غار میں ساتھ رہتے اور صبح سویرے مکہ چلے آتے اور وہاں کے حالات کا پتہ چلا کر شام کو آ کر ان کو اطلاع دیتے۔

ادھر مکہ میں جب محاصرہ کرنے والوں کی آنکھیں کھلیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت علی کو بستر پر پایا۔ یہ بہت کمسن تھے اس لئے معمولی تنبیہہ کر کے چھوڑ دیا اور حضورؐ کی تلاش میں نکلے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غارِ ثور کے دہانہ تک پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے گھبرائے آپ نے اطمینان دلایا —— "گھبراؤ نہیں

Marfat.com

خدا ہمارے ساتھ ہے ___"

اس اعتماد نے دستگیری کی۔ اور تلاش کرنے والوں کی نظر آپ پر نہ پڑی اور وہ ناکام لوٹ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چوتھے دن غار سے نکل کر آگے بڑھے۔ قریش نے اعلان کر رکھا تھا۔ کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے لائے گا۔ اس کو سو اونٹ دیے جائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکے سے نکلتے وقت ایک شخص سُراقہ بن جُعشُم نے دور سے آپ کو دیکھا تھا۔ لیکن اس کو پورا یقین نہ تھا۔ قریش کے اعلان کے بعد وہ بھی تعاقب میں نکلا اور تلاش کرتے کرتے قریب پہنچ گیا۔ لیکن اس کے گھوڑے نے پیہم ٹھوکریں کھائیں اور قریب پہنچ کر اس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ ان بدشگونیوں سے اسے خیال ہوا کہ یہ آثار تو کچھ اور ہیں۔ اس لئے اس نے گرفتاری کا خیال ترک کر دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جا کر آپ کو قریش کے اعلان سے آگاہ کیا۔ سُراقہ لوٹ گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے۔

(بخاری ___ باب الہجرۃ)

آپ رہبر کے ذریعہ عام راستہ چھوڑ کر ایک دوسرے راستے سے یثرب روانہ ہوئے حضرت عمر رضؓ نے مدینہ میں یہ خبر پہنچ کر بنا دیا تھا۔ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب مدینہ میں رونق افروز ہونے والے ہیں۔ شہر روزانہ اسلحہ سے مزین ہو کر شہر سے باہر آتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں آنکھیں فرش راہ کئے رہتے۔ اور دوپہر کی تپش سے مجبور ہو کر لوٹ جاتے ایک دن لوگ اسی طرح ستم کش انتظار ہو کر گھروں کو جا چکے تھے۔ کہ ایک یہودی نے اپنے قلعہ سے نکل کر ایک سفید پوش قافلہ دیکھا وہ بے اختیار پکار اٹھا۔

"اے گروہِ عرب! جن کا تمہیں انتظار تھا۔ وہ تشریف لا رہے ہیں۔ تکبیر کا غلغلہ بلند ہوا اور خلق خدا امنڈ آئی یہ دوشنبہ کا روز تھا۔ اور ربیع الاول کی بارہ تاریخ۔

(بخاری البدایہ والنہایہ۔ ابن اثیر)

قُبا میں ورود :۔ مدینہ کا جنوبی حصہ قبا کہلاتا ہے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم یہاں کے ایک رئیس کلثوم کے ہاں اقامت گزین ہوئے۔ تین روز بعد حضرت علی بھی تشریف لے آئے پیدل چلنے کی وجہ سے ان کے پاؤں سوج گئے تھے۔ حضور نے انہیں سینے سے لگا لیا۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے حضرت علیؓ کے پاؤں پر لعابِ مبارک لگایا۔ پاؤں ایسے ٹھیک ہوئے۔ کہ زندگی بھر دوبارہ شکایت نہ ہوئی۔

(کامل ابن اثیر)

قبا میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ روز قیام فرمایا۔ یہاں آپ نے ایک مسجد کی بنا رکھی جسے مسجد قبا یا مسجد تقویٰ کہتے ہیں۔ تعمیر مسجد کے بعد مدینہ روانہ ہوئے راستہ میں بنی سالم کے محلہ میں پہلی نماز جمعہ ادا کی۔ سارا مدینہ استقبال کے لئے ٹوٹ پڑا تھا قبا سے مدینہ تک دو رویہ انصار کی قطاریں تھیں سارا مدینہ جوشِ استقبال میں امنڈ آیا۔ عورتیں گاتی ہوئی چھتوں پر چڑھ گئیں۔ معصوم لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں۔ جب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس پہنچے۔ تو شرف میزبانی حاصل کرنے کیلئے سخت کشمکش ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میری اونٹنی خدا کی طرف سے مامور ہے وہ جہاں جا کر بیٹھ جائے گی۔ وہی میری قیام گاہ ہو گی۔ چنانچہ یہ سعادت حضرت ابو ایوب کے حصہ میں آئی۔ آپ نے سات ماہ ان کے یہاں قیام فرمایا۔

مسجد نبوی کی تعمیر

حضرت ابو ایوب کے مکان سے متصل زمین کا ایک ٹکڑا بیکار پڑا تھا۔ یہاں قبرستان تھا۔ اور کھجور کے کچھ درخت تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تعمیر مسجد کا ارادہ کیا۔ زمین کے مالک بنو نجار کے دو یتیم بچے سہل اور سہیل تھے۔ انہوں نے زمین مفت دینا چاہی مگر آپ نے منظور نہ فرمایا۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ سے قیمت دلوادی۔ تعمیر کا کام شروع ہوا آپ نے حسب عادت مزدوروں کی طرح اس میں حصہ لیا۔ مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں کی۔ ستون کھجور کے تنوں کے اور چھت پتوں کی تھی۔ قریب ہی نادار مسلمانوں کے لئے ایک چبوترہ تعمیر فرمایا۔ جو تاریخ

Marfat.com

میں صفہ کے نام سے مشہور ہوا اس مسجد کو مسجد النبی کہا جاتا ہے مسجد سے متصل آنحضورؐ کی سکونت کیلئے ایک مکان بنایا گیا جس کے دو چھوٹے سے کمرے تھے ایک حضرت سودہؓ کے لئے اور ایک حضرت عائشہؓ کے لئے۔ مسجد کی طرح یہ بھی کچے تھے۔

سن ہجری کا آغاز

امام زہریؒ اور شعبیؒ سے مروی ہے کہ تعمیر کعبہ سے پہلے عرب حضرت ابراہیم کے آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ سے تاریخ کا حساب کرتے تھے۔ پھر جب کعبہ کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ تو عرب تعمیر کعبہ سے تاریخ کا حساب کرنے لگے۔ اصحاب الفیل کے واقعہ کے بعد عربوں نے اس واقعہ سے تاریخ کا حساب لگانا شروع کیا۔ یہ طریقہ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک جاری رہا۔ حضرت سعید بن المسیب کے بیان کے مطابق حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سب کو جمع کرکے پوچھا۔ کس دن سے تاریخ لکھی جائے۔؟ حضرت علیؓ نے کہا جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور کفر و شرک کی سرزمین کو خیر آباد کہا حضرت عمرؓ نے اسی کو قبول کر لیا۔

مؤرخ طبری کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول بروز شنبہ مدینہ تشریف لائے تو گویا حضرت عمرؓ نے رسول کریم کے مدینہ وارد ہونے سے دو ماہ بارہ دن قبل۔ یعنی محرم سے اجو سال کا پہلا مہینہ ہے۔ تاریخ کی ابتدا کی ہے۔

(تاریخ طبری جلد اول)

اذان کی ابتداء

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد نماز باجماعت کا اہتمام تو ہو گیا تھا مگر ابھی اذان کا حکم نہیں ہوا تھا۔ صحابہ میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔ کہ نماز کے لئے مسلمانوں کو کیسے بلایا جائے۔ اس ضمن میں مختلف خیالات کا اظہار کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ کوئی آدمی نماز کے لئے پکارا کرے۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ نماز کے وقت "الصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ" پکارا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص قبلہ رو ہو کر اللہ اکبر

Marfat.com

اللہ اکبر پکار رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ یہ خواب سچا ہے پھر حضرت عمرؓ نے آکر اسی قسم کا خواب سنایا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس سے پہلے بذریعہ وحی اذان کا حکم مل چکا ہے۔ چنانچہ حضرت بلال کو اذان دینے کے لئے مامور کیا گیا۔

(بخاری و مسلم)

دوشنبہ کے دن کی اہمیت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ دوشنبہ کے دن رسول کریم پیدا ہوئے۔ دوشنبہ کے دن آپ کو نبوت ملی۔ دوشنبہ کے دن آپ ہجرت کے لئے مکہ سے چلے۔ دوشنبہ کے دن مدینے پہنچے اور دوشنبہ کے دن آپ کی وفات ہوئی۔

(تاریخ طبری جلد اوّل)

مواخات

مواخات بھائی چارہ کو کہتے ہیں غریب الوطن جن کو اسلامی اصطلاح میں مہاجر کہتے ہیں۔ بالکل بے سروسامان مدینہ آئے تھے۔ اگرچہ ان میں بہت سے مالدار بھی تھے۔ لیکن ایسی حالت میں وطن چھوڑا تھا۔ کہ کوئی چیز مکہ سے ساتھ نہ لا سکے تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سہارا قائم کرنے اور ان کی اجنبیت دور کرنے کے لئے ان میں اور انصار میں رشتہ اخوت قائم کر دیا۔ یہ اخوت حقیقی رشتہ داری سے بڑھ گئی۔ اس موقعہ پر انصار نے جس ایثار و فیاضی کا ثبوت دیا۔ تاریخ اس کی مثال سے قاصر ہے۔ انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے مال و دولت زمین و جائیداد، کھیتی باڑی اور اپنی سب کائنات میں برابر کا شریک کر لیا اس کی حد یہ ہے کہ حضرت سعد بن ربیعؓ نے جن کے دو بیویاں تھیں ایک بیوی کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کے سامنے نکاح کیلئے پیش کرنا چاہا۔ لیکن انہوں نے اظہار تشکر کے ساتھ اس سے انکار کر دیا (بخاری۔ کتاب المناقب) اکثر مہاجرین نے تھوڑے سرمایہ سے تجارتی کاروبار شروع کر دیا۔

میثاق مدینہ

مدینہ کے یہودی بڑے دولت مند تھے انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے مدینہ کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے مضبوط

Marfat.com

قلعے بنائے ہوئے تھے۔ یہودی بڑے بزدل اور کم ہمت تھے لیکن دوسروں کو لڑانا اور سازشیں کرنا ان کا فطری رجحان تھا۔ ان کا مقصد یہ تھا۔ کہ انصارِ مدینہ باہم لڑتے جھگڑتے رہیں۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوررس نگاہوں سے مدینہ کے حالات کا جائزہ لیا۔ اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مدینہ کے یہودیوں سے تحفظِ امن کی خاطر ایک معاہدہ لکھوا لیا۔ اس معاہدہ کو صحیفۂ مدینہ یا میثاقِ مدینہ کہتے ہیں اس معاہدہ کی شرائط حسب ذیل تھیں۔

۱:۔ مدینہ کے سب لوگ امن و امان سے رہیں گے۔ اور امن و امان کے قیام میں برابر کے شریک ہوں گے۔

۲:۔ سب شرکائے معاہدہ ایک جماعت ہوں گے۔

۳:۔ بیرونی حملہ کی صورت میں دونوں فریق مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔

۴:۔ فریقین ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

۵:۔ اس معاہدے کو تسلیم کرنے والے مدینہ کو حرم مانیں گے۔ اور اس میں فساد نہیں کریں گے۔

۶:۔ وہ ایک دوسرے سے نیک نیتی، خیر خواہی اور بھلائی سے پیش آئیں گے

۷:۔ اہل ایمان مقروض مسلمانوں کی مدد کریں گے۔

۸:۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص ظلم و تعدی کا مرتکب ہوگا۔ تو سب نیک دل انسان اس کی مخالفت کریں گے۔

۹:۔ کوئی فریق قریش کو پناہ نہیں دے گا۔

۱۰:۔ ایک فریق کے حلیف دوسرے کے بھی حلیف سمجھے جائیں گے۔

۱۱:۔ فریقین کے مابین جھگڑے کی صورت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۱۲:۔ فریقین کو دینی آزادی حاصل ہوگی۔

Marfat.com

۱۳:۔ ہر گروہ اپنے اپنے محلّہ کے امن و ضبط کا ذمہ دار ہوگا۔

۱۴:۔ دانستہ قتل کرنے والے سے قصاص لیا جائے گا۔

۱۵:۔ ہر مجرم اپنے جرم کا وبال خود اٹھائے گا۔ اس کا حلیف ذمہ دار ہوگا۔

۱۶:۔ مشترکہ جنگوں میں یہود اور مومنین کے اخراجات مشترکہ ہوں گے۔

(سیرت ابن ہشام)

اس معاہدہ کا بہت فائدہ ہوا۔ مسلمان بلا امتیاز نسل و خون ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے رہنے لگے۔ دین اسلام کو ہر دنیوی تعلقات پر ترجیح دی گئی۔ انفرادی مقاصد کے مقابلے میں قومی مفاد کو بالاتر سمجھا جانے لگا۔ شہری آزادی سب کیلئے یکساں ہوگئی۔ مسلمان اطمینان سے تبلیغ کرنے لگے۔ دراصل یہ معاہدہ ایک سیاسی اور سماجی منشور تھا۔ جس کے ذریعہ اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ معاہدہ اسلام کے سیاسی نظام میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور دوسری طرف آنحضرتؐ کی سیاسی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا میں اس منشور نے نئے سیاسی نکتۂ نظر کی بنیاد رکھی۔ خاندانی قبائلی اور وطنی تعلقات کو ختم کرکے دینی اور فکری تعلقات پر حکومت کی اساس قائم کی۔ رنگ و نسل کے امتیازات مٹا کر دین اسلام اور عقیدۂ توحید کو اتحاد و قوت کا ذریعہ ٹھہرایا۔

تحویل کعبہ

اب تک مسلمان بیت المقدس کی جانب جو یہود و النصاریٰ کا قبلہ تھا، نماز پڑھتے تھے۔ اسلام ایک مستقل مذہب ہے۔ اس کے استقلال و اختصاص کے لئے مستقل قبلہ کی ضرورت تھی۔ اسلام ملتِ ابراہیمی کی تجدید کے لئے آیا تھا۔ اس لئے اس کا قبلہ ابراہیمؑ ہی کا بنا کردہ خانۂ خدا ہو سکتا تھا چنانچہ ہجرت مدینہ کے سترھویں مہینہ کے شروع میں بیت المقدس کی بجائے کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھ کر اس بارے میں خطبہ پڑھا اور دو رکعت نماز کعبہ کی طرف رخ کرکے ادا فرمائی۔ یہ محدث ابن حزم کی روایت ہے بعض تحویل قبلہ کو ہجرت سے دوسرے مہینے کے آغاز کا واقعہ بتاتے ہیں۔

(تاریخ ابن خلدون جلد اوّل)

Marfat.com

ہجرت کے ثمرات

ہجرت مدینہ کا واقعہ تاریخ اسلام میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ہجرت کو اسلام کی فتح عظیم قرار دیا۔ قریش کو ہجرت کا اتنا قلق تھا۔ کہ چھ برس بعد جب حدیبیہ کی صلح ہوئی تو یہ شرط لکھوائی کہ آئندہ کوئی مسلمان مکہ سے ہجرت نہیں کرے گا۔ ہجرت سے مقصود ایک محفوظ مرکز کی تلاش تھی جہاں قریش اسلام کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈال سکیں ہجرت کا اصل مقصد مدینہ میں ایک دفاعی تعمیری اور تبلیغی مرکز قائم کرنا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا۔ کہ ہر مسلمان وہاں پہنچ کر اس کی قوت کا سبب بنے ہجرت سے جو نتائج مطلوب تھے۔ وہ ایک ایک کر کے حاصل ہوتے۔

۱:۔ مکہ میں مسلمان ایک اقلیت کی حیثیت میں تھے مدینہ پہنچ کر یہ اقلیت اکثریت میں بدل گئی۔ ذہنی [illegible] ہر قسم کی مذہبی سیاسی اور اقتصادی آزادی سے [illegible] مختار اسلامی ریاست کے ذمہ دار افراد بن گئے۔

۲:۔ مکہ کے ناسازگار نظام و ماحول سے نجات مل گئی مسلمانوں کو ایک ایسا گھر مل گیا جہاں وہ اطمینان کے ساتھ اپنے اصولوں کی تبلیغ کر سکتے تھے۔ مکہ میں رہ کر مسلمان اپنے عقائد کے مطابق زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے۔ مگر مدینہ میں رسول اللہ نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو اسلامی رنگ دیا۔

۳:۔ مدینہ کے متحارب قبائل شیر و شکر ہو گئے۔ رسول اکرم نے مہاجرین و انصار کو رشتۂ اخوت والنسانیت اور ایثار میں ایسا باندھا کہ وہ ایک ہی خاندان کے افراد نظر آنے لگے۔ آپ نے نسل، قوم، رنگ اور زبان کے فرق کو مٹا دیا۔

۴:۔ ہجرت مدینہ سے یہود کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ میثاق مدینہ کی رو سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کا حاکم اعلیٰ تسلیم کر لیا گیا۔ مکہ میں رسول اللہ کی حیثیت ایک مذہبی رہنما کی تھی مگر ہجرت کے بعد آپ نہ صرف مذہبی پیشوا بلکہ سیاسی امور کے بھی رہنما بن گئے تھے۔

Marfat.com

۵:- اسلام کی نشرو اشاعت میں بیش بہا اضافہ ہوا۔

۶:- عبادت کی آزادی ملی۔ مسجدیں تعمیر ہوئیں اور فضائیں اذان کی صداؤں سے گونجنے لگیں اذان کے ذریعہ سطوتِ اسلام کا گویا ڈنکا بجنے لگا۔

۷:- مکہ میں مسلمانوں کی معیشت محدود تھی اب انہیں تجارت کا میدان ہاتھ آیا۔

۸:- ظالموں کے مقابل میدان جنگ میں اترنے کی آیات نازل ہوئیں اسلامی جہاد کے زریں باب کا اضافہ ہوا۔

۹:- مدینہ کی غیر مسلم آبادی کے ساتھ ایک معاہدہ طے ہوا جو اس ریاست کا گویا آئین تھا۔ اسلام کو پہلی بار دیگر ملتوں کے مقابل علی الاعلان برتری حاصل ہوئی۔

۱۰:- مدینہ میں مسلمانوں کو زندگی کا ٹھکانہ ملا مدینہ نے دارالاسلام بن کر ان کے لئے آغوشِ محبت وا کردی۔ مکہ میں سب نمازیں دو دو رکعت تھیں جیسے سفر میں حکم ہے۔ مسلمان مدینہ میں پہنچے تو گویا اصلی وطن میں وارد ہوئے۔ یہاں حضر کی نماز پوری چار چار رکعت ادا کرنے کا حکم نازل ہوا۔

مکی زندگی پر تبصرہ

بعثت کے بعد تیرہ سال تک حضورؐ مکہ میں رہے۔ جب آپ نے دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو مکہ والوں نے اس کی زبردست مخالفت کی۔ یہ لوگ صدیوں سے جس مذہب کی پیروی کرتے چلے آرہے تھے اسے دفعتاً چھوڑ دینا آسان نہ تھا۔ چنانچہ آپ کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ابتداءً صرف چند آدمیوں نے اسلام قبول کیا لیکن آپ نے انتہائی صبر و تحمل اور عزم و حوصلے سے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔

آپ کی مساعی سے دور دراز کے قبائل تک حق کی آواز پہنچ گئی۔ جو لوگ صدیوں سے بت پرستی اور اعمال قبیحہ میں مبتلا تھے۔ ان کی ایک دم کایا پلٹ نہیں ہوسکتی تھی ذہنی تبدیلی کے لئے وقت درکار تھا۔

حضورؐ کا پاکیزہ کردار اور اسلام کی سچی اور سادہ تعلیمات آہستہ آہستہ مخالفین کو متاثر کر رہی تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی تصادم کے بغیر بہت سے لوگوں نے اسلام

Marfat.com

قبول کر لیا۔ بلکہ مدینہ کے لوگ بھی اسلام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اگر گہری نگاہ ڈالی جائے تو اسلام کے مستقبل کی مضبوط دیوار مکہ ہی میں تعمیر ہونی شروع ہو گئی تھی یہ دوسری بات ہے کہ اس کا اصلی مرکز بننے کے لیے بارگاہِ ازلی سے مدینہ کو منتخب کیا گیا تھا۔

مسلمانوں نے قریش کے ہاتھوں جو مصائب برداشت کیے اس نے بھی بہت سے لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آخر اس دین میں وہ کیا خصوصیات ہیں جن کے لیے یہ لوگ تمام تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں۔ آخر کار اسی غور و فکر نے ان کے لیے راہ ہدایت کھول دی۔

اگر ابتدائی مشکلات تین سال کی نظر بندی اور دیگر ... ظلم و ستم کو پیش نظر رکھ کر حضور کی مکی زندگی پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا۔ ... نے ان تیرہ سالوں میں زبردست کامیابی حاصل کی تھی۔ کسی نظریہ کی اشاعت کا ابتدائی زمانہ ہی سب سے مشکل اور اہم ہوتا ہے۔

آپؐ نے ان تمام مراحل کو بڑے تدبر سے طے کیا اور جس وقت مکہ چھوڑا اس وقت اسلامی ریاست کی بنیادیں استوار ہو چکی تھیں۔ اور جاں نثارانِ اسلام کی ایک ایسی مضبوط جمعیت بھی تیار ہو گئی تھی۔ جس نے مدنی عہد کی عظیم فتوحات کو ممکن بنایا۔

سوالات

۱۔ ہجرت مدینہ کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے بتائیے کہ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔

۲۔ کن واقعات نے رسول اکرمؐ کو مدینہ میں ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی حفاظت کے کیا انتظامات کیے۔

۳۔ میثاق مدینہ سے کیا مراد ہے اس کی اہمیت اور بڑی بڑی دفعات بھی بیان کیجیے۔

۴۔ رسول مقبولؐ کے انصار مدینہ سے تعلقات کا مختصر حال تحریر کیجیے۔

۵۔ ہجرت کے فوائد و ثمرات بیان کیجیے۔

۶۔ مکی زندگی میں آپ کس حد تک کامیاب رہے۔ آنحضور کی مکی زندگی پر تبصرہ کیجیے۔

Marfat.com

پانچواں باب

غزواتُ النبیؐ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے اور مسلمانوں کو ایک جائے پناہ مل جانے قریش کو سخت رنج تھا وہ تین سو میل دور بیٹھے بھی حسد کی آگ میں جل رہے تھے جب معلوم ہوا کہ مسلمان مدینہ میں بڑے امن وامان سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور اسلام کو روز افزوں ترقی حاصل ہو رہی ہے تو ان کی آتش غضب اور بھڑک اٹھی۔ انہوں نے اسلام کو مٹانے کے لئے سب سے موثر طریقہ یعنی جنگ کو آزمانے کا فیصلہ کیا۔

مدینہ میں مسلمانوں کو پورا اطمینان میسر نہ تھا کیونکہ منافقین اور یہودی مسلمانوں کی ترقی سے خوش نہ تھے۔ اور کفار سے ساز باز کر رہے تھے۔ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے جہاد کے احکام موصول ہوتے۔ جہاد ذاتی حفاظت اور دین کے تحفظ کی خاطر راہِ خدا میں لڑنے کا نام ہے۔

مندرجہ ذیل امور غزوۂ بدر کے محرک ثابت ہوئے۔

غزوۂ بدر کے اسباب

ا:۔ جب سے مسلمان مدینہ آئے تھے۔ کفار مکہ اس کوشش میں تھے کہ ان کی یہ جائے پناہ بھی چھین لی جائے چنانچہ انہوں نے مدینہ کے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی کو لکھا۔

تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے یا تو محمدؐ کو مدینہ سے نکال دو۔ یا قتل کر دو۔ ورنہ ہم تم پر حملہ کر کے تمہیں تباہ کر دیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتہ چلا تو عبداللہ کے پاس جا کر اس کو سمجھایا

Marfat.com

جس سے وہ کوئی عملی قدم نہ اٹھا سکا۔ ادھر قریش نے مدینہ کے یہودیوں سے بھی خط و کتابت شروع کر رکھی تھی۔ چنانچہ کفار مکہ یہود اور منافقین کی یہ سازشیں معرکہ بدر کی صورت میں نمودار ہوئیں۔

۲:۔ کفار مکہ اپنے کو کعبہ کا پاسبان خیال کرتے تھے۔ وہ شرک اور بت پرستی کو دین تصور کرتے تھے اس کا تحفظ وہ اپنا فرض منصبی جانتے تھے۔ ان کو ڈر تھا کہ اس میں غفلت کی تو عرب کی روحانی پیشوائی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

۳:۔ کفار مکہ انصار کے بھی دشمن ہو گئے تھے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی پشت پناہی کرتے تھے۔ انہیں یہ خطرہ دامنگیر تھا کہ اگر مسلمانوں کے قدم مدینہ میں جم گئے تو کہیں وہ شام کا راستہ بند کر کے ان کی تجارت کو ختم نہ کر دیں۔ جس پر کہ ان کی معاشی خوشحالی کا انحصار تھا۔ اس لئے انہوں نے ہر قیمت پر مسلمانوں کو مدینہ سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔

۴ ۔ مدینہ کی نوزائیدہ شہری مملکت کو اور مضبوط کرنے اور کفار کی شرارت کا سدباب کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارد گرد کے ہجرت سے قبائل سے سیاسی معاہدے کئے قریش نے اسے جنگی تیاری تصور کر لیا اور لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔

۵ ۔ ایک قریشی سردار کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کے کچھ مویشی چھین لئے چنانچہ آئندہ ایسے حملوں کا سدباب کرنے کے لئے مسلمانوں نے بھی چھوٹے چھوٹے ہتھیار بند دستوں کو اپنی سرحدوں کی حفاظت پر مامور کر دیا۔ تاکہ دشمن کو یہ معلوم ہو جائے کہ مسلمان تیار ہیں اور ہر وقت شام کا تجارتی راستہ بند کر کے ان کی اقتصادی خوشحالی کو ختم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ سے کمل طور پر مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کی تجاویز پر غور کرنا شروع کر دیا۔

۶ ۔ سرحدوں پر مامور دستوں میں سے ایک دستے کے سردار عبداللہ بن جحشؓ بھی تھے۔ اتفاق سے وہاں پر قریش کے ایک چھوٹے سے قافلے سے ان کی جھڑپ ہو گئی۔ جس میں عمرو بن الحضرمی نامی ایک قریشی مارا گیا۔ اور دو گرفتار ہوئے۔ کچھ مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پتہ چلا تو بہت ناراض ہوئے۔ کفار مکہ اس خبر سے سخت برہم ہوئے اور اس

Marfat.com

طرح ابن الحضرمی کا قتل اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان ایک مستقل جھگڑے کا باعث بن گیا۔

۷ - ابن الحضرمی کے قتل کے بعد ایک اور واقعہ فوری طور پر جنگ بدر کا باعث بنا۔ قریشی سردار ابوسفیان کی سرکردگی میں قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ سازوسامان سے لدا ہوا شام سے مکہ واپس آ رہا تھا۔ راستے میں اسے ابن الحضرمی کے قتل کا قصہ معلوم ہوا اسے ڈر پیدا ہوا کہ کہیں مسلمان قافلے کو لوٹ نہ لیں۔ چنانچہ اس نے رئیس مکہ ابوجہل کو لکھا کہ اس کی مدد کو پہنچے۔ یہ شخص مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تھا اس نے مشہور کر دیا کہ مسلمانوں نے ہمارے تجارتی قافلے پر حملہ کر دیا ہے۔ چونکہ اس قافلے میں اکثر قریش کا روپیہ لگا ہوا تھا۔ اس لئے قریش کا ایک لشکر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مدینہ کی طرف چل پڑا۔ ادھر ابوسفیان راستہ بدل کر صحیح وسلامت مکہ پہنچ گیا۔ چنانچہ کفار کے لشکر نے جو نواحِ مدینہ میں پہنچ چکا تھا واپسی کا ارادہ کیا۔ ابوجہل نے ان سے کہا کہ آپ آئے ہیں تو مسلمانوں کو ختم ہی کیوں نہ کرتے چلیں تاکہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو جائے۔

خلاصہ یہ ـــــ کہ کفار نے حملہ کی غرض سے مدینہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا اور شہر سے ۸۰ میل دور بدر کے مقام پر فروکش ہوگئے۔

غزوۂ بدر ۲ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے صحابہ کو جمع کیا۔ اور واقعہ بیان کیا۔ مہاجرین جنگ کے لئے تیار تھے لیکن حضور انصار کا ارادہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ انہوں نے بیعت کے وقت یہ وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر دشمن مدینہ پر حملہ کرے گا۔ تو ہم تلوار اٹھائیں گے۔ سعد بن عبادہ قبیلہ خزرج کے سردار نے اٹھ کر عرض کیا۔ کہ کیا حضور کا اشارہ ہماری طرف ہے ـــــ خدا کی قسم آپ حکم دیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ یہ سن کر حضور کا چہرہ چمک اٹھا۔ غرض ۱۲؍ رمضان المبارک ۲ھ میں ۳۱۳ مسلمانوں کو لے کر جن میں ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ مدینہ سے روانہ ہوئے اسی اثنا میں قریش کا لشکر جس میں ایک ہزار پیدل اور سو سوار تھے عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں مدینہ کے قریب پہنچ کر مناسب جگہوں پر قبضہ کر چکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہ بدر کے قریب اس کی اطلاع ملی آپ وہیں ٹھہر

Marfat.com

گئے۔ لیکن قریب کوئی کنواں نہ تھا۔ اس لیے آگے بڑھ کر ایک چشمہ پر خیمہ زن ہوئے اور رات بھر دعا میں مصروف رہے۔ صبح کو فوج مرتب کر کے دعا فرمائی۔

"خدایا ـــــ تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اسے پورا کر ـــــ اگر آج تیرے یہ چند بندے مر مٹ گئے۔ تو پھر قیامت تک تیری عبادت کرنے والا اور کوئی نہ ہو گا۔"

(سیرت ابن ہشام)

یہ بڑے امتحان و ابتلا کا موقع تھا۔ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ تو مسلمانوں کو نظر آیا۔ کہ خود ان کے بزرگ اور ان کے جگر پارے تلواروں کے سامنے ہیں لیکن اسلام کی محبت نے تمام رشتوں کو بھلا دیا تھا۔ چنانچہ میدانِ جنگ میں حضرت ابوبکرؓ کی تلوار اپنے لختِ جگر عبد الرحمان کے مقابلہ میں بے نیام ہوئی حضرت عمرؓ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی حذیفہؓ کو اپنے والد عتبہ کے مقابلہ میں آنا پڑا۔

پہلے فرداً فرداً مقابلہ ہوا اور دونوں فوجوں میں سے ایک ایک آدمی میدان میں آیا۔ مقتول عمرو بن الحضرمی کے بھائی عامر کو حضرت عمرؓ کے غلام نے قتل کیا۔

قریش کے سپہ سالار عتبہ کا کام حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے تمام کیا۔ عتبہ کے بھائی شیبہ کو علیؓ کی تلوار نے ختم کیا۔ عبیدہ بن سعید کو حضرت زبیر نے مارا اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی۔ اور دونوں فوجیں آپس میں گتھ گئیں۔ حضور نے مسلمانوں کی صفوں کو خود درست کیا تھا آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا۔ اس کے اشارے سے ترتیب قائم فرماتے جاتے تھے۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کی فوج تگنی تھی۔ ان کا ساز و سامان بھی بہت عمدہ تھا۔ مکہ کے تمام سر بر آوردہ بہادر موجود تھے۔ دوسری طرف نصرت و تائید خداوندی مسلمانوں کے شامل حال تھی۔

دو انصاری نوجوان معوذ اور معاذؓ ابوجہل کی تاک میں تھے۔ ابوجہل کو دیکھتے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔ ابوجہل کے لڑکے نے جھپٹ کر معوذؓ پر تلوار کا وار کیا ہاتھ شانہ سے لٹک گیا۔ صرف تسمہ لگا رہ گیا۔ مگر وہ اس وقت بھی لڑتے رہے۔ لٹکا ہوا ہاتھ

Marfat.com

تلوار چلانے میں مزاحم ہوتا تھا اس لئے تسمہ کاٹ کر الگ کر دیا۔ جنگ تھمی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوجہل کی لاش ڈھونڈو۔ ایک صحابی نے دیکھا تو ابھی اس میں کچھ جان باقی تھی انہوں نے داڑھی سے پکڑ کر کہا۔ کیا تم ابوجہل ہو ——؟ اس نے غرور سے جواب دیا۔ کیا مجھ سے بڑھ کر کوئی شخص ہو سکتا ہے۔ کیا ہوا جو تم نے مجھے قتل کر دیا۔

(بخاری کتاب المغازی)

مشرکین ستر لاشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگے ستر گرفتار ہوئے سارا ساز و سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا حضرت علی کی مشہور تلوار ذوالفقار اسی جنگ میں ہاتھ آئی۔ مسلمان شہدا کی تعداد چودہ تھی۔ آٹھ انصار تھے اور چھ مہاجرین ابوجہل کے علاوہ قریش کے اور بھی کئی بڑے قبائل کے سردار مارے گئے۔ ان میں امیہ بن خلف بھی تھا جو حضرت بلال پر ظلم کیا کرتا تھا۔ مشرکین کے سب مردوں کو ایک گڑھے میں ڈال کر دفن کر دیا گیا۔

(صحیح مسلم)

فتح کی خوشخبری دو قاصدوں کے ذریعہ مدینہ کو روانہ کر دی گئی۔ لوگوں کو مژدہ سن کر حیرت ہوئی جب قیدی پہنچے تو پورا یقین آیا۔ آنحضور نے تین روز بدر کے میدان میں قیام فرمایا۔ پھر عازم مدینہ ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ)

غزوہ بدر کے سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے نکلے تھے۔ تو آپ کی بیٹی حضرت رقیہ زوجہ عثمانؓ بیمار تھیں آپ ان کی تیمارداری کے لئے حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عثمانؓ کو پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ جب قاصد فتح کی بشارت لے کر مدینہ پہنچا تو حضرت رقیہؓ کو دفن کیا جا رہا تھا۔

فتح کے اسباب

تین سو تیرہ پیدل آدمیوں کا جو پوری طرح مسلح بھی نہ تھے۔ ایک ہزار کی جمعیت پر جس میں سو مسلح سوار بھی شامل تھے غلبہ پانا تائید ربانی کے سوا کسی طرح ممکن نہ تھا تاہم اس کے کچھ ظاہری اسباب بھی تھے۔

Marfat.com

۱:۔ مسلمانوں کی قیادت رسول اللہ کے ہاتھ میں تھی جن پر مسلمانوں کو پورا بھروسہ تھا۔ وہ جان نثاری کے جذبہ کے ساتھ میدان میں آئے تھے ـــــ اور ان کو اپنی فتح کا یقین تھا۔

۲:۔ قریش میں اتحاد مفقود تھا۔ قائد لشکر عتبہ لڑائی کے خلاف تھا۔ ابو جہل نے اس کو لڑنے کے لئے مجبور کیا تھا۔ میدان جنگ میں کفار قریش ایک سپہ سالار کے ماتحت ہو کر نہیں لڑتے تھے ہر نامور سردار اپنے آپ کو سالار فوج سمجھتا تھا۔

۳:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو پوری تنظیم کے ساتھ حرکت میں لائے تھے جبکہ کفار میں نظم وضبط موجود نہ تھا۔

۴:۔ لڑائی سے ایک روز پہلے رات کو بارش ہو گئی تھی۔ چونکہ مسلمان اونچی جگہ پر تھے اسی لئے وہ جگہ اور بہتر ہو گئی۔ کفار نشیب میں تھے۔ اس لئے ان کی قیام گاہ میں کیچڑ ہو گئی۔ اور ان کے مسلح سواروں کو چلنے پھرنے میں دشواری ہوتی۔

۵:۔ لڑائی کے وقت سورج مسلمانوں کی پشت پر تھا اور کفار کے سامنے تھا اس کے باعث ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں۔

۶:۔ کفار مسلمانوں سے مرعوب ہو گئے تھے اور ان کی تعداد ان کو دگنی نظر آتی تھی۔

۷:۔ شروع کے انفرادی مقابلہ میں کفار کے تین مشہور سردار عتبہ ولید اور شیبہ مارے گئے اس سے ان کے حوصلے پست ہو گئے تھے۔

۸:۔ مسلمان رات بھر آرام سے سو کر تازہ دم اٹھے تھے اس کے برعکس قریش بے اطمینانی کی وجہ سے پریشان رہے تھے۔

غزوۂ بدر کے نتائج

یہ معرکہ اسلام کی شوکت وہیبت اور دبدبہ کا سنگ بنیاد بنا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدر کی اہمیت اتنی تھی کہ جن اشخاص نے اس میں حصہ لیا تھا وہ قطعی طور پر جنتی قرار دے دیئے گئے۔

۲:۔ سورۂ آل عمران کے پیش نظر جنگ بدر سراسر معجزہ تھی۔ اس جنگ میں اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کی وہ پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔ جو مسلمانوں سے مکہ میں کی گئی تھیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ فلاں کافر کی فلاں قتل گاہ ہے۔ میدان جنگ میں یہ پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔

۳ :۔ فتح بدر نے اسلام کو فوقیت و برتری بخشی اور باطل کو مٹا کر دنیا بھر میں اشاعتِ دین کے دروازے کھول دیئے۔ آنحضرت اب صرف واعظ نہ تھے بلکہ اسلام کی حفاظت کرنے والے سربکف مجاہد بھی تھے۔ غزوہ بدر میں تاجدار رسل صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں نے تاریخ کے صفحات پر دینی غیرت اور قومی حمیت کے لازوال نقش ثبت کئے حق و صداقت کا ایسا غیرت افروز درس دے گئے کہ دنیا میں وہی قوم زندہ رہ سکتی ہے جو اللہ کی راہ میں دل کی خوشی سے خون کی زکوٰۃ ادا کر سکے۔ اس جنگ سے سارے عرب میں موحدین کی دھاک بیٹھ گئی۔ قبائل نے جان لیا کہ مسلمان کوئی تر نوالہ نہیں۔

۴ :۔ قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے ان کے جہنم رسید ہونے سے جہاں ایک طرف قریش کی قوت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ وہاں مسلمانوں کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔

۵ :۔ مدینہ میں اسلامی اقتدار کے پاؤں جم گئے۔ مدینہ کے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی بظاہر اسلام قبول کر لیا۔

۶ :۔ قریش کی معاشی حالت گر گئی مدینہ کی شاہراہ بند ہو جانے سے شامی تجارت کا سلسلہ رک گیا۔

۷ :۔ فتح بدر سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور انہیں تائید ایزدی کا یقین ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی بھی دشمن کی کثرت سے مرعوب نہ ہوئے

۸ :۔ غزوہ بدر کی فتح کے نتیجے میں یہودی اور زیادہ حاسد ہو گئے اور ان کی سازشوں کی وجہ سے ہر وقت خدشہ رہنے لگا۔

۹ :۔ جنگ بدر کے بعد پہلی مرتبہ صلح و جنگ سے متعلق قوانین مرتب کرنے کی ضرورت پیش آئی اور اس طرح اسلام میں بین الاقوامی قوانین کی بنیاد پڑی۔

Marfat.com

۱۰:- اس جنگ سے یہ ثابت ہوگیا کہ فتح و کامرانی کے لئے سازوسامان اور فوج کی تعداد ہی ضروری نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں عزم راسخ اور یقین محکم ہی اصل کامیابی ہے۔

۲ھ کے دیگر واقعات

ذوالحجہ ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہ کی شادی حضرت علی سے کردی۔ حضرت فاطمہؓ کی عمر اس وقت اٹھارہ برس کی تھی حضرت علی کے پاس ایک زرہ تھی ایک بھیڑ کی کھال اور ایک پرانی چادر تھی یہ سب چیزیں مہر میں حضرت فاطمہؓ کو دے دیں۔ اسی سال صدقہ فطر کا حکم نازل ہوا ابولہب نے جنگ بدر کے سات روز بعد چیچک سے وفات پائی۔ مکے کے لوگ طاعون اور چیچک کے مردے سے بھاگ جاتے تھے ابولہب کے بیٹے گھر سے نکل گئے اس کی لاش سے بدبو پھیل گئی۔ تو لوگوں نے مجبور ہو کر شہر سے باہر نکالی اور دور سے پتھر پھینک پھینک کر ڈھانپ دیا۔

۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے اور پہلی مرتبہ عیدگاہ میں نماز عید ادا کی گئی
(طبقات ابن سعد و زرقانی جلد دوم)

غزوۂ اُحد ۳ھ

مدینہ منورہ کے شمال میں تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جسے اُحد کہتے ہیں یہ پہاڑ شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ کوہ اُحد کے دامن میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان ایک جنگ ہوئی۔ جو تاریخ اسلام میں غزوۂ اُحد کے نام سے مشہور ہے۔

اس کے مندرجہ ذیل اسباب تھے۔

اسباب و وجوہ

۱:- جنگِ بدر میں ناکامی کا داغ دھونے اور قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے قتل کا بدلہ چکانے کے لئے قریش مکہ نے زبردست تیاری شروع کردی۔ ابوسفیان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ مشرکین مکہ اور عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا گیا۔ سال بھر سازوسامان جمع ہوتا رہا ابوسفیان نے تمام

Marfat.com

کھائی کہ جب تک بدر کا مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں گا نہ نہاؤں گا اور نہ سر میں تیل ڈالوں گا۔

۲:- مکہ کے رئیس صفوان نے جس کا باپ بدر کے میدان میں مارا گیا تھا۔ ایک شخص عُمیر بن وہب کو آمادہ کیا کہ پوشیدہ طور سے مدینہ جا کر محمدؐ کو قتل کر آؤ۔ میں تمہارا قرض اتار دوں گا۔ اور تمہارے اہل و عیال کا خرچ اٹھاؤں گا۔ دونوں نے نہایت رازداری سے کام لیا۔ عُمیر نے تلوار زہر میں بجھائی اور مدینہ پہنچا۔ مسجد نبوی کے دروازے پر جا کر اونٹ بٹھایا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا اور بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ عُمیر کی نیت نیک معلوم نہیں ہوتی چند صحابہ نے پکڑ کر اسے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے وہ تمام گفتگو بیان کر دی جو عُمیر اور صفوان کے درمیان ہوئی تھی۔ عُمیر نے اقرار کیا اور کہا۔ کہ اس کا علم میرے اور صفوان کے سوا کسی کو نہ تھا۔ آپ سچے نبی ہیں اور میں اسلام لاتا ہوں۔ صفوان کی مراد پوری نہ ہوئی۔ عُمیر مسلمان ہو کر لوٹا اور اس کی تبلیغ سے کئی آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ دیگر مشرکین بھی اس قسم کی سازشوں میں مشغول رہا کرتے تھے۔ (سیرت ابن ہشام)

۳:- بدر کی شکست سے قریش پر یہ حقیقت واضح ہو گئی۔ کہ مسلمان جب چاہیں شام کا تجارتی راستہ بند کر کے ان کی اقتصادی ناکہ بندی کر سکتے ہیں چنانچہ اپنی معیشت کو برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے مدینہ کی اسلامی ریاست کو گھونٹنا ضروری خیال کیا

۴:- قریش نے شام سے آئے ہوئے تجارتی قافلے کا سارا نفع مسلمانوں کے خاتمہ کے لئے الگ کر لیا تھا۔ اور زور شور سے تیاریاں کر رہے تھے۔

۵:- قریش کے ایک خاص وفد نے مختلف قبائل کا دورہ کر کے انہیں مسلمانوں کے خلاف [illegible] کیا۔

۶:- کعب بن اشرف یہودی مدینہ سے چل کر مکہ آیا۔ اس نے قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ جوش انگیز شعر کہے اور قریش کی مدد کا عہد کیا۔

(البدایہ والنہایہ)

Marfat.com

جنگ کے واقعات

کفار قریش ماہ شوال ۳ھ میں بڑے ساز و سامان سے جانب مدینہ روانہ ہوئے حضرت عباسؓ نے جو اسلام لا چکے تھے اور مکہ ہی میں مقیم تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خفیہ اطلاع بھجوا دی اس فوج میں سات سو زرہ پوش اور دو سو سوار تھے۔ کمان ابوسفیان نے سنبھالی قریشی سپاہ مدینہ پہنچی تو مغربی کنارے سے ہو کر شہر کی شمالی جانب میں پڑاؤ ڈالا یہ لوگ بدھ کے روز پہنچے اور آہستہ آہستہ اُحد کی طرف بڑھنے لگے۔

ہفتہ کے روز تک ان کے خیمے اُحد کے میدان میں لگ گئے۔ جمعہ کے روز صبح کو آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا اکثر مہاجرین اور تجربہ کار انصار نے مشورہ دیا کہ شہر میں پناہ گزین ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن جوشیلے نوجوان باہر نکل کر صف آرائی کرنا چاہتے تھے ان کے اصرار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ اُحد کی طرف جہاں مشرکین مکہ خیمہ زن تھے۔ بڑھے۔ عبداللہ بن ابی منافق بھی تین سو سواروں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہوا تھا۔ مگر پھر غاررنگ کر کے واپس لوٹ گیا اور مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو رہ گئی

اُحد پہنچ کر پہاڑ کی پشت پر صف آرائی ہوئی۔ پہاڑ کی پشت سے مشرکین کے حملے کا خطرہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس آدمیوں کا دستہ اس کی حفاظت پر متعین کر کے تاکید فرما دی کہ فتح و شکست کسی حال میں بھی تم لوگ اپنی جگہ نہ چھوڑنا قریش تعداد اور ساز و سامان ہر چیز میں مسلمانوں سے زیادہ تھے۔ انہوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ صف بندی کی۔ میمنہ پر خالد بن ولید۔ میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل سواروں پر صفوان بن امیہ تیر اندازوں پر عبداللہ بن ربیعہ علم طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔ قریش کے لشکر سے پہلے ابوعامر اور پھر علمبردار لشکر طلحہ آگے بڑھا اور طنزیہ پکارا۔

کون ہے جو مجھے جہنم بھیج دے یا میں اسے جنت میں پہنچا دوں؟ اس کے جواب میں حضرت علیؓ نے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت علیؓ۔ حضرت حمزہؓ اور ابو دجانہ انصاریؓ نے بے پناہ حملوں سے مشرکین کی صفیں درہم برہم کر دیں حضرت حمزہؓ جوش شجاعت میں دور تک دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے۔ جبیر بن مطعم

Marfat.com

کے غلام وحشی نے جو آپ کی تاک میں تھا نیزہ مار کر شہید کر دیا۔

(بخاری)

قریش بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔ ان کے علمبردار پیہم قتل ہو رہے تھے۔ لیکن علم سرنگوں نہیں ہونے پاتا تھا۔ حضرت علیؓ اور ابودجانہ انصاری کے حملوں نے آخر قریش کے پاؤں اکھیڑ دیئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی۔ آپ نے اسے دکھا کر فرمایا۔ کون اس کا حق ادا کرے گا۔؟ حضرت ابودجانہ اٹھے اور سوال کیا۔ یارسول اللہ — اس کا حق کیا ہے۔؟ فرمایا۔ اس کو دشمن پر چلاتے جاؤ — حتے کہ ٹیڑھی ہو جائے۔ عرض کیا۔ میں یہ خدمت بجالاؤں گا۔ حضور نے تلوار انہیں عطا فرمائی ابودجانہ نے سر پر سرخ رومال باندھا جو جنگ کے وقت ان کی علامت ہوتا تھا۔ فخر کی چال سے صفوں کے درمیان نکلے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالے اس چال سے ناراض ہوتا ہے لیکن ایسے موقعہ پر نہیں ابودجانہ دشمن کی صفیں چیرتے ہوئے پہاڑی کے دامن میں پہنچے تو مکہ کی عورتیں دف بجا رہی تھیں ایک نغمہ نوازی کر رہی تھیں۔ ابودجانہؓ نے اس کے سر پر تلوار تولی اور پھر روک لی۔ انہیں پسند نہ آیا کہ سرور کائنات کی تلوار ایک عورت کے خون سے آلودہ ہو — یہ عورت ہندہ زوجہ ابوسفیان تھی۔

(البدایہ والنہایہ)

مجاہدین دیکھتے ہی دیکھتے دشمن پر چھا گئے۔ دشمن کے بیس سے زائد آدمی مارے گئے مشرکین گھبرا کر بھاگے۔ ان کی عورتیں بھاگتی ہوئی نظر آئیں اسلامی فوج غنیمت پر جھکی پہاڑ کی پشت پر جو دستہ متعین تھا۔ اس نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس کے ہٹتے ہی خالد بن ولید نے پشت سے حملہ کر دیا۔ جبیر بن مطعم نے جواب تک اپنی جگہ پر تھے چند جاں بازوں کے ساتھ روکا مگر سب شہید ہوئے۔ خالد نے بڑھ کر لوٹنے والے مسلمانوں پر حملہ کر دیا یہ لوگ بالکل غافل تھے اس لئے وہ ناگہانی حملہ کی تاب نہ لاسکے اور ایسے بدحواس ہوئے کہ اپنے بیگانے کی تمیز نہ رہی۔ آپس ہی میں ایک دوسرے کو مارنے لگے۔ مصعب بن عمیرؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے شہید ہو گئے اور یہ خبر اڑ گئی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی۔ اس خبر نے مسلمانوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیئے اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کے گرد صرف بارہ جاں نثار باقی رہ گئے۔ لیکن ذوالفقار حیدری اس وقت بھی بجلی کی طرح چمک رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے دل شکستہ ہو کر تلوار پھینک دی کہ اب لڑنے سے کیا حاصل ——؟

ابن نضر انصاریؓ نے کہا —— اب زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے ——

(بخاری و سیرت ابن ہشام)

بہت سے جاں نثار اب بھی لڑ رہے تھے۔ عین اس وقت کعب بن مالکؓ کی نظر آپ پر پڑی۔ انہوں نے پہچان کر پکارا مسلمانو —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی ٹوٹی ہوئی ہمت پھر بندھ گئی۔ اور مسلمان اس طرف آگئے کفار نے بھی ہر طرف سے سمٹ کر ادھر کا رخ کیا۔ ان کا ریلا دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی۔ کون مجھ پر جان دیتا ہے۔ اس آواز پر سات انصاری بڑھے اور ایک ایک کر کے نثار ہوتے گئے۔

(صحیح مسلم)

عبداللہ بن قمیئہ بڑھتے بڑھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا اور چہرہ انور پر تلوار ماری آہنی خود کی دو کڑیاں رخسار میں پیوست ہو گئیں یہ دیکھ کر جان نثاروں نے آپ کو حصار میں لے لیا۔ ابودجانہ آپ کے سامنے جھک کر سینہ سپر بن گئے جو تیر آتا تھا اسے پیٹھ پر روکتے تھے۔ حضرت طلحہؓ تلوار کے وار ہاتھ پر روکتے تھے۔ ایک ہاتھ کٹ کر الگ ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن رحمت عالم کی زبان پر اس وقت بھی یہ الفاظ تھے

"خدایا میری قوم کو بخش دے وہ جانتے نہیں ——"

چہرہ انور سے خون جاری تھا حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ نے زخم دھویا اور چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اسے زخم میں بھرا اس سے خون رک گیا۔

(صحیح بخاری جلد دوم)

Marfat.com

مشرکین کا حملہ رکا تو آپ چند جاں نثاروں کے ساتھ پہاڑی کے اوپر چڑھ گئے مشرکین کی فوج میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پھیل گئی۔ ابو سفیان نے اس کی تصدیق کے لئے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی۔

"محمد یہاں ہیں؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جواب دینے سے منع کر دیا۔ ابو سفیان نے جواب نہ پاکر ابو بکرؓ و عمرؓ کو آواز دی اس پر بھی جب کوئی جواب نہ ملا تو اس نے نعرہ لگایا۔ کہ "سب مارے گئے"۔

حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا بولے "دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں"

یہ سن کر ابو سفیان نے ہبل کا نعرہ لگایا۔ "اُعْلُ هُبَل" (ہبل کی جے) صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جواب دیا "اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ" مسلمانوں کے سنبھلنے کے بعد قریش کی ہمت پست ہو گئی۔ اور وہ لوٹ گئے۔

(بخاری۔ غزوہ احد)

اس معرکہ میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن میں زیادہ تر انصار تھے۔ حضرت حمزہ جیسے نامور بہادر نے بھی اسی جنگ میں جام شہادت نوش کیا ان کو جبیر بن مطعم کے ایک حبشی غلام وحشی نامی نے شہید کیا۔ جبیر کا ایک چچا جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ وہ اس کا انتقام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سے لینا چاہتا تھا۔ اس نے وحشی سے وعدہ کیا تھا کہ تم نے یہ کام انجام دیا تو آزاد کر دوں گا وحشی سے ہند نے بھی بہت انعام کا وعدہ کیا تھا۔ کیونکہ ہند کے باپ عتبہ کو حضرت حمزہؓ نے غزوۂ بدر میں ہلاک کیا تھا۔

وحشی نے کارزار میں حضرت حمزہؓ کی گھات میں رہا حضرت حمزہؓ دونوں ہاتھوں سے دشمن کی صفیں الٹ رہے تھے۔ کہ وحشی نے اوٹ میں بیٹھ کر حربہ گھمایا۔ اور تاک کر حضرت حمزہؓ پر پھینکا جو ان کے زیر ناف لگا۔ حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے۔ ہند نے ان کا پیٹ چاک کیا کلیجہ نکالا اور منہ میں ڈال کر چبانے لگی۔ نگلا نہ گیا تو اگل دیا۔ اس نے شہدا کے ناک کان کاٹے اور ان کے ہار بنا کر پہنے اپنے سونے کے زیورات وحشی کو بخش دیئے پھر ایک اونچی پہاڑی پر جا کر بلند آواز سے فتح کا گیت گانے لگی۔ (تاریخ طبری بخاری)

Marfat.com

اس غزوہ میں مسلمان عورتوں نے بھی بڑی بہادری اور جاں فروشی دکھائی حضرت عائشہؓ اور اُمّ سُلیمؓ مشک میں پانی بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔ (بخاری)

مشرکین کے عام حملہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند جاں نثار باقی رہ گئے تھے۔ آپ کی حفاظت کے لئے حضرت اُمّ عمارہ آپ کے پاس پہنچیں جو مشرک آپ کی طرف بڑھتا تھا اس کو تیر اور تلوار کے ذریعہ روکتی تھیں۔ ابن قمیئہ کافر جب آنحضورؐ کے پاس پہنچ گیا تو اُمّ عمارہ نے بڑھ کر اسے بھی روکا۔ اس میں ان کا شانہ زخمی ہو گیا انہوں نے بھی تلوار چلائی لیکن ابن قمیئہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے بچ گیا۔

(سیرت ابن ہشام جلد اوّل)

حضرت حمزہ کی بہن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ مسلمانوں کی شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں، مشرکین نے حضرت حمزہؓ کی لاش کو بگاڑ دیا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کے صاحبزادے حضرت زبیر بن عوامؓ کو بلا کر حکم دیا کہ صفیہؓ بھائی کی لاش نہ دیکھنے پائیں انہوں نے ان سے کہا تو بولیں

"میں بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن راہِ خدا میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت لے کر لاش پر گئیں عزیز بھائی کے بدن کے ٹکڑے دیکھ کر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھ کر خاموش ہو گئیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔

(تاریخ طبری)

ایک انصاری خاتون کے باپ، بھائی اور شوہر جنگ میں مارے گئے تھے ان کو یکے بعد دیگرے تینوں حادثوں کی خبر دی یہ ہر مرتبہ پوچھتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیریت ہیں —— انہوں نے پاس جا کر چہرہ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھیں کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ (آپ کی موجودگی میں ہر مصیبت ہیچ ہے)

قریش کے واپس جانے کے بعد مسلمان بھی مدینہ واپس آگئے اس وقت مدینہ میں [illegible] ہر گھر میں کہرام بپا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] آپ کے چچا حمزہؓ کا کوئی رونے والا [illegible]

Marfat.com

دیکھ کر اپنی عورتوں کو حضرت حمزہؓ کا سوگ منانے کے لئے بھیجا۔ لیکن آپ نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ کہ مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۸۴)

۳ھ کے متفرق واقعات

اسی سال حضرت حسنؓ پیدا ہوئے حضرت حفصہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کی شادی ہوئی وراثت کا قانون نازل ہوا اور مشرک عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حرام قرار پایا۔

غزوۂ اُحد کے نتائج

یہ جنگ دراصل ایک فیصلہ کن جنگ نہ تھی جانی اعتبار سے ضرور مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں زیادہ نقصان اٹھانا پڑا کیونکہ ۲۲ کفار کے مقابلہ میں ستر صحابہ شہید ہوئے تھے۔ مگر کفار کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ مدینہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرتے دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے بعد میں کفار کا تعاقب بھی کیا اس طرح یہ شکست نہیں بلکہ فتح ہی معلوم ہوتی ہے تاہم اس جنگ کے نتائج مسلمانوں کے لئے سودمند ثابت نہ ہوئے۔

۱:۔ اس جنگ سے مسلمانوں کے وقار کو بڑا نقصان پہنچا جنگ بدر نے مسلمانوں کی جو دھاک بٹھا دی تھی وہ جاتی رہی اسلام کی ترقی میں ایک حد تک رکاوٹ پیدا ہو گئی۔

۲:۔ مدینہ کے اطراف میں جو عرب قبائل پر مسلمانوں کا رعب غالب ہو گیا تھا وہ جاتا رہا ان قبائل نے مسلمانوں سے ڈر کر جو دوستانہ معاہدے کرلئے تھے وہ توڑ کر مخالفت پر آمادہ ہو گئے کئی قبائل نے اپنے یہاں مبلغین کو آنے کی دعوت دی اور جب وہ وہاں پہنچے تو ان کو دھوکے سے قتل کر دیا۔

۳:۔ جنگ بدر کے بعد جو کفار کے حوصلے پست ہو گئے تھے وہ پھر بلند ہو گئے۔ اور وہ مسلمانوں کو برباد کرنے کے خواب دیکھنے لگے۔ وہ مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن لڑائی لڑنا چاہتے تھے۔ کچھ ہی عرصہ بعد انہوں نے مدینہ پر پھر چڑھائی کر دی۔

۴:۔ مسلمانوں کو یہ سبق مل گیا کہ رسول اللہ کی اطاعت نہ کرنے سے تائید غیبی بھی ان کا ساتھ چھوڑ

Marfat.com

دیتی ہے۔ اور وہ اپنی دینوی زندگی میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

۵ :۔ اس جنگ نے جان نثارانِ اسلام کے انفرادی کردار کو نمایاں کر دیا لوگوں نے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کا ثبوت دیا۔ وہ ہمیشہ قابل تقلید رہے گا۔

۶ :۔ مسلمانوں کی کمزوری کے باعث یہودیوں کی شرارتوں میں اضافہ ہوا اور آخر ان کے قبیلہ بنو نضیر کو مدینہ سے نکلنا پڑا۔

۷ :۔ قریش فتح کے ارمان لے کر آئے تھے لیکن بہ ارمان تشنہ ہی رہ گئے ابھی دو ٹوک فیصلہ باقی تھا اس لئے ابو سفیان اگلے برس کے لئے پھر جنگ کا اعلان کر گیا تھا۔ الغرض یہ جنگ ایک اور جنگ کا پیش خیمہ تھی۔

یہود کا مدینہ سے اخراج

یہود بڑی مدت سے مدینہ پر قابض تھے ان کے تین مشہور قبیلے بنو نضیر۔ بنو قریظہ۔ اور بنو قینقاع مدینہ کے گرد و نواح میں آباد تھے۔ مذہبی معاشی اور سیاسی لحاظ سے یہ لوگ اپنے آپ کو دوسروں پر فائق تصور کرتے تھے۔

ہجرت مدینہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے حالات کا جائزہ لے کر یہودیوں سے معاہدہ لکھوایا تھا۔ تاکہ مسلمانوں کو ان کی طرف سے شرارتوں اور سازشوں کا خدشہ نہ رہے لیکن اپنے اقتدار کا زوال دیکھ کر اندر ہی اندر یہ سازشیں کرنے لگے۔ مسلمانوں سے دشمنی کے اسباب مندرجہ ذیل تھے۔

مذہبی یہودی دین موسوی کو سب مذاہب پر فوقیت دیتے تھے۔ لیکن عملی طور پر جھوٹے، حرام کھانے والے طرح طرح کے گناہ کرنے والے سود خور اور لوگوں کا مال خورد برد کرنے والے تھے۔

اللہ تعالے نے قرآن کریم میں ان کے اخلاق قبیحہ کا راز فاش کیا۔ چنانچہ یہودی مسلمانوں سے سخت عداوت رکھنے لگے۔

Marfat.com

اقتصادی

مہاجرین نے تجارت میں دلچسپی لی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں بڑے مالدار ہو گئے۔ انصار مدینہ بھی یہودیوں کے سودی قرضوں سے بچ گئے۔ خود یہودیوں کی تجارت بھی ماند پڑ گئی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ یہودی مسلمانوں سے کینہ رکھتے تھے۔

سیاسی

ہجرت سے پہلے یہودیوں کو سیاسی فوقیت حاصل تھی وہ اوس و خزرج کے قبائل سے لڑکر اپنی مقصد برآری کر لیا کرتے تھے۔ اسلام کی وجہ سے یہ دونوں قبیلے متحد ہو گئے۔ اور یہودیوں کی سیاست کا خاتمہ ہونے لگا۔ معاہدہ مدینہ کی وجہ سے بھی مدینہ کی سیاست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی اس وجہ سے یہودی مسلمانوں کے بھی دشمن بن گئے۔

ان وجوہ کی بنا پر یہودی مسلمانوں کے نزدیک قابل اعتماد نہ رہے تھے۔ یہود نے اب کھلم کھلا عداوت اسلام کا ثبوت دینا شروع کیا۔

شوال ۲ھ کا واقعہ ہے کہ ایک انصاری عورت بنو قینقاع کے بازار میں آئی۔ ایک یہودی نے اس خاتون کی بے عزتی کی چنانچہ ایک غیور مسلمان نے اس یہودی کو قتل کر ڈالا۔ ایک یہودی نے اس مسلمان کو مار ڈالا۔ اطلاع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور یہودیوں کو سمجھایا کہ ان حرکتوں سے باز آجاؤ ورنہ تم پر بھی بدر کی طرح عذاب نازل ہو گا۔ یہودیوں نے کہا کہ ہم بتا دیں گے کہ جنگ کیونکر لڑی جاتی ہے۔

چونکہ بدعہدی کا آغاز یہود کی جانب سے ہوا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملہ کا حکم دیا۔ یہودی قلعہ میں گھس گئے۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا۔ بالآخر تنگ آکر یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور کہا کہ

"ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ منظور ہے۔ آپ نے رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی درخواست پر بنو قینقاع کے تمام یہودیوں کو، جن کی تعداد سات سو تھی۔ مدینے سے جلاوطن کر دیا۔

یہودیوں کا دوسرا قبیلہ بنو نضیر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی پر تلا ہوا تھا ایک

Marfat.com

دفعہ آنحضرتؐ اسی قبیلہ میں یہودیوں سے ایک خون بہا کی رقم وصول کرنے کے لئے گئے۔ آپ ایک دیوار کے سایہ میں تشریف فرما تھے کہ یہودی دوسری طرف آپؐ کے قتل کی سازش کرنے لگے ایک شخص کو مکان کی چھت پر چڑھایا تاکہ وہ اوپر سے آپؐ پر بھاری پتھر گرادے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کردیا۔ چنانچہ آپ واپس تشریف لے آئے اور صحابہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ اور بنو نضیر دونوں کو نیا عہد نامہ لکھنے کے لئے کہا بنو نضیر نے انکار کردیا لیکن بنو قریظہ راضی ہوگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول سنہ ۴ھ کو بنو نضیر پر چڑھائی کی۔

بنو نضیر قلعہ بند رہے آخر تنگ آکر جاں بخشی کی درخواست کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی جلاوطنی کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ تمام مال و متاع لاد کر اور شام کی طرف چلے گئے۔ اسی طرح بنو قریظہ کو بھی اپنی گستاخیوں کی سزا ملی جس کی تفصیل غزوۂ خندق میں آئے گی۔

سنہ ۴ھ کے متفرق واقعات

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ سے نکاح ہوا پہلے وہ حضرت عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں عبداللہ نے احد کے واقعہ میں وفات پائی تھی حضرت ام المساکین نے نکاح کے تین ماہ بعد سفر آخرت کیا۔

۲:۔ حضرت عثمان غنی کے بیٹے جناب عبداللہ نے چھ برس کی عمر میں دنیا سے رحلت کی آپ حضرت رقیہؓ کے بطن سے تھے۔

۳:۔ ماہ شعبان میں حضرت حسینؓ پیدا ہوئے۔

۴:۔ حضرت ام سلمہؓ آنحضور کے نکاح میں آئیں۔

Marfat.com

غزوۂ خندق ۵ھ

مسلمانوں اور کفار کی تیسری بڑی لڑائی جنگ احزاب یا جنگ خندق کے نام سے مشہور ہے چونکہ اس لڑائی میں عرب کے مختلف قبیلوں کی متحدہ فوج لڑنے آئی تھی اس لئے یہ جنگ احزاب کہلائی اس کو جنگِ خندق اس لئے کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس موقعہ پر اپنے دفاع کے لئے خندق کھودی تھی

جنگ کے اسباب

۱:۔ جنگ احد کے بعد یہودیوں کی سرگرمیاں تیز ہو گئی تھیں ان کا ایک قبیلہ تو پہلے ہی جلاوطن ہو چکا تھا بقیہ دو قبیلوں سے نقضِ امن کا خطرہ تھا اور جنگ احد میں بھی ایک مستقل دردِ سر بنے رہے تھے اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تجدید معاہدہ کے لئے کہا۔ بنی قریظہ تو اس کے لئے تیار ہو گیا مگر بنی نضیر نہ مانے چنانچہ ان کا محاصرہ کرکے انہیں مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا یہ لوگ خیبر جا کر آباد ہو گئے تھے۔ اور وہاں مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مشغول رہے۔

۲:۔ جنگ احد ایک فیصلہ کن جنگ نہ تھی۔ اس لئے کفار مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے بڑے زور شور سے تیاریاں کرنے لگے۔

۳:۔ قریش مسلمانوں کے دشمن قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اکسایا کرتے تھے۔ ان قبائل کی سرگرمیاں بڑھ گئی تھیں اور آنحضرتؐ کو ان کا کئی بار مقابلہ کرنا پڑا مسلمانوں کی اس کامیابی نے قبائل کے انتقام کی آگ کو بھڑکا دیا۔ اور وہ قریش کے ساتھ ہی متحد ہو گئے۔

۴:۔ چونکہ مسلمانوں نے وسطی عرب پر بھی اپنا اثر قائم کر لیا تھا۔ اس لئے قریش کی عراق سے تجارت کا سلسلہ بند ہو گیا تھا۔ ملک شام کی تجارت پہلے ہی ان کے ہاتھ سے چلی گئی تھی اسی اقتصادی رکاوٹ نے ان کو اور بھی مشتعل کر دیا۔

۵:۔ جنگ احد کے موقع پر ابو سفیان نے مسلمانوں سے بدر کے مقام پر مقابلہ کرنے کا چیلنج دیا تھا اور وہ دو ہزار کفار کو لے کر وہاں پہنچ بھی گیا۔ مگر جب مسلمان مقابلہ کو آئے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا اس ہزیمت کا وہ پوری تیاری کے ساتھ بدلا لینا چاہتا تھا۔

Marfat.com

واقعاتِ جنگ

یہود کو مدینے سے نکل جانے کا بڑا دکھ تھا۔ وہ مسلمانوں سے اس کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لئے یہودیوں نے قریش مکّہ کے پاس پہنچ کر انہیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر اکسایا اور اپنی امداد کا یقین بھی دلایا۔ قریش پہلے ہی تیار بیٹھے تھے بس پھر کیا تھا تمام قبیلوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر کے دس ہزار کا بھاری لشکر لے کر مدینہ پر دھاوا بولنے کے لئے چل دیئے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی ایران کے جنگی طریقوں سے واقف تھے انہوں نے مدینہ شریف کے گرد خندق کھودنے کی رائے دی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رائے پسند کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے بھی بذریعہ الہام خندق کا حکم ملا ہے۔ کفّار نے مدینہ پہنچ کر ہر طرف سے محاصرہ کر لیا اور ایک مہینہ تک اس شدّت کے ساتھ محاصرہ قائم رکھا۔ کہ مسلمانوں پر کئی کئی فاقے گزر گئے۔ ایک دن بیتاب ہو کر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیٹوں پر بندھے ہو پتھر دکھائے جب محاصرہ کی شدت خطرناک حد تک پہنچ گئی۔ تو آپ نے جماعت صحابہ سے خطاب فرمایا کہ ——— "کوئی ہے "جو محاصرہ کرنے والوں کی خبر لائے ———"

اس کے جواب میں حضرت زبیرؓ کی آواز آئی۔ اس جانبازی کے صلے میں ان کو حواری کا معزز لقب عطا ہوا۔

چند دن تک کفّار خندق کے پار سے تیر اور پتھر برساتے رہے۔ جب اس سے کوئی نتیجہ نہ نکلا تو ایک دن قریش کے چند شاہسواروں نے بازی لگا دی۔ ایک جگہ خندق کچھ کم چوڑی تھی۔ وہ گھوڑے دوڑا کر اندر کود آئے۔ اسلامی لشکر کے مقابل ایک کھلے میدان میں گھوڑے دوڑنے لگے۔ ان میں عرب کا مشہور پہلوان عمرو بن عبدِ وُدّ بھی تھا۔

عمرو بن عبدِ وُدّ کی عمر نوّے برس تھی۔ بدر کے معرکے میں شامل ہوا تھا۔ اور زخمی ہونے کی وجہ سے احد میں شریک نہ ہو سکا غزوۂ خندق میں لڑائی کا معلم بن کر آیا تھا۔ حضرت علی نے عرض کیا میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنی تلوار عطا فرمائی۔ اور اپنا عمامہ بندھوا کر رخصت فرمایا (طبقات ابن سعد)

Marfat.com

حضرت علیؓ چند مجاہدین کو لے کر روانہ ہوئے اور اس جگہ کو روک لیا جہاں سے قریشی شہسواروں نے چھلانگ لگائی تھی۔ شاہسواروں نے گھوڑے ان کی طرف دوڑائے عمرو پکارا۔ " مجھ سے کون طاقت آزمائی کرے گا۔ حضرت علیؓ سامنے آئے اور فرمایا اے عمرو۔ تم نے عہد کیا ہوا ہے۔ کہ قریش سے جو شخص تمہیں دو باتوں کی دعوت دے گا تو ان میں سے ایک کو ضرور قبول کرے گا۔ عمرو نے جواب دیا ـــــ " ہاں۔ " حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں ـــــ " عمرو بولا مجھے اس کی حاجت نہیں ـــــ " اچھا اب تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ میرے ساتھ جنگ کے لئے اترو ـــــ "

عمرو نے کہا اے بھتیجے کیوں ـــــ اللہ کی قسم میں نہیں چاہتا ـــــ کہ تمہارے خون میں ہاتھ رنگ لوں ـــــ "

حضرت علیؓ نے فرمایا ـــــ " خدا کی قسم ـــــ میں تمہارا خون بہانا چاہتا ہوں ـــــ "

عمرو اس جواب پر تلملایا ـــــ گھوڑے سے اترا۔ اور حضرت علی کے مقابلہ میں آیا کچھ دیر پینترے بدلنے کے بعد عمرو نے علیؓ پر ضرب لگائی۔ حضرت علیؓ نے ایک ہی وار میں اسے ڈھیر کر دیا۔ اور تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔

(البدایہ والنہایہ)

عمرو کے باقی ساتھی بھاگے ان میں سے ایک خندق میں گر گیا۔ حضرت علیؓ نے اس کا سر قلم کیا ایک کے تیر کا زخم آیا وہ واپسی میں مکّہ کی راہ میں اسی زخم سے ہلاک ہوا۔ دن بھر لڑائی جاری رہی۔ آنحضرت کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں لیکن جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا محاصرہ کی طوالت کفار مکہ کے لئے سخت تکلیف کا باعث تھی۔ اس لئے کہ دس ہزار فوج کی رسد کا سامان آسان نہ تھا۔ اسی اثناء میں ایک دن اس زور کی آندھی آئی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں۔ عین اس موقعہ پر نعیم بن مسعودؓ نے جو در پردہ مسلمان ہو گئے تھے۔ قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلوادی۔ مشرکین کو معلوم نہ تھا۔ کہ وہ اسلام لا چکے ہیں نعیم نے انہیں بد دل اور ہراساں کرنا شروع کیا۔ بنو قریظہ کو یہ سبق دیا کہ خیریت درکار ہے۔ تو قریش سے چند آدمی

Marfat.com

بطور ضمانت طلب کر کے اپنے قبضہ میں رکھ لو ۔۔۔ تاکہ قریش تمہیں تنہا نہ چھوڑ جائیں۔ بنو قریظہ نے فوراً یہ مطالبہ کر دیا۔ قریش نے نہ مانا۔ بدگمانی اور بڑھی ۔۔۔ بنو قریظہ الگ ہو گئے۔ دشمن کے دل اکھڑ چکے تھے ایک رات اللہ تعالیٰ نے اس زور کی ہوا بھیجی کہ ان کے قدم بھی اکھڑ گئے۔ ٹھنڈی اور تیز ہوا میں آگ جلتی تھی نہ ہانڈیاں ٹکتی تھیں اور نہ خیمے کھڑے رہ سکتے تھے۔ ابوسفیان نے سب کو بلا کر کہا۔ "ادھر بنو قریظہ نے غداری کی اور ادھر ہوا دشمن ہو رہی ہے میں تو گھر جا رہا ہوں تم بھی سفر کرو ۔۔۔" ابوسفیان اپنے اونٹ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اونٹ کے گھٹنے بندھے تھے ابوسفیان نے بدحواسی میں اسے مارنا شروع کیا لیکن بے سود ۔۔۔ ایک اور آدمی نے اس کی رسی کھولی تو اٹھنے کے قابل ہوا۔

(تاریخ طبری۔ البدایہ والنہایہ)

جب صبح ہوئی تو خندق پار کا علاقہ دشمن کے وجود سے صاف تھا۔ قریش کے بعد بنو قریظہ نے میدان چھوڑ دیا اس جنگ میں مسلمانوں کا کم نقصان ہوا صرف ایک صحابی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے۔

بنو قریظہ کی بدعہدی

بنو قریظہ کی بدعہدی کی وجہ سے مسلمانوں کو جنگ احزاب میں بہت پریشانی رہی تھی۔ قریش کے واپس لوٹتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کا رخ کیا یہودیوں نے ندامت اور معذرت کے بجائے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنا چاہا۔ اور آنحضرت کو گالیاں بھی دیں۔ مسلمانوں نے قریباً ایک ماہ تک محاصرہ جاری رکھا۔ آخر تنگ آ کر یہودیوں نے درخواست کی کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ اور جو فیصلہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کریں گے۔ ہمیں منظور ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں۔ عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔ اور ان کا سامان مال غنیمت قرار دیا جائے یہ فیصلہ یہودیوں کی اپنی آسمانی کتاب تورات کے مطابق تھا چنانچہ چار سو مردوں کو قتل کیا گیا۔ مقتولین میں ایک عورت بھی تھی جس نے ایک مسلمان پر پتھر گرا کر اسے مار ڈالا تھا۔

(تاریخ طبری)

Marfat.com

غزوۂ خندق کے نتائج

۱:۔ غزوۂ خندق میں دشمن کی ناکامی کا فیصلہ آندھی اور طوفان نے کیا تھا۔ اس تائید غیبی کو دیکھ کر اہل اسلام کی قوت ایمانی میں بیش بہا اضافہ ہوا

۲۔ اس جنگ میں کفار کی تعداد چوبیس ہزار اور ایک روایت کے مطابق دس ہزار تھی کفار نے اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں پر کبھی حملہ نہ کیا تھا۔ اس سے مسلمانوں کو یہ اندازہ ہوا کہ کفار اپنے سب ذرائع استعمال کرنے کے باوجود بھی مسلمانوں کو مغلوب نہیں کر سکتے۔

۳:۔ مسلمانوں کے لئے مدافعانہ جنگ کا دور ختم ہو گیا۔ اس کے بعد دشمنوں کو کبھی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کر سکیں۔

۴:۔ جنگ خندق میں کفار کی پسپائی سے مدینہ کے آس پاس کے قبیلوں پر بڑا اچھا اثر پڑا۔ اب وہ مسلمانوں کی فوجی قوت سے مرعوب ہو کر ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے لگے۔ اور اس طرح اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔

۵:۔ اس جنگ میں مدینہ کے یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی غداری پوری طرح واضح ہو گئی۔ اس لئے کفار مکہ کے واپس جاتے ہی ان کو سزا دی گئی۔

۶:۔ قریش کی اقتصادی حالت تباہ ہو گئی۔ انہوں نے اپنا تمام سرمایہ جنگ میں جھونک دیا تھا۔ ان کے پاس اب حسرت و ارمان کے سوا کچھ نہ رہا۔

۷:۔ قریش کا عرب میں بہت بھرم تھا جو کھل گیا۔ عرب میں قریش سے بدظنی عام ہو گئی اور ان کی روحانی پیشوائی کا آبگینہ پاش پاش ہو گیا۔

۵ھ کے دیگر واقعات

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ بنت جحش سے نکاح کیا زینبؓ آپ کی پھوپھی امیمہ کی صاحبزادی تھیں ان کا نکاح حضورؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کیا تھا میاں بیوی میں نباہ نہ ہوا اور طلاق ہو گئی۔ اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب سے نکاح کر لیا اس وقت تک عورتیں جاہلیت کے طریقہ پر بے پردہ نکلتی تھیں اسی

Marfat.com

سال پردہ کا حکم نازل ہوا اسی سال عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر حد جاری کرنے کا حکم اور سزا دینے کا طریقہ جاری ہوا پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی اجازت ملی۔ اور نمازِ خوف کا حکم نازل ہوا۔ (فتح الباری)

سوالات

۱:- جنگ بدر کے وجوہ و اسباب بیان کیجئے۔

۲:- جنگ بدر کے نتائج اور اسکی اہمیت واضح کیجئے۔

۳:- جنگِ اُحد کن حالات کی پیداوار تھی۔ اور اس سے کیا نتائج برآمد ہوئے؟ نیز بتایئے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی شکست کے کیا اسباب تھے۔

۴:- جنگِ خندق کے اسباب و واقعات بیان کیجئے اور بتایئے کہ تاریخ اسلام میں اس جنگ کو کیا اہمیت حاصل ہے؟

۵:- رسولِ مقبول کے یہودیوں سے تعلقات پر بحث کیجئے۔

۶:- ہجرت کے بعد پیغمبر اسلام کے خلاف اہل مکہ کی جارحانہ جنگوں کا مختصر حال لکھئے۔ ان جنگوں میں مسلمانوں کی فتح کا راز کیا تھا؟

Marfat.com

چھٹا باب

صلح حدیبیہ

عمرہ کیلئے روانگی

جب سے مسلمان مکہ سے نکالے گئے تھے یعنی چھ سال سے انہوں نے کعبہ کو بالکل نہ دیکھا تھا اس لئے ذی قعدہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے اور اس خیال سے کہ قریش کو جنگ وغیرہ کا شبہ نہ ہو یہ احتیاط فرمائی۔ کہ احرام باندھ کر قربانی کے اونٹ ساتھ لے لیے۔ مسلمانوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے صرف تلوار ساتھ ہو۔ وہ بھی نیام کے اندر ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا کیں قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے آپ کو روکنے کے لیے بڑی زبردست تیاریاں کیں اور پیغام بھیج کر تمام متحدہ قبائل کو جنگ کے لئے جمع کیا۔ خالد بن ولید کو جو ابھی تک اسلام نہ لائے تھے۔ تھوڑی سی فوج کے ساتھ پتہ لگانے کے لئے بھیجا انہوں نے جا کر قریش کو خبر دی کہ مسلمان غمیم کے مقام تک پہنچ گئے ہیں ان کے جانے کے بعد مسلمان آگے بڑھ کر مقام حدیبیہ میں ٹھہرے یہ مقام مکہ کے علاقہ میں شامل ہے قرآن حکیم نے اسے بطن مکہ (وادی مکہ) کہا ہے:: اس کا صرف ایک حصہ حرم میں داخل ہے۔ جہاں مسلمان اترے وہ جگہ حرم سے باہر ہے اور مکہ کے شہر سے بارہ تیرہ میل دور جدہ اور مکہ کی سڑک پر واقع ہے۔

قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا۔ اس کے رئیس بدیل بن ورقاء نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ آپ نے فرمایا قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔

(طبقات ابن سعد)

بہتر یہ ہے۔ کہ قریش ہم سے ایک خاص مدت کے لئے معاہدہ کر لیں۔ اور اگر اس پر وہ

Marfat.com

راضی نہیں ہیں تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں اس وقت تک لڑوں گا جب تک میری گردن الگ نہ ہو جائے۔ اور خدا اپنا فیصلہ پورا نہ کر دے۔ بدیل نے جا کر قریش کو یہ پیغام سنانا چاہا۔ تو وہ اس کے سننے کے لئے بھی تیار نہ تھے۔ تاہم تجربہ کار لوگوں نے آمادگی ظاہر کی۔

بُدیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام اور آپ کی شرائط سنائیں یہ شرائط سن کر ان کی جماعت کے ایک تجربہ کار شخص عُروہ بن مسعود ثقفی نے کہا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بڑی معقول شرطیں پیش کی ہیں۔ مجھ کو اجازت دو میں جا کر خود معاملہ طے کر لوں " قریش کو ان پر پورا اعتماد تھا۔ اس لئے انہوں نے ان کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر گفتگو کی اور کہا محمد! فرض کرو۔ تم نے قریش کو ختم کر دیا۔ کیا دنیا میں اس کی مثال مل سکتی ہے۔ کہ کسی شخص نے اپنی قوم کو خود اپنے ہاتھوں سے برباد کیا ہو۔"

عروہ ضروری گفتگو کر کے لوٹ آیا۔ عروہ نے قریش سے کہا۔ " خدا کی قسم ـــــ میں نے شاہی دربار دیکھے ہیں جتنی تعظیم محمد کے ساتھی آپ کی کرتے ہیں ـــــ وہ بادشاہوں کو ان کے درباروں میں نصیب نہیں ـــــ آپ تھوکتے ہیں تو صحابہ ہاتھوں پر لیتے ہیں اور منہ اور بدن پر ملتے ہیں۔ جب آپ کوئی حکم صادر فرماتے ہیں تو صحابہ فوراً تعمیل کرتے ہیں۔ آپ وضو فرماتے ہیں تو صحابہ نیچے رہوئے پانی کے لئے گویا جان مارتے ہیں آپ جب بولتے ہیں تو صحابہ اپنی آواز پست کر لیتے ہیں ادب سے آپ کی طرف نظر نہیں اٹھاتے ـــــ۔

بیعت رضوان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصالحت کی گفتگو کے لئے خراش بن اُمیہ کو بھیجا۔ قریش نے ان کو قتل کرنا چاہا۔ مگر ان کے قبیلے کے آدمیوں نے بچا لیا۔

خراش کی واپسی کے بعد قریش نے مسلمانوں پر حملہ کے لئے ایک دستہ بھیجا مگر وہ گرفتار کر لیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درگذر سے کام لے کر اسے چھوڑ دیا۔ قریش کی معاندانہ روش کے پیش نظر آپ نے دوبارہ حضرت عثمان کو قریش کے پاس بھیجا انہوں نے آپ کو روک لیا

Marfat.com

مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی۔ کہ عثمان قتل کر دیئے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔ آپ نے قصاص کے لئے صحابہ سے جانبازی کی بیعت لی (بخاری)

صلح حدیبیہ بیعت رضوان تاریخ اسلام میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ بعد میں معلوم ہوا۔ کہ شہادت عثمان رضی کی خبر غلط تھی۔ اس دوران میں قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ مصالحت کے لئے آمادہ ہو گئے اور اپنے خطیب سہیل بن عمرو کو مصالحت کی گفتگو کے لئے بھیجا اور مندرجہ ذیل صلحنامہ لکھا گیا۔

یہ مصالحت محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے ہوئی ہے انہوں نے یہ سمجھوتہ کیا ہے۔ کہ۔

۱ :۔ دس برس جنگ نہ ہو گی۔ سب لوگ امن وامان کے ساتھ رہیں گے۔ کوئی کسی پر ظلم وتعدی نہیں کرے گا۔

۲ :۔ فریقین اپنے جذبات پر قابو رکھیں گے۔ اور ایک دوسرے سے خیانت نہیں کرینگے۔

۳ :۔ اگر مکہ سے کوئی شخص اپنے ولی کے اذن کے بغیر محمد ؐ کے پاس جائے گا تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔ اور اگر محمد کے اصحاب سے کوئی شخص قریش کے پاس آئے گا۔ تو اس کی واپسی نہیں ہو گی۔

۴ :۔ جو چاہے محمد ؐ کا حلیف اور ہم عہد ہو جائے۔ اور جو چاہے قریش کا حلیف ہو جائے کسی پر کوئی پابندی نہیں۔

۵ :۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی سال واپس چلے جائیں۔

۶ :۔ حضرت محمد قریش کی موجودگی میں مکہ تشریف نہیں لائیں گے۔

۷ :۔ اگلے برس قریش تین روز کے لئے مکہ سے نکل جائیں گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان ایام میں اپنے اصحاب کے ہمراہ یہاں تشریف فرما ہوں گے۔

۸ :۔ مسلمان مکہ میں بے نیام اسلحہ نہیں لائیں گے۔

(بخاری وسیرت ابن ہشام)

ابھی یہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ سہیل کے لڑکے ابوجندل جو مسلمان ہو چکے تھے اور

Marfat.com

اس جرم میں طرح طرح کے مصائب جھیل رہے تھے کسی طرح چھوٹ کر مسلمانوں کے پاس آ گئے انہیں دیکھ کر ان کے باپ نے کہا محمدؐ ــــ پابندی عہد کا یہ پہلا واقعہ ہے۔ آپ نے فرمایا ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا ہے۔ سہیل نے کہا تو ہمیں صلح منظور نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا ــــ اس لئے آپ نے مجبور ہو کر ابوجندل کو اس کے حوالے کر دیا انہوں نے جسم کے نیل دکھا کر جو مشرکین کے ظلم و تشدد سے پڑ گئے تھے مسلمانوں سے فریاد کی کہ کیا پھر اسی عذاب کے لئے کفار کے حوالے کر رہے ہیں مسلمان ان کی دردانگیز فریاد سن کر تڑپ اٹھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فیصلہ قائم رکھا۔ صلح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فیصلہ قائم رکھا قربانی کے اونٹ ذبح کر کے بال ترشوائے اور احرام کھولا۔ (بخاری)

مہاجرین چھ برس کے بعد اپنے شہر کو چلے تھے۔ لیکن یہ تمنا بر نہ آئی ابوجندل کے واقعہ نے ان کا سکون چھین لیا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو کلام کیا۔ اس کے حرف حرف سے اضطراب اور بے چینی کی جھلک نظر آتی ہے۔ بعض صحابہ تو مایوسی اور شکستہ دلی کی تصویر نظر آتے ہیں تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آئے۔ تو راستہ میں وحی مبارک یہ بشارت لائی اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (ہم نے آپ کے لئے فتح مبین کا دروازہ کھول دیا ہے۔) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو یہ آیت سنائی۔ اور فرمایا۔ " یہ آیت مجھے تمام دنیا سے عزیز تر ہے حضرت عمرؓ بیحد خوش ہوئے

(بخاری و مسلم)

صلح حدیبیہ کے نتائج

اگرچہ بظاہر یہ صلح مغلوبانہ تھی۔ لیکن خداوند کریم نے اسے فتح مبین قرار دیا اور۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں فرمایا۔ اس کے بعد کے واقعات اور نتائج نے اسے فی الواقع کھلی فتح ہی ثابت کر دیا اس کے بڑے بڑے اثرات و ثمرات حسب ذیل ہیں۔

۱:۔ اس فتح سے اہل اسلام اور کفار مکہ کے درمیان جنگ و جدال کا سلسلہ ختم ہو گیا

Marfat.com

اور مسلمان اب معاشرتی اور معاشی سرگرمیوں کی طرف توجہ دینے لگے۔

۲:۔ اس معاہدہ کے بعد جب فضا سازگار ہو گئی۔ اور مسلمان مکہ آنے جانے لگے تو اہلِ اسلام کی صالح زندگی نے قریش مکہ پر بڑا خوشگوار اثر ڈالا۔ اور وہ لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔

۳:۔ چونکہ یہ معاہدہ مسلمانوں کی امن پسندی کا یقینی ثبوت تھا۔ اس لئے جو قبائل شک میں مبتلا تھے۔ اس سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں سے دوستانہ مراسم قائم کر لئے۔

۴:۔ عرب قبائل اب مسلمانوں سے شیر و شکر ہو گئے جس کے نتیجہ کے طور پر اسلامی معاشرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص جیسے لوگ اس معاہدہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

۵:۔ صلح حدیبیہ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان جو کشیدگی تھی وہ دور کر کے سیاسی وحدت کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔

۶:۔ قریش سے جنگ وجدل کے خاتمہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا موقعہ ملا۔ کہ غیر ممالک کے لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچائیں۔

۷:۔ قریش کا یکایک مصالحت پر اتر آنا اس حقیقت کا نہایت واضح ثبوت تھا کہ اب وہ مسلمانوں کو خستہ حال برباد بے سہارا اور اپنے گھروں سے نکالے ہوئے مہاجر نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ ایک ہم پلہ اور ایک ہم پایہ ہمسایہ سمجھنے پر مجبور تھے۔ اور یہی چیز مسلمانوں کی آئندہ ترقی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

۸:۔ معمولی سی ظاہری رعایت کے عوض جو آنحضرت نے قریش کو دی اسلام کو گونا گوں فائدے پہنچے اسی لئے بہت سے مؤرخین صلح حدیبیہ کو آنحضرتؐ کے سیاسی تدبر کا شاہکار کہتے ہیں اس سے آپ کی دور بینی اور سیاست دانی کا اندازہ ہوتا ہے قرآن کریم نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا ہے۔

Marfat.com

۶ھ کے دیگر واقعات

۱:۔ اس سال حج فرض ہوا

۲:۔ یہ حکم نازل ہوا ۔۔۔ کہ کوئی مسلمان عورت کسی مشرک کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔

۳:۔ ماہِ شعبان ۶ھ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق کے سردار حارث کی صاحبزادی حضرت جُوَیریہؓ سے نکاح کیا۔

۴:۔ اس سال اور بھی کئی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں۔

ہمعصر بادشاہوں کو دعوتِ اسلام ۷ھ

صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں جب امن وامان کا ماحول پیدا ہوا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں اور امرائے عرب کو دعوت اسلام پر مشتمل خطوط بھیجے۔

قیصرِ روم کے نام آپ کا خط دِحیہ بن خلیفہ لے کر گئے۔ قیصر نے ان ہی دنوں ایرانیوں کے خلاف کامیاب جنگ لڑی تھی۔ اور ادائے شکر کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا قیصر روم ھرقل نے تحقیق حال کے لئے ابوسفیان کو بلوایا جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور تجارت کے سلسلہ میں شام گئے ہوئے تھے۔ ھرقل نے ان سے متعدد سوالات کئے جس سے قیصر کو حضور کی نبوت کا یقین ہو گیا۔ لیکن اپنے امراء اور مذہبی رہنماؤں کی مخالفت کی وجہ سے وہ اعلان نہ کر سکا۔

اسی طرح خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے پاس حضرت عبداللہ بن حذافہؓ آپؐ کا خط لے کر گئے۔ اس نے نہایت گستاخی کے ساتھ نامۂ مبارک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا چند ہی روز بعد اس کے بیٹے شیرویہ نے اسے قتل کروا دیا۔

تیسرا خط حبش کے بادشاہ نجاشی کے نام لکھا گیا۔ نجاشی کا نام اَصحمہ تھا اور نجاشی لقب۔ اس کے پاس جب نامۂ مبارک پہنچا تو اس نے آنکھوں سے لگایا اور کلمہ پڑھ کر اسلام سے مشرف ہوا۔ حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عقیدت نامہ تحریر کیا۔ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی۔ آنحضور صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم نے اس پر غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔

(طبقات ابن سعد)

چوتھا خط حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کی معرفت والیٔ مصر مقوقس کو بھیجا گیا مصر میں عیسائیت کا سکہ رواں تھا یہاں قیصر روم کی طرف سے ایک نائب متعین تھا۔ عہدہ کے لحاظ سے اسے مُقوقس کہتے تھے۔ اس کا نام جریج تھا۔ اس کا صدر مقام اسکندریہ تھا مُقوقس نے حضرت حاطب کی تعظیم کی اور عزت سے مہمان رکھا۔ مگر مشرف بہ اسلام نہ ہوا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تحائف روانہ کئے۔ ان میں تین کنیزیں، ایک غلام اور ایک سفید خچر دلدل نام تھا۔

ایک کنیز حضرت ماریہ تھیں ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

دمشق کے علاقہ میں ان دنوں جبلہ غسانی قیصر روم کی طرف سے حاکم تھا اس کے پاس اسلامی سفیر پہنچا۔ تو اس نے غصہ میں بھر کر کہا۔

"میری سلطنت مجھ سے کون چھین سکتا ہے۔ میں اس پر چڑھائی کروں گا۔" جبلہ نے فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ اور قیصر کو خط لکھا۔ قیصر نے فرمان بھیجا کہ اس ارادے سے باز آؤ اور فوراً میرے پاس پہنچو۔ جبلہ نے حملہ کا ارادہ چھوڑ دیا۔ اور اسلامی سفیر کو زادِ راہ دے کر واپس بھیجا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ دعوت ناموں کے علاوہ اور بھی متعدد تبلیغی خطوط بھیجے جو سلاطین امراء اور علمائے یہود و نصاریٰ کے نام تھے نجاشی۔ مقوقس اور منذر شاہِ بحرین کے نام جو خطوط بھیجے گئے تھے وہ ابھی تک زمانہ کی دستبرد سے محفوظ ہیں۔

دعوت اسلام پر مشتمل خطوط کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے حکمران اور ان کی رعایا مشرف بہ اسلام ہوئی۔ اس کے علاوہ دین اسلام کا چرچا ساری دنیا میں ہو گیا کسریٰ شاہِ ایران سے مخالفت کا آغاز بھی اسی دور سے شروع ہوا اور اس طرح یہ دور ایک

Marfat.com

وسیع اور طاقت ور اسلامی مملکت کی بنیادوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

فتح خیبر ۷ھ

جنگ کے اسباب و واقعات

عرب میں یہودیوں کی قوت کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا۔ یہ زرخیز وادی مدینہ منورہ سے جانب شمال تقریباً ایک سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں قدیم سے یہود آباد تھے مدینہ سے جو یہودی نکالے گئے تھے۔ وہ سب خیبر میں آباد ہو گئے تھے انہوں نے وہاں مضبوط قلعے بنائے تھے۔ خیبر بھی قلعہ کو ہی کہتے ہیں۔

خیبر ملت اسلامیہ کے خلاف سازشوں کا مرکز بن گیا تھا۔ قریب ہی عرب کا ممتاز قبیلہ غطفان آباد تھا۔ جو یہود خیبر کا حلیف تھا۔ سلاّم بن الحقیق جو ان دنوں یہود کا سردار تھا: بڑا با اثر تھا۔ اس نے غطفان اور اس کے آس پاس کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کر لیا اور ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فتنہ انگیزی کی خبر ہوئی، تو چند صحابہ نے آپ کے ایما سے خیبر جاکر سلام کو قتل کر دیا۔

(طبقات ابن سعد نیز البدایہ والنہایہ)

سلام بن ابی الحقیق کے بعد اُسیر بن رزام مسند ریاست پر بیٹھا۔ اس نے یہودیوں کو جمع کر کے ان سے کہا کہ ——— "میرے پیشروؤں نے محمد کے مقابلہ میں جو تدبیریں اختیار

Marfat.com

کی تھیں وہ غلط تھیں خود محمد کے دار الحکومت پر حملہ کرنا چاہیئے۔
چنانچہ غطفان وغیرہ کا دورہ کر کے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر تیار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ تو آپ نے عبداللہ بن رواحہؓ کو تحقیق حال کے لئے بھیجا اور انہوں نے تحقیقات کر کے اس کی تصدیق کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مصالحت کے ذریعہ سے اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کی۔ عبداللہ بن رواحہؓ کو حکم دیا۔ کہ یہودی سردار اُسیر بن رزام سے گفتگو کر کے اسے مصالحت کی غرض سے مدینہ لائیں۔ اُسیر تیس آدمیوں کا جتھہ لے کر اسلامی وفد کے ہمراہ روانہ ہوا۔ چونکہ یہود کا اعتبار نہ تھا۔ اس لئے ہر یہودی کے ساتھ ایک مسلمان سوار تھا۔ کہ وہ اچانک حملہ نہ کر دیں اس احتیاط کے باوجود اُسیر نے غداری کی اس نے بے خبری میں عبداللہ بن رواحہؓ کی تلوار چھیننا چاہی۔ عبداللہ بن نے ایک ہاتھ مارا کہ اس کی ٹانگ اڑا دی۔ باقی صحابہؓ نے بھی تلواریں بے نیام کرلیں اور ہر مسلمان نے اپنے یہودی ردیف کو مار ڈالا صرف ایک یہودی زندہ بچا۔

(البدایہ والنہایہ)

یہودی پہلے سے تیاریاں کر رہے تھے۔ اسیر کے قتل سے انہیں ایک بہانہ ہاتھ آگیا اور وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بالکل آمادہ ہوگئے۔ محرم ۷ھ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لشکر لے کر عازم خیبر ہوئے صلح حدیبیہ کے بعد فتح خیبر کی بشارت اللہ تعالےٰ کی طرف سے مل چکی تھی۔ یہ لشکر کلئے حدیبیہ کی جاں سپاری کا ثمرہ تھا۔ اس لئے خیبر کی کامرانی و منفعت کے حقدار بھی وہی تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہم کو اصحاب حدیبیہ کے لئے مخصوص کر دیا۔

(تاریخ طبری)

روانگی کے وقت فوج کی تعداد پندرہ سو تھی ان میں تین سو سوار تھے۔

(ابوداؤد)

خیبر میں یہودیوں کے چھ قلعے تھے ان میں بیس ہزار تجربہ کار سپاہی موجود تھے عرب کا مشہور بہادر مرحب بھی یہیں رہتا تھا۔ مسلمانوں کی نقل و حرکت دیکھ کر یہودیوں نے سامان رسد قلعہ ناعم میں جمع کیا تھا۔ اور فوجیں دوسرے قلعوں میں تھیں اس لئے مسلمانوں نے

Marfat.com

خیبر پہنچ کر سب سے پہلے قلعہ ناعم پر قبضہ کیا لیکن یہاں کوئی بڑی قوت نہ تھی اس نے آسانی کے ساتھ فتح کر لیا۔

(سیرت ابن ہشام)

چھوٹے چھوٹے قلعے بھی آسانی کے ساتھ تسخیر کر لئے۔ سب سے اہم قموص کا قلعہ تھا مرحب اسی میں رہتا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے خاص اہتمام فرمایا۔ پہلے یکے بعد دیگرے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کو اس مہم پر مامور فرمایا۔ لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ دوسرے دن علم حضرت علیؓ کو مرحمت فرمایا۔ مرحب رجز پڑھتا ہوا مقابلہ میں آیا۔ حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی یہودی ہمت ہار گئے۔ اور بیس دن کے محاصرہ کے بعد قموص کا قلعہ فتح ہو گیا۔ اس معرکے میں ترانوے یہودی مقتول اور بیس مسلمان شہید ہوئے۔

(سیرت ابن ہشام)

خیبر فتح ہونے کے بعد مسلمانوں نے زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ یہودیوں نے درخواست کی کہ زمینیں ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائیں ہم اس کے معاوضہ میں نصف پیداوار دیا کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرما لیا۔ جب بٹائی کا وقت آتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجتے وہ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کہتے کہ جو حصہ چاہے لے لو یہودیوں پر اس کا یہ اثر پڑا۔ کہ وہ کہتے تھے زمین و آسمان ایسے ہی عدل پر قائم ہیں

(فتوح البلدان بلاذری ص ۲۷)

اس جنگ میں رئیس خیبر کی لڑکی صفیہ قید ہوئی تھیں اور حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصہ میں آئی تھیں۔ لیکن لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ دحیہ کے حصہ میں نہیں جا سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی اس کا اہل نہیں ہے۔ ان کے اعتراض پر آپ نے ان کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا۔

(صحیح مسلم)

فتح خیبر کی تکمیل میں تقریباً ایک ماہ کا عرصہ لگا۔ غزوہ خیبر کا ذکر ہے۔ کہ یہود کا ایک حبشی غلام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر اسلام لایا۔ اس کے ہمراہ بکریوں کا ریوڑ تھا

Marfat.com

جو وہ چرایا کرتا تھا۔ اس نے حضورؐ سے عرض کیا۔ کہ یہ بکریاں میرے پاس میرے مالک کی امانت ہیں۔ ان کو کیا کروں ۔؟ آپؐ نے فرمایا۔ انہیں واپس ہانک دو۔ یہ اپنے مالک کے پاس چلی جائیں گی۔ غلام نے تعمیل ارشاد کر دی۔ غلام نے جہاد میں حصہ لیا۔ اور شہادت پائی۔

(سیرت ابن ہشام)

مرحب کی بھتیجی زینب بنت حارث نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کی اس نے یہود کی سازش سے بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ہمراہ کھانے پر بیٹھے آپ کو جلد ہی زہر کا علم ہو گیا۔ صحابہ سے فرمایا۔ کھانا چھوڑ دو۔ اس میں زہر ہے۔ آپؐ کے ساتھ ایک صحابی بشر بھی تھے۔ وہ بیمار پڑ گئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے اعتراف کیا۔ آپؐ نے اس وقت درگزر سے کام لیا لیکن جب حضرت بشرؓ وفات پا گئے۔ تو زینب کو قصاص میں قتل کر ڈالا۔

(البدایہ والنہایہ)

فدک اور وادی القریٰ کی فتح

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر سے واپسی پر فدک کے یہود کے پاس اسلام کا ایک مبلغ بھیجا۔ انہوں نے نصف زمین پر مصالحت کر لی خیبر کے بعد مسلمان وادی القریٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہودی اس وقت بھی شرارت سے باز نہ آئے۔ اور تیر برسا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کو شہید کر دیا۔ اس لئے جنگ ہو گئی۔ لیکن یہودیوں نے معمولی مقابلہ کے بعد ہتھیار ڈال دیئے اور خیبر کی شرائط پر صلح کر لی۔

اثرات و نتائج

۱۔ خیبر کی فتح سے یہود کی شرارت پسندی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اور اس کے بعد وہ مسلمانوں کے سامنے نہ آسکے۔

۲۔ مدینہ سے باہر اسلامی حکومت قائم ہو گئی یہ اسلامی سلطنت کا سنگ بنیاد تھا۔

۳۔ یہ وادیاں شام اور عرب کے درمیان دروازہ کی حیثیت رکھتی تھیں شام کی طرف سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اب ناگہانی حملہ کا خطرہ باقی نہ رہا۔

Marfat.com

۴:۔ یہود کی شکست سے کفار سخت مایوس ہوئے ان کا ایک مضبوط بازو ٹوٹ گیا اور اب وہ مسلمانوں کے مقابلے کے قابل نہ رہے۔

۵:۔ خیبر کی فتح سے مسلمانوں کو کثیر مالی فوائد حاصل ہوئے خیبر سے بے پناہ مال غنیمت ہاتھ آیا اس کے علاوہ ایک وسیع زرعی علاقہ پر قبضہ ہوا۔ حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ فتح خیبر سے پہلے ہم نے کبھی سیر ہو کر کھجور نہیں کھائی تھی۔

(البدایہ والنہایہ)

۶:۔ خیبر کی فتح سے جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا۔ اس سے فتح مکہ کے سلسلے میں کافی مدد ملی۔ فتح مکہ کے موقعہ پر دس ہزار کا لشکر آپ کے ہمراہ تھا۔ اس کے اخراجات تمام تر خیبر کی آمدنی سے پورے کئے گئے۔

۷ھ کے دیگر واقعات

۱:۔ غزوہ خیبر کے سلسلہ میں اس سال متعدد نئے احکام جاری ہوئے درندے جانور پنجہ والے پرندے گدھ اور خچر حرام قرار پائے

۲:۔ حضرت صفیہ ـــــ جو خیبر کے رئیس کی بیٹی تھیں جنگ خیبر میں اسیر ہوئیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے نکاح کر لیا۔

۳:۔ حدیبیہ کے عہد نامہ میں مسلمانوں کو آئندہ سال زیارت کعبہ کی اجازت مل گئی تھی۔ ہجرت کے ساتویں برس ذی قعدہ کے مہینہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے روانہ ہوئے وہی لوگ آپ کے ساتھ ہمسفر ہوئے جو حدیبیہ میں موجود تھے۔ یہ قافلہ جب مکہ پہنچا تو شہر والے پہاڑوں پر چلے گئے۔ تاکہ مسلمانوں کو دیکھ نہ سکیں مسلمان تین روز مکہ میں رہے۔ اس کو عمرۃ القضاء کہتے ہیں۔

(تاریخ طبری)

۴:۔ مسجد نبوی میں منبر بنایا گیا۔

۵:۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ بنت حارث سے نکاح کیا۔ یہ نکاح

Marfat.com

عمرۃ القضاء کے ایام میں کیا۔

جنگِ مُوتہ

جمادی الاولیٰ ۸ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیرؓ کو شرجیل حاکم بُصریٰ کے پاس دعوت اسلام پر مشتمل خط دے کر بھیجا تھا اس نے ان کو شہید کر دیا۔ آپ کو اس کا سخت صدمہ ہوا زید بن حارثہ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حارث کے انتقام کے لئے بھیجا اور ہدایت فرمادی کہ اگر زیدؓ شہید ہوں تو جعفرؓ امیر لشکر ہوں وہ شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہؓ کو سپہ سالار بنایا جائے۔

شرجیل کے جاسوسوں نے اسے مسلمانوں کی پیشقدمی کی خبر دی وہ ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لئے آگے بڑھا زید بن حارثہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کرنا چاہا۔ مگر عبداللہ بن رواحہ نے ... دیا کہ ہمارا مقصد ... شہادت ہے۔ چنانچہ جوش شہادت میں تین ہزار مسلمانوں کا یہ ... وہ ایک لاکھ کے مقابلہ میں آیا۔ اس تناسب کے باوجود مسلمانوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ یعنی تین ہزار اور ایک لاکھ کا مقابلہ ہی کیا۔ چنانچہ پہلے زیدؓ لڑتے لڑتے شہید ہوئے ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم سنبھالا انہوں نے بھی جام شہادت نوش کیا اس کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ نے جھنڈا اٹھایا یہ بھی مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ سب سے آخر میں حضرت خالد بن ولید کے ہاتھوں میں علم آیا۔ یہ بڑی بہادری اور خوش تدبیری سے باقی ماندہ فوج کو دشمنوں کے زغہ سے نکال لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جعفرؓ کی شہادت سے سخت قلق ہوا ان کی شہادت کی خبر سن کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔

(بخاری و سیرت ابن ہشام)

Marfat.com

یہ لڑائی مُوتہ کے مقام پر ہوئی یہ شام کی ریاست بلقاء کا ایک قصبہ تھا۔ اور کوہِ سینا کے دامن میں واقع تھا۔

ادھر جنگ کا فیصلہ ہوا اور ادھر مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی خبر دی اور فرمایا " جھنڈے کو سَیْفٌ مِنْ سُیُوفِ اللّٰہِ (اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار) نے سنبھالا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ پر فتح دی ہے۔ " خالد اسی دن سے سیف اللہ کہلانے لگے۔

(تاریخ طبری)

جن جنگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے وہ غزوات کہلاتی ہیں۔ اور جن میں آپؐ نے شرکت نہ فرمائی ان کو سریّہ کہتے ہیں۔ جنگ مُوتہ کو بھی سریہ موتہ کہا جاتا ہے کیونکہ آنحضورؐ اس میں بنفسِ نفیس شریک نہیں ہوئے تھے۔

سوالات

۱:۔ صلح حدیبیہ کی تفصیلات لکھئے ۔۔۔۔ اور بتایئے ۔۔۔۔ کہ شرائطِ صلح بظاہر مسلمانوں کے خلاف ہونے کے باوجود وہ کیونکر فتحِ مبین تھی۔

۲:۔ بیعت رضوان کی وجوہات اور اس کی اہمیت بیان کیجئے۔

۳:۔ صلح حدیبیہ کا عہد نامہ کس طرح مرتب ہوا ۔۔۔۔ ؟ اس کی دفعات بیان کیجئے اور بتایئے کہ یہ صلحنامہ حقیقت میں عظمت اسلام کی نشانی تھا۔

۴:۔ صلح حدیبیہ کے اثرات و نتائج پر روشنی ڈالئے۔

۵:۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہمعصر سلاطین کے نام جو خطوط لکھے ان کی تفصیل بیان کیجئے۔

۶:۔ غزوۂ خیبر کے حالات و واقعات اور نتائج بیان کیجئے۔

۷:۔ سریّۂ مُوتہ کے مختصر واقعات قلمبند کیجئے۔

Marfat.com

ساتواں باب

فتح مکہ اور دیگر غزوات

اسباب و واقعات

اب تک جو واقعات پیش آئے درحقیقت وہ اصل مقصد کا دیباچہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے مقدم فرض خانہ کعبہ کو بتوں کی آلائش سے پاک کرنا تھا خانہ کعبہ توحید کا سب سے پہلا اور واحد مرکز تھا۔ لیکن قریش کی دشمنی اور قبائل عرب کی عام مخالفت نے اب تک اس کا موقعہ نہ دیا تھا۔

صلح حدیبیہ کی بدولت ایک مرتبہ مسلمان یادگار ابراہیمی کو غلط نگاہ انداز سے دیکھ آئے تھے۔ لیکن قریش زیادہ دنوں تک صلح حدیبیہ پر قائم نہ رہ سکے۔ حدیبیہ کی صلح کے مطابق بنی خزاعہ مسلمانوں کا حلیف ہو گیا تھا اور اس کے حریف بنی بکر قریش کے دوست بن گئے تھے۔ معاہدہ کی رو سے فریقین میں سے کسی کو دوسرے کے حلیف پر ہاتھ اٹھانے کا حق حاصل نہ تھا۔ لیکن بنی بکر کی حمایت میں قریش نے معاہدہ کے خلاف عین حرم میں بنی خزاعہ کو قتل کیا۔ بنی خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فریاد لے کر آئے آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا۔ کہ وہ خون بہا ادا کریں۔ یا بنی بکر کی حمایت چھوڑ دیں ورنہ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

(تاریخ طبری و طبقات ابن سعد)

قریش نے متکبرانہ انداز میں اعلان کر دیا۔ کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ جب قاصد لوٹ

Marfat.com

گیا۔ تو انہیں اندیشہ ہوا، کہ مبادا مسلمان حملہ کر دیں۔ اس لئے انہوں نے فوراً ابو سفیان کو تجدید معاہدہ کے لئے بھیجا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ قریش کے رویہ سے بہت تنگ تھے۔ اس لئے آپ نے انکار فرما دیا اس کے بعد آپ نے مکہ پر باقاعدہ چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور اپنے حلیف قبائل کو بھی تیاری کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ احتیاط بھی کی کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے جب تیاریاں مکمل ہوگئیں تو آپ دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ سے ایک منزل کی مسافت پر مر الظہران کے مقام پر قیام کیا۔ قریش کو مسلمانوں کی اچانک آمد کا پتہ چلا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ ابو سفیان رات کے وقت تحقیق حال کے لئے نکلا۔ لشکر اسلام کے چند سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔

مسلمان اس دشمن اسلام کے قتل کے درپے تھے۔ مگر آپ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کی سفارش پر اسے معاف کر دیا۔ اس حسن سلوک کا یہ اثر ہوا۔ کہ ابو سفیان فوراً مسلمان ہو گیا۔

آخر ارشاد خداوندی کی تکمیل کا وقت آ گیا۔ وہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ہمراہ رات کی تاریکی میں اپنی جان بچا کر نکلے تھے۔ اس شان سے مکہ میں داخل ہوئے کہ ان کے ساتھ ان کے دس ہزار جاں نثار موجود تھے۔ مکہ میں داخل ہوتے وقت آپؐ نے اعلان کرا دیا۔ کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا۔ یا حرم پاک میں پناہ لے گا۔ یا ابوسفیان اور حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے گا۔ یا اپنے گھر کے دروازے بند رکھے گا۔ اسے امان دی جائے گی۔

لشکر اسلام گروہوں کی شکل میں شہر کے تمام راستوں سے داخل ہوا۔ سوائے جنوب کے راستے کے اور کہیں کوئی مزاحمت نہ ہوئی عکرمہ بن ابوجہل اور اس کے کچھ ساتھیوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کے دستے کو روکنے کی کوشش کی۔ جس کے نتیجے میں ایک جھڑپ ہوئی تین مسلمان شہید ہوئے۔ اور تیرہ کفار مارے گئے۔

دنیا کی مہذب اور غیر مہذب قوموں کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ جب بھی فاتح فوج مفتوح علاقے میں داخل ہوتی ہے۔ تو وہاں کی رعایا کی جان و مال اور عزت و آبرو

Marfat.com

ہوتی ہے۔ اور وہ اسے جس طرح چاہیں تباہ و برباد کر سکتے ہیں۔ لیکن جب اسلامی افواج فاتحانہ انداز میں مکہ میں داخل ہوئیں۔ تو کسی شہری کو ہاتھ تک نہیں لگایا گیا۔ کسی کافر کا مال نہ لوٹا گیا۔ غیر مسلم مورخین آج تک اس حیرت انگیز حسن سلوک اور رواداری پر انگشت بدنداں ہیں۔

مکہ میں داخل ہوتے ہی آپ نے تطہیر کعبہ کی طرف توجہ دی اور اسے بتوں سے پاک کیا اس وقت خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ بت توڑتے جاتے تھے۔ اور زبان مبارک سے یہ فرماتے جاتے تھے۔

"جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا"

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے ہی کی چیز ہے ۔

اس کام سے فارغ ہو کر آپؐ کعبہ کے صحن میں آئے وہاں بڑے بڑے دشمنان اسلام موجود تھے جنہوں نے اسلام کے مٹانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے تھے۔ یہ سب لوگ اب اپنے انجام سے ڈر رہے تھے۔ خانہ کعبہ کو شرک کی آلائشوں سے پاک کرنے کے بعد کفار قریش کے روبرو توحید و رسالت پر حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس کا خطاب نہ صرف عرب بلکہ عالم اسلام سے تھا۔ آپؐ نے در کعبہ پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

"ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اس نے اپنے عاجز بندے کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا چھوڑ دیا۔ جان لو ۔ کہ تمام گھمنڈ اور مال و خون کے دعوے میرے ان قدموں کے نیچے ہیں۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا۔ تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں۔ اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ لوگ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو نیک اور پارسا ہیں اور اللہ کی نگاہ میں معزز ہیں دوسرے وہ جو بدکار و بدبخت ہیں۔ اور اللہ کی نگاہ میں ذلیل ہیں۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے اے لوگو ۔ ! ہم نے تمہیں نر و مادہ

Marfat.com

سے پیدا کیا۔ اور پھر تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تاکہ تمہیں ایک دوسرے کی پہچان ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں معزز ترین شخص وہ ہے۔ جو تقویٰ میں سب سے بڑھ کر ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے ــــــ"

(ترمذی)

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کی طرف دیکھا تو معززین قریش سامنے تھے۔ ان میں وہ سرکش بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں پیش پیش تھے۔ وہ بھی تھے جن کی ملتخ نوائی نے مومنین کے سینے چھلنی کر دیئے تھے۔ وہ بھی تھے جن کی ناپاک زبانوں نے اس مقدس ہستی کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں وہ بھی تھے جو تبلیغ کے وقت پتھر پھینک پھینک کر آپ کو زخمی کر دیا کرتے تھے۔ وہ بھی تھے جو قسمیں کھایا کرتے تھے۔ کہ ان کی پیاس خونِ نبوت کے سوا کسی اور چیز سے نہیں بجھ سکتی۔ وہ بھی تھے جن کی نفرت و عداوت کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آکر ٹکراتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی طرف دیکھا۔

اور فرمایا۔

"تمہیں معلوم ہے۔ کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں ــــــ" یہ سن کر ان جابر و ظالم انسانوں کے دل لرز اٹھے لیکن انتہائی لجاجت سے پکارے ــــــ" تو شریف بھائی ہے اور شریف بھتیجا ــــــ"

آپ نے نظریں اٹھائیں اور ارشاد فرمایا ــــــ" آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو ــــــ"

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اسلام کے دشمنوں سے حسن عفو و درگذر کا سلوک کیا۔ تاریخ عالم میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ مہاجرین کی جائیداد پر کفار مکہ نے قبضہ کر لیا تھا اب اسے واپس لینا مسلمانوں کا جائز حق تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر فاتحین مکہ اس سے بھی دستبردار ہو گئے۔ آپ کے فیاضانہ سلوک اور رحمدلی سے متاثر ہو کر لوگ جوق در جوق آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے جو

Marfat.com

لوگ اسلام لانے کے لئے حاضر ہوئے آپ نے ان کے تمام قصور معاف کر دیئے۔ جو خوفزدہ ہو کر مکہ سے بھاگ گئے تھے۔ ان کو بھی امان دے کر واپس بلا لیا۔ قریش کے اسلام لانے کے بعد دیگر قبائل بھی جلد ہی مشرف با سلام ہو گئے۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی قریش کا فخر و غرور اگرچہ خاک میں مل چکا تھا مگر اب بھی جاہلیت کی عصبیت باقی تھی چنانچہ اذان کی آواز سن کر ان کی غیرت مشتعل ہو گئی اور عتاب بن اسید کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔۔۔۔۔ "خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کو سننے کے لئے زندہ نہ رہا"۔ تاہم ان کے لئے دامن رحمت کے علاوہ اور کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کے ایک بلند مقام پر تشریف فرما تھے۔ کفار جوق در جوق آ کر بیعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے آپؐ مکہ میں پندرہ دن قیام کرنے کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ کو نو مسلموں کی تعلیم کے لئے چھوڑ کر مدینہ واپس تشریف لائے۔

(صحیح بخاری)

فتح مکہ کے نتائج

۱:۔ عرب کا مذہبی مرکز مسلمانوں کی تحویل میں آ گیا مشرکین کے لئے کوئی جائے پناہ نہ رہی۔ اور تھوڑی مدت میں شرک کو خیر آباد کہنا پڑا۔۔۔

۲:۔ فتح مکہ کا اہم ترین نتیجہ خدا کے گھر کا بتوں سے پاک ہونا تھا۔ اگرچہ یہ بت اکثر قدیم انبیاء اور بزرگوں کے تھے۔ لیکن چونکہ اسلام کسی بت یا تصویر کی تعظیم کی اجازت نہیں دیتا اس لئے خانہ خدا سے علامات شرک کا ختم کرنا ضروری تھا۔

۳:۔ مشرکین کے دینی سربراہ اسلام لے آئے۔ اب اسلام کے لئے کوئی رکاوٹ نہ رہی۔

۴:۔ مکہ ایک مدت سے اہل عرب کا تجارتی، سیاسی اور مذہبی مرکز چلا آ رہا تھا۔ اس پر مسلمانوں کا قبضہ اسلام کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

۵:۔ اصحاب فیل کے حملہ کی عبرت انگیز ناکامی کا نقشہ ابھی اہل عرب کے ذہنوں میں تازہ تھا۔ انہوں نے خیال کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا یہی راز ہے کہ

Marfat.com

آپ حق پر ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ پر قابض نہ ہونے دیتا۔ ان پر اسلام کی صداقت روشن ہوگئی اور خود بخود دین اسلام میں داخل ہونے لگے۔
(تفسیر خازن)

غزوۂ حُنین ۸ھ

اسباب وواقعات

مکہ فتح ہو چکا ـــــ تو دو بڑی قبیلوں بنو ہوازن اور بنو ثقیف نے ناحیین اسلام سے قوت آزمائی کرنا چاہی بنو ثقیف وہی سنگدل قبیلہ تھا۔ کہ جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم دعوت اسلام دینے کے لئے ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ تو ان کے سرداروں نے آپؐ کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا۔ آپ پر پتھر برسائے۔ حتےٰ کہ آپؐ لہولہان ہوگئے۔

ہوازن مکہ اور طائف کے درمیان سکونت پذیر تھے۔ ان دونوں قبیلوں نے اپنے ساتھ بنو نصر اور بنو ہلال کو ملا کر مکہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور اس غرض سے حنین کے مقام پر جمع ہوگئے۔ مکہ اور طائف کے درمیان حنین نام ایک وادی ہے۔ اس میں کثرت سے گھاٹیاں اور دشوار گزار درّے ہیں دشمن کی چار ہزار فوج نے یہیں پڑاؤ ڈالا۔ جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ عورتوں اور بچوں کو بھی ہمراہ لائے کہ ان کی وجہ سے بھاگ نہ سکیں

(کامل ابن اثیر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تیاریوں کی خبر ملی تو آپ نے ایک صحابی کو تحقیق احوال کے لئے بھیجا۔ انہوں نے معلوم کیا تو واقعہ صحیح نکلا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شوال ۸ھ میں بارہ ہزار مسلمانوں کو لے کر بڑے ساز و سامان کے ساتھ جانبِ حنین روانہ ہوئے۔ یہ پہلا موقع

Marfat.com

تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں دشمن کے مقابلہ میں نکلے تھے۔ چنانچہ بعضوں کی زبان سے بیساختہ نکل گیا۔ کہ ـــــ "آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے ـــــ"

حنین پہنچ کر فریقین میں مقابلہ ہوا۔ پہلے حملہ میں مشرکین پسپا ہوئے۔ مگر ابھی پوری طرح ان کو شکست نہ ہوئی تھی۔ کہ مسلمان مال غنیمت پر متوجہ ہوگئے۔ مشرکین کو موقع مل گیا۔ انہوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔

اسلامی فوج میں مکہ کے بہت سے نومسلم بھی تھے جو دل سے شریک جنگ نہ تھے۔ انہوں نے عین موقعہ پر دھوکہ دیا۔ اس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ اس طرح منتشر ہوئے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف چند جاں نثار باقی رہ گئے۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر قائم رہے۔ آپ نے انصار کو آواز دی۔ سب نے جواب دیا۔ "ہم حاضر ہیں۔"

اس نازک حالت میں آپ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا ـــــ "میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کا پیغمبر ہوں ـــــ"

(بخاری و تاریخ طبری)

حضرت عباسؓ نے آپ کے حکم سے مہاجرین و انصار کو پکارا ان کی آواز سنتے ہی مسلمان پلٹ پڑے۔ اور اس جانبازی کے ساتھ لڑے کہ دیکھتے ہی دیکھتے لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ کفار ان کے بے پناہ حملوں کی تاب نہ لا سکے۔ اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ بہت سے زندہ گرفتار ہوئے اور بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ تقریباً ستر مارے گئے۔ اس کے مقابلہ میں صرف چار مسلمان شہید ہوئے۔

غزوۂ اوطاس

غزوۂ حنین میں جب کفار بھاگ گئے تھے وہ تین حصوں میں بٹ گئے۔ بنو ثقیف اور بنو ہوازن طائف میں پناہ گزین ہوئے۔ ان میں سے کچھ لوگ اوطاس نامی مقام میں جمع ہوگئے۔ ایک گروہ نخلہ کی طرف بھاگا۔ اوطاس کی جانب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر اشعریؓ کو روانہ فرمایا ابو عامر نے بڑا دلیری کے جوہر دکھلائے۔ متعدد دشمنوں کو ہلاک کیا۔ آخر ایک تیر لگنے سے شہادت

Marfat.com

باقی۔ ان کی جگہ ان کے چچیرے بھائی ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے کمان سنبھالی وہ فتحیاب ہو کر لوٹے۔ اوطاس کے قیدیوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت شیما بھی تھیں انہیں آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپؐ بہت اکرام سے پیش آئے۔ اپنی چادر بچھا کر اس پر بٹھایا اور فرمایا۔ چاہو تو میرے ساتھ چلو۔ ورنہ اپنے گھر جا سکتی ہو۔ انہوں نے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے کچھ تحائف دیئے جن میں ایک لونڈی اور غلام تھا۔

(بخاری و تاریخ طبری)

محاصرہ طائف

طائف کے باشندے بنو ثقیف تھے۔ جو ثمود کی اولاد میں سے تھے۔ حنین کے میدان سے بنو ثقیف کی شکست خوردہ فوج طائف کی فصیل میں پناہ گزین ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ بنو ثقیف اپنی شجاعت و بہادری کے لحاظ سے عرب بھر میں ممتاز تھے۔ یہ سامان رسد اور مقابلہ کے لئے ضروری سامان جمع کر کے قلعہ بند ہو گئے تھے۔ اس لئے حنین سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت جعرانہ کے مقام پر بھجوا دیا۔ اور خود طائف تشریف لے گئے۔ اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ چالیس دن محاصرہ جاری رہا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی۔ اس لئے محاصرہ اٹھا لیا اور واپس مکہ تشریف لے گئے۔

(تاریخ طبری)

تقسیم غنیمت

حنین اور اوطاس کے معرکوں میں چھ ہزار عورتیں اور بچے گرفتار ہوئے۔ بیس ہزار اونٹ اور چالیس ہزار بکریاں اور بہت سی چاندی ہاتھ آئی۔ یہ غنیمت محفوظ رہی۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ طائف سے واپس تشریف لانے کے بعد دس روز تک اس کی تقسیم ملتوی رکھی۔ اور اس انتظار میں رہے۔ کہ ہوازن کے لوگ شائد واپس آ کر اپنے مال کے لئے درخواست کریں گے۔ لیکن ہوازن کا کوئی وفد نہ آیا۔

آپؐ نے شرعی اصول کے مطابق تمام مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ اور تالیف قلب کے خیال سے اس کا زیادہ حصہ مکہ کے نومسلموں کو دے دیا۔ [illegible]

Marfat.com

پیدا ہو گئی۔ اور انہوں نے کہا۔

"قریش کو مال غنیمت ملتا ہے۔ اور ہم جن کی تلواروں سے قریش کا خون ٹپکتا ہے محروم رکھے جاتے ہیں ۔۔۔۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے انصار کو بلا کر پوچھا ۔۔۔۔ انہوں نے عرض کیا۔ ہمارے سربرآوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا۔ ہاں نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے۔ ۔۔۔۔" آپ نے ان کا ملال دور کرنے کیلئے یہ خطبہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

"کیا یہ سچ نہیں ہے۔ کہ تم گمراہ تھے ۔۔۔۔ خدا نے میرے ذریعہ سے تمہیں ہدایت کی توفیق بخشی تم منتشر اور پراگندہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولتمند بنایا۔" انصار آپکے ہر فقرہ پر کہتے جاتے تھے۔ کہ خدا اور رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔ "

آپؐ نے فرمایا۔ "نہیں " تم یہ جواب دو کہ محمدؐ جس وقت لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی۔ جب لوگوں نے تجھ کو چھوڑ دیا۔ اس وقت ہم نے تجھ کو پناہ دی۔ تو اپنے یہاں سے مفلس آیا تھا۔ ہم نے ہر طرح تیری مدد کی ۔۔۔۔" تم یہ کہتے جاؤ۔ میں جواب دیتا جاؤں گا ۔۔۔۔ کہ ہاں! تم سچ کہتے ہو ۔۔۔۔ لیکن کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں ۔۔۔۔ اور تم محمد کو لے کر اپنے گھر جاؤ ۔۔۔۔"

یہ سحرآفرین خطبہ سن کر انصار چیخ اٹھے ۔۔۔۔ کہ ہم کو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطلوب ہیں اکثر کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں اس کے بعد آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں ان کو میں نے جو کچھ دیا ہے۔ وہ کسی حق کی بناء پر نہیں بلکہ صرف تالیفِ قلب کے لئے دیا ہے۔

(بخاری و فتح الباری)

۸ھ کے دیگر واقعات

۱:۔ اسی سال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے وفات پائی۔

۲:۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیمؑ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن

Marfat.com

سے پیدا ہوئے۔

۳:۔ نجاشی شاہ حبشہ نے وفات پائی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

۴:۔ کئی بتکدے مسمار کر دیئے گئے۔ مکہ اور طائف کے درمیان عُزّیٰ دیوی کا بت تھا اسے فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے منہدم کیا۔

غزوۂ تبوک، رجب ۹ھ

تبوک عرب اور شام کا سرحدی مقام ہے۔ یہ رومیوں کی حکومت میں تھا۔ روم اور عرب کے سرحدی علاقے پر رومی حکومت کی جانب سے عرب سردار حکومت کرتے تھے شرجیل والئ بصریٰ بھی ان ہی سرداروں میں سے ایک تھا۔ جنگ موتہ کے بعد ہی سے رومیوں نے عرب پر حملہ کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور شام کے غسانی خاندان کو جو نسلاً عرب اور مذھباً عیسائی تھا۔ اور رومی حکومت کے ماتحت تھا۔ اس مہم پر مامور کیا تھا۔ اس وقت سے عرب پر ان کے حملہ کی افواہیں برابر پھیلتی رہتی تھیں۔ اسی زمانہ میں شام کے تاجروں نے مدینہ آکر اطلاع دی کہ شام میں رومیوں نے بہت بڑی فوج جمع کی ہے۔ یہ افواہیں بھی پھیل گئیں کہ عیسائی عربوں کی درخواست پر قیصر روم نے چالیس ہزار فوج بھیج دی ہے۔

چونکہ رومیوں کی جانب سے حملہ کا خطرہ تھا اس لئے ان خبروں پر یقین کرنے میں تامل نہ ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رجب ۹ھ میں حضرت علی کو مدینہ چھوڑ کر تیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ جس میں دس ہزار سوار تھے شام روانہ ہوئے تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ حملہ کی افواہیں غلط تھیں۔

تاہم آپ نے بیس دن تک تبوک میں قیام فرمایا۔ ایلہ کے سردار یوحنا نے حاضر ہو کر جزیہ دینا قبول کیا۔ اور ایک خچر ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔ "دومۃ الجندل" کا حاکم قیدر روم کے ماتحت تھا۔ اس کی جانب سے خطرہ تھا۔ اس لئے آپ نے حضرت خالد بن ولید کو چار سو آدمیوں کے ساتھ دومۃ الجندل بھیجا۔ خالد نے اسے گرفتار کر لیا۔ وہ مصالحت پر آمادہ ہو گیا۔ حضرت خالدؓ نے اسے اس شرط پر رہا کر دیا۔ کہ وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر شرائط

Marfat.com

صلح پیش کرے۔ بیس دن تبوک میں قیام کے بعد آس پاس کے حکمرانوں کو مطیع بنا کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے۔ دومتہ الجندل کا والی مدینہ حاضر ہوا آپ نے اسے امان نامہ عطا کرکے واپس فرما دیا۔

(طبقات ابن سعد و تاریخ طبری)

حج اکبر ۹ھ

مکہ ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا۔ لیکن خانہ کعبہ کا انتظام ابھی تک مشرکین کے ہاتھ میں تھا۔ اور حج کی رسوم زمانۂ جاہلیت کے انداز پر ادا کی جاتی تھیں۔ غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی امارت میں تین سو حجاج کا ایک قافلہ حج کے لئے روانہ فرمایا۔ بعد میں سورۂ برأت کی آیات نازل ہوئیں۔ تو حضرت علی کو ان کی تبلیغ کے لئے مکہ بھیجا قرآن نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے۔ اس لئے کہ یہ پہلا موقعہ تھا جب سنت ابراہیمی کے مطابق حج کے ارکان ادا ہوئے۔ اور خانہ خدا میں عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومت اسلام کے آغاز کا اعلان کیا گیا۔ دورِ جاہلیت کی تمام رسمیں باطل قرار پائیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو احکام حج سکھائے۔ قربانی کے دن خطبہ میں مسائل حج بیان کئے حضرت علی نے سورہ برأت کی چالیس آئتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا۔ کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ نہ کوئی برہنہ حج کرنے پائے گا۔ وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے ہیں۔ ان کی عہد شکنی کے باعث آج سے چار ماہ بعد ٹوٹ جائیں گے۔

(مسند احمد حنبل۔ جلد دوم صفحہ ۲۹۹)

Marfat.com

وفود کی آمد ۹ھ

۹ھ میں اسلام کو بڑا نمایاں فروغ حاصل ہوا۔ فتح مکہ کے بعد قریش کے ایمان لاتے ہی دیگر قبائل جوق در جوق مدینہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے۔ عرب کے گوشہ گوشہ سے مختلف قبائل کے وفود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے یا تو اسلام قبول کر لیا یا اسلامی حکومت کی اطاعت کا اقرار کر لیا۔ اس طرح کے تقریباً پینتالیس وفود آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وفود کی بڑی آؤ بھگت کی آپ کا ان وفود کے ساتھ حسن سلوک آپکی رواداری اور فراخ دلی کا کھلا ثبوت تھا۔

مقام نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد معاہدے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک نے انہیں بہت متاثر کیا۔ ان وفود کی آمد کی وجہ سے اسلام بڑی سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا۔ آپ متعدد صحابہ کو اشاعت اسلام کے لئے ان وفود کے ہمراہ روانہ کرتے۔ تاکہ وہ وہاں کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائیں۔ وفود کی کثرت کے باعث ۹ھ کو تاریخ اسلام میں عام الوفود (وفود کا سال بھی کہتے ہیں۔)

۹ھ کے دیگر واقعات

۱:۔ اسی سال عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے وفات پائی

۲:۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا عازم فردوس ہوئیں۔

۳:۔ چند منافقین نے مسجد قبا کے مقابلہ میں ایک مسجد تعمیر کی جس کو مسجد ضرار کہا جاتا ہے چونکہ یہ مسجد فتنہ پردازی کی نیت سے تعمیر کی گئی تھی اس لئے اسے یہ نام دیا گیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ مسجد جلادی گئی تھی۔

Marfat.com

سوالات

۱:- فتح مکہ کے اسباب حالات اور واقعات پر روشنی ڈالیے۔

۲:- فتح مکہ کس اہمیت کی حامل ہے؟ اس سے کیا نتائج و ثمرات برآمد ہوئے؟

۳:- غزوۂ حنین میں جو واقعات پیش آئے انہیں قلمبند کیجیے۔

۴:- غزوۂ تبوک کے اسباب و نتائج اور واقعات ضبط تحریر میں لائیے۔

۵:- حج اکبر سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفصیلات بیان کیجیے۔

Marfat.com

آٹھواں باب

حجۃ الوداع

جب سارا عرب نورِ اسلام سے منوّر ہو گیا۔ خدا کی بھٹکی ہوئی مخلوق اپنے اصل مرکز پر آچکی۔ اسلام کے عقائد و اعمال اور اصول و فروع کی تکمیل ہو گئی۔ اس وقت یہ سورہ کریمہ نازل ہوئی:۔

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔

جب خدا کی مدد آچکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو خدا کی حمد کی تسبیح پڑھ اور اس سے مغفرت طلب کرو کہ خدا توبہ قبول کرنیوالا ہے۔

اس وحی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح کر دیا کہ دنیا میں آپؐ کا مشن مکمل ہو چکا۔ اب آپؐ کا اپنے خالقِ حقیقی سے ملنے کا وقت آپہنچا۔ چنانچہ ۱۰ھ میں آپؐ نے حج کا ارادہ کیا اور تمام قبائل کو اس کی اطلاع دیدی۔ یہ سنتے ہی چاروں طرف سے لوگ جوق در جوق حاضر ہونے لگے۔ چنانچہ ۲۶ ذیقعد کو جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپؐ کے ہمراہ ایک لاکھ سے زائد صحابہ تھے (زرقانی) تمام ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا۔ ہر طرف انسانوں کا سمندر نظر آتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک فرماتے تو مسلمانوں کی آواز سے دشت و جبل گونج اٹھتے۔ مکہ کے قریب مقام سرف میں قیام فرمایا۔ دوسرے دن غسل کر کے مکہ میں داخل ہوئے۔ کعبہ کو دیکھ کر فرمایا "اے خدا۔ اس گھر کو اور زیادہ شرف و عزت عطا کر"۔ پھر کعبہ کا طواف کیا۔ طواف سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم میں دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر کوہِ صفا پر تشریف لے

Marfat.com

گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

"خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لئے سلطنت، ملک اور حمد ہے۔ وہ مارتا اور زندہ کرتا ہے اور تمام چیزوں پر قادر ہے۔ کوئی خدا نہیں مگر وہ اکیلا خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی"۔

(ابوداؤد، کتاب الحج)

خطبۂ حج

۹۔ ذوالحجہ کو نمازِ فجر کے بعد مسلمانوں کے ساتھ میدانِ عرفات میں تشریف لے گئے۔ اور ناقہ پر سوار ہو کر وہ آخری اور مشہور و معروف خطبہ دیا۔ جو تاریخِ اسلام میں خطبۃ الوداع (آخری خطبہ) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ ہے۔ یہ وہ دن تھا کہ اسلام اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا۔ اور جاہلیت کی تمام بیہودہ رسمیں مٹا دی گئیں۔ اس خطبہ میں آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

۱۔ جاہلیت کے تمام دستور و مراسم میرے قدموں کے نیچے ہیں۔

۲۔ لوگو! یقیناً تمہارا اللہ ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر۔ نہ سرخ کو سیاہ پر فضیلت ہے۔ نہ سیاہ کو سرخ پر۔ فضیلت کا مدار تقویٰ پر ہے۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ غلاموں سے برابر کا سلوک کرو۔ جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو، وہی ان کو پہناؤ۔

۳۔ جاہلیت کے تمام خون معاف کر دیئے گئے۔ سب سے پہلے میں ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں۔

۴۔ دورِ جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔

۵۔ اے لوگو! عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ تمہارا عورتوں پر حق ہے اور عورتوں کا تم پر۔ ان سے نرم سلوک کرو اور مہربانی سے پیش آؤ۔

Marfat.com

۶۔ جس طرح تم اس مہینے، اس دن اور اس جگہ کی عزت کرتے ہو۔ اسی طرح تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ کوئی چیز جو ایک بھائی کی ملکیت ہے۔ دوسرے کے لئے حلال نہیں۔ جب تک کہ وہ خود اپنی خوشی سے نہ دے۔

۷۔ میں تم میں ایک چیز چھوڑ رہا ہوں۔ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھام لیا تو گمراہ نہ ہوگے اور وہ چیز کتاب اللہ ہے۔

۸۔ لوگو! اگر کوئی حبشی غلام بھی تمہارا حاکم ہو اور وہ تمہیں کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی فرمانبرداری کرو۔ اپنے رب کی عبادت کرو۔ نمازیں پڑھو۔ روزے رکھو۔ میرے احکام کی پیروی کرو۔ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

۹۔ عمل میں اخلاص، مسلمانوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتحاد۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جو سینے کو پاک رکھتی ہیں۔

۱۰۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ میری یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچا دو۔ جو یہاں موجود نہیں۔ ممکن ہے وہ ان لوگوں سے زیادہ بہتر طور پر ان کو محفوظ رکھنے والے ہوں جو یہاں اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔

یہ خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد آپؐ نے حاضرین سے پوچھا۔ "قیامت کے دن اللہ تم سے میرے متعلق دریافت فرمائے گا۔ تو تم کیا جواب دو گے؟" سب نے عرض کیا کہ ہم کہیں گے۔ آپؐ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ یہ سُن کر آپؐ نے آسمان کی طرف دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا کہ ——"اے اللہ! تو گواہ رہنا"۔

خطبہ کے بعد وحی نازل ہوئی۔ جس میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ "آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کر لیا"۔ (سورۂ مائدہ)

اس کے بعد نزولِ وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا کیونکہ آپ کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ (صحاح ستّہ نیز سیرت ابن ہشام و طبقات ابن سعد و تاریخ طبری)

خطبہ سے فارغ ہو کر ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ پھر قبلہ رُو کھڑے ہو کر

Marfat.com

دیر تک دُعا میں مصروف رہے۔ غروبِ آفتاب کے بعد مُزدلفہ میں مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ رات بھر آرام کرکے نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں لوگ حج کے مسائل دریافت کرتے رہے اور آپ جواب دیتے جاتے تھے۔ اسی دوران یہ بھی فرمایا۔ "حج کے مسائل سیکھ لو۔ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے"۔ (مسلم)

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے طریقہ حج میں عربوں نے اپنے اغراض و مقاصد کی بنا پر بہت سی ترمیمیں کر دی تھیں۔ حج کے مہینے میں خونریزی حرام ہے۔ اس لئے جنگجو عرب جنگ کا جواز پیدا کرنے کے لئے مہینوں میں اُلٹ پھیر کر دیتے تھے۔ اب حج بھی اپنی اصلی شکل و صورت میں نمودار ہو رہا تھا۔ اس لئے آپ نے اعلان فرمایا:۔

"سال کے بارہ مہینے ہیں۔ جن میں چار مہینے قابلِ احترام ہیں۔ تین متواتر ذو قعدہ، ذوالحجہ، محرم اور چوتھا رجب"

دنیا میں عدل و انصاف اور امن و امان کا انحصار تین چیزوں پر ہے جانؔ، مالؔ اور آبروؔ کی حفاظت، آپ نے نہایت بلیغ الفاظ میں ان کی تاکید فرمائی۔ ہادیٔ اکبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو مخاطب کرکے پوچھا۔ "کچھ معلوم ہے۔ آج کونسا دن ہے؟" لوگوں نے عرض کیا۔ خدا اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا۔ "کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟" لوگوں نے کہا۔ ہاں، بے شک۔ پھر فرمایا۔ "یہ کونسا مہینہ ہے؟ لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا۔ آپ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا۔ "کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟" لوگوں نے کہا۔ ہاں بے شک۔ پھر پوچھا۔ "یہ کونسا شہر ہے؟" لوگوں نے وہی جواب دیا۔ آپ نے پھر سکوت کے بعد فرمایا —— "کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟" لوگوں نے عرض کیا بے شک۔

جب لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پوری طرح جاگزیں ہو گیا کہ آج کا دن، مہینہ اور شہر سب قابلِ احترام ہیں۔ یعنی اس دن اس مقام پہ جنگ و خونریزی جائز

Marfat.com

نہیں۔ تو فرمایا۔

"تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو تاقیامت اسیطرح محترم ہے۔ جس طرح اس دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے"۔ (فتح الباری)

لوگوں کو حج کے مسائل واحکام بتانے کے بعد آپؐ نے بقیہ احکام حج ادا کئے۔ ۱۳، ذوالحجہ تک منیٰ میں مقیم رہے۔ پھر اسی تاریخ کو وادی محصّب میں قیام فرمایا۔ پچھلے پہر کو اٹھ کر خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے اور آخری طواف کر کے وہیں فجر کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد مدینہ کی طرف کوچ فرمایا۔ راستہ میں خُم غدیر کے مقام پر صحابہؓ کے سامنے ایک مختصر خطبہ دیا۔

"حمد وثنا کے بعد۔ اے لوگو! — میں بھی بشر ہوں۔ ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے (موت کو) قبول کرنا پڑے۔ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب۔ جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو — دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہلبیت کے بارے میں تم کو خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ (صحیح مسلم جلد دوم)

علالت ووفات

۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ

علالت حج سے واپس آکر آپؐ امورِ ملکی کی طرف متوجہ ہوئے۔ قبیلوں اور صوبوں کو منظم کیا۔ زکوٰۃ جمع کرنے کا انتظام کیا اور اہلِ عرب کی اخلاقی حالت کو بہتر بنانے کے لئے صحابہ کو اطرافِ ملک میں بھیجا تاکہ ان کو تعلیم دیں۔ چونکہ آپ کا کام ختم ہو چکا اور دین مکمل ہو گیا تھا۔ اس لئے آپؐ خدا سے ملنے کی تیاری کرنے لگے۔ زیادہ وقت عبادت میں صرف فرماتے۔ ہجرت کا گیارھواں سال تھا۔ آپ ۱۸ یا ۱۹، صفر رات کو اُٹھے اور قبرستانِ بقیع میں جا کر خوابیدگانِ ابد

Marfat.com

کو سلام کہا۔ ایک صحابی ہمراہ تھے۔ ان سے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ اُخروی انعامات یا دنیوی خزانوں میں سے کسی ایک کو پسند کروں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کیا۔ قبرستان سے واپس ہوئے تو مزاج ناساز ہوگیا۔ بیماری کی حالت میں بھی آپؐ ازراہِ عدل باری باری سے ازواج مطہرات کے گھروں پر آرام فرماتے تھے۔ جب مرض زیادہ بڑھا تو ان سے اجازت لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں مستقل قیام فرمایا۔ (صحیح بخاری)

مرض بتدریج بڑھتا چلا گیا۔ جمعرات کا روز تھا۔ بخار کی شدت تھی۔ ظہر کی نماز کا وقت ہوا۔ آپؐ نے غسل فرمایا اور مسجد میں تشریف لے گئے۔ نماز سے قبل اور بعد آپؐ نے دو خطبے دیئے۔ عشاء کی نماز کا وقت ہوا تو کمزوری اور کئی مرتبہ غشی طاری ہونے کی وجہ سے مسجد میں تشریف نہ لاسکے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو امامت کا حکم دیا۔ اتنے میں کچھ افاقہ محسوس ہوا تو مسجد میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ جانا چاہا۔ حضورؐ نے انہیں اپنی جگہ کھڑے رہنے کا اشارہ فرمایا اور خود ان کے برابر بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کی اقتداء میں اور دوسرے نمازیوں نے ابوبکرؓ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ آپؐ نے بیٹھ کر نماز ادا فرمائی۔ (بخاری و مسلم نیز طبقات ابن سعد)

حضرت ابوبکرؓ نے جمعرات کی نمازِ عشاء سے لے کر آپؐ کی وفات تک کل سترہ نمازیں پڑھائیں۔ آخری نماز پیر کے روز فجر کی تھی (کامل ابن اثیر)

بیماری کے ایام میں آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو بلا بھیجا۔ وہ تشریف لائیں تو ان کے کان میں کچھ کہا انہوں نے سر اٹھایا اور رونے لگیں آنحضورؐ نے دوبارہ ان کے کان میں کچھ کہا اور آپ ہنسنے لگیں۔ بعد میں حضرت فاطمہؓ نے بتایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے فرمایا تھا کہ میں اس مرض میں وفات پا جاؤں گا۔ میں رو پڑی۔ پھر فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سے پہلے تم ہی میری ملاقات کرو گی اور کیا تمہیں پسند نہیں کہ تم اس امت کی خواتین کی سردار ہو؟" (صحیح مسلم و ترمذی)

Marfat.com

وفات دو شنبہ (پیر) کا روز تھا۔ حضرت ابوبکرؓ مسجد نبوی میں فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے کا پردہ اٹھا کر دیکھا۔ رُخِ مبارک اوراقِ قرآن کی طرح تاباں و درخشاں تھا۔ نمازیوں نے فرطِ مسرت سے چاہا کہ حضورؐ ہی کی طرف دیکھتے رہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جگہ چھوڑنی چاہی کہ شاید حضورؐ نماز پڑھائیں گے۔ آپؐ نے نماز پوری کرنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بعد پردہ ڈال دیا۔ مسجد نبوی کی فضا میں رُخِ مبارک کی یہ آخری جھلک تھی۔
(بخاری و مسلم)

جوں جوں وقت گذرتا جاتا تھا۔ دنیا پر تاریکی چھانے کا وقت قریب ہوتا جاتا تھا بار بار غشی ہونے لگی۔ بدن تکلیف میں مُبتلا تھا۔ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا دیتے۔ بار بار فرماتے تھے۔

"یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔" (صحیح مسلم)

سرِ مبارک حضرت عائشہ رضؓ کی گود میں تھا۔ پاس پانی کا ایک برتن رکھا تھا۔ اس میں بار بار ہاتھ بھگو کر پیشانی مبارک کو تر کرتے تھے۔ اسی دوران میں ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا ــــ "بَلِ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى" (بس، وہی رفیق مطلوب ہے) یہ فرما ہی رہے تھے کہ رُوح عالم قدس میں پہنچ گئی (صحیح بخاری) ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء کو جب کہ آپؐ کی عمر قمری حساب سے ۶۳ سال ۴ دن اور شمسی حساب سے ۶۱ سال ۲ ماہ ۲۴ دن کی تھی۔ یہ روحِ اعظم عازمِ فردوس بریں ہوئی۔

تجہیز و تکفین جب آپؐ کی وفات کی خبر مدینہ میں پھیلی تو ہر طرف کہرام مچ گیا۔ مسلمانوں میں سراسیمگی پھیل گئی رنج و اندوہ کے باعث صحابہ کرام رضؓ کے ہوش و حواس گم تھے۔ حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا یقین نہ آتا تھا۔ آپ نے سمجھا کہ یہ منحوس خبر کسی منافق نے اڑادی ہے۔ اس لئے آپ تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے اور کہا۔ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ

Marfat.com

انتقال کر گئے۔ میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضؓ وہاں پہنچے۔ سیدھے حضرت عائشہ رضؓ کے حجرہ میں گئے۔ چادر اُٹھا کر چہرہ مبارک دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپؐ واقعی رحلت فرما گئے ہیں۔ آپؐ نے مسلمانوں کو مخاطب کرکے یہ بصیرت افروز تقریر فرمائی:۔

"اے لوگو! جو شخص محمدؐ کی پرستش کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ آپؐ فوت ہو گئے ہیں اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا۔ اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ"

(محمدؐ صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔) یہ تقریر ایسی دلنشیں تھی کہ صحابہ کرامؓ کی نگاہوں سے پردہ اُٹھ گیا اور وہ مطمئن ہو گئے۔

(بخاری، کتاب الجنائز)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ سوال اٹھا کہ آپ کو کس جگہ دفن کیا جائے۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا کہ مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بخوبی یاد ہے کہ نبی اسی جگہ فوت ہوتا ہے جہاں وہ دفن ہونا پسند کرتا ہے۔ قرار پایا کہ حضرت عائشہ رضؓ کے کمرہ میں جہاں وفات کے وقت آپؐ کی چارپائی پڑی تھی۔ وہیں قبر مبارک کھودی جائے۔ (ترمذی۔ کتاب الجنائز)

وفات کے دن شام ہو چکی تھی۔ تجہیز و تدفین اور قبر کنی کے مراحل رات سے پہلے انجام نہیں پا سکتے تھے۔ دوسری طرف صحابہ رضؓ غم سے نڈھال اور مبہوت ہو رہے تھے۔ اس لئے تجہیز و تکفین دُوسرے دن سہ شنبہ (منگلوار) کو عمل میں آئی۔ غسل دینے میں خاص عزیزوں نے حصّہ لیا۔ حضرت علی رضؓ آپؐ کی پشت مبارک کو ٹیک دیئے ہوئے غسل دے رہے تھے۔ حضرت عباس رضؓ اور ان کے دونوں لڑکے فضل رضؓ اور قثم رضؓ کروٹ دلاتے جاتے تھے۔ اسامہ بن زید رضؓ اور شقران رضؓ پانی ڈال رہے تھے۔ آپؐ کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔ حضرت ابوطلحہ رضؓ نے قبر کھودی۔ یہی اہل مدینہ

Marfat.com

کی قبریں کھودا کرتے تھے۔ غسل کے بعد آپؐ کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا۔ دو سفید تھے۔ اور ایک یمنی چادر تھی۔ چنانچہ سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۶۳۲ء کو کونین کی یہ دولت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی پاک زمین کے سپرد کی گئی۔ (تاریخ ابن خلدون جلد اوّل)

نمازِ جنازہ "تدفین کے بعد صحابہ کا ایک گروہ باری باری جاتا اور بلا امام جنازہ پڑھ کر واپس آجاتا تھا۔ چونکہ کمرہ چھوٹا تھا۔ اس لئے بیک وقت تھوڑے آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ پہلے مردوں نے ان کے بعد عورتوں نے پھر لڑکوں نے اور پھر غلاموں نے نماز پڑھنی شروع کی۔

سرورِ کائنات کا ترکہ اُمّ المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عمرو رضہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کے وقت کچھ نہیں چھوڑا۔ آپؐ کے پاس ایک سفید خچر، کچھ ہتھیار اور زمین تھی جسے عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم، نہ اونٹ نہ بکری اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔ اگر کچھ چھوڑا بھی تو یہی چیزیں تھیں اور ان کے متعلق بھی فرما چکے تھے کہ۔ "ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔ (بخاری و ابوداؤد)

حلیہ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت طویل القامت تھے اور نہ زیادہ پست قد۔ سر بڑا۔ بھری ہوئی داڑھی۔ دونوں بازو اور جسم پُر گوشت۔ سرخی مائل گندمی رنگ۔ گول بڑی بڑی سیاہ پُر رونق آنکھیں سر کے بال سیدھے۔ پیشانی چوڑی تھی۔ انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپؐ کے بالوں پر پیری کے آثار نمایاں نہیں ہوئے تھے۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ آپؐ کی داڑھی میں قریباً بیس پچیس بال سفید تھے۔ جن کو آپؐ نے کبھی کسی چیز سے نہیں رنگا۔ جابر بن سمرہ رضہ کہتے ہیں کہ آپؐ کے سر میں بھی چند سفید بال تھے جو تیل لگانے، کنگھی کرنے

Marfat.com

سے چھپ جاتے تھے۔ سر کے بال کبھی کندھے تک اور کبھی کانوں تک بڑھے رہتے تھے۔ سر میں تیل بکثرت ڈالتے اور آنکھوں میں سرمہ لگاتے تھے۔ شجاع۔ خلیق، شیریں کلام، خندہ رُو، ظاہری و باطنی محاسن سے مزین تھے۔ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ کھُل کر کبھی نہیں ہنسے۔ (شمائل ترمذی و تاریخ ابن خلدون جلد اول)

ازواجِ مطہرات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم شباب میں صرف ایک معمر اور بیوہ خاتون حضرت خدیجہ پر قناعت کی۔

ابن ہشام نے سیرت میں لکھا ہے کہ تیرہ عورتیں آپ کی زوجیت میں آئیں۔ جن میں انتقال کے وقت نو (۹) موجود تھیں۔

۱۔ حضرت خدیجہ بنتِ خُویلد رضؓ سب سے پہلے شادی حضرت خدیجہ رضؓ کے ساتھ ہوئی۔ اس وقت حضورؐ کی عمر ۲۵ برس اور ان کی چالیس برس تھی۔ حضرت خدیجہ رضؓ شادی کے بعد پچیس برس تک زندہ رہیں۔ نبوت کے دسویں سال وفات پائی۔ ان کے بطن سے چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں۔ آنحضرت کو ان سے بڑی محبت تھی۔ ان کی زندگی میں آپؐ نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔

۲۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ بیوہ تھیں۔ پہلے خاوند کا نام سکران تھا۔ حضرت سودہ اور سکران نے حبشہ سے ہجرت کی۔ سکران وہاں عیسائی ہو کر مر گیا۔ حضرت سودہؓ کے والد زمعہ نے چار سو درہم مہر کے عوض ان کا عقد آنحضرتؐ سے کر دیا۔ آپؐ نے مہر ادا کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے دسویں برس حضرت سودہ سے نکاح کیا تھا۔ حضرت سودہ رضؓ نے بروایاتِ صحیح خلافتِ فاروقی کے دور میں وفات پائی۔

۳۔ حضرت عائشہ بنتِ ابی بکر رضؓ حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات کے بعد نبوت کے دسویں سال آپؐ نے حضرت عائشہ رضؓ سے نکاح کیا۔ عقد کے وقت حضرت عائشہ رضؓ کی عمر سات برس تھی۔ رخصتی تین برس بعد مدینہ میں ہوئی جب کہ ان کی عمر ۹ برس سے کچھ زیادہ تھی۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ۵۸ھ میں وفات پائی۔ اٹھارہ برس کی عمر تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ ان کے سوا امہات المومنینؓ میں

Marfat.com

سے کوئی بھی دوشیزہ نہ تھیں۔ یہ آپؐ کی محبوب ترین ازواج سے ہیں۔

۴۔ حضرت حفصہ رضؓ بنت عمر رضؓ یہ بھی بیوہ تھیں۔ ان کی پہلی شادی خُنیس بن حُذافہ سے ہوئی ۔ خُنیس غزوۂ بدر میں زخمی ہوئے اور شہادت پائی ۔ ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضؓ سے عقد فرمایا۔ ۴۵؁ھ میں انتقال ہوا۔

۵۔ حضرت زینب بنت خزیمہ۔ یہ بھی بیوہ تھیں۔ ان کا پہلا خاوند عبداللہ بن جحش غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے۔ نکاح کے دو تین ماہ بعد فوت ہوگئیں۔ آنحضرتؐ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ انتقال کے وقت تیس سال کی عمر تھی۔ غریب پرور اور رحمدل ہونے کی وجہ سے ام المساکین کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔

۶۔ حضرت ام سلمہ رضؓ ہند نام تھا۔ امّ سلمہ کنیت والد کا نام سُہیل تھا۔ پہلے ابو سلمہ کے نکاح میں تھیں۔ ابو سلمہ احد میں زخمی ہوئے اور شہادت پائی۔ حضرت ام سلمہ رضؓ ۴؁ھ میں حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ ام سلمہ رضؓ نے حضرت امام حسین رضؓ کی شہادت کے بعد وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۴ سال تھی۔ یہ آنحضور کی وفات کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہیں۔ علمی اعتبار سے حضرت عائشہ رضؓ کے بعد انہی کا درجہ تھا۔

۷۔ حضرت زینب بنت جحش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیری بہن تھیں ان کی شادی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنّٰی اور غلام حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ کردی تھی لیکن دونوں میں نباہ نہ ہوسکا۔ اور طلاق ہوگئی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کرلیا۔ یہ بڑی عابدہ زاہدہ تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے انہی کا انتقال ہوا۔ ۲۰؁ھ میں بعمر ۵۳ سال وفات پائی۔

۸۔ حضرت جویریہ رضؓ بنو مصطلق کے رئیس حارث کی بیٹی تھیں۔ جنگ میں گرفتار ہوکر آئیں۔ آپؐ نے انہیں آزاد کرکے اپنے عقد میں لے لیا۔ اس رشتہ کا یہ اثر ہوا کہ

Marfat.com

مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کی وجہ سے بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلام آزاد کردیئے۔ ۵۰ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

۹۔ حضرت اُمّ حبیبہ رضؓ ۔ اصلی نام رملہ تھا اور اُمّ حبیبہ کنیت ۔ یہ کنیت سے مشہور ہیں ۔ اپنے پہلے خاوند عبید اللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی تھی ۔ ابن جحش وہاں عیسائی ہوگیا اور مرگیا ۔ آنحضرت صؐ کو یہ واقعات معلوم ہوئے تو آپؐ نے نجاشی شاہِ حبش کی وساطت سے ان کے پاس شادی کا پیغام بھیجا ۔ انہوں نے قبول کرلیا نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مہر کی رقم ادا کی اور ولیمہ کیا ۔ نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہ رضؓ کو شرجیل بن حسنہ کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا ۔ انہوں نے ۴۴ھ میں وفات پائی ۔

۱۰۔ حضرت میمونہ رضؓ ان کے والد کا نام حارث تھا ۔ ان کی پہلی شادی مسعود بن عمرو کے ساتھ ہوئی تھی ۔ اس نے طلاق دیدی تو آپؐ نے ان کے ساتھ عقد کرلیا ۔ یہ حضرت عباس رضؓ کی بیوی ام فضل کی بہن تھیں ۔ آپ نے عمرۂ قضا کے وقت مقامِ سرف میں ان سے نکاح کیا ۔ ان کی وفات ۵۱ھ میں ہوئی ۔

۱۱۔ حضرت صفیہؓ رضؓ غزوہ خیبر کے بعد آپؐ نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا ۔ یہ پہلے سلام بن مشکم کی زوجہ تھیں ۔ پھر کنانہ بن ربیع کے عقد میں آئیں ۔ یہ جنگِ خیبر میں گرفتار ہوکر آئی تھیں ۔ آپؐ نے ان کو دعوتِ اسلام دی جسے انہوں نے قبول کیا آپؐ نے ان کو آزاد کرکے نکاح کرلیا ۔ یہ ۷ھ کا واقعہ ہے ۔ ۳۶ھ میں ان کا انتقال ہوا

مذکورہ صدر گیارہ امہات المومنین ہیں ۔ جن کو شرفِ خانہ آبادی سے مشرف کیا گیا ۔ ان میں سے دو یعنی خدیجہ رضؓ و زینب رضؓ بنت خزیمہ آپؐ کی حیاتِ طیبہؐ میں ہی عازمِ جنت ہوئیں باقی ۹ امہات المومنین کو چھوڑ کر آپؐ نے انتقال فرمایا ۔ باقی دو بیویاں ایسی تھیں جن سے خانہ آبادی کی نوبت نہیں آئی ۔

۱۔ اسماء بنت نعمان کندیہ ۔ ان سے آپؐ نے نکاح کیا لیکن سفید داغ ہونے کی وجہ سے آپؐ نے ان کو ان کے خاندان کی طرف لوٹا دیا ۔

Marfat.com

۲۔ عمرہ بنت یزید کلابیہ ۔ یہ جدید الاسلام تھیں ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے آپؐ سے طلاق کی خواہش کی ۔ آپؐ نے ان کو ان کے خاندان کی طرف واپس بھیج دیا ۔

(تاریخ ابن خلدون وتاریخ طبری جلد اوّل)

صاحبزادے :۔ ۱۔ حضرت قاسم ۔ یہ سب سے پہلی اولاد

اولاد تھے ۔ ان کی پیدائش نبوت سے گیارہ برس پیشتر ہوئی تھی بچپن میں ہی فوت ہو گئے ۔ آنحضرتؐ کی کنیت ابوالقاسم ان کے نام پر تھی ۲۔ حضرت عبد اللہ ۳۔ حضرت طاہر ۴۔ حضرت طیّب یہ چاروں فرزند حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئے اور قبل نبوّت دفات پا گئے ۔

۵۔ حضرت ابراہیم ۔ ۸ھ میں پیدا ہوئے ۔ حضرت ماریہ کے بطن سے تھے ۔ ڈیڑھ سال کی عمر میں وفات پائی ۔

صاحبزادیاں :۔ حضرت زینبؓ

۔ ان کی شادی اپنی خالہ کے بیٹے ابوالعاص سے ہوئی تھی ۔ یہ لڑکیوں میں سب سے بڑی تھیں ۔ یہ قاسم کے بعد پیدا ہوئیں ۔ زینب نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی ۸ھ میں وفات پائی ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی اُمامہ یادگار چھوڑی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمامہ سے اتنی محبت کرتے تھے کہ نماز کی حالت میں بھی ان کو جُدا نہ کرتے تھے ۔

۲۔ حضرت رُقیہؓ ۔ ان کی شادی قبل از اسلام ابولہب کے لڑکے عُتبہ کے ساتھ ہوئی تھی ۔ ظہورِ اسلام کے بعد ابولہب نے اپنی کینہ پروری میں عُتبہ سے طلاق دلوادی طلاق کے بعد حضرت عثمانؓ سے شادی ہوئی ۔ ان کا انتقال بھی حضورؐ کی زندگی میں ۲ھ میں غزدہ بدر کے زمانہ میں ہوا ۔ انہی کی تیمارداری کی وجہ سے حضرت عثمانؓ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے ۔

۳۔ اُمِّ کلثوم ۔ رُقیہؓ سے چھوٹی اُم کلثوم تھیں ۔ ان کی شادی ابولہب کے دوسرے لڑکے عُتیبہ کے ساتھ ہوئی تھی ۔ انہیں بھی ابولہب نے طلاق دلوادی ۔ حضرت رُقیہؓ کے

Marfat.com

انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت عثمان رضؓ کے ساتھ کردی۔ شادی کے چھ سال بعد تک زندہ رہیں۔ ۹ھ میں انتقال ہوا۔

۴۔ حضرت فاطمہ رضؓ۔ سب سے چھوٹی صاحبزادی فاطمہ رضؓ تھیں۔ جنگِ بدر کے بعد یہ حضرت علی رضؓ کے نکاح میں آئیں۔ ان کے علاوہ آپؐ کے سب بچے آپؐ کی زندگی ہی میں فوت ہوگئے تھے۔ اس لئے آپؐ ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ حضرت علیؓ نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ مہینے بعد حضرت فاطمہ رضؓ کا انتقال ہوا۔ ان کے پانچ بچے تھے۔ حضرت حسن رضؓ۔ حضرت حسین رضؓ۔ محسنؓ۔ ام کلثوم۔ زینب۔ محسنؓ بچپن ہی میں وفات پاگئے تھے۔

سوالات

۱۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا۔ اس کا خلاصہ بیان کیجئے؟

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کا حال لکھئے اور خطبۃ الوداع کی اخلاقی اور مذہبی تعلیمات کی اہمیت واضح کیجئے؟

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے وفات تک اسلام کی ترقی کا حال لکھئے؟

۴۔ آپؐ کی علالت، وفات اور تجہیز و تدفین کی تفصیلات لکھئے۔

۵۔ آپؐ کی ازواج مطہراتؓ کا مختصر تعارف پیش کیجئے۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ امجاد کا مختصر حال بیان کیجئے۔

Marfat.com

باب ۹

اخلاق النبیؐ

سیر و سوانح کا تحفظ

جس طرح اسلام اپنی تعلیمات کی جامعیت کے لحاظ سے دوسرے مذاہب میں ممتاز ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تعلیمات کے نمونہ عمل ہونے کے لحاظ سے دوسرے انبیاء و رسل میں امتیاز حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی پیغمبر کی زندگی کے چند خاص واقعات کے سوا اس کے سوانح حیات اور اخلاق و اوصاف محفوظ نہیں ہیں اور ان کا بڑا حصہ افسانوں میں گم ہے۔ اس لئے ان کی زندگی کو عملی نمونہ کی حیثیت سے نہیں پیش کیا جاتا۔ اس کے مقابلے میں حضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک خدوخال محفوظ ہے۔ آپؐ نے دنیا کو جن مکارم اخلاق کی تعلیم دی۔ ان پر عمل پیرا ہو کر دکھایا۔ خود قرآن نے آپ کے اخلاق کا یہ جامع مرقع پیش کیا ہے۔ اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (اے محمدؐ! آپ اخلاق کے بڑے درجہ پر فائز ہیں)

آپؐ کے خلقِ عظیم کے متعلق کچھ لکھنا آسان نہیں۔ ہر وہ خوبی، جس کا تصور کیا جا سکتا ہے اور ہر وہ اخلاقی بلندی جو ممکن ہے۔ آپؐ کے کردار میں موجود تھی۔ آپؐ انتہائی نرم خو، خندہ جبیں، مہربان اور کریم النفس تھے۔ کوئی آپؐ کا دشمن بھی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپؐ کے اخلاقِ کریمانہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ بہت سے مشرکینِ مکہ جو اپنی سنگدلی، درشت گوئی اور کینہ توزی کے لئے بدنام تھے۔ جب آپ کے سامنے آتے تو موم کی طرح نرم ہو گئے۔ سطورِ ذیل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم کی ایک جھلک دکھانے کی کوشش کی گئی ہے

Marfat.com

صدق

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ آپ نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ لین دین، کاروبار، تجارت غرضیکہ ہر بات میں آپؐ سچ بولا کرتے تھے۔ اسی واسطے بچپن ہی سے "صادق" مشہور ہو گئے آپؐ کے جانی دشمن بھی آپؐ کی سچائی کا اعتراف و اقرار کرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر قریش کو آواز دی۔ آپؐ کی آواز سن کر قبیلے کے بڑے بڑے سردار اس پہاڑی کے نیچے آ کر جمع ہو گئے۔ حضرت رسول اکرمؐ نے ان سے پوچھا۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے تمہارے دشمنوں کا ایک لشکر آ رہا ہے تو کیا تم اس بات کو تسلیم کر لو گے؟ سب نے کہا کہ "ہاں بے شک۔ کیونکہ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔"

ایک دفعہ ابوجہل نے حضرت رسول اکرمؐ کی سچائی اور صدق کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ——— "اے محمدؐ! میں تمہیں جھوٹا نہیں سمجھتا لیکن تمہاری تعلیم پر میرا دل نہیں ٹھہرتا۔"

امانت و دیانت

حضرت رسول اکرمؐ بچپن ہی سے امانت اور دیانت کے لئے مشہور تھے۔ سب لوگ آپؐ کو "امین" کے لقب سے پکارتے تھے۔ قریشِ مکہ کو آپؐ کی امانت داری پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ لوگ اپنا روپیہ پیسہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امانت رکھ جاتے تھے۔ حضرت رسول اکرمؐ کی ایمانداری کی وجہ سے قریش اپنا مال اور سرمایہ آپؐ کے سپرد کر دیتے تھے۔ اس سرمائے سے آپؐ کاروبار کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کی دیانتداری، سچائی اور ایمانداری کو دیکھ کر نکاح کی درخواست کی۔ آپؐ ہر بات میں سچا وعدہ فرماتے۔ آپؐ کی تجارت کے ایک ساتھی عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے آنحضرتؐ سے اس زمانے میں خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا۔ بات کچھ طے ہو چکی تھی۔ کچھ تھوڑی رہ گئی تھی۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں پھر آ کر بات پوری کر لیتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں چلا گیا۔ تین دن بعد مجھے اپنا وعدہ یاد آیا۔ فوراً پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپؐ

Marfat.com

اسی جگہ بیٹھے ہیں اور میرے واپس آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔

مختصر یہ کہ دوست دشمن سب حضرت رسولِ اکرمؐ کی سچائی، صدق اور امانت و دیانت کا اعتراف و اقرار کرتے تھے اور آپؐ کو صادق اور امین کے معزز القاب سے یاد کرتے تھے۔

عدل و مساوات حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے، پرائے، امیر، غریب سب سے عدل کرتے اور ایک جیسا برتاؤ کرتے تھے۔ آپؐ ہمیشہ مظلوموں کی فریاد سنتے۔ ان سے انصاف کرتے، اور ان کا حق دلاتے تھے۔ دشمنوں کو بھی آپؐ کے عدل و انصاف پر پورا اعتماد تھا۔ جب تک حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف فرما رہے۔ اہلِ مکہ اپنے جھگڑے آپؐ کے پاس چکانے کے لیے لے جایا کرتے تھے۔ مدینہ میں تشریف لانے کے بعد یہودی اور دوسرے مخالفین بھی اپنے مقدمات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیصلہ تسلیم کرتے تھے۔ آپؐ کے عدل و مساوات کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ ایک قرضخواہ تقاضے کے لئے آیا اور سخت سست بکنے لگا۔ حضرت عمرؓ اسے مارنے چلے۔ آپؐ نے روکا اور فرمایا۔ "عمرؓ! تمہارے لئے یہ زیادہ مناسب تھا کہ مجھے ادا کرنے کی نصیحت کرتے [illegible] صبر کی"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سب انسانوں کو برابر سمجھتے تھے۔ امیر اور غریب، گورے، کالے، عربی اور عجمی میں کوئی فرق و امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔

رحم و کرم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم کا غالب ترین حصّہ رحمدلی ہے۔ اللہ تعالےٰ کا قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔۔

"وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ" (ہم نے آپؐ کو سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

ایک دفعہ آپؐ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ مشرکین کو بددعا دیجئے۔ فرمایا۔ میں بددعا دینے کے لیے نہیں آیا۔ رحمت بن کر آیا ہوں۔ (صحیح مسلم)

Marfat.com

آپ کا رحم وکرم سب کے لئے عام تھا۔ آپ دوست دشمن سب پر رحم وکرم فرماتے تھے۔ آپؐ نے عمر بھر نہ کسی کو ستایا، نہ دُکھ دیا۔ وہ ہندہ ۔ جس نے جنگِ اُحد میں آپؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضؓ کا کلیجہ چبایا تھا۔ جب آپؐ کے سامنے حاضر ہوئی تو آپ نے اس پر رحم کیا اور اسے معاف کر دیا۔ اسی طرح حضرت حمزہ رضؓ کے قاتل وحشی کو بھی معافی دے دی۔ وہ ابوسفیان جس نے فوج لے کر مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔ اس کو صرف معاف ہی نہ کیا بلکہ اس کے لئے رحم وکرم کا وسیع دامن پھیلا دیا۔ فتح مکہ کے دن اس کے گھر کو دارالامان قرار دیا فرمایا۔ "جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ امن میں رہے گا۔"

ایک غزوہ کے بعد آپؐ کی نظر ایک عورت کی لاش پر پڑی۔ آپؐ کو معلوم ہوا کہ خالد بن ولیدؓ نے اسے قتل کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ خالد سے جا کر کہو کہ رسولؐ اللہ نے عورت، بچے اور بوڑھے کے قتل سے منع فرمایا ہے۔ (سیرت ابن ہشام)

شجاعت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن سے ہی بڑے بہادر اور دلیر تھے۔ حضرت علی کا قول ہے کہ جب جنگ گرم ہو جاتی تو ہم آپؐ کے سایہ میں عافیت پاتے تھے۔ آپؐ جنگ میں سب سے آگے ہوتے تھے۔ (کامل ابن اثیر) حنین کی جنگ میں اسلام کی ساری سپاہ چھٹ گئی اور دشمن کے تیر چاروں طرف سے برسنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنہا خچر کو دشمن کے لشکر کی طرف بڑھا رہے تھے اور زبان پر یہ ترانہ جاری تھا کہ "میں نبی ہوں اور جھوٹا نہیں ہوں۔"

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سولہ سترہ برس کی تھی۔ آپ اپنے چچا کے ساتھ یمن گئے۔ قافلہ ابھی راستے میں تھا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک وادی میں ایک بڑا منہ زور اونٹ ایسا بدکا کہ رسی توڑ کر بھاگ نکلا۔ لوگ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس منہ زور اونٹ کی طرف لپکے اور بے خوف ہو کر اس کو نکیل سے پکڑ لائے۔ ایک رات مدینہ میں ایسی آواز آئی کہ ہراس پھیل گیا۔ لوگ آواز کی سمت دوڑے گئے۔ دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار سب سے پہلے ادھر سے ہو کر واپس تشریف لا رہے ہیں۔ آپؐ نے لوگوں کو تسلی دی کہ کوئی خطرہ نہیں۔ (تاریخ طبری اغزوات نبوی) آپ کی بے مثال بہادری اور شجاعت کے گواہ ہیں۔ غزوۂ اُحد اور غزوۂ حنین میں آپؐ نے جس بہادری، استقامت اور شجاعت کا ثبوت دیا۔ اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

رُواداری

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے رُوادار تھے۔ اپنے تو اپنے، آپؐ غیروں کا بھی لحاظ کرتے تھے۔ اگر کوئی دشمن بھی آ جاتا تو اس سے بڑی اچھی طرح ملتے اور اس کی ضرورت پوری کر دیتے۔ تکلیف کے وقت دشمن کی مدد کرنے سے بھی دریغ نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ مکہ میں اتنا سخت قحط پڑا کہ لوگ مُردار اور ہڈیاں بھی کھانے لگے۔ ابوسفیان دشمنی کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ یا محمدؐ! آپ تو لوگوں کو قریبی رشتہ داروں سے نیک سلوک کی تعلیم دیتے ہیں۔ دیکھئے آپؐ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے۔ خدا سے دُعا کیجئے۔ یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی اور خوب بارش ہوئی۔ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سب دنیا کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے تھے۔

آپ دشمنوں کی بدسلوکی سے حتی الوسع درگذر فرمایا کرتے تھے اور ان کے ساتھ رحم و کرم کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔ مکہ کے لوگوں نے آپؐ پر اور صحابہ پر سخت مظالم ڈھائے تھے لیکن ان میں سے جب کوئی شخص آپؐ کے قابو آیا۔ آپؐ نے معاف کر دیا۔

رواداری ایک ایسا لفظ ہے جس کا مفہوم متعین کرنا مشکل ہے۔ رواداری کے معاملہ میں بہت احتیاط اور اعتدال کی ضرورت ہے۔ اس پر دین و وطن کی بہبود اور اخلاق کے اُصول قربان نہیں کرنے چاہئیں۔ جو لوگ دیگر مذاہب والوں کے ساتھ اس حد تک رواداری برتتے ہیں کہ دینی حمیت و غیرت کو بھول جاتے ہیں۔ ان کی رواداری درحقیقت رواداری نہیں بلکہ ایمان کی کمزوری اور نفاق ہے۔ رواداری کا مفہوم متعین کرنے کے لئے آنحضورؐ کے اُسوہ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ آپؐ برملا طور پر حق کو حق

Marfat.com

اور باطل کو باطل کہتے تھے اور دین و اخلاق کے معاملہ میں کوئی رو رعایت نہیں فرماتے تھے۔ جس کی حد یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لباس اور وضع قطع میں یہود و نصاریٰ کے تشابہ سے منع فرماتے تھے تاکہ ملتِ اسلامیہ کے امتیازی خدوخال قائم رہیں

سادگی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اُٹھنے، بیٹھنے، پہننے، اوڑھنے، کھانے پینے کی چیزوں میں تکلف نہ تھا۔ کھانے میں جو کچھ سامنے آتا کھا لیتے۔ پہننے کو جو مل جاتا پہن لیتے۔ زمین پر، چٹان پر فرش پر جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔ لباس میں نمائش کو ناپسند فرماتے تھے۔ سامان کی آرائش سے نفرت تھی۔ مویشی کو چارہ خود ڈال دیتے۔ اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھتے، گھر کی صفائی کر لیتے۔ بکری دوہ لیتے۔ خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے۔ خود جا کر بازار سے سودا سلف خرید لاتے۔ خود اسے اٹھا لاتے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے کو پہلے سلام کہتے، رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے۔ جوتا پھٹ جاتا تو خود گانٹھ لیتے۔ اور کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے تھے ــــ ہجرت کے نویں برس آپؐ کی ازواج مطہرات نے ایکا کر کے مطالبہ کیا کہ ہمارا خرچ بڑھایا جائے۔ آپؐ نے انکار کر دیا۔ ازواج بھی ضد پر آگئیں۔ آپؐ ناراض ہو کر مہینہ بھر ان سے الگ رہے۔ بعد میں ازواج کو اختیار دیا کہ چاہو تو اسی زندگی پر میرے ساتھ رہو اور چاہو تو طلاق لے لو۔ انہوں نے آپؐ کے ساتھ رہنا قبول کیا۔ اسی دوران حضرت عمرؓ آپؐ کے پاس آئے۔ آپؐ ایک الگ کمرے میں تھے جو آپؐ کا گودام تھا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ اس کمرے کی کل کائنات ایک چٹائی ہے۔ جس پر آپؐ تشریف فرما ہیں۔ بدن مبارک پر چٹائی کی بدھیاں پڑی ہیں۔ ایک کونہ میں چار پانچ سیر جو رکھے ہیں اور بس۔ یہ نقشہ دیکھ کر حضرت عمرؓ رو دیئے اور کہا۔ قیصر و کسریٰ تو نہروں اور پھلوں کے مزے لوٹیں آپؐ اللہ کے رسول اور محبوب ہیں اور آپؐ کے ذخیرے کا یہ حال ہے۔ فرمایا۔ عمرؓ کیا تم نہیں چاہتے کہ ہمارے لئے آخرت ہو اور ان کے لئے دنیا۔

(مسلم ۔ کتاب الطلاق)

Marfat.com

ایفائے عہد

آپؐ وعدہ کے بڑے پکے تھے۔ دوست ہو یا دشمن ہر ایک سے کئے ہوئے وعدے کو نباہتے تھے۔ بدر کی جنگ میں مجاہدین کی تعداد بہت کم تھی۔ ایک ایک شخص کی مدد درکار تھی۔ لیکن اس حال میں بھی ایفائے عہد کا یہ حال تھا کہ دو صحابی مدینہ کے ارادے سے چلے آئے تھے۔ انہیں کفارِ مکہ نے پکڑ لیا اور اس وعدہ پر چھوڑا کہ سیدھے مدینہ ہی جاؤ گے۔ وہ اسلامی لشکر میں آئے تو آپؐ نے ان کو مدینہ روانہ کر دیا اور فرمایا۔ "ہم وعدہ پورا کریں گے اور اللہ کی مدد پر بھروسہ کریں گے"۔ صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ آئندہ مکہ کا کوئی آدمی مسلمان ہو کر مدینہ جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔ مکہ کا ایک شخص ابوبصیر مسلمان ہو کر مدینہ حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا "ہمارے دین میں وعدہ شکنی نہیں۔ تم واپس جاؤ"۔

سپہ سالاری

غزوات نبویؐ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فنونِ جنگ میں بڑی مہارت تھی۔ آپؐ لشکر کشی، فوجی تربیت، عسکری نظام اور میدانِ جنگ میں فوج کی قیادت کے اصولوں سے خوب واقف تھے۔ جنگِ احد میں آپؐ نے بے مثال فنی مہارت کا ثبوت دیا۔ آپؐ نے گھاٹی کے تیراندازوں کو حکم دیا تھا کہ وہ گھاٹی کو ہرگز نہ چھوڑیں۔ اور دشمن کے گھوڑوں پر تیر برساتے رہیں۔ جب گھاٹی کے محافظوں نے حضورؐ کی ہدایت کے خلاف گھاٹی کو چھوڑ دیا تو دشمنوں نے موقع پا کر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ آپؐ کی ثابت قدمی، استقامت اور شجاعت کی وجہ سے مسلمانوں کی فوج شکست سے بچ گئی۔ جنگِ خندق میں صحابہ رضؓ سے مشورہ کر کے حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے سے شہر کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ عربوں کے لئے خندق کھود کر شہر کی حفاظت کرنا بالکل نئی چیز تھی۔ وہ اس طریق جنگ سے ناواقف تھے۔ جب قریش اور یہودی ہمت ہار کر ناکام واپس چلے گئے تو حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی مہارت و قابلیت اور عسکری قیادت کا سکہ سارے عرب میں بیٹھ گیا۔ صلح حدیبیہ بظاہر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف نظر آتی تھی لیکن واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ صلح سیاسی اعتبار سے بہت اہم تھی۔ جنگِ

Marfat.com

حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نظیر شجاعت اور استقامت کا ثبوت دیا۔ اپنی بہادری اور ثابت قدمی سے میدانِ جنگ سے بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو دوبارہ جمع کر کے صفوں کو ازسرِ نو ترتیب دیا اور دشمنوں کو مار بھگایا۔

حلم و انکسار حضرت عدی رض بن حاتم عیسائی تھے۔ وہ حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپؐ عدی کو گھر لے گئے۔ گھر میں چمڑے کا ایک تکیہ تھا وہ آپؐ نے عدی کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے انکار کیا لیکن آپؐ نے مجبور کر کے ان کے حوالے کیا اور خود زمین پر بیٹھ رہے۔ عدی بہت متاثر ہوئے اور اسلام لے آئے (طبری) آپؐ صحابہ کرام میں برابر کی حیثیت سے بیٹھتے تھے۔ امتیاز پسند نہیں کرتے تھے آپؐ کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ جب آپؐ تشریف لائیں تو صحابہ کرام رض تعظیم کے لئے اٹھیں۔ حضرت انس رض کہتے ہیں کہ حضور رض کو بعض دفعہ ہمارے گھر میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا ہمارے ہاں کھجور کے پتوں کی چٹائی تھی جو پرانی ہونے کی وجہ سے سیاہ پڑ گئی تھی۔ ہم اسے دھو ڈالتے وہ سوکھتی تو بچھا دیتے۔ آپؐ اسی پر نماز ادا فرماتے (صحیح مسلم)

حیا آپؐ کے مزاج میں شرم و حیا بے حد تھی۔ کوئی چیز خلافِ مزاج دیکھتے تو زبان سے کچھ نہ کہتے۔ صرف چہرۂ مبارک کے تغیر سے صحابہ محسوس کر لیتے تھے۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ کسی کی غلطی پر اس کا نام لے کر کچھ کہنے کی بجائے یوں فرماتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسی باتیں کہتے یا کرتے ہیں۔ ہمیشہ نگاہ نیچی رکھتے اور مسکراہٹ سے زیادہ کبھی کھل کر نہ ہنستے تھے۔ آنحضورؐ کے جسم مبارک کا کوئی حصہ کبھی کسی نے کھلا ہوا نہ دیکھا۔

جود و سخا آپ بے انتہا سخی تھے۔ حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ حضورؐ سب سے زیادہ سخی تھے۔ ماہِ رمضان میں آپؐ کی سخاوت حدِ کمال کو پہنچ جاتی تھی۔ جو کچھ گھر میں ہوتا خیرات کر دیتے تھے۔ آپؐ نے گھر میں مال رکھنا کبھی پسند نہ فرمایا۔ جو کچھ آتا، شام کو خرچ کر دیتے تھے۔ بعض اوقات بکثرت مالِ غنیمت جمع ہو جاتا آپؐ مسجدِ نبویؐ میں بیٹھ کر تقسیم فرما دیتے تھے۔ اور بسا اوقات گھر میں فاقہ ہوتا تھا۔

Marfat.com

عفو آپؐ عفو و درگزر کا مجسمہ تھے۔ ایک دفعہ حدیبیہ کے میدان میں فروکش صبح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ قریش کے ایک دستہ نے آپؐ کے قتل کے ارادہ سے پہاڑی کی اوٹ سے نکل کر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے سب کو گرفتار کر لیا۔ آپؐ نے معاف کر دیا (صحیح مسلم و ترمذی) حضورؐ کا فرمان ہے "کہ پہلوان وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے بلکہ وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے کو قابو میں رکھے۔" (بخاری ومسلم)۔

آپؐ ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے کہ ایک بدو نے آپؐ کی چادر پکڑ کر زور سے کھینچا آپؐ کے شانۂ مبارک پر داغ پڑ گیا۔ بدو نے کہا۔ آپؐ کے پاس جو مال ہے اس میں سے مجھے بھی دلوائیے۔ آپؐ ہنس دیئے اور حکم دیا کہ اسے کچھ دیا جائے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

مہمان نوازی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کی عزت افزائی کرے۔ (ریاض الصالحین)

ایک دفعہ ایک صحابی نے آپؐ سے پوچھا۔ اگر میں کسی کے پاس جاؤں اور وہ میری خاطر و مدارات نہ کرے تو کیا جب وہ میرے پاس آئے تو میں اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کروں؟ فرمایا۔ نہیں۔ اس کی تواضع کرو۔ (ترمذی) آپؐ مہمانوں کی خاطر و مدارات میں عجیب فرحت محسوس کرتے تھے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ آپؐ کی ذاتِ گرامی اخلاقِ جلیلہ و جمیلہ کا مجسمہ اور شرافتِ انسانی کے جملہ اوصاف و کمالات کی جامع تھی۔

سوالات

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اوصاف پر سیر حاصل تبصرہ کیجئے۔

۲۔ دلائل و شواہد سے ثابت کیجئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مجسمۂ اخلاق تھے۔

Marfat.com

تعمیرِ ملّت و نظامِ حکومت

دعوتِ اصلاح

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اہلِ عرب کی سیاسی، مذہبی اور اخلاقی حالت نہایت پست تھی۔ ملک میں کوئی منظم حکومت نہ تھی۔ ہر قبیلہ ایک سردار کے ماتحت آزادانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ ان کا اپنا قانونِ تعزیرات اور اپنا ہی ضابطۂ اخلاق تھا۔ سینکڑوں بتوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ بتوں پر انسانی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔ ایک آدمی بے شمار عورتوں سے نکاح کر لیا کرتا تھا۔ قمار بازی، شراب خوری اور زناکاری کا عام رواج تھا۔ لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، عورتوں کا پیٹ چاک کرنا، معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا عام طور سے رائج تھا۔

آپؐ کا کام صرف یہی نہیں تھا کہ لوگوں تک توحید کا پیغام پہنچا دیں بلکہ اس بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح بھی آپؐ کے فرائض میں شامل تھی۔ جاہل اقوام کا خاصہ ہے کہ جب کوئی تحریک ان کے آبائی رسم و عقائد کے خلاف ان کے سامنے آتی ہے تو انہیں سخت برہم کر دیتی ہے یہی مشکلات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درپیش تھیں۔ آپؐ کو قیام مکہ کے دوران یہ موقع نہیں ملا کہ آپؐ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو منظّم کر سکتے۔ مدینہ پہنچ کر آپؐ نے قومی تنظیم کی طرف توجہ دی۔ وہاں آپؐ نے اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ آپؐ نے اہلِ مدینہ سے معاہدہ کیا جو "میثاقِ مدینہ" کہلاتا تھا۔ اس معاہدہ کی رو سے مسلمانوں کو ایک قوم قرار دیا۔ ان کے حقوق و فرائض اور باہمی تعلقات واضح کیے۔ اس کے علاوہ یہودیوں کے حقوق و فرائض متعین کیے۔ اس طرح وہاں معاشرتی

Marfat.com

تنظیم کا آغاز کیا اور اسلامی نظامِ حکومت کی بنا ڈالی۔ آپ نے اُمورِ سلطنت مختلف شعبوں میں تقسیم کیے اور قابلِ اعتماد لوگوں کو ان کی ذمہ داری سونپی۔ آپ نے جو نظامِ حکومت قائم کیا وہ خلفائے راشدین کے عہد میں اپنی مکمل شکل میں نمودار ہوا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے عربوں کی خانہ جنگی اور بدنظمی کو دُور کر کے ایک مرکزی حکومت کے تحت زندگی بسر کرنے کا طریقہ سکھایا اور ان کو ایک ملت میں تبدیل کر دیا۔

مرکزی نظام

اسلام کے سیاسی نظام میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی اصلی دستور ساز اور مُقننِ حقیقی ہے۔ انسان دنیا میں اس کے نائب کی حیثیت سے خداوندی قوانین کو نافذ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ مسلمانوں کے دینی اور دنیوی ہادی و مُرشد تھے۔ اس لیے آپ کو تمام اختیارات حاصل تھے۔ آپ بیک وقت حاکمِ اعلیٰ سرچشمۂ انصاف اور سالارِ فوج تھے۔ اس طرح آپ پورے نظام کے نگرانِ اعلیٰ تھے لیکن آپ کو ایک مطلق العنان حکمران نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ آپ جو قدم بھی اُٹھاتے تھے۔ اس میں حکمِ خداوندی شامل ہوتا تھا۔ جہاں حکمِ خداوندی موجود نہ ہوتا وہاں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے تھے اور جس امر پہ اتفاقِ رائے ہو جاتا اس پر عمل کرتے تھے۔ اس طرح آپ کی حکومت نہ شخصی تھی نہ جمہوری، بلکہ دونوں کا حسین امتزاج تھا۔ بہرحال آپ اکثر معاملات میں جمہوری طریقے اختیار کرتے تھے۔

حکومت کا باقاعدہ کوئی دفتر نہ تھا۔ عموماً مسجدِ نبوی میں مرکزی حکومت کا سارا کام ہوتا تھا۔ وہیں مشورے ہوتے تھے اور اگر ضرورت ہوتی تو عوام کی رائے بھی وہیں معلوم کر لی جاتی تھی۔ آپ نے حکومت کے کام کو بحسن و خوبی چلانے کے لیے مختلف عہدے و شعبے قائم کیے تھے۔ آپ نے چند صحابہ کو مقرر کیا تھا جو دستاویزیں یادداشتیں اور قرآن لکھتے اور آمدنی وغیرہ کا حساب رکھتے تھے۔ یہ لوگ "کاتب" کہلاتے تھے۔ ان کی تعداد ۴۲ تھی۔

۱۔ **کتابتِ وحی**۔ بعض صحابہ کتابتِ وحی کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ یہ لوگ وحی کے نازل ہونے کے بعد اس کو لکھ لیا کرتے تھے۔ وحی کے کاتبوں میں حضرت

Marfat.com

زید، حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم قابلِ ذکر ہیں۔

۲- **رسل و رسائل** - کچھ صحابہ سلاطین اور امرائے عرب کے ساتھ خط و کتابت کے فرائض انجام دیتے اور حکام اور مبلغین کے نام احکام بھیجتے تھے۔ اس شعبہ میں حضرت زید رضؓ بن ثابت، حضرت معاویہؓ، حضرت علیؓ اور عبداللہ بن ارقم کام کرتے تھے۔ آپؐ کچھ صحابہ کو سفیر بنا کر سلاطین کے پاس بھیجتے تھے۔ وہ آپؐ کے خطوط لے کر جاتے تھے۔ ۶ھ میں آپؐ نے اس طرح کے بہت سے سفیر مختلف حکمرانوں کے پاس روانہ کئے تھے۔ آپؐ خطوط اور فرامین پر اپنی مہر لگاتے تھے۔ یہ مہر حضرت حنظلہ رضؓ بن ربیع کے پاس رہتی تھی۔ ایک صیغہ راز بھی تھا۔ جس کے ذمہ دار حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، تھے۔

۳- **مالیات** - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حساب کتاب کے لئے ایک شعبہ بنایا تھا۔ اس میں کئی صحابہؓ کام کرتے تھے۔ حضرت زبیر رضؓ بن عوّام اور حضرت جہیم رضؓ صدقات کی آمدن کا حساب رکھتے تھے۔ حضرت معیقیب رضؓ بن ابی فاطمہ اور حضرت کعب بن عمرو مالِ غنیمت کا اندراج کرتے تھے۔ حضرت حذیفہؓ بن یمان کھجوروں کی آمدنی لکھنے پر مامور تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حصین رضؓ بن نمیر قرضے اور دیگر تجارتی لین دین کا حساب رکھتے تھے۔

۴- **دعوت و تبلیغ** - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ و اشاعت کا خاص طور پر خیال تھا۔ مختلف قبائل جب اسلام سے مشرف ہو کر واپس جاتے تو ان کے ساتھ کسی صحابی کو مبلغ بنا کر بھیجتے تھے۔ آپؐ نے ثابت بن قیس کو خطیب اور حضرت مصعبؓ بن زبیر کو پہلا مبلّغ مقرّر کیا تھا۔ حضرت عبادہؓ بن صامت اہلِ صفہؓ کو قرآن پڑھاتے تھے۔ آپؐ عورتوں کی تعلیم کی طرف بھی توجہ دیتے تھے۔

۵- **مردم شماری** - آپؐ نے مردم شماری کی ابتداء کی اور اس کام کے لئے ایک رجسٹر کی تیاری کا حکم دیا۔

Marfat.com

صوبائی نظام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صوبائی نظم و نسق کی داغ بیل ڈالی ملک کو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ مدینہ مرکزی صوبہ تھا جو براہ راست حضورؐ کی نگرانی میں تھا۔ اس کے علاوہ مکہ، یمن، نجران، تہامہ، عمان، حضرموت اور بحرین دوسرے صوبے تھے۔ صوبے کے حاکم کو والی کہتے تھے اور وہ اپنے علاقے کے نظم و نسق کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ صوبہ کی زکوٰۃ کی فراہمی کے لئے محصّل مقرر تھے۔ آنحضرت گورنروں اور محصّلوں کو خود مقرر کرتے تھے۔ ان کا تقرر ان کی ذاتی لیاقت، دین داری اور علم و فضل کے پیش نظر کیا جاتا تھا۔ آپؐ ایسے لوگوں کو مقرر کرتے تھے جو قابل احترام ہوں جن پر لوگ اعتماد کر سکیں اور نامقبول حاکموں کو معزول کر دیتے تھے۔ والیوں کی تنخواہیں نقد یا جنس کی صورت میں ادا ہوتی تھیں۔

ذرائع آمدنی اور مالی نظام

اسلام دولت کی مناسب تقسیم پر زور دیتا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ اور صدقات کی فراہمی کا باقاعدہ انتظام کیا تاکہ غریبوں کو امیروں کی دولت سے کچھ حصہ ملتا رہے۔ آپؐ کے عہد میں آمدنی کے ذرائع مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ **زکوٰۃ** ۔ صرف ان مسلمانوں سے لی جاتی جن کی دولت ایک خاص معیار تک پہنچ جائے۔ اس کی شرح میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اور نہ معاف ہو سکتی ہے۔ زکوٰۃ کے وصول کرنے پر عمّال مقرر تھے۔ جو زکوٰۃ وصول کر کے مدینہ بھیجتے تھے۔ نقدی کی صورت میں رقم کا ۲½ فی صد بیت المال کو دینا پڑتا ہے۔ زکوٰۃ ہر صاحب نصاب عاقل و بالغ پر فرض ہے۔ اس کا منکر کافر اور بلاوجہ نہ ادا کرنے والا فاسق ہے۔

۲۔ **عطیات** ۔ حکومت کا کوئی مستقل بیت المال نہ تھا۔ جب قومی معاملات کے لئے روپیہ کی اچانک ضرورت پڑ جاتی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو مالی امداد کی دعوت دیتے تھے۔ صحابہ کرامؓ حتی المقدور مدد کرتے تھے۔

۳۔ **فے** ۔ فے اس مال کو کہتے ہیں جو دشمن سے بلا مقابلہ ہاتھ آئے۔ اس قسم کا مال مسلمانوں پر تقسیم نہیں کیا جا سکتا بلکہ مرکزی حکومت کے زیر تصرف رہتا ہے۔ اس سے ملکی آمدنی

Marfat.com

قومی امور پر خرچ کی جاتی ہے

۴۔ **خُمس** ۔ میدانِ جنگ میں جس قدر مالِ غنیمت اکٹھا ہوتا ہے۔ اس کا خُمس (یا پانچواں حصہ) مرکزی حکومت کو بھیجا جاتا تھا۔ اور چار حصّے فوج میں تقسیم کردیئے جاتے تھے۔ خُمس کو ریاست کے اخراجات میں دیا جاتا تھا۔

۵۔ **جزیہ** ۔ غیر مسلم رعایا سے جبراً فوجی خدمت نہیں لی جاتی۔ چونکہ مسلمان ان کی جان اور مال کی حفاظت کی ذمہ داری لیتے تھے۔ اس لئے غیر مسلم رعایا کو جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ یہ ٹیکس بہت معمولی ہوتا تھا اور معذور اور ضعیف بچے عورتیں اور راہب اس سے مستثنیٰ تھے۔ عہدِ نبویؐ میں صرف اہلِ کتاب سے یہ ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ مشرکین سے نہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم فوجی خدمت سرانجام دیتا تو اس کو جزیہ ادا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شام و نجران کے عیسائیوں اور بحرین کے مجوس سے جزیہ وصول کیا کرتے تھے۔

۶۔ **خراج** ۔ جو علاقے مسلمان فتح کرتے تھے اور جن کی زمینیں غیر مسلموں کے قبضے میں رہتی تھیں ان کو لگان ادا کرنا پڑتا تھا۔ یہ خراج کہلاتا تھا۔ اس کی شرح پیداوار کا نصف حصہ تک مقرر ہوتا تھا۔ خراج کی ابتداء فتح خیبر کے موقعہ پر ہوئی۔ جب یہودیوں کی زمینیں خراج کی ادائیگی کے وعدہ پر آپؐ نے ان کو واپس کردیں۔

۷۔ **عُشر** ۔ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں ان سے پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ بطور عُشر وصول کیا جاتا تھا۔ اگر زمین کا کوئی قطعہ مصنوعی آب پاشی سے سیراب کیا جاتا تھا تو اس کا مالیہ ۱/۱۰ کی بجائے ۱/۲۰ مقرر کردیا جاتا تھا۔

۸۔ **صدقات** ۔ یہ وہ رقم تھی جو مسلمان خود ہی بیت المال کے اخراجات پورے کرنے کے لئے دیتے رہتے تھے اس کو "انفاق فی سبیل اللہ" (اللہ کی راہ میں خرچ) کہتے تھے۔ یہ مسلمانوں کے جذبہ ایثار و قربانی کو ظاہر کرتا ہے۔

مندرجہ بالا ذرائع سے جو رقم فراہم ہوتی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنی مرضی سے خرچ کرتے تھے یا عوام میں تقسیم کردیتے تھے۔ تقسیم کے وقت اہلِ اسلام

Marfat.com

کی حاجات و ضروریات کو پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ آمدنی اور خرچ کا ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا۔ بیت المال کی کوئی عمارت نہ تھی اور نہ اس کا کوئی مستقل عملہ تھا۔

فوجی نظام عہدِ نبوی میں کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی۔ جہاد ایک بہت بڑی عبادت ہے۔ اس لئے ہر مسلمان سپاہی تھا۔ جب جہاد کا اعلان ہوتا تو مسلمان خود بخود اس میں حصہ لینے کی پیشکش کرتے۔ تلوار، تیر، نیزہ، کمان، برچھی، زرہ اور ڈھال اس زمانہ کے مشہور ہتھیار تھے۔ عہدِ نبوی میں مسلمان عورتیں بھی جنگ میں شریک ہوتی تھیں۔ ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔ مجاہدین کے لئے کھانا پکائیں۔ میدانِ جنگ میں پانی پلائیں، بیماروں کی خبر گیری کریں، مالِ غنیمت سنبھالیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی فوج کے افسرِ اعلیٰ بھی تھے۔ آپؐ عموماً خود ہی فوج کی قیادت کرتے تھے۔ اگر کسی مہم پر خود تشریف نہ لے جاتے تو کسی صحابی کو اس کام پر مامور فرماتے تھے۔ چونکہ رسول اللہ ہمیشہ اطاعتِ امیر پر زور دیتے تھے۔ اس لئے اسلامی فوجوں کا نظم و ضبط بہت اعلیٰ ہوتا تھا۔ فوج کا سپہ سالار مالِ غنیمت کی تقسیم کا ذمہ دار بھی ہوتا تھا۔ اس زمانے میں فوج کی کوئی وردی نہیں ہوتی تھی۔ شناخت کے لیے خاص الفاظ زبان سے پکارتے تھے۔ ان کو شعار کہتے تھے

عدلیہ قرآن حکیم اسلامی قانون کا سرچشمہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ترجمان تھے۔ اس اعتبار سے آپؐ اسلامی ریاست کے منصفِ اعلیٰ بھی تھے۔ آپؐ نے عدلیہ کی تنظیم کی طرف بھی توجہ دی۔ عدلیہ کا ایک شعبہ فتاویٰ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس میں بلا معاوضہ قانونی مشورہ دیا جاتا تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ فتوے دیتے تھے۔ دوسرا شعبہ انصاف سے تعلق رکھتا تھا۔ اور مقدمات فیصل کرتا تھا۔

مدینہ منورہ کے علاوہ تمام صوبوں میں قاضی مقرر کیے گئے تھے۔ مدینہ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خود مقدمات کا فیصلہ صادر فرماتے تھے۔ بعد ازاں آپؐ نے

Marfat.com

عبداللہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کو پہلا قاضی مقرر کیا تھا۔

اگرچہ پولیس کا محکمہ اس وقت وجود میں نہیں آیا تھا۔ تاہم رسول اللہؐ کچھ لوگوں کو قیام امن کا ذمہ دار ٹھہراتے تھے۔ مدینہ میں سعد بن قیس رضؓ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ آپ لوگوں کو اخلاق و عادات کی اصلاح کی برابر تلقین کرتے رہتے تھے۔ آپ اکثر بازار میں تشریف لے جاتے اور تجارتی لین دین کا محاسبہ کرتے تھے۔ اور بدعنوانی کو روکتے تھے۔ صوبوں میں یہ ذمہ داری گورنروں کے سپرد تھی۔ قاضیوں کو ہدایت تھی کہ تبلیغ کا کام بھی کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے عدل وانصاف کا شاہکار ہوتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے کہ مکہ کی ایک قریش عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے آپؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے بیٹے اسامہ کو سفارش کے لئے بھیجا۔ آپؐ سفارش سن کر ناراض ہوئے اور فرمایا:۔

"تم سے پہلی قومیں اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ جب بڑے لوگ جرم کرتے تو انہیں چھوڑ دیتے اور اگر چھوٹے لوگ جرم کے مرتکب ہوتے، تو انہیں سزا دیتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ رضؓ بھی چوری کرتی تو یہی سزا دیتا۔"

مقدمات بہت کم ہوتے۔ عدالتی نظام بہت سادہ تھا۔ مسجد ہی عدالت گاہ ہوتی تھی۔ بیانات سن کر اسی وقت بلا عوض فیصلہ سنا دیا جاتا تھا۔

عہدہ داروں کا تقرر

آپؐ عہدہ داروں کا تقرر کرتے وقت ان کی ذاتی قابلیت، دین داری اور علم وفضل کا خاص خیال رکھتے تھے۔ آپؐ ہمیشہ ایسے لوگوں کو مقرر کرتے جو عربوں میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہوں اور جو اپنے فرائض کو خوش اسلوبی اور دیانت وامانت کے ساتھ ادا کرنے کے خوگر ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے افسران مال اور صوبائی حکام کے بارے میں حالات دریافت کرتے رہتے تھے۔ ناموزوں افسروں

Marfat.com

کو معزول بھی کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ بحرین سے قبیلۂ عبدالقیس کا وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد نے وہاں کے عامل علاء بن حضرمی کی شکایت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپؐ نے اسے معزول کر دیا اور ابان بن سعید رضؓ کو بحرین کا عامل نامزد کر دیا اور حکم دیا کہ قبیلہ مذکور سے اچھا سلوک کرے۔

حساب کی جانچ پڑتال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ آپؐ افسرانِ مال سے حساب کے بارے میں آمد و خرچ کی پوری تفاصیل دریافت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ نے ایک شخص کو صدقات کی وصولی کے لئے مقرر فرمایا۔ جب وہ شخص واپس آیا تو آپؐ نے حساب کی پڑتال فرمائی وہ عرض کرنے لگا۔ یہ مال آپؐ کا ہے اور یہ مال مجھے بطور ہدیہ ملا ہے۔ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہم ایک شخص کو افسرِ مال بنا کر بھیجتے ہیں تاکہ صدقات کی فراہمی کرے اور وہ شخص آ کر یہ کہتا ہے کہ یہ مال تمہارا ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ ملا ہے۔ مزا تو جب تھا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہتا اور پھر دیکھتا کہ کون اسے ہدیہ دیتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا :-

"ہم جس شخص کو افسر اور عامل بنا کر بھیجتے ہیں اور اس کی تنخواہ مقرر کر دیتے ہیں تو اس کے بعد اگر وہ کوئی چیز کسی سے قبول کرتا ہے تو خیانت کرتا ہے۔"

شوریٰ آپؐ اہم کام میں مشورہ کرتے تھے۔ اس مقصد کے لئے آپؐ نے چودہ مہاجرین اور چودہ انصار پر مشتمل ایک مجلسِ مشاورت قائم کر رکھی تھی۔ جس میں چیدہ صحابہ شامل تھے۔

مختصر یہ کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کے قلیل عرصہ میں نہ صرف جزیرۂ عرب بلکہ کرۂ ارضی کی حالت بدل ڈالی۔ جن بلند پایہ مقاصد کے لئے آپؐ کی بعثت عمل میں آئی تھی۔ آپؐ نے انہیں بڑی خوش اسلوبی سے پورا کیا۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ آپؐ نے پوری دنیا کو ایک نیا معاشرہ، نئی تہذیب، نئے عقائد و

Marfat.com

افکار، ایک نئی حکومت اور نئے اصولِ حیات بخشے۔

سوالات

۱۔ عہد رسالت کے نئے نظام سلطنت پر جامع تبصرہ کیجئے۔
۲۔ عہدِ نبوی کے نظامِ حکومت کی خاص خاص باتیں تحریر کیجئے۔
۳۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی تدبر اور عسکری قیادت پر سیر حاصل بحث کیجئے۔

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

(اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں، وہ کفار پر بڑے سخت اور باہم رحیم و مہربان ہیں)

خلافتِ راشدہ

سنہ ۱۱ھ تا سنہ ۴۰ھ مطابق سنہ ۶۳۲ء تا سنہ ۶۶۱ء

غلام احمد حریری

ایم اے (عربی) ایم اے (علوم اسلامیہ) ایم او ایل (عربی)

فاضل السنہ شرقیہ، فاضل درسِ نظامی

سینئر لیکچرر علوم اسلامیہ زرعی یونیورسٹی

(لائل پور)

Marfat.com

باب اوّل

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

خلافتِ راشدہ

سالارِ انبیاء و رسل صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دارِ فانی سے تشریف لے جانے کے بعد آپؐ کے چار جاں نثار، ساتھیوں نے باری باری اسلامی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ یہ چاروں صحابی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ یعنی نائب اور جانشین مشہور ہوئے۔ پہلے حضرت ابوبکرؓ۔ پھر حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمانؓ، اور ان کے بعد حضرت علیؓ نے مسندِ خلافت کو رونق بخشی۔ چاروں خلفاء کا عہدِ حکومت تقریباً ۳۰ برس تک رہا۔ ان خلفاء کو خلفائے راشدین اور خلفائے اربعہ بھی کہتے ہیں۔ یہ چاروں خلیفے نہایت پاکباز، متقی اور اطاعتِ رسولؐ کے جذبہ سے سرشار تھے۔ ان کا ہر قدم اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے اٹھتا تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے انتہائی کوشش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔ اور احکامِ خداوندی کو عملی زندگی میں نافذ کیا جائے۔ ان بزرگوں کے اس مبارک عہد کو خلافتِ راشدہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

"تاریخ اسلام میں یہ عہد اسلامی جمہوریت کی بہترین یادگار ہے۔ اگر اس تیس۳۰ سالہ عہدِ حکومت کو "تاریخ اسلام کا زرّین دور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس عہد میں مسلمانوں کے تمام سیاسی اور ملکی امور باہم مشورہ سے طے پاتے تھے۔

Marfat.com

خلافتِ راشدہ میں اسلام مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل گیا مسلمان نوجوں نے ایران اور روم جیسی طاقت در حکومتوں کو میدانِ جنگ میں بُری طرح شکست دی قیصرِ روم کے اقتدار کو ایسی ضرب لگائی، کہ وہ پھر اُٹھ نہ سکا سلطنت روما کے زرخیز اور شاداب علاقے یعنی مصر، شام اور فلسطین مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔ ایرانیوں کی سلطنت کو پاش پاش کر کے سارا ملک فتح کر لیا مسلمانوں نے تیس سال کی مختصر مدت میں ہزاروں میل کا رقبہ فتح کر کے وہاں کے باشندوں کو اسلامی تہذیب و ثقافت اسلامی آئین و روایات اور اسلامی نظامِ حکومت سے نہ محض آشنا کیا بلکہ ان کو علم و ادب اور ہنر و فن کا علمبردار بنا دیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی ابتدائی زندگی

آپ کا نام عبداللہ، کنیت ابوبکر اور صدیق و عتیق لقب ہے۔ والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی۔ والدہ کا نام سلمیٰ اور کنیت اُم الخیر تھی۔ آپ قریش کے ایک ممتاز خاندان بنو تیم سے تعلق رکھتے تھے۔ چھٹی پشت پر آپ کا نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کا گھرانہ زمانہ جاہلیت سے ممتاز چلا آتا تھا۔ قریش کے سیاسی نظام میں خون بہا کے مال کی امانت داری کا عہدہ آپ ہی کے گھر میں تھا۔ اسلام سے پہلے آپ تجارت کرتے تھے۔ آپ ابتدا ہی سے سلیم الفطرت تھے۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کا دامن اخلاقِ قبیحہ کے مفاسد سے پاک رہا اسی زمانہ سے لوگوں پر آپ کے حسنِ خلق، راست بازی اور متانت و سنجیدگی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ شرفائے مکہ میں آپ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

آپ تقریباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے طبیعت کی یکسانی کی وجہ سے بچپن ہی سے دونوں میں گہرے تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ ان تعلقات کی بنا پر دونوں ایک دوسرے کے اخلاق و سیرت سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت سب سے پہلی مرتبہ اسلام کی دعوت دی۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے

Marfat.com

بلا تامل اس کی تصدیق کی قبول اسلام کے بعد وہ اسلام کی تبلیغ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ راست بن گئے۔ کسی صحابی کی اسلامی خدمات آپ کے برابر نہیں ہیں۔ ان کی مختصر فہرست یہ ہے کہ قریش کے سن رسیدہ لوگوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ مکہ کی پُرخطر اور مظلومیت کی زندگی کے ہر مرحلہ میں حضورؐ کے پشت پناہ رہے تبلیغ اسلام میں ہمیشہ آنحضورؐ کا ساتھ دیتے۔ اکابر صحابہ آپ کی کوشش سے مشرف باسلام ہوئے۔ ہجرت کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا۔ تو اس کی زمین کی قیمت جو دو یتیموں کی تھی حضرت ابوبکرؓ نے ادا کی۔ اس طرح مدینہ میں پہلا خانۂ خدا حضرت ابوبکرؓ کی مدد سے تعمیر ہوا۔ (فتح الباری جلد ۷، ص۱۹۲) رسول اللہ کی رحلت کے بعد مسلمانوں میں سراسیمگی کے آثار نمایاں تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ نے دانشمندی سے معاملات کو درست کیا۔ اور ایک مؤثر تقریر سے لوگوں کے جذبات پر قابو پایا۔

حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے وقت اپنا کوئی جانشین نامزد نہ فرمایا۔ اس لئے آپ کی تجہیز وتکفین سے پہلے ہی منافقین کی سازش سے آپ کی جانشینی کا مسئلہ چھڑ گیا۔ انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر جانشینی کا دعویٰ کیا۔ یہ مسئلہ ایک ایسے نازک وقت چھڑا تھا کہ اگر فوراً اس کا تدارک نہ کیا جاتا۔ تو بڑی نازک صورتِ حال پیدا ہو جاتی اور عجب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی اسلام کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کو بر وقت اس کی اطلاع ہو گئی۔ آپ فوراً حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے۔ بات بہت طول پکڑ گئی۔ انصار کہنے لگے۔ کہ ہم اپنا امیر الگ بنانا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف قریش بھی یہی چاہتے تھے۔ اس نازک موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے نہایت نرمی سے انصار کو سمجھایا

Marfat.com

کہ ـــــ "مجھے تم لوگوں کے فضائل اور تمہارے جذبات اسلامی سے انکار نہیں لیکن عرب قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کی سیادت تسلیم نہیں کر سکتے"۔ علاوہ ازیں مہاجرین سابق الاسلام ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاندانی تعلق کی بناء پر آپ کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ ابو عبیدہ رض اور عمر رض بن الخطاب موجود ہیں۔ ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو، بیعت کرو"۔

یہ سنتے ہی حضرت عمر رض نے حضرت ابوبکر رض کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر فرمایا۔ کہ "آپ ہم سب میں بزرگ، ہم سب میں بہتر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے مقرب ہیں۔ اس لئے ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں۔ (بخاری جلد اوّل)

حضرت ابوبکر رض کی شخصیت ہر طبقہ میں ایسی محترم تھی۔ کہ اس انتخاب پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مسلمان بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ اس طرح حضرت ابوبکر رض کی برمحل تقریر اور بیعت میں حضرت عمر رض کی پیش قدمی سے ایک زبردست انقلاب ہوتے ہوتے بچ گیا۔ اس کے دوسرے دن سہ شنبہ کو مسجد نبوی میں عام اجتماع ہوا۔ حضرت عمر رض نے اٹھ کر حضرت صدیق رض کے فضائل بیان فرمائے اور ان کی بیعت کی تحریک کی۔ اسلام کے ایک ایک نیاز مند نے کمال جذب و اشتیاق اور فرط ارادت و عقیدت میں آپ کی بیعت کی۔

خطبۂ خلافت

بیعت ہو چکی۔ تو صدیق اکبر رض نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد حاضرین سے یوں خطاب کیا۔

"اے لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں۔ حالانکہ میں تمہاری جماعت میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں۔ تو میری اطاعت کرو۔ اور اگر غلط راستہ چلوں، تو مجھے سیدھا کرو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے۔ یہاں تک کہ میں دوسروں سے اس کا حق نہ دلا دوں، اور تم میں سے قوی ترین شخص میرے نزدیک کمزور ہے۔ حتیٰ کہ اس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں۔ یاد رکھو،

Marfat.com

جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے خدا اس کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے۔ خدا اس کو عام مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اگر میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳۔ تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ ۲۲۴)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ اسلامی جمہوریت کی اساس ہے۔ اس خطبہ میں وہ اصول بیان کر دیے گئے ہیں۔ جن پر نہ صرف حضرت ابو بکرؓ نے ہمیشہ عمل کیا۔ بلکہ آنیوالے خلفاء کے لیے بھی مشعل راہ کا کام دیتے ہیں۔ اس خطبہ سے واضح ہوتا کہ :۔

۱۔ اسلامی حکومت عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ہوتی ہے، لہٰذا عوام کو اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے۔

۲۔ حکومت کا کام عوام کی حفاظت کرنا ہے تاکہ کوئی کمزوروں پر ظلم اور زیادتی نہ کر سکے۔

۳۔ اسلامی ریاست میں احکام خداوندی پر عمل ہونا چاہیئے۔ اگر خلیفہ بھی ان کو نظر انداز کر دے تو لوگوں پر اس کی اطاعت واجب نہیں رہتی۔

۴۔ دنیا میں وہی قوم عزت کی زندگی بسر کر سکتی ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے تیار رہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی مشکلات

حضرت ابو بکرؓ کو آغاز خلافت سے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ہر موقع پر آپ کی خداداد فراست اور بصیرت نے ایک ایک کر کے پیش آمدہ مصائب کا حل تلاش کر لیا۔

۱۔ فتنہ ارتداد :۔ سب سے پہلی مصیبت فتنہ ارتداد کی تھی جب حضورؐ کی وفات کی خبر سارے عرب میں پھیلی تو بعض قبائل عرب جن کے دل میں اسلام

Marfat.com

نے اچھی طرح گھر نہیں کیا تھا اسلام سے برگشتہ ہو گئے۔

۲۔ انکارِ زکوٰۃ :۔ بہت سے قبائل ایسے تھے جنہوں نے زکوٰۃ دینا بند کر دیا، اور اس سے صاف انکار کر دیا۔ اگرچہ وہ اسلام پر قائم رہے مگر وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کو محکومی کی علامت تصور کرنے لگے۔

۳۔ جھوٹے نبیوں کا ظہور :۔ بہت سے جھوٹے نبی مثلاً طلیحہ، مسیلمہ کذاب، اسود عنسی اور سجاح بنتِ حارث نمودار ہو گئے اور لوگوں کو اپنی اپنی نبوت کی دعوت دینے لگے۔

۴۔ بیرونی خطرات :۔ جنگ موتہ میں مسلمانوں کی ناکامی کے باعث سرحدیں غیر محفوظ ہو گئی تھیں اور کسی وقت بھی بیرونی حملہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا جنگ موتہ کا انتقام لینا بھی بہت ضروری تھا۔

یہ تمام مشکلات تھیں جو حضرت ابوبکرؓ کو آغازِ خلافت ہی میں پیش آئیں۔ آپ نے بڑی استقامت، پامردی اور جرأت و ہمت سے ان تمام مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور سیاسی تدبر، ایمانی بصیرت، دوراندیشی اور اسلامی جذبہ سے ایک ایک کر کے سب مشکلات کو سر کر لیا۔

فتنۂ ارتداد کے اسباب

۱۔ آزاد پسندی :۔ عرب قبائل طبعاً آزادی پسند واقع ہوئے تھے۔ وہ کسی حکومت کے ماتحت رہنا جانتے ہی نہ تھے۔ جب عرب میں اسلام آیا تو اس نے پرانا قبائلی نظام توڑ کر قبائل کو مدینہ کی مرکزی حکومت کے ماتحت کر دیا۔ عرب قبائل اس کو اپنی آزادی کے منافی سمجھتے اور زکوٰۃ کو ایک قسم کا ٹیکس تصور کرتے تھے۔

.... اس لئے بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔

Marfat.com

۲- اسلام سے بے رغبتی :- جو عرب قبائل مدینہ سے زیادہ دُور تھے، وہی زیادہ ارتداد کا شکار ہوئے۔ چونکہ یہ لوگ جدید الاسلام تھے۔ اس لئے اسلامی تعلیمات نے ان کے دلوں میں ابھی تک گھر نہیں کیا تھا۔ دوسری طرف ہادیٔ اکبر صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک ان کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کی طرف پوری طرح توجّہ نہ دے سکے تھے۔ اِس لئے بعض قبائل کی تعلیم ناقص رہ گئی تھی۔ آپ کی وفات پر وہ سمجھے کہ اب اسلام کا راہنما نہیں رہا اور وہ آسانی سے کفر کی طرف لوٹ سکتے ہیں۔

۳- سیاسی اتحاد میں دُشواری :- عرب ایک گنجان اور متمدن ملک نہ تھا۔ عرب لوگ مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ آمد و رفت کی سہولتیں بہت کم تھیں۔ ان سب قبائل کو اتنے قلیل عرصہ میں ایک حکومت کے ماتحت لانا بہت مشکل تھا۔ لہٰذا وہ حکومت سے باغی ہو گئے۔

۴- خانہ ساز نبوّت :- رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کو دیکھ کر کئی خود غرض لوگ یہ سمجھے کہ شاید نبوّت کوئی اختیاری چیز ہے۔ اور نبوّت کا ڈھونگ رچا کر وہ بھی عرب کی سرداری حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کے سر میں نبوّت کا سودا سمایا اور وہ بہت سے لوگوں کو اپنے دامِ فریب میں پھنسانے میں کامیاب ہو گئے۔

۵- غیر مسلموں کی ریشہ دوانیاں :- عرب میں یہودیوں اور عیسائیوں کی تعداد ابھی کافی تھی۔ یہ لوگ اسلام کے شدید مخالف تھے۔ چونکہ علانیہ طور پر مخالفت کی ہمّت نہ تھی۔ اس لئے خفیہ سازشیں کر کے مسلمانوں سے بدلہ لینا چاہا۔ اور فتنہ پردازوں کو خوب اُبھارا۔

۶- بیرونی امداد :- مدعیانِ نبوّت اور باغی عناصر کو بیرونی ممالک سے کافی مدد ملی۔ جس سے ان کی بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔ بحرین کے باغیوں کو کسرائے ایران نے مدد دی۔ مشہور مدعیہ نبوّت سجاح بنت حارث کی شمالی عرب کے عیسائی حکمرانوں نے امداد کی۔

Marfat.com

اس بیرونی امداد نے قبائل کو بغاوت پہ آمادہ کیا اور ان کے حوصلے بڑھا دئیے۔

جیش اُسامہ رضؓ کی روانگی

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے جنگ موئتہ کے شہداء کا انتقام لینے کے لیے ایک لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ اور اس کی کمان پہ حضرت زید بن حارثہ رضؓ کے جواں سال فرزند حضرت اسامہ رضؓ کو مامور کیا تھا جن کی عمر مشکل سترہ سال تھی۔ لشکر ابھی روانہ نہیں ہوا تھا کہ آنحضورؐ نے خلافت کے دوسرے ہی روز حکم صادر فرمایا کہ جیش اسامہ کی تکمیل کی جائے۔ صحابہ کرام رضؓ نے اس حکم کو ناپسند کیا اور کہا کہ جزیرہ عرب میں بغاوت کے آثار نمایاں ہیں۔ مخالف قومیں پھر زور پر زمانے پر تلی ہوئی ہیں۔ ان حالات میں بہتر یہی ہے کہ فوج کو اندرونی خلفشار اور شورش کو دبانے کے لیے ملک ہی میں رکھا جائے۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے ان کا مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا حضرت ابوبکر رضؓ کے نزدیک اندرونی شورشیں اتنی اہم نہ تھیں جتنی غیر ملکی سرحدوں کی مضبوطی اور استحکام۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضؓ نے صحابہ کی مخالفت کے باوجود حضرت اسامہ رضؓ کی سرکردگی میں اسلامی لشکر کو شام کی طرف روانہ کر دیا۔ خود دور تک پاپیادہ الوداع کہنے کے لیے گئے۔ اسامہ گھوڑے پر سوار تھے اور خلیفہ رسول گھوڑے کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے۔ حضرت اسامہ رضؓ نے تعظیماً عرض کیا کہ "اے خلیفہ رسول! خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔ ورنہ میں بھی اترتا ہوں"! حضرت ابوبکر رضؓ بولے۔ "اس میں کیا مضائقہ ہے! اگر میں تھوڑی دیر تک راہ خدا میں اپنے پاؤں غبار آلود کر لوں۔ غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں"۔ (تاریخ طبری صفحہ ۱۸۵)

حضرت ابوبکر رضؓ لشکر سے یوں خطاب کرتے ہیں:۔

"اے لوگو! سنو میں تمہیں دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ انہیں یاد رکھنا۔ (۱) خیانت سے بچنا۔ (۲) وعدہ شکنی نہ کرنا (۳) بزدلی نہ دکھانا (۴) کسی شخص کے اعضاء مت کاٹنا (۵) بچے بوڑھے اور عورت پر ہاتھ نہ اٹھانا (۶) آبادیوں کو نہ اجاڑنا۔

Marfat.com

(۷) کھجور کا درخت نہ کاٹنا اور نہ جلانا، کوئی پھلدار درخت نہ گرانا (۸) مویشیوں کو کھانے کی غرض کے سوا ذبح نہ کرنا (۹) تم خانقاہ نشین راہبوں کے پاس سے بھی گذرو گے۔ انہیں اپنے حال پر رہنے دینا (۱۰) رنگ برنگ قسم قسم کے کھانے برتنوں میں رکھ کر تمہارے پاس لائیں گے۔ انہیں کھاؤ، تو اللہ کا نام لے کر۔" اس کے بعد آپ نے دعا کر کے رخصت کیا۔ ("تاریخ طبری۔ مؤطا امام مالکؒ و ترمذیؒ)

چالیس دن کے بعد یہ مہم اپنا کام پورا کر کے فاتحانہ مدینہ واپس آئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے شہر سے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا۔ اس فتح سے مسلمانوں کی فوجی طاقت اور سیاسی تدبر کی دھاک بیرونی دشمنوں کے دلوں پر بیٹھ گئی۔ ایک طرف تو غیر ملکی حکومتیں خوف کھانے لگیں اور دوسری طرف اندرونِ ملک میں شورش پسند عناصر کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی عسکری قوت ان کو کچل کر رکھ دے گی۔

مدعیانِ نبوت کی سرکوبی

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ اٹھتے ہی عرب کے طول و عرض میں اللہ کے دین کے خلاف بغاوت کے نشان ابھرنے لگے۔ صرف مکہ مدینہ اور طائف کے باشندے ثابت قدم رہے۔ بغاوت اور ارتداد کا یہ فتنہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلا، اور چند روز میں عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گیا۔ مرتدوں اور باغیوں نے اسلامی عمال کو نکال دیا۔ سچے مسلمانوں کو بیدردی سے قتل کرنا شروع کر دیا۔ جو بچ سکے۔ بھاگ کر مدینہ میں پناہ گزین ہوئے۔ کچھ طالع آزماؤں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کو دیکھ کر خانہ ساز نبوت کا ڈھونگ رچایا۔ مختلف قبائل میں کئی جھوٹے نبی پیدا ہو گئے جن میں مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:۔

۱۔ طُلَیحہ بن خُوَیلد:۔ اس کا اصلی نام طلحہ تھا۔ مسلمان اس کو تحقیراً طُلیحہ کہتے تھے۔ بنو اسد کے قبیلہ سے تھا جو قریش کا دیرینہ حریف تھا۔ طُلیحہ نے رسولِ اکرم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں نبوت کا روپ دھار لیا تھا۔ لیکن اس وقت اس کا ذ[illegible]ب [illegible]۔ حضورؐ کی وفات کے بعد سارا قبیلہ اس کے دام میں آگیا۔ اس نے نماز سے سجدہ موقوف [illegible] کہ اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ زکوٰۃ بھی معاف کر دی۔ اس لئے منکرین زکوٰۃ اس کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ طلیحہ نے ایک بہت بڑا لشکر مرتب کر کے مدینہ بھیجا۔ حضرت صدیقؓ لشکر لے کر مقابلہ کے لئے آئے۔ حملہ آور بھاگ نکلے۔ تاہم اس سے طلیحہ کی قوت کا استیصال نہ ہو سکا۔ اتنے میں حضرت اسامہؓ کا لشکر مدینہ واپس آگیا۔ طلیحہ بزاخہ کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ اس کی سرکوبی پر حضرت صدیقؓ نے جناب خالدؓ کو مامور کیا۔ بزاخہ کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا۔ طلیحہ کی فوج نے کچھ دیر تو بہادری کے جوہر دکھائے۔ آخر شکست کھائی۔ طلیحہ کا فریب کھل گیا۔ اور وہ شام کی طرف بھاگ نکلا۔ طلیحہ کچھ دیر بعد مسلمان ہو گیا اور عراق و ایران کی مہموں میں شجاعت کے کارنامے دکھائے۔

۲۔ **مسیلمہ کذاب**:۔ یہ شخص علاقہ یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ کا سردار تھا۔ یہ بڑا اقتدار پرست تھا۔ اس نے یمامہ پر حکومت جمانے کے لیے نبوت کا اعلان کر دیا۔ مسیلمہ مدینہ آیا اور آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ مجھے اپنا جانشین تسلیم کر لیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا، کہ میں احکام خداوندی سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اس شرط پر اگر تم کھجور کی یہ چھڑی بھی مانگو، تو نہ دوں گا۔ (صحیح مسلم)

مسیلمہ نے حرم مکہ کے مقابلہ پر یمامہ میں ایک حرم بنوایا۔ اس میں لٹیروں اور غارت گروں کو پناہ ملتی تھی۔ (تاریخ طبری)

حضرت ابوبکرؓ نے مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ اور عکرمہؓ بن ابی جہل کو الگ الگ راستوں سے بھیجا اور ہدایت کی کہ دونوں یکجا ہو کر حملہ کریں۔ عکرمہؓ اس دھن میں کہ فتح تنہا ان کے حصہ میں آئے اکیلے مسیلمہ سے جا الجھے، مگر پسپا ہونا پڑا۔ اب شرحبیل کی فوج مسیلمہ کے مقابلہ میں آئی۔ انہیں بھی حضرت خالدؓ کے انتظار کا حکم تھا۔ لیکن عکرمہؓ کی طرح جلدی کی اور

Marfat.com

شکست کھا کر پیچھے ہٹ آئے اور خالدؓ کے ساتھ مل گئے .... حضرت خالد کے پہنچنے پر گھمسان کا رن پڑا اور خون کی ندیاں بہہ نکلیں شروع میں دشمن نے بہت زور مارا۔ خالدؓ کی فوج پیچھے ہٹی، اور پلٹ کر زوردار حملہ کیا۔ تمام سپاہ نے جان کی بازی لگا دی اور بنو حنیفہ کے منہ پھیر دئے۔ پاس ایک باغ تھا مسیلمہ لشکر کو لے کر اس میں گھس گیا اور دروازے بند کر کے محصور ہو گیا بعض مجاہد دیوار پر سے کود کر اندر جا پہنچے اور دروازہ کھول دیا۔ حضرت خالدؓ کی فوج حرکت میں آئی اور جھوٹے نبی کے ساتھی گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے۔ سید الشہدا حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی نے جس حربہ سے ان کو شہید کیا تھا اسے صیقل کر کے رکھ چھوڑا تھا کہ جب بھی موقع ملا اس سے مسیلمہ کو ہلاک کروں گا۔ آج اس نے دیکھا کہ مسیلمہ دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہے۔ اس نے تاک کر حربہ پھینکا جو اس کی چھاتی سے پار ہو گیا۔ ایک انصاری نے بڑھ کر مسیلمہ کی کھوپڑی پر تلوار کا وار کیا اور اسے ڈھیر کر دیا۔ مسیلمہ کی فوج بھاگ نکلی۔ (بخاری، باب الغزوات)

اس جنگ میں مسیلمہ کے اکیس ہزار آدمی مارے گئے۔ بارہ سو مسلمانوں نے شہادت پائی جن میں بہت سے حافظِ قرآن بھی تھے۔

۳۔ اسود عنسی :۔ اس کا اصلی نام عبہلہ تھا۔ یہ یمن کے قبیلہ عنس سے تعلق رکھتا تھا سیاہ فام ہونے کی وجہ سے اسے اسود عنسی کہتے تھے۔ اس نے جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ یمن کے علاقہ سے مسلم عمال کو نکال کر اپنی حکومت قائم کر لی۔ اتفاق سے اس کے چند پیرو مسلمان سرداروں کے ساتھ مل گئے۔ اسود کو ابھی چار ماہ بھی حکومت کرنا نصیب نہ ہوا تھا کہ نشہ کی حالت میں اسے ذبح کر دیا گیا۔ یہ واقعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک دن قبل پیش آیا۔ خلافتِ صدیقی میں فتح کی جو پہلی نوید پہنچی وہ یہ تھی۔ (تاریخ طبری)

۴۔ سجاح بنتِ حارث :۔ جھوٹی نبوت کی ابتدائی کامیابیاں اس قدر مسرت افزا تھیں کہ عورتوں کے دماغ میں بھی نبوت کا سودا سمایا۔ چنانچہ قبیلہ تمیم کی ایک شاخ بنو ... کی ایک حوصلہ مند عورت سجاح بھی نبی بن بیٹھی۔ لوگ جوق در جوق اس کے پیرو ہو گئے۔ بنو تمیم کے

Marfat.com

ناموسردار مالک بن نویرہ نے آنحضورؐ کی وفات کے بعد مرتد ہو کر سجاح کی مریدی اختیار کی۔ سجاح نے اپنی قوت بڑھانے کے لئے مشہور مدعیٔ نبوت مسیلمہ کذاب سے شادی کر لی۔ حضرت خالدؓ جب سجاح کی سرکوبی کے لئے بنو تمیم میں پہنچے تو اسے غائب پایا۔ بنو تمیم نے حضرت خالد کے آگے ہتھیار ڈال دئے۔ اور اسلام لے آئے۔ حضرت خالدؓ نے انہیں معاف کر دیا۔

اسی طرح عرب کے دوسرے حصوں میں بھی قبائل کو مطیع کیا گیا۔ علاءؓ بن الحضرمی نے بحرین کے قبائل کو زیر کیا۔ عکرمہؓ نے حذیفہؓ سے مل کر عمان کے باغیوں کو شکست دی۔ اس کے بعد حضرموت اور یمن کے باغیوں کا مقابلہ کیا۔

منکرینِ زکوٰۃ کی گوشمالی

مدعیانِ نبوت اور مرتدین کی گوشمالی کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ منکرینِ زکوٰۃ کی طرف متوجہ ہوئے۔ منکرینِ زکوٰۃ کو جہاد کا الٹی میٹم دے دیا۔ ان کے خلاف فوجیں بھیجیں اور سب قبائل سے زکوٰۃ کی رقم وصول کی۔ زکوٰۃ کے معاملہ میں آپ نے کسی قسم کی رعائت دینے سے انکار کر دیا۔ اس مستقل مزاجی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض قبائل خود آ کر زکوٰۃ کی رقم بیت المال میں جمع کرانے لگے۔

اس طرح اپنے حسنِ تدبر اور عزم واستقلال کے باعث حضرت ابوبکرؓ نے ایک سال کے عرصہ میں اس بڑے فتنہ کو دبا دیا۔ سرکش قبائل ایک مرتبہ پھر دائرہ اسلام میں آگئے۔ اس شورش کے درمیان حضرت ابوبکرؓ نے لشکروں کی تیاری، قائدینِ لشکر کا انتخاب اور لشکر کی نقل وحرکت کے متعلق ضروری ہدایات کے سلسلہ میں جس دانشمندی اور تدبر کا ثبوت دیا وہ تاریخ اسلام میں ایک عظیم کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

تدوینِ قرآن

مسیلمہ کذاب کے فتنہ کو دبانے کے لئے جو جنگ یمامہ میں ہوئی تھی اس میں بہت سے حفاظِ قرآن شہید ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے سوچا اگر جنگوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو بہت ممکن ہے، قرآن کے اجزاء ضائع ہو جائیں۔ لہٰذا قرآن حکیم کو ایک جگہ لکھ لینا چاہیئے تاکہ قرآن کا وہ تحریری سرمایہ جو آنحضورؐ

Marfat.com

کے سامنے تحریر کیا گیا تھا۔ ضائع ہونے سے بچ جائے۔ حضرت ابوبکر رضؓ کو اس میں تامل ہوا کہ جو کام آنحضورؐ نے نہیں کیا میں اسے کیوں کر انجام دوں۔ فاروق اعظم رضؓ کے اصرار سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ذہن میں آخر یہ بات آگئی۔ چنانچہ انھوں نے حضرت زید بن ثابت کو جو عہدِ نبوت میں کاتبِ وحی تھے یہ خدمت تفویض کی۔ حضرت زیدؓ نے نہائیت کوشش و احتیاط کے ساتھ تمام متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدوّن کیا۔ وہ صحیفہ حضرت ابوبکر رضؓ کے پاس محفوظ رہا۔ جب حضرت عمر رضؓ خلیفہ قرار پائے تو انہوں نے یہ نسخہ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضؓ کے حوالے فرما دیا اور وصیت کر دی کہ کسی شخص کو نہ دیں۔ البتہ جو شخص نقل کرنا چاہیے یا اپنا نسخہ صحیح کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضؓ نے اپنے عہد میں حضرت حفصہ رضؓ سے عاریتاً لے کر چند نسخے نقل کرائے۔ اور اطرافِ ملک میں بھجوا دیئے ۔۔۔ اصل نسخہ حضرت حفصہ رضؓ سے لینا چاہا لیکن انہوں نے دینے سے انکار کر دیا اور تا حیات اپنے پاس محفوظ رکھا۔ ان کے انتقال کے بعد مروان نے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے لے کر ضائع کر دیا۔

(فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱)

قرآن کریم کے متفرق اجزاء کو ایک کتاب کی صورت میں مدوّن کرنا حضرت ابوبکر رضؓ کا عظیم احسان ہے۔ جس سے امتِ مسلمہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ کارنامہ انجام نہ دیتے، تو امت کا شیرازہ بکھر جاتا اور اس کی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی۔

فتوحات

عرب و عجم کے تعلقات

جزیرہ نمائے عرب کی سرحد دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے ٹکراتی تھی۔

ایک طرف شام پر رومی پھریرا لہرا رہا تھا۔ دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان کا تسلط تھا

Marfat.com

ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں نے ہمیشہ کوشش کی کہ عرب کے آزاد اور جنگجو باشندوں پر اپنی حکمرانی کا سکہ جمائیں۔ خصوصاً ایرانی سلطنت نے اس مقصد کے لئے بارہا عظیم الشان قربانیاں برداشت کیں۔ بڑی بڑی فوجیں اس مہم کو سر کرنے کے لئے بھیجیں۔ بعض اوقات اس نے عرب کے ایک وسیع خطہ پر تسلط بھی قائم کر لیا۔ چنانچہ شاپور بن اردشیر جو سلطنتِ ساسانیہ کا دوسرا فرماں روا تھا اس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگذار ہو گئے تھے۔ لیکن عرب کی آزاد اور غیور فطرت دب کر رہنا نہ جانتی تھی۔ اس لئے جب کبھی موقع ملا بغاوت برپا ہو گئی۔ یہاں تک کہ چند بار خود عربوں نے عراق پر قابض ہو کر اپنی ریاستیں قائم کیں۔ چنانچہ سلاطینِ یمن کے علاوہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں آباد ہو کر ایک مستقل حکومت قائم کر لی اور اس کے ایک فرماں روا عمر بن عدی نے حیرہ کو دارالسلطنت قرار دیا۔

غرض عرب و ایران کے تعلقات نہایت قدیم تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک باہم چھیڑ چھاڑ چلی آتی تھی۔ سنہ ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے تو پرویز شہنشاہِ ایران نے اسی قدیم عناد کی بنا پر نامۂ مبارک کو پھاڑ کر پھینک دیا اور برہم ہو کر کہا "میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے"۔ (طبرانی)

رومی سلطنت سے بھی عربوں کا نہایت دیرینہ تعلق تھا۔ عرب کے بہت سے قبائل شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ اور رفتہ رفتہ عیسائی مذہب قبول کر کے ملک شام میں بڑی بڑی ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ اسی مذہبی تعلق کے باعث ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہو گئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکینِ عرب کی طرح حدودِ شام کے عرب عیسائیوں نے بھی سر اٹھایا۔ سنہ ھ میں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ قیصرِ روم کو دعوتِ اسلام کا پیغام دے کر واپس آ رہے تھے تو شامی عربوں نے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حارث بن عمیر کو بصریٰ کے حاکم عمر بن شرحبیل نے قتل کرا دیا۔ سنہ ھ میں غزوہ مؤتہ اسی قتل و غارت گری کا انتقام تھا جس میں بڑے بڑے صحابہ کام آئے۔ (طبقات ابن سعد)

Marfat.com

سنہ ۹ھ میں رومیوں نے خاص مدینہ پر فوج کشی کی تیاریاں کی تھیں۔ لیکن جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش قدمی کرکے مقام تبوک تک پہنچ گئے تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور عارضی طور پر لڑائی رک گئی۔ تاہم مسلمانوں کو ہمیشہ شامی عربوں اور رومیوں کا خطرہ دامنگیر تھا۔ چنانچہ سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حفظ ماتقدم کے خیال سے حضرت اسامہ بن زید رضؓ کو شام کی مہم پر مامور فرمایا تھا۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب ہمیشہ سے اپنی دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ اسلام کی روز افزوں ترقی نے ان کی آتش حسد کو اور بھڑکایا۔ خلیفہ اوّل نے ان ہی اسباب کی بنا پر اندرونی جھگڑوں سے فراغت پاتے ہی بیرونی دشمنوں سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

عراق پر فوج کشی کے اسباب

قبل ازیں واضح کیا جا چکا ہے۔ کہ عربوں اور ایرانیوں کے تعلقات شروع ہی سے کشیدہ تھے۔ اکثر عرب قبائل اور ایرانیوں کی فوجوں میں جھڑپوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ عرب جب بھی شاداب علاقوں کی تلاش میں شمال کی طرف بڑھتے ایرانی اور عیسائی حکومتوں سے ٹکر ہوتی تھی۔ ایرانی عربوں کو وحشی، پسماندہ اور سیاسی اعتبار سے ذلیل سمجھتے تھے اور ان کی لوٹ مار سے سخت پریشان رہتے تھے۔ اس غارت گری کی سزا دینے کے لیے وہ حملے بھی کیا کرتے تھے۔ ایرانیوں نے ایران اور عرب کی سرحد پر ایک چھوٹی سی عرب ریاست قائم کرائی تھی جس کا صدر مقام حیرہ تھا۔ تاکہ ایرانی سلطنت میں عربوں کی لوٹ مار کو روکا جا سکے لیکن تمام کوششوں کے باوجود ایرانی عرب قبائل کو مطیع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور عرب ہمیشہ ان کے تسلط سے آزاد رہے۔

ساتویں صدی میں جب اسلام کی بدولت تمام عرب قبائل متحدہ ہو کر ایک قوم بن گئے تو ایرانی ان سے کھلم کھلا دشمنی کا اظہار کرنے لگے۔ یہ معاندانہ رویہ عرب اور ایران کی

Marfat.com

جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور اسی لیے مسلمانوں نے ایران کو فتح کیا۔ ایرانیوں کی نفرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایرانی بادشاہ خسرو پرویز نے آنحضرتؐ کا نامۂ مبارک یہ کہہ کر چاک کر دیا کہ (خاکش بدہن) میرا غلام ہو کر مجھے اس طرح خطاب کرتا ہے۔ اور اپنے یمن کے گورنر کو حکم بھیجا کہ اس مدعیٔ نبوت کو گرفتار کر کے اس کے پاس بھیج دے۔ اس طرح کی باتوں سے عرب اور بھڑک گئے۔ اور ایرانیوں کو ان کے غرور کا مزا چکھانے کے لئے مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔

ایرانی عربوں کے اتحاد سے ناخوش تھے اور اس نوزائیدہ مملکت کو ختم کرنے کی سازشیں کر رہے تھے۔ عرب کے بعض عیسائی قبائل ایران کی سرحد میں جا کر آباد ہو گئے۔ اور ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے لگے۔ ایرانیوں کی دشمنی کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرب سرحدوں کو مضبوط کرنا شروع کر دیا۔

کشمکش کا آغاز

اس عرصہ میں ایرانیوں نے عربوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ جب بنو بکر کے قبیلہ نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی تو سلاطین حیرہ نے جو ایران کے ماتحت تھے بنو بکر کی امداد کی بشاہِ ایران نے بھی اپنی فوج کے کچھ دستے بنو بکر کی مدد کے لئے بھیج دئے۔ یہ کارروائی سراسر کسی ملک میں بے جا مداخلت تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے سرحد کی حفاظت کے لئے مثنیٰؓ شیبانی کو بھیجا جو قبیلہ وائل کی شاخ بنو شیبان کے سردار تھے۔ مثنیٰ اسلام لا چکے تھے اور انہوں نے مرتدین کی سرکوبی میں بڑا نام پایا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ تنہا اس عظیم الشان حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لئے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ فوج کشی کی اجازت حاصل کی اور اپنے تمام قبیلہ کو لے کر ایرانی سرحد میں گھس گئے۔ اس وقت تک حضرت خالدؓ مدعیانِ نبوت اور مرتدین کی بیخ کنی سے فارغ ہو چکے تھے۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو اٹھارہ ہزار فوج کے ساتھ مثنیٰؓ کی

Marfat.com

کمک پر روانہ فرما دیا۔ حضرت خالدؓ نے ایرانی گورنر ہرمز کو لکھا۔

"اسلام اور جزیہ میں کسی ایک کو قبول کر لو۔ اگر تم نے دونوں باتوں سے انکار کیا تو نتائج کی ذمہ داری تم پر عائد ہو گی۔ تمہارا سابقہ ایسے لوگوں سے ہے۔ جو موت سے اتنا ہی پیار کرتے ہیں جتنا تم زندگی سے کرتے ہو۔"

جنگ کاظمہ

ہرمز اس خط کو دیکھ کر بہت گھبرایا۔ اور وہ خط اس نے شاہِ ایران کو بھیج دیا اور خود فوج لے کر نکلا۔ جب دونوں فوجیں میدان میں صف آرا ہوئیں تو ہرمز نے حضرت خالدؓ کو مقابلے کی دعوت دی۔ حضرت خالدؓ ایرانی سپہ سالار کی دعوت قبول کرتے ہوئے گھوڑے سے نیچے اتر آئے۔ ایک ہی وار میں ہرمز کا سر تن سے جدا کر دیا۔ مقابلہ کی تاب نہ لا کر ایرانی سپاہی بھاگ نکلے۔ مسلمان فوج نے دریائے فرات کے پل تک ان کا تعاقب کیا۔ اب اسی مقام پر بصرہ آباد ہے۔ سرزمین عراق میں مسلمانوں کی یہ پہلی فتح تھی۔

اس جنگ کو ذات السلاسل (زنجیروں والی جنگ) بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ایرانی سپاہیوں نے زنجیریں باندھ رکھی تھیں۔ تاکہ میدان چھوڑ کر بھاگ نہ سکیں۔ حضرت خالدؓ نے جنگ کے بعد ان زنجیروں کو اکٹھا کیا تو ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔ اس لڑائی کو جنگ کاظمہ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ جنگ، مقام کاظمہ کے پاس ہوئی تھی۔ اس جنگ سے مسلمانوں کو بہت مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ اس میں ایک ہاتھی بھی مدینہ میں آیا۔ اسے شہر کی گلیوں میں پھیرایا گیا تاکہ لوگ اسے دیکھیں۔ بوڑھی عورتوں نے اسے مصنوعی سمجھا اور از راہِ حیرت کہا کیا یہ اللہ ہی کی مخلوق ہے؟ اسے واپس عراق بھیج دیا گیا۔

(تاریخ طبری)

۲۔ جنگ مذار

مثنیٰؓ دشمن کی شکست خوردہ فوج کا تعاقب کرتے ہوئے مدائن تک پہنچنے کا ارادہ رکھتے تھے کہ راستہ میں جاسوس

Marfat.com

نے بتایا کہ دشمن کا ایک بہت بڑا لشکر مقابلہ کے لیے مدائن سے آرہا ہے۔ مثنیٰ نے مناسب سمجھا کہ مقام مذار کے قریب پڑاؤ کر کے کمک کا انتظار کیا جائے۔ مذار اس نہر کے کنارے پر واقع ہے جو دریائے دجلہ اور فرات کو ملاتی ہے۔ جب حضرت خالدؓ کو دشمن کے اجتماع کی خبر پہنچی تو حضرت خالد اپنی فوج ظفر موج لے کر برق رفتاری سے مذار پہنچے۔ ہرمز کے قتل سے ایرانی فوج میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ جب دونوں فوجیں مقابلہ پر آئیں۔ تو مسلمان مجاہدوں نے اس بے جگری سے حملہ کیا کہ ایک ہی ریلے سے ایرانی سپاہیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ ایرانیوں کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ایرانی فوجیں میدان چھوڑ کر بھاگ نکلیں مسلمانوں نے تعاقب کیا۔ مگر دشمن نے کشتیوں میں سوار ہو کر راہِ فرار اختیار کی۔ جنگ مذار میں بڑا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ حضرت خالدؓ نے کچھ عرصہ مذار میں قیام فرمایا۔

۲۔ جنگ دلجہ

جب شاہِ ایران کو دوسری شکست کی خبر پہنچی تو اس نے مناسب خیال کیا کہ عربوں کے مقابلہ کیلئے عرب قبائل کی مدد حاصل کی جائے۔ سرحد عراق پر کئی عرب قبائل آباد تھے جو عیسائی مذہب رکھتے تھے چنانچہ کسریٰ نے ان کی امداد حاصل کی اور ایک فوج تیار کر کے ان میں سے ایک سپہ سالار کے زیر قیادت مقام دلجہ کی طرف روانہ کر دی۔ نیز اپنا ایک مایہ ناز سپہ سالار بہمن جاذویہ ان کی امداد اور نگرانی کے لئے بھیج دیا۔ راستہ میں حیرہ اور دلجہ کے کسان بھی اس لشکر میں شامل ہو گئے۔ حضرت خالدؓ کو جب اس لشکر کی آمد کا حال معلوم ہوا۔ تو خود لشکر لے کر دلجہ کی طرف چل دئے۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے کو شکست دینے اور مر مٹنے کا عزم لئے میدانِ جنگ میں اتر پڑیں۔ معرکہ کارزار گرم ہوا۔ دونوں فوجیں سر دھڑ کی بازی لگائے آگے بڑھنے کی کوشش میں دادِ شجاعت دینے لگیں۔ تھوڑے عرصہ کے لئے فتحمندی مشکوک ہو گئی۔ حضرت خالدؓ نے دو سالاروں کو متعین کر رکھا تھا کہ وہ دشمن کے پیچھے گھات میں بیٹھے رہیں اور دورانِ جنگ میں پیچھے سے حملہ کر کے دشمن کو پریشان کریں۔

Marfat.com

چنانچہ حضرت خالدؓ نے سامنے سے بڑے زور کا حملہ کیا۔ پیچھے سے مسلمان سپہ سالاروں نے بھی کمین گاہ سے نکل کر کسریٰ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ دشمن کے طوطے اُڑ گئے اور کسریٰ کی فوج میں ایک بھگدڑ مچ گئی اور وہ ایک دوسرے کو روندتے ہوئے بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہزیمت خوردہ فوج کو قتل کرنا شروع کیا۔ بہت سے سپاہی قیدی بنا لیے۔ مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔

۴۔ جنگِ اُلّیس

جب مسلمان فتح و کامرانی کی خوشیاں منا رہے تھے۔ دوسری طرف شکست خوردہ عیسائی قبائل اور آتش پرست ایرانی شکست کا داغ دھونے کے لئے فوج جمع کر کے جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ عیسائی عربوں اور ایرانیوں کا ایک بھاری لشکر حیرہ اور اُبلہ کے درمیان مقام اُلّیس پر جمع ہوا۔ ایرانی سپہ سالار بہمن جاذویہ نے اپنی فوج جابان نامی سپہ سالار کے سپرد کر کے اُلّیس کی طرف روانہ کر دی اور خود کسریٰ ایران سے مشورہ کرنے کے چلا گیا۔ ادھر حضرت خالدؓ کو جب دشمن کی تیاری کی خبر ملی۔ تو لشکر لے کر چل پڑے۔ اور الّیس پہنچ کر لڑائی شروع کی۔ پہلے عیسائی مقابلہ پر آئے۔ حضرت خالدؓ کے ایک ہی وار میں ان کی صفوں میں بدنظمی پھیل گئی۔ یہ دیکھ کر جابان ایرانی سپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھا۔ ایرانی فوج اس قدر بہادری اور استقلال سے لڑی کہ حضرت خالدؓ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ مسلمانوں نے بار بار حملہ کیا لیکن ایرانیوں نے ہر بار مسلمانوں کے حملہ کو ناکام بنا دیا۔ بالآخر حضرت خالدؓ نے مادی اسباب و ذرائع کی ناکامی دیکھ کر بارگاہِ ایزدی میں فتح و نصرت کی دعا کی اور یہ عہد کیا کہ:۔

"اے اللہ! اگر تو مجھے دشمنوں پر غلبہ عطا فرمائے تو پھر میں کسی دشمن کو زندہ نہ چھوڑوں گا اور یہ دریا ان کے خون سے سرخ ہو جائے گا۔"

حضرت خالدؓ نے کئی جنگی چالیں چلیں۔ آخر کار دشمن کی صفوں میں انتشار کے آثار رونما ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ دشمنوں کو پکڑ کر قیدی بنا لو اور مقابلہ کرنے والوں

Marfat.com

کے سوا کسی قتل نہ کرو۔ چنانچہ ساری فوج کو قیدی بنا یا گیا۔ وعدہ پورا کرنے کے لئے حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ ان قیدیوں کو دریا کے کنارے لے جاکر قتل کر دیا جائے نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مقتولوں کے خون سے دریا کا پانی سرخ ہو گیا۔ جنگ الّیس میں ستر ہزار کافر مارے گئے (تاریخ طبری)

۵۔ فتح حیرہ

ان فتوحات کے بعد حضرت خالد نے سوچا کہ سرحد ایران کے عیسائی قبائل کی طاقت کو ختم کر دینا چاہیئے۔ اس مقصد کے پیش نظر حضرت خالدؓ نے حیرہ کا قصد کیا۔ حیرہ عیسائی عربوں کی ایک چھوٹی سی ریاست کا صدر مقام تھا۔ یہ عیسائی عرب سلطنت ایران کے باجگذار تھے۔ جب مسلمان فوجیں حیرہ کی طرف بڑھیں تو حاکم حیرہ نے دریائے فرات پر بند باندھ کر ان کی پیش قدمی کو روک دیا۔ بند کی وجہ سے مسلمانوں کی کشتیاں رک گئیں۔ مسلمانوں نے دریا کا بند توڑ کر حیرہ کی طرف بڑھتے ہوئے شاہی محل پر قبضہ کر لیا۔ حضرت خالدؓ کی آمد کی خبر سن کر حاکم حیرہ بھاگ نکلا۔ مگر ان کے فرار کے باوجود اہل شہر نے مقابلہ کی ٹھانی اور شہر کے دروازے بند کر لیے۔ حضرت خالدؓ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ایک عرصے تک محاصرہ جاری رہا۔ بالآخر حضرت خالدؓ نے تین شرائط پیش کرتے ہوئے اہل حیرہ کو اختیار دیا۔ کہ وہ کوئی ایک شرط قبول کر لیں۔

۱۔ اسلام قبول کر لو۔ ہمارے تمہارے حقوق و فرائض مساوی ہوں گے۔

۲۔ اسلام قبول نہیں کرتے تو جزیہ ادا کرو۔

۳۔ اگر دونوں شرطوں میں سے کوئی قبول نہیں کرتے، تو میدان جنگ میں اتر کر مقابلہ کرو۔

شہر والوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔ اور ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ ادا کرنے کرنے پر صلح ہو گئی۔ حضرت خالدؓ نے جو عہدنامہ اہل حیرہ کو لکھ دیا۔ اس میں تحریر تھا:۔

"اہل حیرہ ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے۔ اس کے عوض ہم ان کی حفاظت کریں گے۔ اور اگر ہم حفاظت نہ کر سکیں۔ تو جزیہ کی رقم ان سے وصول نہیں کی جائے گی۔ اگر وہ عہد شکنی کریں تو ہم بری الذمہ ہیں۔"

Marfat.com

حضرت خالدؓ نے حیرہ کو فوجی مرکز بنا کر وہاں قیام اختیار کیا۔ بلادِ عرب سے باہر اسلامی مرکز بننے کا شرف سب سے پہلے شہر حیرہ کو ملا۔ مسلمانوں کی فتوحات اور حضرت خالد کا حسنِ سلوک اور عدل و انصاف دیکھ کر حیرہ کے آس پاس کے لوگوں نے بھی جزیہ ادا کر کے صلح کر لی۔ اس طرح جنوبی عراق پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

دیگر مقامات کی تسخیر

حیرہ کی فتح عراق کی فتح کی طرف پہلا قدم تھا۔ اب حضرت خالدؓ نے شمالی عراق کی طرف توجہ دی۔

اس وقت ایرانی فوجیں انبار کے قلعے میں مقیم تھیں مسلمانوں نے انبار پر حملہ کیا لیکن مسلمانوں نے مناسب شرائط پر صلح کر لی۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ عین التمر کی طرف بڑھے۔ اس شہر کی حفاظت کے لیے شاہِ ایران نے مشہور پہلوان اور سپہ سالار بہرام چوبین کو مقرر کیا۔ عیسائی عرب قبائل بھی اس کی فوج میں موجود تھے۔ بہرام نے مسلمانوں کا سخت مقابلہ کیا۔ حضرت خالدؓ نے ان کے سردار کو گرفتار کر لیا۔ اس پر انہوں نے ہتھیار ڈال دئے۔

اس کے بعد حضرت خالد دُومۃُ الجندل کی طرف بڑھے جس کا محاصرہ حضرت عیاض بن غنم کر رہے تھے۔ جن کو حضرت ابو بکرؓ نے شمالی عراق کی طرف بھیجا تھا۔ خالدؓ کے وہاں پہنچتے ہی وہ بھی فتح ہو گیا۔ یہاں زیادہ تر عیسائی مقیم تھے۔ ان کو ان کی عہد شکنی کی سزا دی گئی۔

اس اثنا میں حضرت ابو بکرؓ نے حضرت خالدؓ کو شامی محاذ پر جانے کا حکم دیا اور وہ آدھی فوج لے کر شام کی طرف چل دئے۔ اور اپنے بعد مثنیٰ کو اپنا قائم مقام بنا گئے۔ جب ایرانیوں کو معلوم ہوا: کہ عراق میں مسلمانوں کی فوج آدھی رہ گئی ہے تو انہوں نے عراق کو واپس لینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے دس ہزار ایرانی فوج کو مقابلہ کے لیے بھیجا۔ مثنیٰ نے بابل کے مقام پر اس کو شکست دی اور مزید مدد کی درخواست کے لئے خود مدینہ پہنچے جس دن مثنیٰ مدینہ پہنچے اس دن حضرت ابو بکرؓ مرضِ موت میں مبتلا تھے۔ مثنیٰ کو دیکھتے ہی آپ

Marfat.com

نے حضرت عمرؓ کو تاکید کی کہ ان کی ہر ممکن مدد کی جائے۔

فتح شام

وجوہ و اسباب

عربوں کی دوسری ہمسایہ سلطنت روم تھی۔ اس زمانہ میں شام بھی سلطنت روم کا حصّہ تھا۔ رومی عربوں سے دشمنی رکھتے تھے۔ ان کی عداوت مذہبی تھی۔ ظہور اسلام سے یہ مخالفت اور بڑھ گئی کیونکہ وہ اسلام کو عیسائی مذہب کے لئے خطرہ سمجھنے لگے تھے۔ چنانچہ انھوں نے آنحضرت صلعم کے سفیر دحیہ کلبیؓ کو واپسی پر لوٹ لیا تھا۔ دوسرے سفیر حارث بن عمرؓ کو غسانی حکمران شرجیل نے شہید کر دیا تھا۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچنا ضروری سمجھا لیکن عیسائیوں نے مقابلہ نہ کیا۔ اس کے بعد بھی چونکہ رومی خطرہ برابر موجود تھا۔ اس لئے آپ اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں ایک مہم بھیجنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے خلیفہ بنتے ہی اسامہ بن زیدؓ کو ایک لشکر کے ساتھ سرحد شام پر بھیج کر آنحضرتؐ کے ارادے کی تکمیل کی تھی۔ ایرانی مہمات کے موقع پر عیسائی قبائل نے بار بار ایرانیوں کی مدد کر کے اور خود حضرت خالدؓ کے لشکر سے ٹکرا کر اس بات کا ثبوت پیش کر دیا کہ وہ مسلمانوں کی دشمنی میں پیش پیش ہیں۔ چونکہ رومی مسلمانوں کی سلطنت کو ہمیشہ کے لئے مٹانے کی تاک میں تھے اور ان کے حملہ کا ہر وقت خطرہ تھا اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے شمالی سرحدوں کو مضبوط کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ چنانچہ آپ نے خالد بن سعیدؓ کو ایک فوجی دستہ دے کر سرحدوں کی حفاظت کے لئے مقرر کیا اور صرف مدافعتی کاروائی کا حکم دیا۔ مگر عیسائیوں نے اپنے جارحانہ اقدام سے حضرت خالدؓ کو لڑنے پر مجبور کر دیا۔ مسلمانوں نے کئی بار رومیوں کو مار کر اندرون شام تک

Marfat.com

بھگا دیا۔ خالدؓ بن سعید کی درخواست پر حضرت ابوبکرؓ نے عکرمہؓ بن ابوجہل کو شام روانہ کیا۔ خالد بن سعید کو جب عکرمہؓ کی آمد کی خبر ملی۔ تو وہ شام کے اندر گھس گئے۔ مگر رومی جرنیل باہان کے ہاتھوں شکست کھائی۔ خوش قسمتی سے عکرمہ نے وقت پر پہنچ کر مسلمانوں کو تباہی سے بچا لیا۔ اس شکست کی اطلاع ملنے پر حضرت ابوبکرؓ نے ۱۳ھ میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کے بعد شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا انتظام کیا اور ہر ایک علاقہ کے لئے علیحدہ علیحدہ فوج مقرر کر دی۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ حمص پر، یزید بن ابی سفیان دمشق پر، شرحبیل بن حسنہ اردن پر، اور عمرو بن العاص فلسطین پر مامور ہوئے۔ مجاہدین کی مجموعی تعداد ستائیس ہزار تھی۔ ان سرداروں کو سرحد سے نکلنے کے بعد قدم قدم پر رومی جتھے ملے جن کو قیصر نے پہلے ہی الگ الگ ایک سردار کے مقابلہ میں متعین کر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر افسرانِ اسلام نے اپنی کل فوجوں کو ایک جگہ جمع کر لیا اور بارگاہِ خلافت کو غنیم کی غیر معمولی کثرت کی اطلاع دے کر مزید کمک کے لئے لکھا۔ چونکہ اس وقت دارالخلافت میں کوئی فوج موجود نہ تھی۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو لکھا کہ مہم عراق کی باگ مثنیٰ کے ہاتھ میں دے کر شام کی طرف روانہ ہو جائیں۔ یہ فرمان پہنچتے ہی خالدؓ ایک جمعیت کے ساتھ شامی میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (تاریخ طبری و فتوح الشام بلاذری ص ۱۱۶)

جنگ اجنادین ۱۳ھ ۶۳۴ء

جب شہنشاہِ روم کو اسلامی فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو اس وقت شہر حمص میں مقیم تھا۔ اس نے اسلامی فوج کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے ایک لشکر جرار اپنے جرنل تھیوڈر کے ماتحت روانہ کیا۔ یہ دیکھ کر تمام اسلامی فوجیں یکجا ہو گئیں۔ اور اس طرح مسلمان فوج کی تعداد چالیس ہزار تک ہو گئی اس مقابلہ میں رومیوں کی فوج دو لاکھ چالیس ہزار تھی۔ دونوں فوجیں اجنادین کے مقام پر صف آرا ہوئیں۔ یہ دونوں فوجیں دو ماہ تک ایک دوسرے کے مقابل ملی رہیں۔ اس دوران میں معمولی جھڑپیں بھی ہوتی رہیں۔ لیکن کچھ فیصلہ نہ ہو سکا حضرت

Marfat.com

خالدؓ بھی ریگستان کو عبور کر کے لشکرِ اسلام سے آملے۔ حضرت خالدؓ نے اسلامی لشکر کی از سرِ نو تنظیم کی اور چالیس دستوں میں تقسیم کیا۔ پورے طور سے منظم ہونے کے بعد مسلمانوں نے رومیوں پر حملہ کیا۔ بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ رومیوں کو شکست فاش ہوئی اور ڈیڑھ لاکھ رومی لڑائی میں کام آئے۔ تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ اس فتح سے مسلمانوں کے لیے دمشق کا راستہ کھل گیا۔ دمشق مدت سے شام کا دارالسلطنت تھا۔ یہ دنیا کے قدیم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے اور ایک نہایت ہی سرسبز وادی میں ہے۔

اجنادین کی عظیم الشان فتح کے بعد مسلمان دمشق کی طرف بڑھے۔ اور اس کا محاصرہ کیا۔ مگر اسی دوران میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا۔ اور دمشق حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں فتح ہوا۔

مرض

سنہ ۱۳ھ ماہ جمادی الثانی کے شروع میں حضرت ابوبکرؓ بیمار پڑ گئے۔ سخت سردی تھی۔ آپ نے غسل کیا بخار نے حملہ کیا اور مرض بڑھتا گیا۔ حضرت عمرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ جب زندگی سے مایوس ہوئے تو اپنے جانشین کی فکر دامنگیر ہوئی۔ آپ کے عہدِ خلافت میں اکثر معاملات حضرت عمرؓ کے مشورہ سے طے ہوتے تھے۔ اس لئے آپ کو حضرت عمرؓ سے بہتر کوئی جانشین نظر نہ آیا۔ صحابہ کرام کو بلا کر اس ضمن میں مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا۔ "عمرؓ بلاشبہ اس منصب کے لائق ہیں لیکن وہ کسی قدر سخت گیر ہیں"۔ حضرت عثمانؓ کو بلا کر عہد نامہ خلافت لکھوا دیا۔ عہد نامہ مرتب ہو چکا تو اپنے غلام کو دیا کہ لوگوں کو سنا دے۔ خود بالاخانہ پر تشریف لے جا کر تمام حاضرین سے فرمایا "کہ میں نے اپنے کسی رشتہ دار کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے بلکہ اس کو منتخب کیا ہے جو تم لوگوں میں سب سے بہتر ہے"۔ تمام حاضرین نے حسنِ انتخاب کی داد دی۔ پھر حضرت عمرؓ کو بلا کر نہایت مفید نصیحتیں کیں جو ان کی کامیاب خلافت کے لئے نہایت عمدہ دستورالعمل ثابت ہوئیں۔

Marfat.com

(طبقات ابن سعد جلد ۳ صـ۱۳۴)

وصیّت

بیماری کے دوران فرمایا۔ "میں نے اپنے عہد خلافت میں بیت المال سے جو خرچ لیا ہے اس کا حساب کرا کے واپس کر دو" حساب کیا گیا تو آٹھ ہزار درہم ہوئے۔ فرمایا۔ "میں اس کے عوض اپنی فلاں جگہ کی زمین اہل اسلام کو دیتا ہوں" آپ کے پاس بیت المال سے ایک اونٹنی، ایک غلام اور پانچ درہم کا ایک کمبل تھا۔ یہ چیزیں آپ کی وصیت کے مطابق خلیفۂ ثانی کو پہنچا دی گئیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ چیزیں دیکھ کر فرمایا۔

"ابوبکرؓ کے جانشینوں کے لئے بڑی مشکل پیدا ہو گئی ہے"

وفات اور تجہیز و تکفین

تجہیز و تکفین کے متعلق فرمایا۔ کہ "اس وقت جو کپڑا بدن پر ہے۔ اسی کو دھونا اور دو اور کپڑے ملا کر مجھے کفن دینا" حضرت عائشہؓ نے عرض کی۔ کہ یہ تو پرانا ہے کفن کے لئے نیا ہونا چاہیئے۔ فرمایا۔ "زندے مُردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حقدار ہیں۔ میرے لئے یہی پھٹا پرانا بس ہے" اس کے بعد پوچھا۔ "آج کون سا دن ہے؟" لوگوں نے جواب دیا۔ دوشنبہ۔ پھر پوچھا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال کس روز ہوا تھا؟" کہا گیا۔ دوشنبہ کے روز۔ فرمایا "تو پھر میری آرزو ہے کہ آج ہی رات تک اس عالم فانی سے رحلت کر جاؤں" چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی۔ دوشنبہ کا دن ختم ہو کر منگل کی رات کو تریسٹھ برس کی عمر میں ۲۱ جمادی الاخری ۱۳ھ کو رہ گزین عالم جاوداں ہوئے۔ خلافت کی مدت دو سال تین ماہ اور دس روز ہے۔ (طبقات ابن سعد)

وصیت کے مطابق رات ہی کے وقت تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا۔ آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے غسل دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

Marfat.com

اپنے آقا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کا سر مبارک سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک کے برابر رکھا گیا۔ (تاریخ طبری، مسعودی)

حضرت صدیق اکبرؓ کی سیرت و سیاست

سیرت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دبلے پتلے آدمی تھے۔ چہرہ بارعب اور پروقار تھا۔ سفید رنگ گھنگریالے بال۔ پیشانی کشادہ اور ابھری ہوئی چہرہ لاغر، ہاتھوں کی انگلیاں باریک اور کم گوشت تھیں، بہت چاک و چوبند رہتے تھے، آواز رعب جلال سے بھرپور تھی۔ کم گو تھے۔ لیکن بات کرتے وقت بڑی متانت اور گرمجوشی کا اظہار کرتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کی زندگی اسلامی تعلیمات کا جیتا جاگتا مجسمہ تھی۔ آپ اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کے مالک عقلمند اور بہادر تھے۔ آپ اپنی فراست ایمانی اور مومنانہ بصیرت کی وجہ سے تمام صحابہ کرام میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اجتہاد میں آپ کو سب پر فوقیت حاصل تھی۔ آپ کی سیرت کا نمایاں پہلو یہ تھا۔ کہ آپ نے سنتِ رسولؐ سے ذرا بھی ہٹنا گوارا نہ کیا۔ رسول اللہ ؐ کی زندگی میں ان سے بڑھ کر مزاج شناسِ رسولؐ کوئی نہ تھا۔ آپ از بس سادہ مزاج اور نفیس طبیعت تھے۔ خلیفہ ہونے سے قبل محلہ کے لوگوں کی بکریاں دوہ دیا کرتے تھے۔ لباس بہت سادہ تھا۔ اکثر پیوند لگے ہوتے تھے کسی شخص نے ایک دفعہ شمار کیا تو لباس میں بارہ پیوند تھے۔ جن میں سے بعض چمڑے کے تھے (محب طبری)

آپ اپنے ذاتی مفاد اور آرام کا خیال نہیں رکھا کرتے تھے۔ ایک خلیفہ کے وسیع اختیارات کو ہمیشہ دین و ملت کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا۔ دولت مند ہونے کے باوجود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے جو وظیفہ اپنے عہد خلافت میں بیت المال سے حاصل کیا۔ وہ بھی اپنی زمین فروخت کر کے وفات پانے سے پہلے ادا کر دیا بڑے نرم دل اور پرہیز گار تھے۔ نرم مزاجی کے باوجود جب امورِ سلطنت میں سختی

Marfat.com

کہ ضرورت پڑتی تو بڑی مستقل مزاجی کا ثبوت دیتے۔

حضرت ابو بکرؓ بڑے زاہد متقی اور رقیق القلب تھے۔ تواضع، انکسار اور پرہیزگاری میں آپ بڑی شہرت رکھتے تھے۔ آپ ایمان کے پکے اور قول کے سچے تھے۔ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنتے فوراً مان لیتے تھے۔ اسی وجہ سے "صدیق" کہلائے۔

مکی زندگی میں آپ نے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا ساتھ دیا۔ ہجرتِ مدینہ کے وقت شرفِ رفاقت حاصل ہوا۔ غارِ ثور میں ساتھی بنے۔ مدینہ شریف پہنچ کر ہر معرکہ میں آپ کے دوش بدوش دشمنانِ اسلام سے لڑے۔ جب حج فرض ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امیرِ حج بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا۔ حضورؐ کی علالت کے دوران آپ نے مسجدِ نبوی میں امامت کے فرائض انجام دئے۔ آپ بڑے صاحب عزیمت و استقامت تھے۔ آپ کی عزیمت و استقامت ہی کا نتیجہ تھا کہ سارا عرب باغی اور مرتد ہو جانے کے بعد پھر دائرہ اسلام میں داخل کیا گیا۔

آپ کی نظرِ انتخاب بڑی درست اور صحیح تھی۔ افسروں اور سپہ سالاروں کے انتخاب کے بارے میں آپ بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اسرارِ شریعت اور رموزِ دین کے محرم اور روحِ اسلامی کے دانائے راز تھے۔ قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، علم الانساب اور دیگر علوم میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔

سیاست

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے لبریز ہے۔ انہوں نے سوا دو برس کی قلیل مدتِ خلافت میں مساعیٔ جمیلہ کے جو لازوال نقش و نگار چھوڑے وہ قیامت تک محو نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سرزمینِ عرب ایک دفعہ پھر کفر و ضلالت کا گہوارہ بن گئی تھی۔ مؤرخ طبری کا بیان ہے۔ کہ قریش و ثقیف کے سوا تمام عرب اسلامی حکومت سے باغی ہو چکا تھا۔ مدعیانِ نبوت الگ ملک میں شورش برپا کر رہے تھے۔ منکرین زکوٰۃ مدینہ منورہ کو لوٹنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ غرض خورشید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غروب ہوتے ہی شمع اسلام کے چراغِ سحری بن جانے کا

Marfat.com

خطرہ تھا لیکن خلیفۂ رسول نے اپنی روشن ضمیری، سیاست، اور غیر معمولی تدبر و استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل ہونے سے محفوظ رکھا بلکہ پھر اسی مشعلِ ہدایت سے تمام عرب کو منور کر دیا۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کو جس نے دوبارہ زندہ کیا اور دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے وہ حضرت ابوبکرؓ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں بڑے بڑے کارنامے انجام پائے۔ یہاں تک کہ روم و ایران کے دفتر الٹ دیے گئے۔ تاہم اس کی داغ بیل خلافتِ صدیقی ہی میں ڈالی گئی تھی اور خلافتِ اسلامیہ کی ترتیب و تنظیم کا سنگِ بنیاد حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہی نے رکھا تھا۔

نظامِ حکومت

اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے ڈالی۔ چنانچہ خود ان کا انتخاب بھی جمہور نے کیا تھا۔ آپ کے عہدِ خلافت میں جس قدر بڑے بڑے کارنامے انجام پائے ان سب میں کبار صحابہؓ کا مشورہ شامل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے صاحب رائے و تجربہ کار صحابہ کو کبھی دار الخلافت سے جدا نہ ہونے دیا۔ حضرت اسامہؓ کی مہم میں حضرت عمرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نامزد کیا تھا لیکن انہوں نے حضرت اسامہؓ کو راضی کیا کہ حضرت عمرؓ کو رائے و مشورہ میں مدد دینے کے لئے چھوڑ جائیں۔ شام پر لشکر کشی کا خیال آیا تو پہلے اس کو صحابہ کی جماعت میں مشورہ کے لیے پیش کیا۔ اسی طرح منکرینِ زکوٰۃ سے جہاد حضرت عمرؓ کی نامزدگی اور تمام دوسرے اہم معاملات میں اہل الرائے صحابہ کی رائے دریافت کر لی گئی تھی۔

ملکی انتظام

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بیرونی فتوحات کی ابھی ابتدا ہی تھی۔ اس لئے ان کی حکومت صرف عرب تک محدود تھی۔ انہوں نے عرب کو متعدد صوبوں اور ضلعوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ چنانچہ مدینہ۔ مکہ۔ طائف۔ صنعاء، نجران، حضرموت۔ بحرین۔ دومۃ الجندل علیحدہ علیحدہ صوبے تھے۔ ہر صوبہ میں ایک عامل ہوتا تھا۔

Marfat.com

جو ہر شخص کے فرائض انجام دیتا تھا۔ عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو ترجیح دیتے تھے۔ جو عہد نبوت میں عہدہ دار رہ چکے تھے۔ جب کسی کو کسی عہدہ پر مامور فرماتے۔ تو عموماً بلا کر اس کے فرائض کی تشریح کر دیتے۔ اور نہایت مؤثر الفاظ میں سلامت روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے۔ چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ کو قبیلہ قضاعہ پر محصل صدقہ بنا کر بھیجا۔ تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی:۔

"خلوت و جلوت میں خدا کا خوف رکھو۔ جو خدا سے ڈرتا ہے۔ وہ اس کے لیئے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے۔ جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آ سکتا۔ جو خدا سے ڈرتا ہے۔ وہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اس کا اجر دوبالا کر دیتا ہے۔ بندگانِ خدا کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے۔" (تاریخ طبری)

یزید رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کو مہم شام کی امارت سپرد کی تو فرمایا:۔

"اے یزید! تمہاری رشتہ داریاں ہیں۔ شاید تم ان کو اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ۔ دراصل یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو، اور ان پر کسی کو بلا استحقاق رعایت کے طور پر افسر بنائے تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ خدا اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے گا۔ اور اس کو جہنم میں داخل کرے گا۔" (مسند احمد جلد ۱ صـ۶)

مالی انتظام

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مالی حالت بڑی قابلِ اطمینان تھی۔ زکوٰۃ۔ عشر۔ جزیہ اور مالِ غنیمت کی آمدنی سے ملک مالا مال ہو گیا تھا جتنی دولت آتی سب خرچ کر دی جاتی تھی۔ سامانِ جنگ یعنی تلواریں، نیزے، اونٹ اور گھوڑے خریدنے کے بعد باقی تمام مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دی جاتی تھی۔ آپ کے عہد میں مال کا باقاعدہ محکمہ نہ تھا۔ شروع میں بیت المال تک نہ تھا۔ بعد میں ایک بیت المال تعمیر کرایا۔ مگر اس میں زیادہ مال جمع ہونے کی کبھی نوبت نہ آئی۔ ایک قفل پڑا رہتا تھا پہرہ

Marfat.com

کی ضرورت نہ تھی۔ آپ کی وفات کے بعد اس میں صرف ایک درہم پایا گیا۔

فوجی نظام

عہدِ نبوت میں کوئی باقاعدہ فوجی نظام نہ تھا۔ جب ضرورت پیش آتی تو صحابہ کرام خود ہی شوق سے علمِ جہاد کے نیچے جمع ہو جاتے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی یہی صورتِ حال باقی رہی لیکن انہوں نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ جب کوئی فوج کسی مہم پر روانہ ہوتی۔ تو اس کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے الگ الگ افسر مقرر فرما دیتے۔ امیر الامراء یعنی کمانڈر انچیف کا عہدہ بھی خلیفۂ اوّل کی ایجاد ہے۔ سب سے پہلے حضرت خالدؓ بن ولید اس عہدہ پر مامور ہوئے تھے۔ (فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۱۵)

غیر مسلم رعایا کی حفاظت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غیر مسلم رعایا کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ اسلامی حکومت میں جو غیر مسلم آباد ہوں ان کو ذمّی یا اہلِ ذمّہ کہا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت ان کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ان سے جبراً فوجی خدمت نہیں لیجاتی اس رعائت کے عوض صاحب استطاعت اہل ذمہ پر حسب حیثیت معمولی ٹیکس لگایا جاتا ہے۔ اس کو جزیہ کہتے ہیں۔ ذمیوں کے مقابلہ میں اہل اسلام پر جہاد کے علاوہ زکوٰۃ بھی فرض ہے۔ زکوٰۃ نہ معاف ہو سکتی ہے اور نہ کم۔ اس کے برعکس جزیہ کی مقدار بہت خفیف ہوتی ہے۔ غریب اور معذور لوگ جزیہ سے مستثنیٰ تصور کیے جاتے ہیں۔ خلیفہ اوّل کے عہد میں جزیہ کی شرح نہایت آسان تھی اور ان ہی لوگوں پر مقرر کرنے کا حکم تھا جو اس کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہوں چنانچہ حیرہ کے باشندوں میں سے ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے۔ اور باقی پر صرف دس دس درہم سالانہ مقرر کیے گئے تھے۔ (کتاب الخراج امام ابو یوسف)

حضرت خالدؓ بن ولید

حضرت خالدؓ بن ولید کا ذکر کیے بغیر خلافت صدیقی کا تذکرہ نا تمام رہے گا۔ حضرت خالدؓ بڑے کہنہ مشق، تجربہ کار اور ماہر فنونِ جنگ سپہ سالار تھے وہ قبیلہ بنی مخزوم سے تعلق رکھتے تھے۔

Marfat.com

جو بڑا دولت مند اور بہادر تھا۔ حضرت خالدؓ کو عسکری قیادت ورثہ میں ملی تھی۔ ان کا والد ولید بن مغیرہ اکیلا غلاف کعبہ تیار کر کے کعبہ پر چڑھاتا تھا۔ حضرت خالدؓ کا چچا ہشام جنگ فجار میں بنو مخزوم کا سپہ سالار تھا۔ ان کے دوسرے چچا بھی بڑے نامور سردار تھے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی خالد کئی معرکوں میں شریک ہو چکے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے تقریباً پچاس معرکوں میں نمایاں حصہ لیا۔ حضرت خالدؓ اپنی عسکری مہارت، جنگی قابلیت، بے مثال بہادری اور جرأت و جلادت کی وجہ سے دنیا کے بڑے بڑے سپہ سالاروں کے ہم پلہ نظر آتے ہیں۔ وہ ہر معرکہ میں بڑی بہادری سے لڑے۔ ہر مقام پر ثابت قدم رہے۔ اسی بنا پر بارگاہ نبوت سے "سیف اللہ" (اللہ کی تلوار) کا لقب پایا۔ خلافت صدیقی میں حضرت خالدؓ کا دم بڑا غنیمت تھا اور اکثر فتوحات ان کی بے مثال شجاعت کی مرہون منت تھیں۔

سوالات

۱۔ حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب کس طرح ہوا؟ انتخاب کے بعد ان کے خطبۂ خلافت کا خلاصہ لکھئے۔

۲۔ حضرت ابوبکرؓ نے فتنۂ ارتداد کو دبانے کے لئے جو اقدامات کئے ان کا تذکرہ کیجئے۔

۳۔ حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بننے کے بعد کن کن مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔

۴۔ خلیفۂ اول کے عہد میں جن جھوٹے نبیوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ ان کا تعارف کرائیے۔ اور بتائیے کہ ان کی سرکوبی کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے کیا اقدام کیا۔

۵۔ حضرت ابوبکرؓ کی اسلامی خدمات کی تفصیلات بیان کیجئے۔

۶۔ جنگِ اجنادین کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے اسباب بیان کیجئے۔

۷۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی سیرت و سیاست قلمبند کیجئے۔

۸۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھئے: (۱) عہد صدیقی میں حفاظت قرآن (۲) ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت (۳) فوجی نظام۔

۹۔ عہد صدیقی کے طرز حکومت پر بحث کیجئے۔ نیز ملکی و مالی اور فوجی انتظامات پر تبصرہ کیجئے۔

۱۰۔ خلافت صدیقی میں فتوحات شام و عراق کے حالات و اسباب بیان کیجئے۔

Marfat.com

باب دوم

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور ابتدائی حالات

نام عمر۔ ابو حفص کنیت اور فاروق لقب تھا۔ والد کا نام خطّاب تھا۔ آپ قبیلہ قریش کی مشہور شاخ بنو عدی کے معززین میں سے تھے حضرت عمر کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر مل جاتا ہے حضرت عمر کا خاندان ایامِ جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا۔ آپ ننھیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں۔ مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے لڑنے کے لئے جاتے تھے۔ تو فوج کا اہتمام ان ہی سے متعلق ہوتا تھا۔ (عقد الفرید)

حضرت عمرؓ ہجرت نبوی سے چالیس سال قبل ۵۸۱ء میں مکہ میں پیدا ہوئے بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ ذرا ہوش سنبھالا۔ تو لکھنے پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ اسلام سے قبل مکہ میں صرف گنتی کے آدمی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ شباب کا آغاز ہوا۔ تو نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے شہسواری میں بھی کمال حاصل کیا۔ جوان ہوئے تو معززین مکہ کی طرح تجارت کو ذریعہ معاش بنایا۔ تجارت کے سلسلہ میں آپ اکثر عراق وشام میں آیا جایا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ جوان ہوتے ہی اپنے تمام ہمعصروں سے گوئے سبقت لے گئے۔ آپ کی صحت قابلِ رشک تھی۔ آپ بڑے تنومند اور کڑیل جوان تھے۔ اپنے قد وقامت، ڈیل ڈول اور سرخ وسفید رنگت کے باعث تمام لوگوں سے

Marfat.com

ممتاز نظر آتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ ریگستانِ عرب میں آفتاب اسلام پرتو فگن ہوا اور مکہ کی گھاٹیوں سے توحید کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے لئے یہ صدا نامانوس تھی اس لئے سخت برہم ہوئے جس کی نسبت معلوم ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے اس کے دشمن بن جاتے ان کے خاندان کی ایک کنیز لبینہ مسلمان ہوگئی تھی اس کو اتنا مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے اور جس پر قابو چلتا زد و کوب سے دریغ نہ کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا کہ جو چڑھ کر اتر جاتا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے برگشتہ نہ کرسکے۔ (فتوح البلدان بلاذری ص۴۷۷)

حضرت عمرؓ کا اسلام لانا

قریش کے سرکردہ اشخاص میں ابوجہل اور حضرت عمر اسلام اور اہل اسلام کی عداوت میں سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لئے بارگاہ ایزدی میں التجا کی تھی۔ کہ

"اے اللہ! اسلام کو ابوجہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر۔" (جامع ترمذی)

مگر یہ دولت قسّام ازل نے حضرت عمرؓ کی قسمت میں لکھ دی تھی۔ ابوجہل کے حصے میں نہ آئی۔ اس دعا کا اثر یہ ہوا۔ کہ کچھ دنوں کے بعد اسلام کا یہ سب سے بڑا دشمن اس کا سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جاں نثار بن گیا۔ آپ کے اسلام لانے کے بارے میں دو روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ایک دن آپ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے نکلے۔ راستہ میں نعیم بن عبداللہ مل گئے، ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے!۔ بولے "محمد (ﷺ) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔" اُنھوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ خود تمہاری بہن فاطمہؓ اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔" فوراً پلٹے اور بہن کے یہاں پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہوگئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا دیے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے

Marfat.com

پوچھا۔ یہ کیسی آواز تھی؟ بولیں "کچھ نہیں"۔ انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے الجھ گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا۔ لیکن اسلام کی محبت پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بولیں کہ عمر! جو بن آئے کر و لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا"۔

جب عمرؓ نے بہن کا خون بہتے دیکھا تو دل بھر آیا۔ اور کہا۔ کہ مجھے وہ اوراق دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ بہن نے قرآن کے اجزا سامنے لا کر رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو سورہ حدید تھی! ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ جب اس آیت پر پہنچے۔ "اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" (اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) (سورہ حدید)

تو بے اختیار ہو کر کلمہ شہادت پڑھ دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے مکان پر جو کوہ صفا کے دامن میں واقع تھا تشریف فرما تھے۔ حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے اس لئے صحابہ کو تردد ہوا حضرت حمزہ نے کہا آنے دو مخلصانہ آیا ہے۔ تو بہتر ہے۔ ورنہ اسی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا"۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے۔ اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا۔ کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟ نبوت کی پر جلال آواز نے ان کو مرعوب کر دیا۔ نہایت عاجزانہ انداز میں کہا۔ "ایمان لانے کے لئے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے لگایا کہ مکہ کی تمام وادیاں گونج اٹھیں۔ (سیرۃ النبی بحوالہ ابن عساکر و کامل ابن اثیر)

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بقول مؤرخین نبوت کے ساتویں سال پیش آیا۔ آپ چالیسویں مسلمان تھے۔

یہ واقعہ اکثر ارباب سیر نے بیان کیا ہے۔ مگر محدثین نے اس پر سخت تنقید کی اور اس کے سب طرق کو پایۂ اعتبار سے ساقط قرار دیا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آنحضورؐ کو ایذا دینے کے لئے نکلا۔ آپ بڑھ کر خانہ کعبہ میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی۔ آپ نے

Marfat.com

نے سورۃ الحاقہ تلاوت فرمائی۔ میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کے نظم و اسلوب سے حیرت زدہ تھا۔ دل میں کہا جیسا قریش کہا کرتے ہیں۔ خدا کی قسم، یہ شاعر ہے ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ	یہ ایک باعزت قاصد کا کلام ہے۔
وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا	اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ تم بہت
مَّا تُؤْمِنُوْنَ" (الحاقہ)	کم ایمان رکھتے ہو۔

میں نے کہا یہ تو نجومی ہے میرے دل کی بات جان گیا ہے اس کے بعد یہ آیت پڑھی :-

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا	یہ نجومی کا کلام بھی نہیں۔ تم بہت کم نصیحت
تَذَكَّرُوْنَ"	پکڑتے ہو۔

آپؐ نے یہ سورۃ آخر تک تلاوت فرمائی۔ سکوتِ شب کے تاثر انگیز لمحوں میں اللہ تعالیٰ کا کلام زبانِ رسالت پناہ سے اُٹھ کر میرے دل میں اُترتا گیا۔ آنحضرتؐ نماز سے فارغ ہو کر گھر کو چلے تو میں بھی پیچھے ہو لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی (مسند احمد جلد ا ص۱۷)

اس عظیم شخصیت کے تابعِ اسلام ہونے کے ساتھ اسلام کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس سے قبل فرزندانِ توحید مشرکین سے چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہم برسرِ حق ہو کر کب تک پوشیدہ عبادت کریں گے۔ اہلِ شرک کھلے بندوں بت پرستی کرتے ہیں ہم بھی برسرِ عام حرم میں خدا کی عبادت کریں گے۔ چالیس مسلمانوں کو ساتھ لے کر گئے اور سب کے سامنے نماز پڑھی۔ مشرکین نے مزاحمت کرنا چاہی لیکن عمرؓ کی تلوار کے سامنے ہمت نہ ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے حق و باطل کا فرق برملا طور پر دکھا دیا۔ اس خدمتِ جلیلہ کے عوض بارگاہِ رسالت سے فاروق کا لقب ملا۔

(البدایہ والنہایہ)

ہجرتِ مدینہ

حضرت عمرؓ ۶ نبوی میں اسلام لاتے تھے۔ ۱۳ نبوی میں ہجرت مدینہ وقوع پذیر ہوئی۔ اس طرح انہوں نے اسلام لانے

Marfat.com

کے بعد تقریباً چھ سات برس تک قریش کے مظالم برداشت کئے۔ جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت عمر بھی اس سفر کے لئے آمادہ ہوئے۔ بارگاہِ نبوّت سے اجازت لے کر چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف اس شان سے روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے مجمع میں سے گذرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے۔ نہایت اطمینان سے طواف کیا اور نماز پڑھی پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اگر کوئی یہ چاہتا ہو کہ اس کی ماں اس سے محروم ہو جائے اس کی بیوی بیوہ ہو جائے اور بچے یتیم ہو جائیں تو وہ اس وادی کے پار میرے مقابلہ کو آئے"

لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی، اور وہ مدینہ روانہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی یہاں تک کہ ۱۳ نبوی میں خود آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ کی گھاٹیوں سے نکل کر مدینہ کے افق سے ضو افگن ہوا۔

حضرت عمرؓ کی شخصیت

حضرت عمرؓ نے ہر موقع پر اسلام کی نصرت و اعانت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ اکثر غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوۂ بدر، احد، خندق، بیعتِ رضوان، غزوۂ خیبر، اور فتح مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش بدوش رہے۔ جنگ تبوک میں آدھا مال راہِ خدا میں دے دیا تھا۔ تدبر اور معاملہ فہمی کا یہ حال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر معاملات میں حضرت عمرؓ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے کئی مرتبہ حضرت عمر کی رائے کی تائید میں وحی نازل ہوئی حضرت عمر خلافتِ صدیقی میں بھی حضرت ابوبکرؓ کے دستِ راست رہے۔

حضرت عمرؓ کا انتخاب اور خطبہ خلافت

قبل ازیں تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات سے پہلے مسلمانوں کو انتخاب کی الجھنوں سے بچانے کے لئے مہاجرین و انصار کے سرکردہ لوگوں کے مشورہ سے حضرت عمرؓ کو نامزد کر دیا تھا۔ نامزدگی کے بعد ان تمام مسلمانوں کی

Marfat.com

رائے بھی لے لی۔ جو مسجد نبوی میں جمع ہو گئے تھے۔ حضرت عمر کے انتخاب پر سب مسلمانوں نے اتفاق کیا۔ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد سب نے حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے پہلا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا :-

" اے لوگو ! میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ اگر مجھے حضرت ابو بکرؓ کی نا فرمانی کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہارا امیر بننا کبھی پسند نہ کرتا "

پھر بارگاہِ ربّانی میں یوں دست بدعا ہوئے۔

" اے اللہ ! میں سخت ہوں مجھے نرم کر دے۔ اے اللہ میں کمزور ہوں مجھے قوت و توانائی عطا کر، اے اللہ ! میں بخیل ہوں، مجھے سخی بنا دے "

" اے لوگو ! اللہ نے مجھے تمہارے لئے آزمائش بنا دیا ہے اور تمہیں میرے لئے۔ جو کوئی نیک کام کرے گا میں بھی اس سے بھلائی کروں گا۔ اور جو کوئی برائی کا مرتکب ہو گا۔ تو میں اسے عبرت ناک سزا دوں گا "

جب لوگوں کے دلوں میں آپ کی سختی کے متعلق شکوک پیدا ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا :-

" آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میری سختی بہت کم ہو گئی ہے۔ البتہ میں مسلمانوں پر کسی ظالم و جابر کے ظلم و جور کو برداشت نہیں کر سکتا۔ امن و سلامتی، دیانت داری اور میانہ روی اختیار کرنے والوں کے لئے میں بہت ہی نرم ہوں۔ یاد رکھو۔ کہ ظالموں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دوں گا

Marfat.com

فتوحاتِ فاروقی

فتح عراق

حضرت عمرؓ مسندِ نشین خلافت ہوئے تو سب سے پہلے مہم عراق کی جانب متوجہ ہوئے۔ آپ نے لوگوں کے سامنے جہاد پر پُرجوش تقریریں کیں۔ کوئی آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ ایران کی قدیمی ہیبت دلوں پر مسلط تھی۔ آپ نے متواتر تین دن لوگوں کو خطاب کیا۔ چوتھے روز پھر تقریر کی۔ تو مثنیٰؓ نے کھڑے ہو کر عربوں کو غیرت دلائی اور کہا کہ اس محاذ کو دشوار نہ سمجھو۔ ہم نے فارس سے عراق کا بہترین علاقہ لے لیا اور انہیں جانی نقصان پہنچایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "مہاجرین اوّلین کہاں ہیں؟ کیا انہیں قرآن حکیم کا وراثتِ ارضی کا وعدہ یاد نہیں؟" قبیلہ ثقیف کے سردار ابو عُبید ثقفی اُٹھے اور کہا۔ "میں یہ خدمت انجام دوں گا۔" ہر طرف سے آوازیں اُٹھیں کہ ہم بھی حاضر ہیں۔" حضرت عمرؓ نے پانچ ہزار کا لشکر تیار کیا اور ابو عبید کو سپہ سالار مقرر کر کے روانہ کیا۔

ادھر مسلمان عراق کی مہم پر روانہ ہوئے۔ ادھر ایرانیوں نے گذشتہ ہزیمتوں سے سبق حاصل کرتے ہوئے فوج کی از سرِ نو تنظیم کی۔ خراسان کا مشہور و معروف مدبر اور نامور بہادر رستم سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ رستم نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات سے کھیلنا شروع کیا۔ مذہب کے نام پر اس نے ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا اور ملک میں ایک آگ سی لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے ایرانی مسلمانوں کے مقابلہ پر لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

ایرانیوں کی نئی تربیت یافتہ فوج سے مسلمانوں کی کئی جھڑپیں ہوئیں۔ ایک دو معرکوں میں تو ایرانیوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ حیرہ اور قادسیہ کے درمیان مقامِ نمارق پر ابو عبیدہ کا ایرانی سپہ سالار جابان سے آمنا سامنا ہوا۔ شدید جنگ کے بعد ایرانیوں کو شکست فاش

Marfat.com

ہوئی۔ ان کا قائد فوج جابان گرفتار ہوا۔ مسلمان فوج نے پلٹ کر بڑی گھٹتے ہوئے کسکر کے قریب مقام سقاطیہ پر پھر دشمنوں کی فوج کو شکست دی۔ ایرانی سپہ سالار نرسی میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ تازہ دم ایرانی افواج نئے حملے کے لئے میدان میں آپہنچیں۔ ابو عبیدہ ثقفی کی فوج دریائے فرات کو پار کر کے دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلی۔ ایرانیوں کے ساتھ بڑے بڑے ہاتھی تھے۔ مسلمانوں کے گھوڑوں نے پہلی دفعہ ہاتھی دیکھے تو بدک گئے۔ مسلمان بڑی بہادری سے لڑے مگر ہاتھیوں کے سامنے کوئی پیش نہ گئی۔ جب ابو عبیدہ ہاتھی کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے تو ایرانیوں نے ہزاروں مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ کو اس شکست کی خبر ملی تو انہوں نے عبداللہ بجلی کے زیر قیادت مزید کمک بھیجی۔ اب مثنیٰؓ نے ایرانی فوج کو بویب کے مقام پر بری طرح شکست دی۔ اور ایرانی سپہ سالار مہران کو قتل کر دیا۔ اسلامی فوج کے سپہ سالار مثنیٰ دریائے فرات کا پل روک کر کھڑے ہو گئے اور ان تمام ایرانی سپاہیوں کو، جنہوں نے اس پل کو عبور کرنے کی کوشش کی نہ تیغ کر دیا۔ معرکۂ بویب کے بعد دریائے فرات کے مغرب میں مسلمانوں کا تسلط دوبارہ قائم ہو گیا۔ بویب کی فتح کے بعد مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اور مسلمانوں کا رعب ایرانیوں پر چھا گیا۔ معرکۂ بویب میں بارہ ہزار ایرانی مارے گئے۔ مسلم شہداء کی تعداد صرف ایک سو تھی۔

جنگ قادسیہ ۱۴ھ

معرکۂ بویب میں فتح حاصل کرنے کے بعد مسلمان چین سے نہ بیٹھ سکتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ایرانی بڑے جوش و خروش سے دوسری جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس عرصے میں ایک پرجوش اور نوجوان شہزادہ یزدگرد ایران کے تخت شاہی پر بیٹھا۔ اس نے مسلمانوں کے مقابلے کے لئے ایک لشکر جرار تیار کر کے رستم نامی سپہ سالار کے زیر قیادت روانہ کیا۔

ادھر حضرت عمرؓ بھی تیاری میں مصروف تھے۔ آپ نے تمام اطراف ملک سے آزمودہ کار سپاہی جمع کر کے بیس ہزار کی ایک فوج تیار کی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسے جلیل القدر

Marfat.com

صحابی کی زیر کمان ایران کی طرف روانہ کر دی۔ آپ نے حضرت سعد کو مناسب ہدایات دیں اور یہ بھی حکم دیا کہ اہل ایران کو جنگ سے پہلے دعوتِ اسلام دی جائے۔ حضرت سعد نے دو مرتبہ مبلغین کو ایرانی دربار میں بھیجا مگر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ آخرکار انہوں نے کہا۔ کہ اگر توحید و رسالت پر ایمان لانا گوارا نہیں تو پھر ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ یہ سن کر ایرانی سپہ سالار رستم بڑا غضبناک ہوا۔ اور قسم کھا کر کہنے لگا۔ کہ کل طلوعِ آفتاب سے پہلے پہلے تم اپنے آپ کو خاک و خون میں تڑپتے ہوئے پاؤ گے۔ مبلغین یہ سن کر واپس آ گئے۔

فوجیں مقابلہ کے لیے صف بستہ ہوئیں۔ حضرت سعد بیمار پڑ گئے۔ قادسیہ میں ایک پرانا محل تھا اس کے بالاخانے پر مقیم رہے اور جنگ کی ہدایات دیتے رہے۔ قادسیہ کا میدان عجمی سپاہیوں سے آدمیوں کا جنگل نظر آنے لگا۔ اس کے پیچھے ہاتھیوں کے کالے کالے پہاڑ عجیب خوفناک سماں پیدا کر رہے تھے۔ دوسری طرف مجاہدینِ اسلام کا لشکرِ جرار صف بستہ کھڑا تھا۔ اللہ اکبر کے نعروں سے جنگ شروع ہوئی۔ دن بھر ہنگامہ محشر بپا رہا۔ شام کو جب تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف اپنے خیموں میں واپس آئے۔

قادسیہ کی جنگ چار روز ہوتی رہی۔ ایرانیوں کے آگے ہاتھیوں کے پہاڑ تھے۔ فیل بان ان پر سے تیر اندازی کرتے تھے۔ عربوں کے پاس ان کا کوئی فوری حل نہ تھا۔ جان پر کھیل کر ان پر ٹوٹ پڑتے۔ مگر فیصلہ کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ دوسرے روز بازارِ جنگ گرم ہوتے ہی شام سے حضرت سعد بن قاص کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ کے تحت چھ ہزار فوج آ گئی۔ یہ دستوں میں تقسیم تھی۔ جو شام تک تھوڑے تھوڑے وقفہ سے تکبیر کے نعرے مارتے میدانِ جنگ میں آتے رہے۔ ہر نئے دستے کی آمد سے مسلمانوں میں تازہ ولولہ پیدا ہوتا۔ اور مجوسیوں کے دل بیٹھ جاتے۔ (تاریخ طبری و مسعودی)

اسلامی فوج نے اس دن ہاتھیوں کو بھگانے کے لیے یہ تجویز کی کہ دس دس اونٹوں پر جھول ڈال کر انہیں ایرانی رسالوں کی طرف بڑھاتے۔ دشمن کے گھوڑے ان فیلنما ہیکلوں سے بھاگ نکلتے تھے۔ (تاریخ طبری و ابن خلدون)

Marfat.com

تیسرے روز بھی جنگ جاری رہی۔ ہاتھی ابھی تک نقصان پہنچا رہے تھے۔ عمرو بن معدی کرب جو عرب کے نامور بہادر تصور کیے جاتے تھے۔ تلوار سونت کر ایک ہاتھی پر حملہ آور ہوئے۔ مجاہدین نے نیزوں سے ہاتھیوں کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ یہ بھاگے تو باقی ہجوم بھی پیچھے ہو لیا۔ اور اپنے ہی لشکر کو روندتا گیا۔ انھوں نے سیدھے مدائن میں جا کر دم لیا۔ جب اس طرح ہاتھیوں کی آہنی دیوار ٹوٹ گئی۔ تو مسلمانوں نے بڑے زور کا حملہ کیا۔ فریقین میں بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ تلواروں کی جھنکار اور نعروں کے شور سے میدان جنگ گونج رہا تھا۔ صبح سے شام تک میدانِ کارزار گرم رہا۔ رات کو بھی شدت کی جنگ ہوتی رہی۔ چوتھے روز دوپہر کو جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ رستم بڑی بہادری سے لڑتا رہا۔ بالآخر زخموں سے چور ہو کر میدان سے بھاگ نکلا۔ ایک مسلمان مجاہد ہلال بن علقمہ نامی نے تعاقب کر کے اسے قتل کر دیا۔

رستم کی زندگی کے ساتھ سلطنت ایران کی قسمت کا بھی فیصلہ ہو گیا۔ ایرانی سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔ اس جنگ میں مسلمان شہداء کی تعداد دس ہزار تھی۔ ایک لاکھ ایرانی کھیت رہے۔

اس جنگ میں مسلمان عورتوں نے بڑی جوانمردی کا ثبوت دیا۔ وہ زخمیوں کو پانی پلاتیں اور ان کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ عورتوں کے ساتھ چھوٹے بچے بھی سر دھڑ کی بازی لگائے پانی پلاتے پھرتے تھے۔ جنگِ قادسیہ میں بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ہر شہسوار کو چھ ہزار اور ہر پیادے کو دو ہزار درہم ملے۔

حضرت سعدؓ نے نامۂ فتح ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ مدینہ میں روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نتیجۂ جنگ کے انتظار میں بے تاب تھے۔ ہر روز شہر سے نکل کر عراقی سمت سے آنے والے سواروں سے حالات پوچھتے۔ ایک دن ادھر سے ایک سوار آیا۔ آپ نے بڑھ کر قادسیہ کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ وہ خبر سناتا گیا۔ اور آپ اس کی ناقہ کے ساتھ بھاگتے گئے۔ سوار کو آپ کی شناخت نہ تھی۔ شہر

میں داخل ہوئے اور لوگوں نے آپ کو امیر المومنین کہہ کر پکارا تو اس سوار نے آپ کو پہچانا اور معافی چاہی۔ آپ نے فرمایا برادر! کوئی مضائقہ نہیں۔ (البدایہ والنہایہ)

فاروق اعظم رضؓ نے لوگوں کو جمع کر کے فتح کا مژدہ سنایا اور ان الفاظ سے ان سے خطاب فرمایا :-

"مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بناؤں میں تو خود خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بارِ گراں میرے کندھوں پہ ڈال دیا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہاری خدمت کر سکتا کہ تم اطمینان سے گھروں میں سوئے رہو۔ تو میرے یہ عین سعادت اور خوش نصیبی ہے اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم لوگ میرے دروازے پر حاضری دو تو یہ میری بدبختی ہے"

تاریخ عالم میں جنگ قادسیہ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ دنیا کی بڑی فیصلہ کن جنگوں میں شمار ہوتی ہے۔ فتح قادسیہ نے سلطنت کسریٰ کی کمر توڑ دی۔ اور اگرچہ اس کے بعد بھی ایرانیوں سے کئی زبردست جنگیں ہوئیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنگ قادسیہ کے بعد ایرانی فوج میں وہ سکت باقی نہ رہی قادسیہ کی شکست نے ایرانی فوج کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔ فتح قادسیہ دراصل ملک ایران اور ایشیائے کوچک کی فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

فتح مدائن ۱۶ھ

امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضؓ کے حکم سے قادسیہ میں دو ماہ قیام کرنے کے بعد حضرت سعد نے ایران کے پایۂ تخت مدائن کی طرف پیش قدمی کی۔ یہ بڑا پُر فضا جگہ پر واقع ہے۔ دریائے دجلہ اس کے بیچوں بیچ گذرتا تھا۔ اسلامی سپاہ دجلہ کے کنارے پہنچی تو دیکھا کہ دریا چڑھا ہوا ہے۔ مجوس پل کو توڑ گئے تھے۔ اور کشتیاں بھی ساتھ لے گئے تھے مسلمان حیران تھے کہ کیا کیا جائے۔ اس موقع پر مسلمانوں نے بڑی بہادری اور جانبازی کا ثبوت دیا۔ سپہ سالار

Marfat.com

حضرت سعدؓ نے خدا کا نام لے کر دریا میں گھوڑا ڈال دیا۔ سپہ سالار کے پیچھے چھ سو بہادر اور بڈرشہسواروں نے بھی دریا میں گھوڑے دوڑا دیے اور تھوڑی دیر میں دریا کے پار جا اترے۔ مسلمانوں کی شجاعت دیکھ کر ایرانی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ وہ کہنے لگے مسلمان انسان نہیں جن ہیں۔ معمولی سی مزاحمت کے بعد اسلامی فوج مدائن میں داخل ہو گئی۔ شاہِ ایران یزدگرد پہلے ہی سے بھاگنے کی تیاری کر چکا تھا۔ مسلمانوں کو شہر میں داخل ہوتا دیکھ کر اپنا پایۂ تخت چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ مسلمانوں نے پہلی نمازِ جمعہ ایوانِ کسریٰ میں ادا کی۔ حضرت سعدؓ نے مدائن کو صدر مقام بنایا۔ اور مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق سنبھالا۔ قصرِ شاہی میں بے شمار مال و دولت اور زر و جواہرات کے ذخیرے موجود تھے۔ نہایت قیمتی ساز و سامان اور سیم و زر کے انبار مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ حضرت عمرؓ مالِ غنیمت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی فوج میں ساٹھ ہزار شہسوار تھے۔ ہر شہسوار کو دس ہزار درہم ملے۔

تسخیرِ جلولا

ایرانی فوج نے پایۂ تخت خالی کرنے کے بعد جلولا کے قلعہ میں پناہ لی۔ یہ شہر مدائن سے جانب شمال چالیس میل کے فاصلہ پہ واقع تھا۔ یہاں کسریٰ نے قریباً ایک لاکھ فوج جمع کر رکھی تھی۔ اسلامی لشکر نے شہر کو گھیر لیا۔ تین ماہ تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ آخر تنگ آ کر ایرانیوں نے اچانک مسلمانوں پر حملہ بول دیا۔ یہ بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ فریقین کے تیر اور نیزے ختم ہو گئے۔ سپاہی تلواروں اور کلہاڑیوں سے لڑنے لگے۔ مسلمانوں نے بڑے زور کا حملہ کیا اور خندق کے دروازے پر جا پہنچے۔ اتنے میں شام ہو گئی۔ اندھیرا چھانے لگا۔ رات کی تاریکی دیکھ کر مسلمان مجاہد جنگ ملتوی کرنا چاہتے تھے کہ سالارِ لشکر قعقاع بن عمرو نے لشکر سے ان الفاظ میں خطاب کیا:۔

"مجاہدو! کدھر جا رہے ہو۔ تمہارا سالار تو خندق کے دروازے پہ پہنچ چکا ہے۔ اپنے امیر کی طرف بھاگو۔ ہم ایک پلے میں شہر کے اندر داخل ہوا چاہتے ہیں۔"

تابعین لشکر یہ الفاظ سن کر مجاہد دشمن پر پل پڑے اور ایسا حملہ کیا کہ سب خندق

Marfat.com

کے دروازے پر پہنچ گئے۔ مسلمانوں کا سالار دروازے پر قابض ہو چکا تھا۔ ایرانی دُم دبا کر بھاگ نکلے۔ مسلمان سپاہیوں نے دشمنوں کے کشتوں کے پشتے لگا دئے۔ جو جان بچا کر بھاگ نکلے وہ حُلوان میں پناہ گزین ہوئے۔ مسلمان شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ یہاں بھی بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ سیم و زر کے انبار ملے۔ سامان جنگ بھی بکثرت دستیاب ہوا۔ ہر شہسوار کو درہم اور نو نو سواری کے جانور ملے۔ تسخیر کے بعد جلولا اور اس کے ارد گرد کے علاقوں پر جزیہ لگا دیا گیا۔

فتح حُلوان

شاہِ ایران یزدگرد اس وقت حُلوان میں تھا۔ جب اس نے جلولا فتح ہونے کی خبر سنی۔ تو حُلوان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ قعقاع بن عمرو پیش قدمی کرتے ہوئے حلوان پہنچے۔ تو معمولی مزاحمت کے بعد شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور ساتھ ہی اعلان کر دیا۔ کہ جو شہری اسلام قبول کرے گا یا جزیہ ادا کریگا اس کی جان اور مال محفوظ رہے گا۔ یہ اعلان سن کر بہت سے سردار مسلمان ہو گئے۔ حُلوان عراق کا آخری شہر تھا۔ اس کی تسخیر کے ساتھ عراق کی فتح مکمل ہو گئی۔

عراق سے زر و سیم کے مال و متاع کے انبار کے انبار مدینہ آنے لگے۔ ایک دن غنیمت کے ایک ڈھیر پر حضرت عمرؓ کی نظر پڑ گئی۔ تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ سے پوچھا گیا۔ کہ یہ خوشی کا مقام ہے آپ روتے کیوں ہیں؟ فرمایا۔ "جہاں مال و دولت کی فراوانی آتی ہے۔ وہاں بغض و حسد بھی موجود ہوتے ہیں اور قوم کی قوت خانہ جنگی کی نذر ہونے لگتی ہے۔" (تاریخ طبری)

کوفہ و بصرہ کی آبادکاری

عراق کو مسخر کرنے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایرانیوں کے دار السلطنت مدائن میں سکونت اختیار کی۔ ملکی انتظامات اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے اسلامی فوجوں کا قیام وہاں ضروری تھا۔ لیکن ملک کی آب و ہوا عربوں کو راس نہ آئی۔ اس لئے امیر المومنین حضرت

Marfat.com

عمرؓ کے حکم سے دو شہر آباد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ وہ دو شہر کوفہ اور بصرہ تھے۔

کوفہ شہر حیرہ کے قریب دریائے فرات کے مغربی کنارے پر واقع تھا۔ بڑا شاداب اور سرسبز ہونے کے علاوہ صحرا سے بھی دور نہ تھا۔ حضرت سعد نے وہاں ایک شاندار مسجد بنانے کا حکم دیا۔ مسجد کے پاس ہی قصر سعد کے نام سے حضرت سعد کے لئے مکان تعمیر ہوا۔ مسجد کے ارد گرد فوج کے لئے چھاؤنی بنا کر چالیس ہزار سپاہیوں کو ٹھہرایا گیا۔ بصرہ دریائے فرات کے دہانہ پر شہر اُبلہ کے قریب خلیج فارس سے متصل آباد ہوا۔ سب سے پہلے مسجد تعمیر ہوئی۔ پھر دارالامارت بنا۔ پھر فوجی اور شہری محلے آباد ہوئے۔ کوفہ اور بصرہ دونوں شہر اسلامی افواج کے لئے چھاؤنیاں قرار پائے۔ بعد میں یہ شہر اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی علوم و فنون کے مرکز ٹھہرے۔ بڑے عرصہ تک ان شہروں کو علمی، سیاسی اور عسکری اہمیت حاصل رہی۔

خوزستان

خوزستان کا علاقہ بصرہ کے قریب شمال مشرق میں واقع تھا۔ یہاں ہرمزان فوجیں لئے بیٹھا تھا۔ بصرہ کے مسلمانوں کو خوزستان کی طرف سے دن رات خدشہ رہتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے امیر بصرہ عتبہ بن غزوان کو فوجی کمک بھیجی کہ خوزستان کو زیر کیا جائے۔ ہرمزان اپنی فوجیں لے کر شہر اہواز کے قریب فروکش ہوا۔ اسلامی فوجیں سامنے آئیں۔ تو ہرمزان نے ہتھیار ڈال دئے۔ اور اس شرط پر صلح کر لی کہ اسے حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا جائے۔ چنانچہ تھوڑے سے عرصہ میں اہواز، سوس، رام ہرمز، شوشتر اور جندی سابور کے اہم مقامات اسلامی سلطنت میں شامل کر لئے گئے۔ جب مسلمانوں نے خوزستان پر قبضہ کیا تو یزدگرد کو سن کر بڑا افسوس ہوا۔ اسے یہ بات سن کر بڑا صدمہ ہوا کہ اس کا دست راست ہرمزان بھی زیر ہو گیا ہے۔ اس نے سمجھا کہ اب سارا ایران ہاتھ سے گیا۔ چنانچہ ایران کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے یزدگرد نے پھر کوشش کی اور تمام چھوٹی بڑی ریاستوں کو ایران کی مدافعت و حفاظت پر اکسایا۔

Marfat.com

نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ڈیڑھ لاکھ فوج اسلامی لشکر سے ٹکر لینے کے لئے تیار ہو گئی۔

فتح نہاوند ۲۱ھ

یزدگرد نے ایران کے مشہور و معروف سپہ سالار مردان شاہ کو قائد لشکر بنا کر نہاوند بھیجا۔

حضرت عمر کو ایران کی اس تیاری کی خبر ملی۔ تو آپ نے سرحد کی طرف کمک روانہ کی۔ اور نعمان بن مقرن کو تیس ہزار فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ جب مسلمان وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایرانی فوج پہلے سے وہاں موجود ہے۔ ایرانیوں نے قلعوں میں ٹھکانا کیا۔ قلعوں کے اردگرد خندقیں کھدیں۔ مسلمان مجبوراً محاصرہ کر کے بیٹھ گئے۔ ایرانی جب چاہتے طاقت آزمائی کر کے واپس قلعوں میں جا گھستے۔ اسلامی فوج ان کی چالوں سے تنگ آ گئی۔ آخر یہ ترکیب کی کہ ایک دن جب معرکہ چھڑا تو مسلمان پسپائی کا دکھاوا کر کے پیچھے ہٹتے گئے۔ ایرانی سمجھے کہ مسلمان ہار کھائے جاتے ہیں۔ وہ آگے بڑھے اور ستم یہ کیا کہ اپنے پیچھے لوہے کے بڑے بڑے گوکھرو بچھاتے گئے تاکہ عربوں کو شکست دئے بغیر اپنی چھاؤنی میں لوٹنے کا نام نہ لیں۔

فرزندانِ توحید نے دیکھا کہ ایرانیوں کا اب سلامت پلٹنا ناممکن ہے تو قدم روک لئے۔ پھر تلواریں تول کر دشمن پر ٹوٹے اور لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ اس قدر خون بہا کر کیچڑ ہو گیا۔ گھوڑے پھسل پھسل جاتے تھے۔ حضرت نعمان کا گھوڑا پھسلا اور آپ زمین پر آ رہے۔ اسی اثنا میں آپ کے ایک تیر لگا۔ اور زخمی ہو گئے۔ آپ کی ... لت نازک تھی۔ فوج کو خبر نہ لگنے دی تاکہ بددلی نہ پھیلے۔ (تاریخ مسعو...)

ایرانی فوج مسلمانوں سے چار گنا زیادہ تھی لیکن جم نہ سکی۔ ... ان کے پاؤں اکھڑ گئے مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کیا اور ہزاروں ایرانی ہلاک ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر اس سروسامان کے ساتھ کبھی مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آ سکے۔ اسی لئے عرب مؤرخین اس فتح کو "فتح الفتوح" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ (فتوح البلدان بلاذری)

Marfat.com

حضرت نعمان بن مقرن کا آخری وقت قریب تھا کہ معقل بن یسار آپ کے پاس آئے اور آپ کا منہ دھونے لگے۔ اس حالت میں بھی زبان سے نکلا "مسلمانوں کا کیا انجام ہوا؟" جواب ملا "خدا نے فتح دی" فرمایا "الحمد للہ! عمر کو اطلاع دو" یہ مژدہ سن کر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

حضرت عمرؓ کو مہینوں سے بیقراری کے ساتھ جنگ کے نتیجہ کا انتظار تھا۔ نوید ظفر پہنچی تو مسرور ہوئے لیکن جب نعمان کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار سر پر ہاتھ دھر کر رونے لگے۔

ایران پر عام لشکر کشی

واقعہ نہاوند کے بعد حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ جب تک شاہِ ایران ملک میں موجود ہے۔ بغاوت کا فتنہ فرو نہ ہوگا۔ اس بنا پر عام لشکر کشی کا ارادہ کیا اور اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کر کے مشہور افسروں کو دیے اور انہیں خاص خاص علاقوں کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ ۲۱ھ میں یہ سب غازیانِ اسلام مختلف اطراف کی طرف چلے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دو سال ہی میں تمام ایران پر عربوں نے قبضہ کر لیا۔ اصفہان، آذربائیجان، طبرستان کے علاوہ آرمینیہ کا ایک حصہ ۲۲ھ میں فتح ہوا۔ اگلے برس کرمان، سیستان، مکران اور خراسان کو زیرنگین کیا گیا۔

ایران کا آخری تاجدار یزدگرد مرو کے شہر سے بھاگ کر خاقان (یہ ترکستانی بادشاہوں کا لقب ہے) کے پاس پہنچا۔ خاقان نے اس کی بڑی عزت و تکریم کی۔ اور بھاری فوج لے کر یزدگرد کے ہمراہ خراسان کی طرف بڑھا۔ اس کے مقابلہ پر احنف بن قیس مقرر ہوئے۔ خاقان مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ احنف نے اولین مبارزت میں خاقان کے تین جرنیل کے بہادروں کو ٹھکانے لگا دیا۔ خاقان کی ہمت چھوٹ گئی اور یہ کہہ واپس چلا گیا۔ کہ اس قوم سے لڑنے میں کوئی بھلائی نہیں۔ (تاریخ طبری)

یزدگرد کو خاقان کے واپس جانے کی خبر ملی۔ تو مایوس ہو کر خزانہ اور جواہرات

Marfat.com

ساتھ لے کر ترکستان کا عزم کیا۔ درباریوں نے دیکھا کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے انہوں نے یزدگرد کو روکا وہ نہ مانا۔ چنانچہ درباریوں نے مقابلہ کر کے تمام مال و اسباب چھین لیا۔ یزدگرد بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا۔ اور چند سال ترکستان کی خاک چھاننے کے بعد عثمانی خلافت میں قتل ہوا۔ تاجدارِ ایران کے نابود ہوتے ہی ایران کی شورشیں ہمیشہ کے لئے دب گئیں اور وہاں مسلمانوں کی حکومت مستحکم ہو گئی۔

احنف نے بارگاہِ خلافت میں نامۂ فتح روانہ کیا۔ حضرت فاروق رضؓ نے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا اور مژدۂ جانفزا سنایا۔ آپ نے فرمایا:

"آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی۔ اور اب وہ اسلام کو کسی طرح نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی صراطِ مستقیم پر قائم نہ رہے۔ تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کو دے دیگا۔" (تاریخ طبری و ابن خلدون)

فتوحاتِ شام

فتحِ دمشق ۱۴ھ

بلادِ شام میں سے اجنادین بصری اور چھوٹے چھوٹے شہر خلافتِ صدیقی میں فتح ہو چکے تھے حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ تو دمشق محاصرہ کی حالت میں تھا۔ قیصرِ روم نے دمشق کی حفاظت کے لئے بہت بڑی فوج روانہ کی مگر مسلمانوں نے اس لشکر کو بھگا دیا۔ مجاہدین نے شہر کے سب ناکے بند کر دئیے اور کسی طرف سے کمک نہیں آسکتی تھی۔ محاصرہ پر ستر دن گذر گئے شہر کی فصیل نہایت مضبوط تھی۔ ایک رات شہر کے اندر بہت شور سنائی دیا۔ حضرت خالدؓ کو جاسوسوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ شہر والے کوئی جشن منا رہے ہیں اور شراب پی کر مست ہیں۔ انہوں نے چند جانبازوں کو ساتھ لیا۔ وہ کمند لگا کر شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر

Marfat.com

شہر کے اندر اُتر گئے۔ پھاٹک کے محافظوں کو قتل کر کے پھاٹک کھول دئے مسلمان باہر منتظر تھے۔ فوراً اندر داخل ہو گئے۔ اہلِ شہر اس ناگہانی مصیبت سے گھبرا گئے۔ وہ سیدھے ابو عبیدہؓ کے پاس پہنچے اور ان سے صلح کی درخواست کی۔ انہیں صورتِ حال کا علم نہ تھا۔ اس لئے صلح قبول کر لی شہر کی ایک سمت سے خالدؓ بن ولید فاتحانہ داخل ہوئے اور دوسری طرف سے ابو عبیدہؓ مصالحانہ لیکن ابو عبیدہ چونکہ مصالحت کر چکے تھے۔ اس لئے دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی۔ نہ مالِ غنیمت لوٹا گیا۔ نہ کسی کو لونڈی غلام بنایا گیا۔ (تاریخ طبری)

فتح دمشق سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے شُرَحْبِیل بن حسنہ کی قیادت میں فحل کے مقام پر حملہ کر دیا۔ دو روز کی جنگ کے بعد مسلمان شہر پر قابض ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت ابو عبیدہ اور خالد بن ولیدؓ نے حمص کی طرف پیش قدمی کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر لاذقیہ، حلب، انطاکیہ وغیرہ شہروں کو زیرِ نگین کر کے اردن کے تمام علاقے قبضہ میں کر لئے۔

جنگ یرموک ۱۵ھ

دمشق کی فتح کے بعد قیصر روم نے شام کو بچانے کی پوری کوشش شروع کر دی۔ اور سلطنت کے دور دراز مقامات سے فوجیں طلب کیں، اس نے دو لاکھ فوج انطاکیہ کے مقام پر اکٹھی کر لی۔ اور خود وہیں مقیم ہو گیا حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے چھوٹے چھوٹے دستے جو حضرت خالدؓ بن ولید اور عمرو بن العاص کی سرکردگی میں شام کے مختلف علاقوں کو فتح کرنے کے لئے گئے تھے واپس بلا لئے۔ اور دمشق۔ فحل۔ حمص اور دیگر شہروں کو خالی کر دیا گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ جن شہروں سے جزیہ لیا گیا ہے۔ انہیں واپس کیا جائے اب ہم ان کی حفاظت سے قاصر ہیں اس لئے جزیہ کے حقدار نہیں۔ شام کے عیسائیوں نے یہ انصاف آج تک اپنے ہم مذہب رومی حاکموں میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ فرزندانِ توحید کے اخلاقی تقدس پر ششدر رہ گئے۔ حمص کے لوگوں نے کہا۔ کہ تمہاری عادلانہ حکومت ہمیں رومیوں کی ظالمانہ حکومت سے عزیز تر ہے۔ ہم رومی فوجوں کا مقابلہ کریں گے۔ یہود نے کہا۔ کہ جب تک ہم میں سکت ہے۔ رومی حمص میں قدم

Marfat.com

نہیں رکھ سکتے۔ (فتوح البلدان بلاذری)

حضرت عمرؓ کو مفتوحہ مقامات سے مسلمانوں کے ہٹ آنے کی خبر ملی، تو پہلے وہ بہت رنجیدہ ہوئے لیکن جب معلوم ہوا کہ تمام افسروں کی رائے یہی تھی۔ تو تسلی ہوگئی۔ اور فرمایا۔ "خدا کی اسی میں مصلحت ہوگی۔" سعید بن عامر کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کیا۔ اور قاصد کو ہدایت کی۔ کہ خود ایک ایک صف میں جا کر زبانی یہ پیغام پہنچانا۔

"اے برادرانِ اسلام! عمرؓ نے سلام کے بعد تم کو یہ پیغام دیا ہے کہ پوری سرگرمی کے ساتھ جنگ کرو۔ اور دشمنوں پر شیروں کی طرح اس طرح حملہ کرو۔ کہ وہ تمھیں چیونٹیوں کی طرح حقیر معلوم ہوں۔ ہم کو یقین کامل ہے۔ کہ خدا کی نصرت تمھارے ساتھ ہے۔ اور آخر فتح تمہارے ہاتھ ہے۔"

شام کے جنوبی صوبہ اردن میں یرموک نامی ایک ندی ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ دمشق سے ہوتے ہوئے یہاں پہنچے۔ باقی اسلامی عساکر بھی یہیں آکر فروکش ہوئے۔ رومیوں کی تعداد دو لاکھ تھی۔ اس کے مقابلہ میں مسلمان صرف تیس بتیس ہزار تھے لیکن سب کے سب یگانۂ روزگار تھے۔ اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اس میں قریباً ایک ہزار صحابہ تھے۔ سو وہ تھے جو غزوہ بدر میں آنحضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ لشکر کی قلت دیکھ کر حضرت ابو عبیدہؓ نے مزید مدد مانگی مگر وقت تنگ تھا حضرت عمر اعانت نہ کر سکے حضرت ابو عبیدہؓ کو خط لکھا کہ خدا کی مدد طلب کرو۔ بدر کے غازی اس سے بھی قلیل تھے۔ (مسند احمد جلد اول حدیث ۲۴۴)

یرموک کا پہلا معرکہ بے نتیجہ رہا۔ پانچویں رجب ۱۵ھ کو دوسرا معرکہ پیش آیا۔ رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لی تھیں کہ بھاگنے کا خیال نہ آئے۔ ہزاروں پادری ہاتھوں میں صلیب لئے آگے آگے تھے اور حضرت عیسیٰ کا نام لے کر جوش دلاتے تھے۔ رومیوں کا لشکر آگے بڑھا تو ایک مسلم سپاہی کہہ اٹھا۔ "کتنا بڑا لشکر ہے۔" حضرت خالدؓ نے سن لیا۔ فرمایا۔ "رومی کتنے تھوڑے اور مسلمان کس قدر زیادہ ہیں۔ فوجوں کی کثرت

Marfat.com

نصرتِ ربانی سے ہوتی ہے"۔ اسلامی فوج کے پیچھے ایک بہت بڑا ٹیلہ تھا۔ حضرت خالدؓ نے عورتوں کو اس پر کھڑا کر دیا۔ اور کہا کہ خیموں کی چوبیں تھام لو اور پتھر سامنے ڈھیر کر لو۔ جو مرد میدان سے منہ موڑے اس کی خبر چوبوں اور پتھروں سے لو۔ (فتوح الشام واقدی)

گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ کچھ دیر پلہ برابر رہا۔ پھر رومیوں نے زور کیا۔ عربوں کو دھکیل کر ان کی خیمہ گاہ تک لے گئے۔ مسلمان عورتیں ڈنڈے لے کر ان پر لپکیں۔ سپاہیوں کو غیرت آئی اور پلٹ کر دشمن پر ایسے گرے کہ صفیں الٹ دیں۔ دختران اسلام نے اس روز جس حمیت اور دینی جوش کا مظاہرہ کیا وہ ملت کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ مردوں کو پکار پکار کر جہاد پر ابھارتی تھیں۔ حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی ہند کمن سالی کے باوجود میدانِ جہاد میں موجود تھی اور رجز پڑھ رہی تھی۔ بعض خواتین تلواریں سونت کر دشمن پر ٹوٹ پڑیں۔ ہند کی بیٹی جویریہ نے اپنے شوہر کے شانہ بشانہ شمشیر زنی کی (فتوح البلدان بلاذری وتاریخ طبری)

حضرت ابوسفیانؓ اس معرکہ میں شامل تھے۔ جنگ میں بھی حصہ لیا۔ بہادرانِ اسلام کو جوش دلاتے پھرتے تھے۔ ان کی ایک آنکھ طائف کے معرکہ میں کھوئی تھی دوسری اس معرکہ کی نذر ہوگئی۔ ابوہریرہؓ بھی شامل لشکر تھے۔ ان کی للکار رہ رہ کر دلوں کو گرماتی تھی۔ (فتوح البلدان ومعارف ابن قتیبہ)

حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل نے چار سو آدمیوں سے بیعت لی تھی کہ مرتے مر جائیں گے لیکن دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔ اس کے بعد دشمن کے قلب میں ایسے گھسے کہ فقط ایک آدمی زندہ بچا۔ حباش بن قیس نے کئی رومیوں کو فنا کیا۔ جنگ کے دوران ان کا ایک پاؤں کٹ کر کہیں گر گیا۔ انہیں خبر نہ ہوئی کچھ دیر بعد پتہ چلا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ لیکن انجام کار مسلمانوں کی ثابت قدمی اور پامردی کے آگے رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان کی ایک لاکھ سے زائد لاشیں میدان جنگ قریبی جنگلوں اور میدانوں میں بکھری پڑی تھیں۔ ان کا سپہ سالار ماہان مارا گیا۔ چالیس ہزار عیسائی گرفتار ہوئے۔ کل تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ قیصر کو اس ہزیمت کی خبر ملی تو حسرت وافسوس کے ساتھ ملک شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ نتیجہ جنگ کے

Marfat.com

انتظار میں حضرت عمرؓ کی نیند اُڑ گئی تھی۔ مژدہ فتح سُنا تو اسی وقت سجدہ میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا۔ (فتوح البلدان بلاذری)

فتح یرموک کے بعد اسلامی فوجیں اطرافِ ملک میں پھیل گئیں اور سارے شام کو زیرنگین کر لیا۔ انطاکیہ تک کا علاقہ لے لیا۔ یہ شام کا سب سے بڑا شہر تھا اور لبِ ساحل واقع تھا۔

بیت المقدس ۱۶ھ

اسے یروشلم بھی کہتے ہیں۔ اس کا قدیم نام ایلیا بھی ہے۔ یہ شہر فلسطین کا صدر مقام تھا۔ اس کو قبضہ میں لیئے بغیر شام کی تسخیر مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیئے فاروقِ اعظمؓ کے حکم سے ابو عبیدہؓ نے اس پر فوج کشی کر دی۔ عیسائی شہر میں محصور رہ کر بیٹھ گئے۔ کچھ عرصہ بعد محصورین نے یہ خواہش ظاہر کی کہ امیرالمومنین خود یہاں آ کر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں تو ہم شہر حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ انہیں حضرت عمرؓ سے انتہائی شفقت کی توقع تھی۔ حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ سے مشورہ کر کے حضرت علیؓ کو نائب مقرر کیا۔ اور ماہ رجب ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ (تاریخ طبری)

بیت المقدس کا سفر

حضرت عمرؓ کا یہ سفر نہایت سادگی سے طے ہوا۔ ایک مختصر سا گروہ ساتھ لیا۔ جابیہ کے مقام پر افسروں نے استقبال کیا۔ جابیہ ہی میں بیت المقدس کا وفد آیا۔ ان سے معمولی جزیہ پر صلح نامہ طے ہوا۔ شرائط یہ تھیں کہ شہر والوں کو جان و مال کی امان دی جاتی ہے۔ ان کے گرجے اور صلیبیں محفوظ ہونگی۔ انہیں تبدیلِ مذہب پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ جو لوگ بیت المقدس سے باہر جانا چاہیں۔ ان کو ہر طرح کا امن و امان حاصل ہو گا۔ (صحیح مسلم و ترمذی)

حضرت عمرؓ کا لباس کم قیمت اور پرانا تھا۔ آپ کو عمدہ پوشاک پیش کی گئی۔ تاکہ اغیار پر بے رُعبی نہ ہو۔ آپ نے جواب دیا ہمارے لیئے اسلام کا رُعب کافی ہے۔ حضرت عمرؓ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ گھوڑا سُموں کے گھس جانے کے باعث مشکل سے چلتا ہے۔ آپ نے اُونٹ کی سواری لے لی۔ بیت المقدس کے قریب پہنچے، تو آپ کو ایک ترکی گھوڑا

Marfat.com

پیش کیا گیا۔ اور اونٹ کی سواری کو آپ کے شایان شان نہ سمجھا گیا۔ آپ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ وہ شوخی کی چال چلا۔ آپ اُتر پڑے اور فرمایا۔ "میں ڈرتا ہوں۔ کہ اس کی چال مجھ میں غرور پیدا کردے" (تاریخ طبری)

پادریوں نے آپ کو شہر کی سیر کرائی۔ ایک گرجا میں تھے کہ نماز کا وقت آگیا عیسائیوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ آپ نے فرمایا "میں گرجا میں نماز پڑھوں تو مسلمانوں کو نظیر مل جائے گی۔ مبادا وہ غیر مسلم رعایا کے عبادت کدوں کو مسجدیں بنانے لگیں۔ چنانچہ گرجا سے باہر نکل کر نماز پڑھی۔ (فتوح البلدان بلاذری صہ ۱۴۷)

ایک دن مؤذنِ رسول ؐ حضرت بلال رضؓ سے درخواست کی کہ اذان دیجئے۔ انہوں نے اذان دی۔ تو حیاتِ نبوی کا سماں آنکھوں میں پھر گیا۔ حاضرین رقت سے لبریز ہوگئے اور دیر تک اشکبار رہے۔ (فتوح الشام ازدی)

حضرت خالدؓ کی معزولی ۱۷ھ

فتوحاتِ شام کے واقعات میں حضرت خالدؓ کی سبکدوشی ایک اہم واقعہ ہے۔ حضرت خالدؓ کو ۱۷ھ میں معزول کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ حضرت خالدؓ ایک بہترین فوجی سپہ سالار ہونے کے ساتھ کسی حد تک خود رائے بھی تھے۔ جنگی سرگرمیوں کے سلسلہ میں جو اخراجات ہوتے تھے وہ ان کا باقاعدہ حساب دربارِ خلافت کو نہیں بھیجتے تھے۔ کئی بار حضرت عمرؓ نے انہیں تاکید کی لیکن انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آرہا ہوں۔ یہ امر واقعہ بھی ہے کہ حضرت خالدؓ جنگی معاملات میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ مالی معاملات کے بھی ماہر ہوں۔ دوسری طرف حضرت عمرؓ یہ برداشت نہ کرسکتے تھے کہ بیت المال کی رقم بلا حساب کتاب خرچ ہوتی رہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت خالدؓ کو لکھ دیا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو۔ حضرت خالدؓ نے یہ شرط نامنظور کردی۔ تاہم حضرت عمرؓ نے انہیں معزول نہیں کیا بلکہ حضرت ابوعبیدہؓ کے

Marfat.com

ماتحت کر دیا۔ (اصابہ جلد دوم ص۹۹)

۱۷ھ میں حضرت خالدؓ نے ایک شاعر کو دس ہزار درہم انعام میں دیئے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے باز پرس کی۔ اور حضرت ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ اگر خالدؓ نے یہ انعام اپنے پاس سے دیا تھا، تو اسراف ہے۔ اور اگر بیت المال سے دیا تو خیانت ـــ دونوں حالتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ آپ نے ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ خالدؓ کو بلا کر اس کا جواب طلب کریں۔ ابو عبیدہؓ نے حکم کی تعمیل کی سب لوگوں کے سامنے قاصد نے حضرت خالدؓ سے جواب طلب کیا، وہ خاموش رہے۔ حضرت بلالؓ اٹھے۔ اور کہا کہ ہمیں حضرت عمرؓ کے حکم پر پورا عمل کرنا ہے۔ خالدؓ کی ٹوپی اتاری اور ان کی پگڑی گلے میں ڈال کر گرفتار کر لیا۔ پھر پوچھا مال کہاں سے دیا ہے؟ بولے "جیب سے" اب چھوڑ دیا۔ اور اپنے ہاتھ سے پگڑی بندھائی۔ کس قدر عبرت انگیز اور صبر آزما سزا تھی۔ مگر کیا مجال کہ تاریخ اسلام کے غازی اعظمؓ کی اطاعت میں فرق آیا ہو۔ آج وہ مجاہد اعظم اور فاتح ایران و شام جس کی لرزہ فگن شخصیت نے قیصر و کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملا دیا تھا، نظم و ضبطِ اسلام کے آگے بے بس اور دبدبہ فاروقی کے آگے مُہر بلب کھڑا تھا۔

حضرت خالدؓ حضرت عمرؓ کے حکم سے ان کے پاس مدینہ پہنچے اور عرض کیا کہ آپ نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو کسی ناراضگی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے۔ آپ کے کارناموں کی وجہ سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے اس لیے میں نے معزول کر دیا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے (تاریخ طبری جلد۵)

حضرت خالدؓ نے خلافتِ فاروقی کے ۷ ہویں برس حمص میں بیمار رہ کر وفات پائی۔ آپ نے اتنی جنگیں لڑی تھیں کہ جسم کا کوئی حصہ زخموں کے نشانات سے خالی نہ تھا مگر شہادت کی آرزو بر نہ آئی۔

قحط ۱۸ھ حضرت فاروقؓ کی خلافت کے پانچویں سال ۱۸ھ میں مدینہ اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ قحط کی لپیٹ میں آ گیا۔ بارش نہ ہوئی

Marfat.com

زمین خشک ہو گئی۔ چشمے سوکھ گئے۔ انسان و حیوان بھوک پیاس کی شدت سے مرنے لگے۔ اکثر لوگ دیہات سے مدینہ آ گئے۔ شہر کے چاروں طرف خیموں کا جنگل لگ گیا۔ آپ نے سرکاری گودام کھول دیئے۔ باہر سے غلہ منگوانے کے فوری انتظامات کئے۔ آپ اپنے ہاتھ سے غلہ تقسیم کرتے تھے قحط کے ایام میں اس قدر فکرمند رہتے تھے کہ لوگ خیال کرنے لگے "اگر قحط جلدی نہ ہٹا تو آپ اس کے غم میں جان دے دیں گے۔ خود بھوکے رہتے تھے فرمایا کرتے تھے" اگر میرا پیٹ بھر جائے تو اوروں کی تکلیف کا احساس کیونکر ہو گا قسم کھائی کہ جب تک لوگوں کو سیر ہو کر کھانا نہ ملے گا گھی اور دودھ نہ چکھوں گا۔ باہر سے غلہ آیا تو قحط سالی کے آثار دور ہو گئے۔ (ابن جوزی)

طاعون عمواس ۱۸ھ

۱۸ھ میں شام میں نہایت سخت طاعون پھیلا جو پچاس ہزار مسلمانوں کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ (طبری) بڑے بڑے نامور صحابہ نے وفات پائی۔ حضرت عمرؓ انتظامات کے لئے بذات خود شام پہنچے۔ مگر سرغ کے مقام سے مشورہ صحابہ لوٹ آئے۔ حضرت ابو عبیدہ کو بھی واپس بلا لیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جو قسمت میں لکھا ہے ہو کر رہے گا میں مسلمانوں کو چھوڑ کر نہیں آ سکتا"۔ حضرت عمرؓ یہ خط پڑھ کر رونے لگے اور ابو عبیدہؓ کو دوبارہ لکھا کہ اگر تم نہیں آتے تو فوجوں کو مرطوب مقامات سے ہٹا دو۔ اس حکم پر وہ جابیہ چلے آئے۔ جہاں کی آب و ہوا بہت عمدہ تھی۔ مگر ان پر وبا کا اثر ہو چکا تھا۔ اس لئے جابیہ آنے کے بعد طاعون میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ انتقال سے پہلے حضرت معاذ بن جبل کو اپنا جانشین بنا گئے۔ انہوں نے بھی وفات پائی۔ حضرت معاذ رضؓ نے عمرو بن العاص کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے فوراً فوجوں کو پہاڑی مقامات پر بھیج دیا۔

اس وبا میں ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے انتظامات کے لئے دوبارہ شام کا سفر کیا اور اکثر اضلاع کا دورہ کر کے مناسب انتظامات کئے۔ فوجوں میں روپیہ تقسیم کیا۔ ہر مرحوم مسلمانوں کے وارثوں کو ان کا ترکہ دلایا۔ فوج میں جو جگہیں

Marfat.com

خالی ہوگئی تھیں۔ ان پر نئے عہدہ دار مقرر کئے ان انتظامات سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آئے۔ دجلہ کے گرد و نواح میں عمواس نامی ایک گاؤں تھا۔ وہاں سے وبا پھوٹی اور سارے شام پر محیط ہوگئی۔ اس لئے تاریخ میں اس کو طاعونِ عمواس کہا جاتا ہے۔ (تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۶۷)

فتح مصر ۲۰ھ

ساتویں صدی عیسوی میں جب مسلمانوں نے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ تو بیت المقدس اور شام کی طرح مصر بھی رومیوں کے قبضہ میں تھا۔ وہاں کے باشندے قبطی کہلاتے تھے یہ مذہبًا عیسائی تھے۔ ان پر قیصر روم کی طرف سے ایک مصری نائب مقرر ہوتا تھا۔ جسے مقوقس کہتے تھے قبطیوں کے ساتھ رومیوں کا سلوک اچھا نہ تھا۔

حملہ کے اسباب

۱۔ شام کے زیر نگیں ہونے کے بعد اس کے قریبی ملک مصر پر فوج کشی ہوئی۔ اس کی فتح کا سہرا تمام تر حضرت عمروؓ بن العاص کے سر ہے۔ ظہورِ اسلام سے قبل وہ تجارت کے سلسلہ میں اکثر مصر آیا جایا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں مصر کی شادابی اور زرخیزی ان کی نگاہ میں تھی۔

۲۔ دوسرا محرک یہ تھا۔ کہ مصر کی قبطی حکومت قیصر روم کے ماتحت تھی اور رومیوں کا اس پر پورا اثر تھا۔ وہ نہایت آسانی کے ساتھ قبطیوں کے ذریعہ شام میں شورش برپا کرا سکتے تھے۔ اس لئے شام کی حفاظت کے لئے مصر پر قبضہ کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ شام کی فتح کے بعد عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ سے مصر پر فوج کشی کی اجازت مانگی۔ آپ نے احتیاط کے نقطہ خیال سے انکار کر دیا۔ لیکن حضرت عمرو بن العاص کے پیہم اصرار پر رضامند ہو گئے اور چار ہزار سپاہ ان کے ساتھ روانہ کر دی۔

۳۔ تیسری وجہ یہ تھی۔ کہ رومی سردار اطربون فلسطین سے بھاگ کر مصر چلا گیا تھا اور وہاں اپنی طاقت بڑھا رہا تھا۔

۴۔ قیصر روم مصر کی راہ سے شام پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا۔

Marfat.com

۵۔ مصر پر رومیوں کا غاصبانہ قبضہ تھا۔ انہوں نے اہلِ مصر کو غلامی کے شکنجہ میں جکڑ رکھا تھا۔ مصر کو رومیوں سے چھین لینے کا خود وہاں کے باشندوں کو یہ فائدہ پہنچتا کہ ظالم حکمرانوں سے نجات پا جاتے۔

۶۔ یہ بات پوشیدہ نہ تھی۔ کہ مصر والے رومیوں کو ناپسند کرتے تھے۔ اسلامی حملہ کی صورت میں ان سے یہ توقع تھی کہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ بعد کے حالات نے فاتح مصر عمرؓو بن العاص کے اس اندازہ کو صحیح ثابت کر دیا۔ کہ اہل مصر نہایت آسانی سے مغلوب ہو جائیں گے۔

فسطاط کی فتح

عمرو بن العاص نے چار ہزار کا لشکر لے کر ۲۰ھ میں مصر پہ فوج کشی کی اور عریش کے راستہ سے فرما پہنچے۔ یہاں کی رومی فوجوں نے روکا۔ عمرؓو بن العاص نے انہیں شکست دی اور آگے بڑھ کر بلبیس اور دیگر مقامات فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے۔ فسطاط اس زمانے میں غیر آباد تھا۔ لیکن یہاں حکومتِ مصر کا ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں مصری فوجیں رہا کرتی تھیں۔ عمرؓو بن العاص نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ نہایت مضبوط تھا۔ مصریوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لیے عمرؓو بن العاص نے دارالخلافہ سے مزید امدادی فوجیں طلب کیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت زبیرؓ بن عوّام اور چند صحابہ کو دس ہزار فوج دے کر بھیجا۔ کامل سات ماہ تک قلعہ کا محاصرہ جاری رہا مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت زبیرؓ ایک دن ہمت کر کے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ بعض صحابہ نے ان کا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچ کر ان سب نے اس زور سے تکبیر کا نعرہ لگایا۔ کہ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ میں گھس آئے بدحواس ہو کر قلعہ سے باہر نکلے۔ حضرت زبیرؓ نے قلعہ میں اتر کر پھاٹک کھول دیا اور اسلامی فوج اندر داخل ہو گئی۔ یہ صورت دیکھ کر مقوقس نے صلح کر لی۔ قیصر کو اس مصالحت کی خبر ہوئی۔ تو اس نے مقوقس کو لکھ بھیجا۔ کہ اگر تم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی۔ قیصر روم نے اسی وقت قسطنطنیہ سے ایک لشکر گراں اسکندریہ روانہ کیا۔

فتح اسکندریہ

اس شہر کو سکندر اعظم نے بسایا تھا۔ یہ عیسائیوں کا مرکز تھا۔

Marfat.com

یہاں عظیم ترین گرجے اور مذہبی یادگاریں تھیں۔ قیصر روم خود آنا چاہتا تھا مگر اچانک مر گیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کے ساتھ کچھ قبطی رئیس بھی شامل ہو گئے۔ مصر کے لوگ رومی مظالم سے بہت نالاں تھے۔ اسکندریہ تک مسلمان آسانی سے بڑھے مگر اس کے مضافات میں پہنچ کر سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ آگے بڑھ کر مسلمانوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا۔ ایک طویل مدت اسی حالت میں گذر گئی۔ دشمن کی فوج کبھی کبھی نکل کر حملہ آور ہوتی رہتی تھی۔ محاصرہ کی طوالت سے حضرت عمرؓ کو بڑی تشویش ہوئی۔ انہوں نے عمرو بن العاص کو خط لکھا۔ " معلوم ہوتا ہے مصر میں قیام سے تم لوگ عیسائیوں کی طرح عیش و عشرت میں پڑ گئے ہو۔ ورنہ فتح میں اتنی دیر نہ ہوتی۔ میرا یہ خط پہنچتے ہی متفقہ حملہ کر دو" اس خط کے آنے پر عمرو بن العاص نے فوج کے سامنے جہاد کے فضائل بیان کئے۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا کر جمعہ کے روز قلعہ پر اس زور سے حملہ کیا کہ اسکندریہ فتح ہو گیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ کو فتح کی اطلاع بھجوا دی۔ اسکندریہ مصر کی کنجی تھا۔ باقی مصر پر آسانی سے قبضہ ہو گیا۔ رومی سامراج کا جنازہ وادی نیل سے نکل گیا۔

(خطط مقریزی جلد اوّل و فتوح البلدان بلاذری)

فتح طرابلس

تسخیر مصر کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے مغرب کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے طرابلس کے مشہور مقام برقہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر وہاں سے طرابلس کے مشہور قلعے کو فتح کیا۔

مسلمانوں کی فتوحات کے اسباب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کو ایران و روم کی سلطنت کے خلاف بڑی شاندار فتوحات حاصل ہوئیں۔ ان فتوحات کی وسعت اور تیز رفتاری واقعی حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ عرب کے بے سروسامان لوگوں کا اس قدر قلیل مدت میں روم و ایران کی

Marfat.com

سلطنتوں کو تہ وبالا کر دینا کوئی معمولی بات نہ تھی ۔ یورپین مؤرخین نے مسلمانوں کی فتح کا صرف یہ سبب بیان کیا ہے کہ یہ دونوں سلطنتیں اندرونی جھگڑوں کے باعث بہت کمزور ہو گئی تھیں اس لئے مسلمانوں نے ان کو فتح کر لیا ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں سلطنتیں مسلمانوں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ طاقتور تھیں ۔ ایرانی اور رومی جس طرح میدان جنگ میں اپنی مسلح اور تربیت یافتہ ٹڈی دل فوجیں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں لاتے اس سے ان کی طاقت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے ۔ جہاں ان سلطنتوں کے لئے صرف ایک معرکہ میں دو یا اڑھائی لاکھ فوج لانا کچھ مشکل نہ تھا ۔ وہاں مسلمان کسی معرکہ میں تیس یا چالیس ہزار سے زیادہ فوج مقابلہ میں نہ لا سکے ۔ اور ان کے لئے بھی سامان جنگ اور رسد کا معقول بندوبست ان کے پاس نہ تھا ۔ دراصل مسلمان ان پر مادی اسباب سے نہیں ، بلکہ روحانی اور اخلاقی قوت کی بنا پر بالادستی حاصل کر سکے ۔ مسلمانوں کی فتح کے مندرجہ ذیل اسباب قرار دئے جا سکتے ہیں :-

۱ ۔ مسلمانوں کی فتح کا سب سے بڑا سبب ان کا جذبۂ ایمان تھا ۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد کرنا ان کا سب سے بڑا فریضہ ہے اور اسلام کے نام پر جان قربان کرنا سب سے کامیاب زندگی ہے ۔ فتح کی صورت میں غازی اور موت کی صورت میں شہید ہونا ہر مسلمان کی سب سے بڑی آرزو تھی ۔

۲ ۔ اسلام نے مسلمانوں میں بلند اخلاق پیدا کر دیا تھا ۔ ان میں عزم و استقلال ، راستبازی اور انصاف پسندی کا جذبہ موجود تھا ۔ وہ اپنے اخلاق سے مفتوحہ علاقے کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے ۔

۳ ۔ مسلمانوں کے اندر بلا کا اتحاد اور تنظیم موجود تھی ۔ اس کے باعث ان کی قوت میں بڑا اضافہ ہو گیا تھا ۔ عرب قبائل متحد ہو کر بڑی قوت بن گئے تھے جن کا مقابلہ کرنا ایرانیوں اور رومیوں کے بس کی بات نہ تھی ۔

Marfat.com

۴- ابتدا میں جن علاقوں پر مسلمانوں نے حملے کئے وہاں عرب آباد تھے۔ اگرچہ وہ روم یا ایران کے باجگذار تھے۔ مگر عرب قومیت کے بیدار ہوتے ہی وہ مسلمانوں سے مل گئے۔ مصر کے قبطی اگرچہ عرب نہ تھے۔ تاہم وہ یونانیوں کی بدسلوکی سے پریشان تھے۔ اس لئے مسلمانوں کے ہمنوا بن گئے۔

۵- مسلمانوں کے سپہ سالار بڑے بلند پایہ اور بلند کردار کے لوگ تھے۔ خالدؓ بن ولید، ابوعبیدہؓ بن الجراحؓ۔ سعدؓ بن ابی وقاصؓ۔ اور عمروؓ بن العاص بڑے قابل جرنیل تھے۔ جن کا مقابلہ کوئی رومی یا ایرانی نہیں کر سکتا تھا۔ ہمیشہ فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی رہی۔

۶- اس دور کی فتوحات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی نمایاں حصّہ تھا۔ انھوں نے نہ صرف مسلمانوں میں جہاد کا جوش پیدا کر دیا تھا۔ بلکہ تمام فوج کا نظم و نسق اور نقل و حرکت بھی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ اور مدینہ میں بیٹھ کر اپنے احکام سے فوجی مہمات کی راہنمائی کرتے تھے۔

شہادت ۲۳ھ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک جمعہ کے خطبہ میں فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مرغ نے میرے بدن پر تین چونچیں ماری ہیں معلوم ہوتا ہے کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے اس خطبہ کے چند روز بعد ایک فارسی غلام فیروز نامی کے ہاتھوں آپ کے خواب کی تعبیر ظہور میں آئی۔ فیروز حضرت مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا۔ اس کی کنیت ابو لؤلؤ تھی۔ مذہبًا مجوسی یا عیسائی تھا۔ نہاوند کا رہنے والا تھا۔ رومیوں کے پاس اسیر ہو کر گیا تھا۔ وہاں سے مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ حضرت عمرؓ کسی عجمی کو مدینہ میں رہنے نہیں دیتے تھے۔ لیکن اس شخص کو اس کی کاریگری کی وجہ سے رہنے دیا۔ فیروز کا دل حضرت عمرؓ کے خلاف کینہ سے لبریز تھا۔ نہاوند کی جنگ سے جب قیدی مدینہ میں آئے۔ تو ایک لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیرتا۔ اور رو رو کر کہتا تھا کہ عمرؓ نے میرا کلیجہ کھا لیا ہے۔ (تاریخ طبری۔ البدایہ والنہایہ)

Marfat.com

مذکورہ جمعہ کے دوسرے روز اس کی حضرت عمرؓ کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اس نے شکایت کی کہ میرا آقا مجھ سے محصول زیادہ لیتا ہے۔ آپ نے مقدار پوچھی، تو اس نے دو درہم بتائے۔ پوچھا "کیا کام کرتے ہو؟" کہا "بڑھئی لوہار اور نقاش ہوں"۔ فرمایا "تمہارے پیشہ کے لحاظ سے یہ رقم زیادہ نہیں"۔ فیروز جانے لگا، تو آپ نے فرمایا "سنا ہے۔ تم ہوا سے چلنے والی چکی بہت اچھی بنا سکتے ہو۔ ایسی ایک چکی میرے لئے تیار کر دو"۔ اس نے کہا "بہتر ایک ایسی چکی بناؤں گا جس کا ذکر شرق سے غرب تک ہوگا"۔ آپ سمجھ گئے۔ کہ یہ قتل کی دھمکی ہے۔ لیکن اتنا دھیان نہ دیا۔ چار روز بعد بدھ کے دن حضرت عمرؓ نمازِ فجر کی امامت کے لئے کھڑے ہوئے۔ تو اچانک فیروز نے پیچھے سے نکل کر آپ پر خنجر سے پے درپے وار کئے۔ ایک زیرِ ناف لگا۔ آپ نے کہا۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نماز پڑھائیں۔ خود خون میں لوٹنے لگے۔ اسی عالم میں نماز ہوئی۔ فیروز بھاگ نکلا۔ نماز کے بعد اس کا تعاقب ہوا۔ اس نے تیرہ آدمی زخمی کر دئے جن میں سے چھ شہید ہو گئے۔ آخر ایک شخص نے کمبل ڈال کر پکڑا۔ اس نے خنجر اپنے پیٹ میں گاڑ لیا اور مر گیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ کہ میرا قاتل کون تھا؟ بیٹے نے بتایا۔ کہ فیروز تھا۔ فرمایا۔ "الحمد للہ! میرا قاتل ایسا شخص نہیں جس نے خدا کو ایک بھی سجدہ کیا ہو"۔

(تاریخ طبری۔ ابن اثیر۔ ابن جوزی)

زخم نہایت کاری تھا بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ آپ کو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی۔ اس لئے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حجرہ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا یہ جگہ میں نے اپنے لئے محفوظ رکھی تھی۔ لیکن عمرؓ کو ترجیح دوں گی"۔

عبداللہؓ واپس آئے۔ آپ نے پوچھا — "کیا جواب لائے"؟ عرض کیا — "جو آپ چاہتے تھے"۔ فرمایا — "سب سے بڑی آرزو یہی تھی"۔ (مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۹۱)

وفات | ضروری وصیتوں کے بعد زخمی ہونے کے تیسرے روز یکم محرم ۲۴ھ

Marfat.com

ہفتہ کے دن اس دنیا کو خیرباد کہا۔ اتوار کو دفن ہوئے۔ عمر تریسٹھ سال سے کچھ زائد تھی۔ مدتِ خلافت دس برس اور قریباً چھ ماہ ہے۔ وصیت کے مطابق حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ازواج و اولاد آپ نے مختلف اوقات میں چھ شادیاں کیں۔ لڑکے عبداللہ عبیداللہ۔ عاصم۔ عبدالرحمٰن۔ زیدؓ۔ اور مجیرؓ ہیں۔ لڑکیاں ام المومنین حضرت حفصہؓ اور رقیہ تھیں۔ آخر عمر میں خاندان نبوت سے شرفِ انتساب حاصل کرنے کے لئے حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم سے چالیس ہزار مہر پر عقد کیا تھا۔ (تاریخ اسلام شاہ معین الدین ص ۱۹۹)

خلافتِ فاروقی میں نظامِ حکومت

حضرت عمرؓ کا عہد حکومت صرف فتوحات ہی کے لئے مشہور نہیں۔ بلکہ آپ کا بے نظیر نظم حکومت بھی آپ کے حیرت انگیز تدبر اور حکمتِ عملی کو ظاہر کرتا ہے۔ آپ کے عہدِ حکومت میں اسلامی سلطنت بہت وسیع ہوگئی تھی۔ آپ نے اس وسیع سلطنت کے نظم و نسق کے لئے ایسے اصول و قواعد مرتب کئے۔ کہ تمام لوگ آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے لگے۔ آپ نے اپنی سلطنت کے مختلف عناصر کو ایک سانچے میں ڈھالا۔ مسلمان خلافتِ فاروقی میں رشتۂ وحدت میں منسلک تھے۔ وحدتِ عقیدہ، وحدتِ جنس و قوم، اور وحدتِ زبان و بیان نے انہیں مضبوط و متحد بنا دیا تھا۔ آپ نے حکومت کے وہ آئین وضع کئے۔ جو بعد میں ایک مثالی اسلامی حکومت کی اساس قرار پائے۔ اس اعتبار سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اسلام کے سیاسی نظام کا بانی قرار دیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

مجلسِ شوریٰ

اسلام کا سیاسی نظام شوریٰ پر مبنی ہے حضرت عمرؓ نے اسی بنیاد پر خلافتِ اسلامیہ کو قائم کیا۔ اس نظام میں کوئی اہم کام اہل الرائے صحابہؓ کے مشورہ کے بغیر انجام نہ پاتا تھا۔ خاص خاص حالات میں عام مسلمانوں کا مشورہ بھی لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی حیثیت صرف ایک متولی کی رکھی تھی۔ اس کا اظہار آپ نے کئی مرتبہ کیا۔ ایک موقع پر فرمایا :-

"تمہارے مال میں مجھ کو صرف اسی قدر حق ہے جس قدر ایک یتیم کے مال میں اس کے متولی کا ہوتا ہے۔ اگر میں دولتمند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا۔ اور اگر حاجت مند ہونگا تو صرف ضرورت کے مطابق لوں گا۔ مجھ پر تمہارے متعدد حقوق ہیں۔ جن کا محاسبہ تم مجھ سے کر سکتے ہو۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج نہ بے جا طور سے جمع کیا جائے اور نہ بے جا طور سے صرف ہونے پائے۔ دوسرے یہ ـــ کہ میں تمہاری تنخواہ بڑھاؤں۔ سرحدوں کی حفاظت کروں اور تم کو خطروں میں نہ ڈالوں"

(کتاب الخراج امام ابو یوسف ص۶۷)

روزانہ پیش آنے والے مسائل کے فیصلہ کے لئے اہل الرائے صحابہؓ کی مجلس شوریٰ تھی۔ اس کے ممتاز ارکان یہ تھے۔

حضرت علیؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت معاذ بن جبلؓ۔ حضرت اُبی بن کعبؓ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ (کنزالعمال جلد ۳ ص۱۳۴)

اس کے علاوہ اہم امور کے لئے ممتاز مہاجرین و انصار کی خاص مجلس ہوتی تھی۔ مسلمان برسرعام حضرت عمرؓ کو ٹوک دیتے تھے۔ شوریٰ کے بارے میں آپ فرمایا کرتے تھے :-

"ایک آدمی کی رائے کچے دھاگے کے مانند ہوتی ہے۔ دو کی بٹے ہوئے دھاگوں کی مانند۔ اور تین کی پختہ رسی کی طرح جو ٹوٹ نہیں سکتی" (عیون الاخبار)

عہد فاروقی میں مسجد نبوی اسمبلی ہال اور سیکریٹریٹ کا کام دیتی تھی۔ عمال، صوبائی خلفاء اور

Marfat.com

اور سپہ سالاروں کے نام تمام ہدایات مسجد نبوی سے جاری ہوتی تھیں۔

صوبائی نظام

حضرت عمرؓ نے مفتوحہ علاقوں کے اکثر انتظامی اداروں کو بحال رکھا۔ مگر وہاں کے غیر منصفانہ طریقوں کو بدل دیا۔ آپ نے تمام اسلامی سلطنت کو گیارہ صوبوں میں تقسیم کیا تھا۔ صوبے یہ تھے:۔

مکہ۔ مدینہ۔ شام۔ جزیرہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ فلسطین۔ فارس۔ خراسان۔ مصر اور آذربائیجان۔

ہر صوبے میں کئی عہدیدار ہوتے تھے۔ مثلاً ۔ حاکم صوبہ۔ چیف سیکرٹری افسر مال۔ پولیس افسر۔ قاضی اور خزانچی۔ یوں تو صوبہ کا والی ہی فوج کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا۔ مگر کبھی کبھی علیحدہ سپہ سالار بھی مقرر کیا جاتا تھا۔ صوبے اضلاع میں تقسیم تھے۔ ہر ضلع میں افسر خزانہ۔ عامل اور قاضی مقرر تھے جو وہاں کے نظم ونسق کو چلاتے تھے۔

افسروں کا تقرر و محاسبہ

آپ افسروں کے تقرر کے معاملہ میں بڑے محتاط تھے۔ قابل اعتماد اور لائق ترین لوگوں کو عہدے تفویض کرتے تھے۔ اس معاملہ میں آپ کی نگاہ ایسی صحیح اور دقیقہ رس تھی کہ جس کام کے لئے جس کو چن لیتے۔ اس سے بہتر آدمی نہ مل سکتا تھا۔ عہد فاروقی کی فتوحات اور انتظامی ترقی کی بڑی وجہ آپ کا حسن انتخاب ہے۔ تقرر سے پہلے اس کی جائیداد کی فہرست لے کر چار گواہوں کے دستخط ثبت کرا لیتے تھے۔ اور عام ہدایات کے علاوہ یہ شرائط اسے بتا دیتے تھے :۔

۱۔ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔

۲۔ باریک کپڑا نہ پہنے گا۔

۳۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

۴۔ دروازہ پہ دربان مقرر نہ کرے گا۔ (تاریخ طبری و سیرت عمر ابن جوزی)

Marfat.com

آپ اپنے ماتحت افسروں کو ہمیشہ رشوت سے بچنے اور سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ ہر سال حج کے موقع پر بڑے افسروں کو مکہ میں حاضر ہونے کا حکم تھا۔ وہاں ان کے خلاف شکایات سنی جاتی تھیں۔ اگر کسی کے خلاف کسی قسم کی شکایت ہوتی تو اسے سخت سے سخت سزا دی جاتی۔ حضرت عمرؓ نے شکایات کی تحقیق کے لئے ایک کمیشن بھی بنا رکھا تھا۔ جس افسر کے بارے میں سنتے کہ عوام اس کے پاس نہیں جا سکتے۔ اسے فوراً الگ کر دیتے تھے۔ عیاض بن غنمؓ عامل مصر کو بیش قیمت لباس پہننے کے جرم میں کمبل کا کرتہ پہنوا کر بکریاں چرانے پر مجبور کیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عامل کوفہ نے محل بنوایا جس میں ڈیوڑھی تھی۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو ڈیوڑھی میں آگ لگوا دی۔

محکمۂ عدالت

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں محکمۂ عدالت کو الگ کر دیا تھا۔ نہایت عادل اور متقی لوگوں کو جج اور قاضی مقرر کرتے تھے۔ ہر ضلع اور ہر صوبہ میں حکم دے رکھا تھا کہ ہر شخص کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کا دستور تھا۔ کہ صرف معزز اور دولتمند لوگوں کو قاضی بناتے تاکہ وہ رشوت کی طرف مائل نہ ہوں۔ رشوت سے بچانے کے لئے قاضیوں کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں۔ آپ نے قاضیوں کو ہدایت کی تھی کہ مقدمات کا فیصلہ کتاب و سنت کے مطابق کریں۔ اگر کتاب و سنت میں اس مسئلہ کا حل نہ ملے تو اجتہاد سے کام لیں۔ ابتدا میں قاضی اپنے گھر میں عدالت قائم کرتا تھا۔ لیکن بعد میں مسجد میں بیٹھ کر مقدمات کے فیصلے کرنے لگے۔

محکمۂ پولیس

حضرت فاروق اعظمؓ نے شہری لوگوں کی حفاظت اور قیام امن کی خاطر محکمۂ پولیس قائم کیا۔ اس عہد میں اس کا نام احداث تھا بعد میں شرط کہلانے لگا۔ عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیلخانوں کا رواج نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے جیلخانے قائم کئے۔

محکمۂ ڈاک

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری خطوط، فوجی مراسلات اور مال

Marfat.com

غنیمت کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کے لئے محکمہ ڈاک قائم کیا۔ تیز رفتار اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعے سرکاری مراسلات اور خطوط بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔ اس محکمے کی بدولت حضرت عمرؓ مدینہ میں بیٹھ کر عراق۔ شام فلسطین اور مصر میں اپنی فوجوں کو ہدایات بھیجا کرتے اور ان کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔

ٹکسال

عہدِ فاروقی سے پہلے عرب میں سونے چاندی کے غیر ملکی سکّے رائج تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں چاندی کے سکے بنائے اور ان پر عربی حروف میں عبارت کندہ کرائی۔ البتہ سونے کے سکّے بنو امیّہ کے عہد میں عبدالملک بن ولید نے بنائے تھے۔ چاندی کے سکے درہم کہلاتے تھے اور سونے کے سکّے دینار۔

مالی نظام

حضرت عمرؓ پہلے خلیفہ تھے جنہوں نے اسلامی سلطنت میں مالیات کا معقول بندوبست کیا۔ آپ نے باقاعدہ مالیات کا محکمہ قائم کیا۔

بیتُ المال :- حضرت عمرؓ نے مدینہ میں ایک مرکزی بیت المال اور ہر صوبے کے اہم ترین مقام پر صوبہ کا بیت المال قائم کیا۔ آپ نے بیت المال کے لئے کشادہ اور مضبوط عمارتیں تعمیر کرائیں۔ اگرچہ مرکزی بیت المال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بھی موجود تھا۔ مگر اس میں کچھ جمع نہ رہتا تھا۔ آپ نے بیتُ المال کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا۔ آمدنی اور اخراجات کے اصوُل وضع کئے۔ بیت المال کا حساب کتاب رکھنے کے لئے ایماندار اور بااخلاق افسر مقرر کئے۔ ہر صوبے کی آمدنی وہاں کے بیت المال میں جمع ہوتی تھی۔ اور وہاں کے اخراجات نکالنے کے بعد جو کچھ بچ رہتا تھا وہ مدینہ کے خزانہ میں داخل کر دیا جاتا۔ بیت المال کی آمدنی عموماً ان امورات پر صرف ہوتی تھی :-

۱۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہیں۔ ۲۔ فوج کے مصارف۔

۳۔ عوامی وظیفے — ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق وظیفہ ملتا تھا۔

Marfat.com

۴- رفاہِ عامہ۔

۵- سرکاری عمارتوں کی تعمیر۔

۶- قیدیوں کی کفالت۔

۷- سامانِ جنگ کی خرید۔

ذرائع آمدنی

۱- زکوٰۃ :- صرف مسلمانوں سے لی جاتی تھی۔ ان کو اپنے مال کا چالیسواں حصہ بیت المال میں داخل کرنا پڑتا تھا۔ حضرت عمرؓ سے پہلے گھوڑوں پر زکوٰۃ نہ تھی۔ کیونکہ گھوڑوں کی تجارت نہ تھی۔ آپ کے عہد میں جب ان کی تجارت ہونے لگی تو ان پر زکوٰۃ لگا دی۔ زرعی زمین پر جو لگان اہلِ اسلام سے لیا جاتا ہے، اس کو عشر کہتے ہیں۔ بارانی زمین پر دسواں حصہ اور نہروں سے سینچی ہوئی زمین پر بیسواں حصہ حکومت کو دینا ہوتا ہے۔

۲- مالِ غنیمت :- دشمنوں کی ہر وہ چیز جو مسلمان مجاہدوں کے ہاتھ آتی مالِ غنیمت کہلاتی تھی۔ اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع ہوتا تھا۔ باقی مجاہدوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔

۳- عُشور :- مسلم تاجر جب پڑوسی ممالک میں تجارت کے لئے جاتے تو وہاں کی حکومتیں ان سے سرمایہ کا دسواں حصہ بطور ٹیکس کے لیتی تھیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے بھی حکم دیا کہ غیر ممالک کے تاجروں سے دس فیصد ٹیکس لیا جائے اس کا نام عُشور تھا۔ بعد میں وطن کے تاجروں سے بھی عُشور وصول کیا جانے لگا۔ اس کا نصاب دو سو درہم تھا۔ ذمیوں سے پانچ فی صد اور اہلِ اسلام سے اڑھائی فیصد لیا جاتا تھا۔

۴- خراج : وہ رقم یا غلّہ جو غیر مسلم رعایا سے زمین کی پیداوار میں سے وصول کیا جاتا

Marfat.com

تھا۔ اسے خراج کہتے ہیں۔ خراج کی مقدار معین تھی۔ زمین کی نوعیت و حیثیت کے مطابق خراج کی شرح مقرر کی جاتی تھی۔ خراج اس زمین سے وصول کیا جاتا تھا جو فتح کے بعد غیر مسلم کاشت کاروں کے پاس رہتی تھی۔

۵۔ **جزیہ** :۔ اسلامی حکومت میں اہلِ ذمہ فوجی خدمت پر مجبور نہیں ہوتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود حکومت ان کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس حفاظت کے عوض فی کس کچھ سالانہ رقم ادا کرنا ہوتی ہے۔ اس کو جزیہ کہتے ہیں۔ صرف انہی لوگوں پر جزیہ عائد ہوتا ہے جو تلوار اٹھانے کے قابل اور خوش حال ہوں۔ معذور، راہب، بوڑھے، عورتیں، بچے اور نادار لوگ جزیہ سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ جزیہ کی شرح مقرر نہیں۔ اس میں حیثیت کے مطابق کمی بیشی ہو سکتی ہے اور معاف بھی ہو سکتا ہے۔ جو ذمی فوج میں شامل ہو جائے اس سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا۔

سنِ ہجری کا آغاز

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے ہاں تاریخ شمار کرنے کے لیے کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا۔ عام طور پر کسی بڑے واقعہ یا حادثہ مثلاً اصحاب الفیل کا حملہ، جنگِ فجار سال اور تاریخ کا شمار ہوتا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت تک یہی دستور رہا لیکن حضرت عمر رض کے عہد میں حکومت کا کاروبار بہت وسیع ہو گیا اور سرکاری خطوط اور مراسلات کے لئے باقاعدہ اور معین تاریخ کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ حضرت علی رض کے مشورہ سے سنِ ہجری کا آغاز ہوا۔ اسلامی کیلنڈر کی ابتداء حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت والے سال سے ہوئی اور اسی نسبت سے یہ سنِ ہجری کہلاتا ہے۔

Marfat.com

فوجی نظام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے پہلے فوج کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ۱۵ھ میں ولید بن ہشام کے مشورہ سے محکمہ فوج قائم کر کے اسے منظم اور وسیع کیا۔ سب مجاہدوں کے نام رجسٹر میں درج کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ تنخواہ کی کمی بیشی حسبِ مراتب تھی۔ تنخواہ داروں کی بیوی اور ان کے بچوں کو بھی وظائف ملتے تھے۔ غلاموں کو ان کے آقا کے برابر وظیفہ ملتا تھا۔ فوج دو حصوں میں تقسیم تھی۔

۱۔ باقاعدہ فوج

۲۔ رضاکار

پہلی قسم کی فوج ہر وقت تیار رہتی تھی اور دوسری ضرورت کے وقت طلب کی جا سکتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام علاقوں میں چھاؤنیاں قائم کیں۔ یہ "جند" کہلاتی تھیں۔ یہ فوجی مراکز مدینہ، بصرہ، کوفہ، دمشق، موصل، فسطاط اور حمص وغیرہ میں تھے۔ جہاں فوجیوں کے رہنے کے لئے مکانات، گھوڑوں کے لئے اصطبل اور چراگاہوں کا انتظام تھا۔ ان مقامات پر فوجیوں کا حساب کتاب رکھنے کے لئے علیحدہ دفتر تھے۔ رسد اور سامانِ جنگ مہیا کرنے کا معقول انتظام تھا۔ سپاہیوں کی تربیت اور جسمانی صحت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ شروع شروع میں صرف انصار اور قریش ہی فوج میں بھرتی کئے جاتے تھے مگر بعد میں مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کو بھی بھرتی کیا جانے لگا۔

فوج پیادہ اور شہسواروں پر مشتمل ہوتی تھی۔ شہسوار فوج کے بازوؤں پر متعین کئے جاتے تھے۔ فوجی زرہ بکتر پہن کر تلواروں، نیزوں اور تیروں سے لڑتے تھے۔ محاصرہ کے وقت قلعہ شکن آلات استعمال کئے جاتے تھے۔ ہر فوج کا ایک سپہ سالار ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے افسر مثلاً خزانچی، محاسب، قاضی، مترجم اور طبیب بھی شامل تھے۔ جمعہ کو عام

Marfat.com

تعطیل ہوتی تھی۔ اور اس کے علاوہ اتفاقی چھٹی بھی ہوتی تھی۔ چار ماہ کے بعد گھر جانے کی اجازت تھی۔ خبر رسانی اور جاسوسی کا عمدہ انتظام تھا۔ فوجوں کی نقل و حرکت کی خبر خلیفہ کو برابر ملتی رہتی تھی۔ سڑکوں اور پلوں کی مرمت اور تعمیر کا کام ذمی انجام دیتے تھے۔ فوجیوں کو مفتوحہ علاقوں میں کاشت کاری کی اجازت نہ تھی۔ عورتیں اور بچے بھی جنگ میں شریک ہو سکتے تھے۔ عورتیں زخمیوں کی مرہم پٹی اور تیمار داری کرتی تھیں۔ بچے پانی پلاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوجیوں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ان کو برابر ہدایات بھیجتے رہتے تھے۔ سپاہی کی صحت کی آپ کو ہر وقت فکر رہتی تھی۔ اسی لیے آپ عمدہ آب و ہوا کے علاقوں میں چھاؤنیاں قائم کرتے تھے، موسم بہار میں فوجوں کو سرسبز و شاداب اور صحت افزا مقامات پر بھیجتے تھے۔ آپ فوجیوں کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ اور سپہ سالاروں کی کڑی نگرانی کرتے تھے۔ ان کی سستی یا غفلت کو بھی نظر انداز نہ کرتے تھے۔ اور سخت تنبیہ کرتے تھے۔

ذمیوں کے ساتھ سلوک

کسی حکومت کے عدل و انصاف کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ اس کا طرز عمل کیا ہے۔ اور ان کو اس حکومت میں کیا حقوق حاصل ہیں۔ اس اعتبار سے فاروقی عہد عدل و مساوات کا نمونہ تھا۔

ذمی سے مراد وہ غیر مسلم رعایا ہے جن کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ تھی۔ یہ لوگ مفتوحہ علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ چونکہ یہ لوگ فوج میں شامل نہیں ہوتے تھے اس لیے ان کی حفاظت کے عوض ان سے ایک رقم وصول کی جاتی تھی۔ جسے جزیہ کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔ مفتوحہ علاقوں کے ذمیوں سے جو عمدہ سلوک حضرت عمرؓ نے کیا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں عرب کی ہمسایہ سلطنتوں کے بیشتر علاقے فتح ہوئے۔ عربی تسلط

Marfat.com

سے پہلے غیر اقوام تو درکنار خود ان کی ہم قوم رعایا سے ان سلطنتوں کا سلوک اچھا نہ تھا۔ گو اہل شام رومیوں کے ہم مذہب تھے مگر ان کی حالت بہت خراب تھی۔ انھیں اپنی ملکیتوں پر کوئی حقوق حاصل نہ تھے۔ وہ غلامانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ جس طرح ملکیت ایک شخص سے دوسرے شخص کے قبضہ میں چلی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ بھی بحیثیت غلام ایک مالک سے دوسرے مالک کے ہاتھوں میں چلے جاتے تھے۔ یہودیوں کی حالت تو اور بھی خراب تھی۔ کیونکہ وہ ان کے ہم مذہب نہیں تھے۔ اسی طرح ایران میں مقیم عیسائیوں کی حالت بہت ابتر تھی لیکن جب یہ ممالک حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے تو ان سے ایسا سلوک کیا کہ ان کی حالت ایک دم بدل گئی۔

ان کے ساتھ اس طرح معاہدے کئے گئے۔ جیسے کسی ہم پایہ قوم سے کئے جاتے ہیں۔ ان کے لئے قانون ہی وضع نہیں کئے گئے بلکہ ان پر عمل بھی کیا گیا۔ ذمیوں کو برابر کے حقوق دیئے گئے۔ مسلمانوں اور ذمیوں کے حقوق کو مساوی قرار دیا گیا اور ان کے ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ بیت المقدس کے عیسائیوں کو از روئے قانون جو حقوق دیئے گئے وہ یہ تھے۔

"یہ وہ امان ہے۔ کہ خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے بیت المقدس والوں کو دی۔ یہ امان جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار، اور ان کے تمام اہل مذہب کے لئے ہے۔ نہ ان کے گرجاؤں میں سکونت اختیار کی جائے گی۔ نہ وہ منہدم کئے جائیں گے۔ نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے معاملہ میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔" (تاریخ طبری)

یہ حقوق بیت المقدس والوں کے ساتھ مخصوص نہ تھے۔ بلکہ تمام مفتوحہ اقوام کو دیئے گئے تھے۔ اہل جرجان کے ساتھ جب معاہدہ ہوا۔ تو اس میں لکھا۔

ان کی جان و مال اور مذہب و شریعت سب محفوظ ہے۔ ان میں سے کسی چیز میں کوئی

Marfat.com

تبدیل نہیں کی جائے گی۔" (تاریخ طبری)

حضرت عمرؓ عمال کو ان معاہدوں کی پابندی کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ فاتح شام کو لکھا :-

"مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے اور ان کو نقصان پہنچانے اور ان کا مال کھانے سے روکو۔ اور ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں۔ ان کو پوری کرو۔" (کتاب الخراج امام ابو یوسفؒ)

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تھا تو حضرت عمرؓ اس سے قصاص لیتے تھے۔ ایک مرتبہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے عیسائی کو قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالہ کر دیا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

(الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ)

ذمیوں کی جائداد کو کوئی نقصان پہنچتا تھا تو اس کا معاوضہ دلاتے تھے ایک مرتبہ فوج نے شام کے ایک ذمی کی کھیتی پامال کر دی۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال سے اس کو دس ہزار معاوضہ دلایا۔ (کتاب الخراج)

حضرت ابو بکرؓ نے بیت المال سے غریب، اپاہج اور نادار مسلمانوں کو وظیفے دینے شروع کر دئیے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو بھی ایسے وظیفے دیئے۔ ایسے لوگوں کو مساکین کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

جزیہ چونکہ ذمیوں سے فوجی خدمت نہیں لی جاتی تھی اس لئے ان کی حفاظت و نگہداشت کے عوض ان سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں سے اس کے وصول نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ فوجی خدمت ادا کرتے تھے۔ اکثر معاہدوں میں اس کی تصریح ہے۔ کہ یہ جزیہ حفاظت کا ٹیکس تھا۔ چنانچہ اہل جرجان سے جو معاہدہ ہوا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں :-

"ہمارے ذمہ اس شرط پر تمہاری حفاظت ہے کہ تم کو بقدر استطاعت سالانہ

Marfat.com

جزیہ دینا ہوگا۔ اور اگر ہم تم سے فوجی مدد لیں گے تو اس کے بدلہ میں جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔" (تاریخ طبری جلد ۵)

آذربائیجان کی فتح میں یہ معاہدہ لکھا گیا:۔

ا جو لوگ کسی سال فوج میں کام کریں گے۔ تو اس سال کا جزیہ ان سے نہیں لیا جائے گا۔" (طبری)

چنانچہ جب بھی ذمیوں سے فوجی خدمت لی جاتی تھی۔ تو ان کا جزیہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ایران کی فتوحات کے سلسلہ میں جب اس قسم کے مواقع پیش آئے تو حضرت عمرؓ نے افسران فوج کو لکھ بھیجا ـــــ "جن ذمی سواروں سے مدد لینے کی ضرورت ہو ان سے مدد لو۔ اور ان کا جزیہ چھوڑ دو۔" (طبری)

جب جنگ یرموک کے سلسلہ میں مسلمان، ذمیوں کی حفاظت سے معذور ہو گئے۔ تو جزیہ کی کل وصول شدہ رقم واپس کر دی گئی۔ حضرت ابو عبیدہ رضؓ سپہ سالار تھے۔ انہیں اور تمام مفتوحہ اضلاع کے حکام کو لکھ بھیجا۔ کہ جتنا جزیہ وصول ہو چکا ہے۔ سب واپس کر دیا جائے۔ (فتوح البلدان ص۱۴۳ دکتاب الخراج ص۸)

جزیہ کی وصولی میں سختی نہیں کی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ کو جب بھی اس کا علم ہو جاتا تھا، آپ سختی سے روکتے تھے۔ شام کے سفر میں کسی مقام پر دیکھا۔ کہ ذمیوں پر سختی کی جا رہی ہے۔ سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ جزیہ نہیں ادا کیا گیا ہے۔ پوچھا کیوں؟ معلوم ہوا۔ ناداری کی وجہ سے۔ فرمایا "چھوڑ دو۔ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو۔ جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔ خدا انہیں قیامت کے دن عذاب دے گا۔ (کتاب الخراج)

نادار، بےکس اور معذور ذمی جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔ اور بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی تھی۔ حیرہ کی فتح کے موقعہ پر جو معاہدہ لکھا گیا۔ اس میں تحریر تھا:۔

"اور اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے سے معذور ہو جائے۔ یا آفت زدہ ہو جائے۔ یا دولت مندی

Marfat.com

کے بعد غریب ہو جائے اور اس کے اہلِ مذہب اسے خیرات دینے لگیں۔ تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا۔ اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا۔"

(کتاب الخراج)

یہ معاہدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اس پر عمل رہا۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ آیت قرآنی "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْنِ" (صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں) میں فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہلِ کتاب مراد ہیں۔ فرماتے تھے۔ کہ بخدا یہ انصاف نہیں ہے کہ ان لوگوں کو جوانی کی توانائی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں نکال دیں۔ (کتاب الخراج صہ۷)

آپ کو ذمیوں کا اتنا خیال تھا کہ زندگی کے آخری لمحہ میں آپ نے بعد ہونے والے خلیفہ کے لئے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اس میں ذمیوں کے متعلق خاص طور پر یہ وصیت تھی۔

"میں ذمیوں کے حق میں یہ وصیت کرتا ہوں۔ کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کیا جائے۔ ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔" (کتب حدیث)

خلاصہ یہ کہ حضرت عمرؓ کا ذمیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اپنی مثال آپ ہے۔ سلطنت میں اقلیتوں کے لئے قوانین تو مرتب کر دئے جاتے ہیں مگر ان پر عمل کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے۔ مگر حضرت عمرؓ نے نہ صرف قانون وضع کئے۔ بلکہ ان پر عمل کر کے دنیا کے لئے رواداری اور کشادہ دلی کی ایک مثال قائم کر دی۔ ذمیوں کے حقوق کا تحفظ اور ان کے ساتھ عدل و انصاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا کام تھا۔ آخری وقت میں بھی اپنے جانشینوں کو یہی ہدایت کرتے رہے۔ کہ ذمیوں سے حسنِ سلوک سے پیش آنا۔ یہی وہ سلوک تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذمی آپ کے عہد میں جوق در جوق اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے جو مسلمان نہ ہوتے وہ شہری بن کر اسلامی سلطنت کی خدمت سر انجام دیتے رہے۔

Marfat.com

اوّلیاتِ فاروقی

مؤرخین نے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ایجاد کی ہوئی باتوں کو یکجا کر کے لکھا اور ان کو "اوّلیاتِ عمرؓ" سے تعبیر کیا ہے۔ حضرتِ عمرؓ کی اوّلیات پر ایک علیحدہ مبسوط کتاب لکھنے کی گنجائش ہے۔ چند اولیات درج ذیل ہیں۔ (تاریخ ابن خلدون جلد اوّل ص۱۰۴)

۱۔ بیت المال قائم کیا۔
۲۔ عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے۔
۳۔ تاریخ و سن ایجاد کیا۔
۴۔ امیرالمومنین کا لقب اختیار کیا۔
۵۔ زمین کی پیمائش کرائی۔
۶۔ نہریں کھدوائیں۔
۷۔ شہر آباد کیے۔
۸۔ ممالکِ مفتوحہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔
۹۔ عُشور یعنی مالِ تجارت پر ۱/۱۰ محصول مقرر کیا۔
۱۰۔ حربی تاجروں کو ممالک اسلامیہ میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔
۱۱۔ راتوں کو گشت کر کے رعایا کے احوال دریافت کرنے کو اپنا معمول بنایا۔
۱۲۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے لئے مکانات اور کنوئیں بنائے۔
۱۳۔ شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔
۱۴۔ نماز تراویح با جماعت کا حکم دیا۔
۱۵۔ شراب کی حد اسّی درّے مقرر کی۔

Marfat.com

۱۶۔ تجارتی گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔

۱۷۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر سب مسلمانوں کو اکٹھا کیا۔

۱۸۔ مساجد میں وعظ کا طریقہ جاری کیا۔

۱۹۔ اماموں، مؤذنوں اور دیگر ملازموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

۲۰۔ ہجو کہنے والے شاعروں کو سزا دی۔

۲۱۔ اشعار میں عورتوں کے ذکر سے منع کیا۔

۲۲۔ جو لونڈی صاحب اولاد ہو جائے۔ اس کو فروخت کرنے سے منع کیا۔

ذریعۂ معاش

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، جاہلیت اور اسلام میں خلافت سے پہلے تجارت کرتے تھے جب خلیفہ ہوئے اور امور خلافت سے فرصت کم ملنے لگی۔ تو صحابہؓ کو جمع کر کے ان کی خدمت میں وظیفہ مقرر کیے جانے کی درخواست کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ بیت المال سے اس قدر تنخواہ لے لیا کریں جو معمولی خوراک و لباس کے لئے کافی ہو۔ ۱۵ھ میں جب تمام عربوں کے وظائف مقرر کیے گئے۔ تو اکابر صحابہؓ کے ساتھ ان کی تنخواہ پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئی۔ (تاریخ ابن خلدون جلد اوّل ص۴۴۰)

غذا و لباس

ان کے دستر خوان پر معمولی روٹی اور روغن زیتون کے سوا دوسری کوئی چیز شاذ و نادر ہی ہوتی تھی۔ آٹا کبھی گیہوں کا ہوتا اور کبھی جو کا۔ لیکن چھنا ہوا نہ ہوتا۔ گاہے گاہے ترکاری۔ سرکہ دودھ اور گوشت بھی کھاتے تھے۔ لباس میں کسی قسم کا تکلف نہ تھا۔ ہمیشہ موٹے کپڑے پہنتے تھے۔ اور اکثر کپڑوں میں پیوند ہوتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک روز خطبہ پڑھ رہے تھے۔ ان کے تہ بند میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک پیوند چمڑے کا تھا۔ فتح بیت المقدس کے موقع پر جب آپ تشریف لے گئے تو آپ کی قمیص میں ستر پیوند تھے۔ مزاج میں سادگی اور بے تکلفی

Marfat.com

بے حد تھی۔ ایک مرتبہ اپنے عہدِ خلافت میں نمازِ عید پڑھانے جا رہے تھے اور پاؤں میں جوتا نہ تھا۔ ایک دفعہ گھر میں دیر تک رہے۔ باہر تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے انھیں کپڑوں کو دھو کر خشک کر رہے تھے۔ (تاریخ ابن خلدون جلد اوّل)

حلیہ و عمر رنگ سرخ و سفید تھا۔ سرخی اس پر غالب تھی۔ قد اتنا لمبا تھا کہ پا پیادہ بھی سوار معلوم ہوتے تھے۔ رخسارے کم گوشت۔ داڑھی گھنی۔ سر کے بال سامنے سے اُڑ گئے تھے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ آپ کی عمر کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ تریسٹھ برس اور چھ مہینے کی ہوئی۔ (تاریخ ابن خلدون جلد اول ص۱۴۲)

حضرت عمرؓ کی سیرت اور کارنامے

تاریخ عالم کا ہر طالب علم اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بڑا فاتح اور کشور کشا کوئی نہیں گذرا۔ سکندر و چنگیز کی فتوحات کا دائرہ شاید اس سے بھی وسیع تر ہو لیکن انہیں فاتح نہیں کہا جا سکتا وہ قہر و ظلم کا ایک طوفان تھے جو یونان و ترکستان سے اٹھا اور تباہی و غارت گری پھیلاتا ہوا گذر گیا۔ چنگیز کی ہلاکت خیز جنگوں سے کون واقف نہیں۔ اس نے شہر ہی نہیں ملک کے ملک ویران کر دیئے جس علاقے سے گذر گیا وہاں کی زراعت و تجارت اور صنعت برباد ہو گئی۔ سکندر بڑا اعالی ہمت شہنشاہ شمار ہوتا ہے لیکن ملک شام میں صُور کا قتل عام اور ایران میں اصطخر کی غارت گری اس کے وہ کارنامے ہیں جنہیں تاریخ فراموش نہیں کر سکتی۔

اس کے برعکس حضرت عمرؓ نے جن ممالک کو فتح کیا وہاں کے باشندے اِن کے گرویدہ ہو گئے۔ ملک کی زراعت و تجارت اور صنعت اتنی بڑھی کہ ہر شخص خوشحال ہو گیا۔ جن جن ممالک میں فاروقی فوجیں داخل ہوئیں، وہ آج تک اسلام کا گہوارہ ہیں۔ نہ وہاں قتلِ عام ہوا۔

Marfat.com

نہ رعایا لوٹی گئی بلکہ پسماندہ اور غریب طبقے کو سر اٹھانے اور پُرسکون زندگی بسر کرنے کا موقع ملا۔ شام و مصر میں رومی برسراقتدار تھے تو وہاں کی تمام زمینوں اور تجارت پر ان کا قبضہ تھا۔ شامی و مصری غلاموں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ جب یہ علاقے فتح ہوئے۔ تو وہاں کی زمینوں اور تجارت پر ان کا قبضہ تھا۔ شامی و مصری غلاموں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ جب یہ علاقے فتح ہوتے۔ تو حضرت عمرؓ نے تمام زمینیں اور باغات ان ہی شامیوں اور مصریوں کے حوالے کر دیئے۔ ایسا فیاض فاتح تاریخ عالم میں دوسرا کون تھا؟

عہد فاروقی کا یہ بھی کارنامہ ہے کہ حدود مملکت میں اتنی توسیع کے باوجود اس سرے سے اس سرے تک ہر طرف امن و سکون تھا۔ دنیا میں اور بھی ایسے صاحب جاہ و اقتدار گذرے ہیں جن کی حکومت میں کوئی سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ مگر یہ سکون انہوں نے جور و ستم کے بل بوتے پر حاصل کیا تھا۔ ذرا سی مخالفت کرنے والوں کو وحشیانہ سزائیں دی جاتی تھیں اور آبادیوں کو جلا کر خاک کا ڈھیر بنا دیا جاتا تھا۔ لیکن خلافت فاروقی میں انصاف کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا۔ اگر کوئی جرم کرتا تھا تو اس کی سزا بھی سخت نہ دی جاتی تھی۔ جن لوگوں کو ان کی باغیانہ سرگرمیوں کے پیش نظر جلا وطن کیا گیا تھا انھیں جائیدادوں کا دگنا معاوضہ دیا گیا تھا۔ راستے میں ہر قسم کی سہولتیں کیں اور جب دوسری جگہ آباد ہو گئے تو دو سال کے لیے جزیہ معاف کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے ملک میں جو امن قائم کیا وہ محبت، نرمی اور رواداری کے اُصولوں کے پیش نظر تھا اس لئے لوگ نہ بغاوت کرتے تھے نہ سرکشی۔

حضرت عمرؓ کو فاروق اعظم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ تاریخ اسلام میں آپ کو بلند مقام حاصل ہے۔ آپ کا دورِ خلافت تاریخ اسلام کا زرّیں باب ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کے عہدِ خلافت میں فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔ ایران و روم کی سلطنتیں صفحہ ہستی سے ہمیشہ کے لئے مٹ گئیں۔ فاروق اعظمؓ کا دوسرا بڑا

Marfat.com

کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مملکتِ اسلامیہ کو مستحکم بنیادوں پر کھڑا کیا۔ تمام سلطنت میں ایک ایسا نظم ونسق رائج کیا جو آئندہ خلفاء کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیتا رہا۔ آپ نے ایک ایسا عادلانہ نظامِ حکومت قائم کیا جس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔ آپ کی حکومت جمہوریت اور آمریت کا لطیف امتزاج تھی۔ مذہبی رواداری کی جو مثال آپ نے قائم کی وہ سلطنتِ اسلامیہ کا امتیازی نشان تھی غرض ان وجوہ واسباب کے پیشِ نظر فاروقِ اعظمؓ نہ صرف اسلامی تاریخ کے عدیم النظیر خلیفہ، بلکہ تاریخ عالم کے زبردست ہیرو اور عدل وانصاف زہد وتقویٰ، جرأت وجلادت، حق گوئی اور بے باکی کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

سوالات

۱۔ حضرت عمرؓ کی ابتدائی زندگی کے حالات قلمبند کرو۔ نیز بتاؤ کہ آپ کیسے اسلام لائے اور اس کا کیا اثر ہوا؟

۲۔ ایرانیوں اور رومیوں کے خلاف مسلمانوں کی فتح کے اسباب بیان کیجیے۔

۳۔ عرب اور ایرانیوں کی لڑائی کے کیا اسباب تھے؟ عربوں نے کس طرح بتدریج ایران کو فتح کیا۔

۴۔ فتح شام کے حالات وواقعات بیان کیجیے۔

۵۔ جنگ قادسیہ کی تفصیلات بیان کیجیے۔

Marfat.com

۶۔ مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھو :۔

(۱) کوفہ (۲) بصرہ (۳) خوزستان (۴) فتح الفتوح

۷۔ حضرت خالد بن ولید رض کے کردار اور حالات زندگی۔ نیز ان کی معزولی کے اسباب سے بحث کیجئے۔

۸۔ حضرت عمر رض کے عہد کی خاص خاص فتوحات کا حال لکھئے۔

۹۔ حضرت عمر رض کی سیرت و سیاست پر تبصرہ کیجئے۔

۱۰۔ حضرت عمر رض کے کردار اور ذمیوں کے ساتھ سلوک کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۱۱۔ حضرت عمر رض پر بحیثیت ایک انسان اور حکمران کے تبصرہ کریں۔

۱۲۔ حضرت عمر رض نے جو مالی اور فوجی ادارے قائم کئے ان کا حال لکھئے۔

۱۳۔ حضرت عمر رض کی اسلامی خدمات کا جائزہ لیجئے۔

۱۴۔ حضرت عمر رض کے نظام حکومت پر تبصرہ کیجئے۔

Marfat.com

باب سوم

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ

ابتدائی حالات

آپ کا اسم مبارک عثمان، کنیت ابو عبداللہ اور لقب ذوالنورین تھا۔ والد کا نام عفان اور والدہ کا اروی تھا۔ چونکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں آپ کے ساتھ یکے بعد دیگرے منسوب ہوئی تھیں اس لئے یہ لقب پایا۔ آپ قریش کی مشہور شاخ بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ پانچویں پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ بنو امیہ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے نہایت معزز چلا آتا تھا۔ پورے قریش میں بنی ہاشم کے سوا کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔

حضرت عثمان رض ہجرت نبوی کے سینتالیس سال قبل پیدا ہوئے۔ بچپن کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ ذریعہ معاش "تجارت" تھا۔ اس میں اپنی امانت (دیانت) اور راستبازی سے اتنی ترقی حاصل کرلی تھی کہ قریش کے دولتمند ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ دولت و ثروت کی وجہ سے "غنی" کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آپ کا چونتیسواں سال تھا کہ اسلام کا ظہور ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رض سے حضرت عثمان کے گہرے مراسم تھے۔ صدیق اکبر رض کی تبلیغ نے انھیں اسلام کی طرف مائل کردیا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر مشرف باسلام ہوگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی منجھلی صاحبزادی رقیہ رض کا عقد ان کے ساتھ کردیا۔

(اصابہ جلد ۸ و اسدالغابہ)

حضرت عثمان رض اولین مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا خاندان ان دنوں اسلام کا

Marfat.com

سخت دشمن تھا۔ آپ دینِ حق کے حلقہ بگوش ہوئے تو اعزہ نے آپ کو کڑی سزائیں دیں۔ لیکن آپ کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا۔ کچھ عرصہ تک حضرت عثمان رضہ بنو امیہ کے مظالم برداشت کرتے رہے جب ہجرت کی اجازت ملی۔ تو اپنی اہلیہ حضرت رقیہ کو لے کر حبشہ چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد وہاں یہ افواہ اڑی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشرکین کے ساتھ صلح ہو گئی ہے حضرت عثمان رضہ اور دیگر مہاجرین مکہ لوٹ آئے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی۔ بہت سے مسلمان پھر حبشہ چلے گئے۔ لیکن آپ مکہ ہی میں مقیم رہے پھر چند دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے (طبقات ابن سعد جلد ۳)

حضرت عثمان رضہ بڑے کشادہ دل اور فیاض تھے۔ مالی جہاد میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ آپ کی دولت سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔ مدینہ شریف میں میٹھے پانی کا صرف ایک ہی کنواں تھا۔ جو بیر رومہ کہلاتا تھا۔ یہ کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ حضرت عثمان رضہ نے مسلمانوں کی تکلیف دیکھی تو بیس ہزار درہم دے کر یہ شیریں کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ جنگِ تبوک میں دس ہزار دینار نقد کے علاوہ ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے ساز و سامان سمیت دیئے تھے۔ (استیعاب جلد دوم ص ۴۸۸)

مسجد نبوی میں توسیع کی ضرورت ہوئی تو آپ نے ۲۵ ہزار درہم کے لگ بھگ رقم سے جگہ خرید کر دی۔ خانہ کعبہ کی توسیع کے لئے تقریباً دس ہزار میں زمین خریدی۔ (ترمذی)

مدینہ آنے کے بعد حضرت عثمان رضہ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ بدر میں حضرت رقیہ رضہ کی علالت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا تھا اور فرمایا تھا۔ کہ تم کو جنگ میں شرکت کا ثواب اور مالِ غنیمت دونوں ملیں گے۔ (صحیح بخاری)

غزوہ اُحد میں بھی شریک ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی جھوٹی (افواہ سن کر بہت سے صحابہ کے پاؤں میدان جنگ سے اکھڑ گئے تھے۔ حضرت عثمان رضہ بھی انہی میں سے تھے۔ ان کو اس کا سخت قلق تھا۔ جب وحی الٰہی نے ان صحابہ کو بری قرار دیا۔ اس وقت آپ کو اطمینان ہوا۔ حدیبیہ کی صلح سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سفیر بنا کر مکہ

Marfat.com

بھیجا۔ قریش نے آپ کو روک لیا۔ افواہ پھیل گئی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ حضورؐ نے آپ کے خون کا انتقام لینے کے لئے دست مبارک پر صحابہ سے بیعت لی۔ جسے بیعت رضوان کہتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے لیے یہ ایک عظیم شرف ہے۔

حضرت عثمانؓ ان دس صحابہ کرام میں سے تھے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام بنام جنت کی بشارت دی تھی۔ یہ حضرات عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کا انتخاب

زخمی ہونے کے بعد جب فاروق اعظمؓ کے جانبر ہونے کی کوئی اُمید نہ رہی۔ تو صحابہ کرامؓ نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ اپنا کوئی جانشین مقرر کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر آج ابو عبیدہ بن جراحؓ زندہ ہوتے تو میں انہیں اپنا جانشین بنا دیتا۔ جب آپ کی حالت زیادہ بگڑتی نظر آئی۔ تو آپ نے بڑے غور و خوض کے بعد چھ صحابہ پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کر دی۔ اس کمیٹی میں حضرت طلحہؓ۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

حضرت عمرؓ کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت مقدادؓ نے ایک مکان میں ان چھ حضرات کو جمع کیا۔ مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا۔ کہ انتخاب کی صورت یہ ہے کہ چھ کی تعداد کو اور کم کر دیا جائے، جو شخص جس کو زیادہ موزوں سمجھتا ہو اس کا نام پیش کرے۔ اس تجویز پر حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰن کا نام پیش کیا، لیکن آپ نے اپنا نام واپس لے لیا۔ حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کا نام پیش کیا اس تحریک پر حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ صرف دو نام رہ گئے ہیں ان دونوں میں سے جو شخص کتاب اللہ سنت رسول اللہ صلعم اور طریقہ ابی بکرؓ و عمرؓ پر چلنے کا عہد کرے گا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔ دوسری طرف حضرت عثمانؓ و علیؓ نے فرمایا۔ کہ اگر آپ دونوں حضرات اس کا فیصلہ مجھ پر چھوڑ دیں تو زیادہ مناسب ہے۔ دونوں راضی ہو گئے۔ ان سے اجازت لینے کے بعد انہوں نے مسجد نبوی میں مسلمانوں کو جمع کر کے ایک موثر تقریر کی۔ اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے بعد حضرت علیؓ نے

نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ آپ کے بیعت کرتے ہی سب نے والہانہ شوق کے ساتھ بیعت کرلی۔
بیعت عام کے بعد یکم محرم ۲۴ھ میں حضرت عثمان مسندِ خلافت پر فائز ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت ستر برس کی تھی۔ شہادتِ عمر رضی اللہ عنہ اور بیعتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بین درمیانہ ایام میں صہیب رضی اللہ عنہ رومی! فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق امامتِ نماز کے فرائض انجام دیتے رہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳۔ نیز طبری)

عثمانی فتوحات

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں شام اور مصر اور ایران کو فتح کرکے ممالک محروسہ میں شامل کرلیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ نظم ونسق کو بحال رکھنے کے لئے قوانین وضع کئے تھے۔ حضرت عثمان کے لئے میدان صاف تھا۔ انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نرمی اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی سیاست کو اپنا شعار بنایا اور ایک سال تک قدیم طریقِ نظم ونسق میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ البتہ خلیفہ سابق کی وصیت کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص کو مغیرہ بن شعبہ کی جگہ کوفہ کا والی بناکر بھیجا۔ یہ پہلی تقرری تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے عمل میں آئی (ابن اثیر جلد ۳ صلا)

خلافتِ عثمانی کے ابتدائی چند سالوں میں مملکتِ اسلامیہ میں امن وامان قائم رہا ملک کا انتظام بہت خوش اسلوبی سے چلتا رہا۔ فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور اسلامی سلطنت کی حدیں مشرق اور مغرب دونوں طرف سے وسیع ہوتی چلی گئیں۔

فتح ایران کی تکمیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایران کا بیشتر حصہ فتح ہوچکا تھا مگر بعض علاقے پوری طرح مطیع نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کے کچھ دن بعد فارس میں بغاوت ہوگئی۔ عبداللہ بن عامر جو ابوموسیٰ اشعری کی جگہ بصرہ کے گورنر مقرر کئے گئے تھے، فوراً فارس پہنچے اور اس علاقہ کو پوری طرح زیر کرلیا۔ اسی عرصہ میں سعید بن عاص حاکم کوفہ نے طبرستان کو دوبارہ فتح کیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن

Marfat.com

عامر اور سعید بن عاص نے مل کر خراسان پر حملہ کیا۔ اور اس کو فتح کرنے کے بعد نیشاپور کا محاصرہ کیا۔ ایک ماہ کے بعد وہاں کے حاکم کو اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ ایران کا بدقسمت بادشاہ یزدجرد جس کے دل میں ایران کو واپس لینے کی تڑپ آخر دم تک زندہ رہی ۳۱ھ میں ایک چکی والے کے ہاتھوں قتل ہوا۔ کاشانۂ خسروی کے اس آخری چراغ کے گل ہونے سے ایران کا باغی عنصر دب گیا اور ایران کی فتح مکمل ہو گئی۔

مشرق میں فتوحات

فتح ایران کی تکمیل کے بعد عبداللہ بن عامر نے مشرق کی طرف فوجیں روانہ کیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں کرمان، سیستان، طخارستان، ہرات، غزنی اور کابل کے علاقے فتح ہو گئے۔ اور اس طرح اسلامی سلطنت کی سرحدیں مغربی پاکستان کی سرحد تک آ پہنچیں۔ اس عرصہ میں آرمینیہ اور آذربائیجان میں بغاوت ہوئی جس کو ولید بن عقبہ نے دبا دیا۔ حبیب بن مسلمہ، عبدالرحمٰن بن ربیعہ اور سلیمان بن ربیعہ کی کوششوں سے اس سارے علاقے پر تسلط ہوا۔

ایشیائے کوچک کی فتح

خلافت فاروقی میں ایشیائے کوچک فتح نہیں ہوا تھا۔ رومیوں نے وہاں پھر فوجیں جمع کرنی شروع کیں اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ یہ لوگ شام پر حملہ کریں گے۔ ان کے مقابلہ کے لئے حبیب بن مسلمہ کو بھیجا گیا انہوں نے عیسائیوں کو شکست دے کر بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران میں حضرت امیر معاویہؓ نے جو ان دنوں شام کے حاکم تھے ایشیائے کوچک پر حملہ کر کے انطاکیہ اور طرطوس کے درمیانی علاقے میں بہت سے قلعوں کو فتح کیا اور وہاں اسلامی نوآبادیاں قائم کیں۔

فتح طرابلس

مہم طرابلس کا اہتمام تو ۲۵ھ ہی میں ہوا تھا۔ لیکن باقاعدہ فوج کشی ۲۷ھ میں ہوئی۔ عبداللہ بن ابی سرح سپہ سالار تھے۔ حضرت عثمان نے دارالخلافت سے بھی ایک لشکر جرار کمک کے لئے روانہ کیا۔ جس میں عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ شامل تھے۔ اسلامی فوجیں مدت

Marfat.com

تک طرابلس کے میدانوں میں معرکہ آرا رہیں۔ آخرکار مسلمانوں کی شجاعت، جانبازی اور پامردی کے آگے اہلِ طرابلس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عبداللہ بن ابی سرح نے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر تمام ملک میں پھیلا دئے۔ طرابلس کے امراء نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ ممکن نہیں ہے تو عبداللہ بن ابی سرح کے پاس آکر پچیس لاکھ دینار پر مصالحت کر لی۔ (فتوح البلدان صفحہ ۲۳۵)

افریقیہ کی فتح ۲۷ھ

مصر سے متصل شمالی افریقیہ کا آباد علاقہ افریقیہ (عربی تلفظ افریقیّہ) کہلاتا تھا۔ یہاں بربر قوم آباد تھی۔ افریقیہ کا بادشاہ قیصرِ روم کا باجگذار تھا۔ قیصر کے اشارہ سے اس کے قبائل آئے دن مصری سرحدوں پر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ اس کے سدِّ باب کے لئے حضرت عمرو بن العاص حاکمِ مصر نے عبداللہ بن ابی سرح کے تحت ایک مہم بھیجی جس نے ملحقہ علاقوں کی سرکوبی کی اور کچھ خراج پر وہاں کے باشندوں سے صلح کر لی۔ مگر افریقیہ کے حملے پھر بھی جاری رہے۔ ۲۷ھ میں حضرت عثمان نے عبداللہ بن ابی سرح کو جو اس وقت حاکمِ مصر تھے، افریقیہ پر فوج کشی کی اجازت دی۔ حضرت عثمان رضؓ نے ان سے وعدہ کیا کہ فتح کی صورت میں خمسِ غنیمت کا پانچواں حصہ ان کو بطورِ انعام دیا جائے گا۔ ایک لشکر آپ نے مدینہ سے بھی بھیجا اور بعد میں ایک کمک مزید روانہ کی۔ افریقیہ کے اجنبی اور دشوار گذار علاقہ میں بربری جنگ آزماؤں سے الجھنا آسان کام نہ تھا۔ پندرہ ماہ کے صبر آزما اور خونریز معرکوں کے بعد دشمن کا زور ٹوٹا۔ افریقیہ کا بادشاہ مارا گیا اور ملک عربوں کے زیرِ نگین آگیا۔

(تاریخ طبری و ابن اثیر)

قبرص کی جنگ

قبرص جس کو اب سائپرس کہتے ہیں، بحرِ روم میں شام کے قریب ایک نہایت زرخیز جزیرہ ہے۔ یہ یورپ اور روم کی طرف سے مصر و شام کی فتح کا دروازہ ہے۔ مصر و شام کی حفاظت اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی۔ جب تک یہ بحری ناکہ مسلمانوں کے قبضہ میں نہ ہو۔ اس لئے امیر معاویہ رضؓ نے خلافتِ فاروقی ہی میں اس پر فوج کشی کی جانب اجازت طلب کی تھی۔ مگر حضرت عمر رضؓ بحری جنگ کے خلاف تھے۔ اس لئے انکار

Marfat.com

کر دیا۔ اس کے بعد ۲۸ھ میں امیر معاویہؓ نے پھر حضرت عثمانؓ سے باصرار قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی۔ اور اطمینان دلایا کہ بحری جنگ کو جس قدر خوفناک سمجھا جاتا ہے اس قدر خوفناک نہیں ہے حضرت عثمانؓ نے لکھا کہ اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو حملہ میں مضائقہ نہیں لیکن اس مہم میں اسی کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی سے شرکت کرے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے بحری بیڑا تیار کرایا اور عبداللہ بن قیس کی زیر قیادت قبرص پر پہلا بحری حملہ کیا گیا۔ قبرص کے باشندے جنگجو نہ تھے۔ اس لئے سات ہزار دینار سالانہ ادا کرنے اور بحری جنگوں میں رومی بیڑوں کی نقل و حرکت کی اطلاعات بہم پہنچانے کی شرط پر صلح کی۔ امیر معاویہؓ نے قبرص کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ کئی سال تک یہ صلح قائم رہی لیکن ۳۳ھ میں اہل قبرص نے رومیوں کو امداد دی اور معاہدہ صلح توڑ دیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے قبرص پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اور اں باقاعدہ مسلمان فوج اور بحری بیڑہ متعین کر دیا۔ اسی زمانہ میں قیصر روم نے پھر مصر پر حملہ کیا۔ لیکن مسلمانوں کے بحری بیڑے نے بروقت امداد کر کے رومیوں کو پسپا کر دیا اور اسکندریہ کے علاقہ میں کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ (تاریخ طبری و کامل ابن اثیر)

عظیم الشان بحری جنگ

۳۱ھ میں قیصر روم نے ایک عظیم الشان جنگی بیڑا جس میں تقریباً پانچسو جہاز تھے۔ سواحل شام پر حملہ کے لئے بھیجا۔ مورخین کا بیان ہے کہ رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایسی عظیم الشان قوت کا مظاہرہ کبھی نہیں کیا تھا۔ امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح نے مدافعت کے لئے اسلامی بیڑے کو آگے بڑھایا۔ اور سطح سمندر پر دونوں آپس میں مل گئے۔ دوسری صبح کو مسلمانوں نے اپنے تمام جہاز ایک دوسرے سے باندھ دئے۔ فریقین میں نہایت خونریز جنگ ہوئی بے شمار رومی مارے گئے۔ مسلمان بھی بہت سے شہید ہوئے لیکن مسلمانوں کے استقلال و شجاعت نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور ان کی بہت تھوڑی تعداد زندہ بچی۔ قیصر روم خود اس جنگ میں زخمی ہوا۔ اور اسلامی بیڑہ فاتحانہ شان سے اپنی بندرگاہ پر واپس آیا۔ (ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۹۱)

Marfat.com

متفرق فتوحات

قبرص، طرابلس اور طبرستان کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اور بھی فتوحات ہوئیں۔ سنہ ۳۱ھ میں حبیب بن مسلمہ فہری نے آرمینیہ کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ میں شامل کر لیا۔ سنہ ۳۲ھ میں حضرت امیر معاویہؓ قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے۔ سنہ ۳۲ھ میں عبداللہ بن عامر نے مرو۔ طالقان، فاریاب اور جوزجان کو فتح کیا۔ سنہ ۳۳ھ میں امیر معاویہؓ نے ارض روم میں حصن المرأۃ پر حملہ کیا۔ اسی سال اہل خراسان نے بغاوت کی۔ عبداللہ بن عامر والی بصرہ نے احنف بن قیس کو بھیج کر اسے فرو کرایا۔ اسی طرح سنہ ۳۴ھ میں اہل طرابلس نے نقض امن کیا۔ عبداللہ بن ابی سرح نے ایک لشکر جرار کے ساتھ چڑھائی کر کے انہیں زیر کیا۔ (کامل ابن اثیر)

خلاصہ

مذکورہ صدر عثمانی فتوحات اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ آپ کے دورِ خلافت میں مسلمان اسی جرأت و جلادت، ایمان و ایقان، اخلاص و وفا، شوقِ شہادت اور ان اوصاف و اخلاق کے حامل رہے جن سے وہ فاروقی خلافت میں متصف تھے اور جو آغازِ اسلام سے ان کا طرۂ امتیاز رہے ہیں اگرچہ خلافتِ عثمانی کے اواخر میں اُمتِ مسلمہ اندرونی انتشار و خلفشار کی شکار ہو گئی تھی۔ تاہم ان کی قوتِ ایمان اور مومنانہ جرأت میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور وہ فاروقی عہدِ خلافت کی طرح ملکوں پر ملک فتح کرتے چلے گئے۔

Marfat.com

عہدِ عثمانؓ کی فتنہ سامانی

عثمانی خلافت میں شورش کے اسباب

عثمانی عہد خلافت کے ابتدائی دو سال بڑے امن و امان اور سکون کے ساتھ گزرے۔ اس عرصہ میں فتوحات کا سلسلہ بہت وسیع ہو گیا۔ خراج کی آمدنی بڑھ گئی اور مالِ غنیمت بھی بہت ہاتھ آیا۔ ملکی تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ لوگوں کی معاشرتی حالت بہت بہتر ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد کے سالوں میں ایسے فتنے اٹھ کھڑے ہوئے جن کے باعث حضرت عثمان کو اپنی جان تک سے ہاتھ دھونے پڑے۔

اس دور میں دولت کی فراوانی کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں ایک عجیب تبدیلی آ گئی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں خوفِ خدا کی جگہ دنیا کی محبت اور مال و دولت کی ہوس جگہ لینے لگی تھی۔ قناعت کی بجائے حبِ دنیا اور تن آسانی نے لوگوں کے ذہنوں میں گھر کر لیا۔ حضرت عمر کے زمانہ جیسی فتوحات کو اب لوگ خیر باد کہہ چکے تھے چونکہ فتوحات کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا اس لیے لوگوں کی توجہ بیرونی معاملات سے ہٹ کر اندرونی مسائل کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ خاندانی اور قبائلی رقابتیں اور خود غرضیاں نمودار ہو رہی تھیں۔ ذاتی اغراض کو لوگ قومی مفادات پر ترجیح دینے لگے تھے۔ ملک میں ایسی جماعتیں پیدا ہو چکی تھیں جو خلیفہ کے کاموں پر بھی معترض ہونے لگیں۔

آخر کار یہ حالات اس قدر تشویشناک صورت اختیار کر گئے کہ خلیفہ کو اپنی ہی رعایا کے ہاتھوں شہید ہونا پڑا۔ حضرت عثمان کے آخری زمانہ میں جو فتنہ فساد برپا ہوا اس کی وجہ درحقیقت یہی ہے کہ دولت مندی اور تمول کی کثرت نے مسلمانوں میں بھی اس کے ذمہ لوازم پیدا کر دیئے جو تر

Marfat.com

قوم میں ایسی حالت میں پیدا ہو جاتے ہیں اور بالآخر اس کے ضعف اور انحطاط کا سبب بن جاتے ہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے۔ لا اخاف علیکم الفقر بل اخاف علیکم الدنیا۔ مجھے تمہارے فقر و فاقہ سے کوئی خوف نہیں ہے بلکہ تمہاری دنیوی دولت سے ڈرتا ہوں) مال اور دولت کی کثرت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قومی فوائد کے مقابلہ میں ہر فرد اپنے شخصی فوائد کو ترجیح دینے لگتا ہے جس سے بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے۔ قومی وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے لیکن اس کے علاوہ اس فتنہ و فساد کی پیدائش کے کچھ اور بھی اسباب تھے۔

۱۔ صحابہ کرامؓ کی دنیا سے پردہ پوشی سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی وہ نسل جو فیض نبوت سے براہِ راست مستفیض ہوئی تھی ختم ہو چکی تھی۔ جو لوگ موجود تھے وہ پیرانہ سالی کی وجہ سے گوشہ نشین ہو گئے تھے اور ان کی اولاد ان کی جگہ لے رہی تھی۔ یہ نوجوان زہد و تقویٰ۔ عدل و انصاف۔ حق پسندی و راست بازی میں اپنے بزرگوں سے کمتر تھے اس بنا پر رعایا کے لئے ویسے فرشتۂ رحمت ثابت نہ ہوئے جیسے ان کے اسلاف تھے۔

۲۔ غیر قریش عرب سرداروں کا حسد اب تک سلطنت کے اہم معاملات پر قریش چھائے ہوئے تھے۔ مگر فتوحات میں کارہائے نمایاں دکھلانے کے باعث قریش کے علاوہ دوسرے عرب قبائل کے سردار قریش سے ہمسری کا دعویٰ کرنے لگے اور ان سے حسد کرنے لگے۔ اس سے ملک میں رقابتیں شروع ہو گئیں۔

۳۔ سردارانِ قریش کا انتشار! حضرت عمرؓ بڑے دور اندیش انسان تھے۔ انھوں نے اپنے زمانے میں قریش کے بڑے بڑے سرداروں کو باہر نہ جانے دیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ لوگ ان کے حکمران خاندان سے

Marfat.com

تعلق کی بنا پر ان کی خوشامد کریں گے۔ اور ان کے دل میں حکومت کی ہوس پیدا ہو جائے گی۔ جو ان کے درمیان باہمی جنگ و جدل کا باعث بن جائے گی۔ حضرت عثمان نے ان پر سے یہ پابندی اٹھا دی۔ قریش سردار تمام مقبوضہ علاقوں میں پھیل گئے۔ مفسد لوگ ان کی آڑ لے کر فتنے پیدا کرنے لگے۔ مدینہ کی مرکزیت ختم ہو گئی۔ بصرہ۔ کوفہ۔ دمشق فسطاط وغیرہ اہمیت حاصل کرنے لگے۔

۴۔ مفتوحہ اقوام کے انتقامی جذبات: اگرچہ مقبوضہ علاقوں میں مفتوحہ اقوام کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک نہایت اچھا تھا مگر ان کے دلوں میں انتقامی جذبات موجود تھے۔ چنانچہ انہوں نے وقت کی نزاکت سے فائدہ اٹھا کر سازشوں کا جال پھیلا دیا اور مملکت اسلامیہ میں بدنظمی پیدا کر دی۔

۵۔ مروان کے غلط مشورے: حضرت عثمان نے مروان کو اپنا سیکرٹری مقرر کیا۔ اور اسی کے مشورہ پر عمل کرنے لگے۔ مروان کسی حد تک قابل اعتماد شخص نہ تھا۔ اس نے اپنے اختیارات کا غلط استعمال شروع کر دیا۔ لوگ یہ سمجھنے لگے یہ بدعنوانیاں حضرت عثمان کر رہے ہیں۔ اس لئے لوگ ان سے بدظن ہونا شروع ہو گئے۔

۶۔ بنو ہاشم کی رقابت: بنو ہاشم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی تعلق کی وجہ سے خلافت کو اپنا موروثی حق خیال کرتے تھے۔ اس لئے حضرت عثمان کی خلافت سے خوش نہ تھے۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں پرانی عداوت چلی آ رہی تھی۔ عہد نبوی میں تو یہ مخالفت دب گئی مگر اب پھر ابھرنے لگی اور بنو ہاشم نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت شروع کر دی۔

۷۔ حضرت عثمان کا اپنے عزیز و اقارب سے سلوک: حضرت عثمان نہایت ہی شریف

Marfat.com

انسان تھے وہ اپنے رشتہ داروں کا بڑا خیال رکھتے تھے اور ان کی مدد کرتے رہتے تھے۔ شرارت پسند لوگ خیال کرنے لگے کہ وہ بیت المال کو اپنے خاندان پر صرف کر رہے ہیں۔ اس طرح انہوں نے لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف اُبھارنا شروع کر دیا۔

۸۔ عادل حکام کا فقدان

خلافت کو کامیاب بنانے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ حکومت کے افسر نہایت قابل، فرض شناس اور وفادار ہوں۔ بدقسمتی سے حضرت عثمان کو ایسے اہل کار نہ مل سکے۔ گورنر اپنے کام کو بہتر طریقہ پر سرانجام نہ دیتے تھے۔ بیشتر افسر خاندان بنو امیہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے غفلت اور سستی سے کام لیتے تھے جس سے نظام حکومت بگڑ گیا اور حالات بے قابو ہو گئے۔

۹۔ معزول شدہ گورنروں کی مخالفت

حضرت عثمان نے کچھ گورنروں کو بعض وجوہات کی بنا پر ان کے عہدوں سے معطل کر دیا تھا۔ یہ گورنر حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے اور ان کے خلاف کارروائیوں کی یا تو بہت افزائی کرتے تھے یا چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔

۱۰۔ منافقین کی فتنہ پردازی

اس زمانے میں عبداللہ بن سبا جیسے منافق لوگ موجود تھے جنہوں نے محض اس لئے اسلام قبول کیا تھا کہ اندر ہی اندر مسلمانوں کی وحدتِ ملی کو منتشر کر دیں۔ ان منافقوں نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا اور مسلمانوں میں فرقہ بندی پیدا کر کے عجیب انتشار پیدا کر دیا۔

۱۱۔ حضرت عثمان کی کنبہ پروری

حضرت عثمان نے غیر اموی گورنروں اور اعلیٰ حکام کو معقول وجوہات کی بنا پر برطرف کر کے ان کی جگہ اموی گورنروں کو مقرر کیا تھا کیونکہ اموی لوگوں کی صلاحیت پر ان کو

Marfat.com

زیادہ اعتماد تھا۔ مخالف لوگ کہنے لگے کہ حضرت عثمان اپنے خاندان کا خیال رکھتے ہیں اور دیگر خاندانوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ ان لوگوں کو نکتہ چینی کا موقع مل گیا۔

۱۲۔ شرعی قوانین کے انفاذ پر نومسلموں کی برہمی

پہلے خلفاء کی طرح اس عہد میں بھی احکام شریعت کا خیال رکھا جاتا تھا۔ عدل و انصاف میں کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ نومسلم لوگوں کو یہ باتیں ناگوار گذرتی تھیں۔ ان کی نظر میں شرعی احکام کی زیادہ وقعت نہ تھی۔ حضرت عثمان کتاب اللہ اور سنت رسول پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ اس وجہ سے یہ نومسلم ان کے خلاف ہو گئے۔ ایران کے نومسلم فطرتاً شاہ پرست تھے۔ جب مفسدوں نے اہل بیت کے حقوق کے نام پر تحریک شروع کی تو وہ فوراً اس سے متاثر ہو گئے اور خلافت کو موروثی حق قرار دینے کی جدوجہد کرنے لگے۔

۱۳۔ حضرت عثمان کی نرم مزاجی

بعض مورخین کا خیال ہے کہ ان تمام فتنوں کا اصلی سبب حضرت عثمانؓ کی نرم مزاجی تھی۔ آپ حد سے زیادہ حلیم تھے۔ وہ اتنی مخالفت کے باوجود نہ چاہتے تھے کہ کسی کلمہ گو کا خون بہایا جائے۔ وہ ہمیشہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے سابقین کے اسوۂ حسنہ کو مد نظر رکھتے تھے۔ کئی دفعہ گورنروں نے مشورے دئیے کہ ان فتنوں کو طاقت کے ذریعے دبا دیا جائے مگر حضرت عثمان کہا کرتے تھے کہ میں مسلمانوں کا خون بہانا نہیں چاہتا۔ اس طرح حضرت عثمان کی شرافت اور نرم دلی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سازشیں شروع کر دیں۔

Marfat.com

عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی

تینتیس ۳۳ھ ہجری سے حضرت عثمانؓ کے خلاف ایک سوچی سمجھی تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کا اصلی بانی عبداللہ بن سبا نامی ایک یہودی تھا۔ یہ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا۔ اصلی وطن صنعاء (یمن) تھا۔ اسے ابن سوداء بھی کہتے ہیں۔ اس نے چند دن مدینہ میں رہ کر اہل اسلام کے حالات کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد صوبوں میں جا کر عجیب و غریب عقائد ایجاد کر کے پھیلائے۔ اس نے لوگوں کو اپنی چرب زبانی کے ذریعے اپنی طرف مائل کرنا شروع کر دیا۔ اموی عمال کو بدنام کر کے اور خلیفہ کی کنبہ پروری کی داستانیں سنا کر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایک جماعت کھڑی کر دی۔ عبداللہ بن سبا کی یہ تحریک عجم میں زیادہ کامیاب ہوئی۔ عجمی لوگ اپنی شکستوں کا بدلہ لینے کے لئے بے تاب تھے۔ سبائیوں نے اپنی تحریک کو اس طرح پھیلایا کہ ملکی فضا کو بدل کر رکھ دیا۔ پہلے عبداللہ بن سبا نے یہ تحریک بصرہ سے شروع کی۔ وہاں سے نکالا گیا تو کوفہ پہنچا اور اپنے مقصد میں کافی حد تک کامیاب رہا۔ اس کے بعد وہ شام گیا۔ مگر وہاں حضرت امیر معاویہؓ نے اسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کرنے دی پھر وہ مصر گیا۔ وہاں اس نے سب لوگوں کو گرویدہ بنا لیا۔ اس طرح عبداللہ بن سبا نے تمام سلطنت اسلامیہ میں مسلمانوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسا بھڑکایا اور حالات ایسے خراب ہو گئے کہ حضرت عثمانؓ کے لیے ان پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔

"عبداللہ بن سبا نہائت ہی مکار اور سازشی شخص تھا۔ اس نے اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے مسلمانوں کو بہت سے گمراہ کن عقائد سکھائے۔ اس نے اعلان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ نیز ہر پیغمبر کا ایک وصی

Marfat.com

ہوتا ہے اور حضرت علیؓ آنحضرت کے وصی ہیں۔ وہی ان کی جانشینی کے حقدار ہیں حضرت عثمان غاصب ہیں ان کو معزول کر دینا چاہیے اس طرح اس نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ بہت سے بجنتہ یقین لوگ بھی اس کے فریب میں آکر حضرت عثمان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ حضرت عثمان کے عمال کے مظالم جھوٹی داستانیں لوگوں کو سُنا کر بغاوت پر آمادہ کرنے لگے۔ اس نے حضرت عثمان کے خلاف ایسے ایسے الزام تراشے اور ان پر ایسی تہمتیں لگائیں جو قیاس میں نہیں آسکتی تھیں شروع میں تو لوگوں کو ان پر یقین نہ آتا تھا مگر بعد میں اس نے ایسا پراپیگنڈا کیا کہ بڑے بڑے نیک لوگ بھی اس سے متاثر ہو گئے۔

شورش کا آغاز

عبداللہ بن سبا نے اپنی سرگرمیاں عراق سے شروع کیں۔ چونکہ ایرانی ہمیشہ سے بادشاہت کے عادی تھے۔ اور وصی کا مسئلہ ان کی فطرت کے عین مطابق تھا اس لئے وہ بہت جلد اس کے حامی بن گئے۔ عراق کے کچھ لوگ جو اپنے عمال سے ناراض تھے وہ بھی شورش میں شریک ہو گئے۔ کوفہ میں سبائی پارٹی نے پہلے وہاں کے والی ولید بن عتبہ کے خلاف شکایت کر کے اسے معزول کرا دیا۔ پھر اس کے جانشین سعید بن العاص کو بدنام کر کے حضرت عثمان کو مجبور کیا کہ اس کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیں۔

بصرہ میں اس پارٹی نے ابو موسیٰ اشعری پر قول و فعل کے تضاد کا الزام لگا کر گورنری سے معزول کرا دیا۔ جب عبداللہ بن عامر گورنر بنے تو ان کے خلاف شکایتیں کرنے لگے۔ شام میں اگرچہ وہ حضرت معاویہ کے حسنِ انتظام کے باعث کوئی عملی قدم نہ اٹھا سکے تاہم انہوں نے ایک مقتدر صحابی ابوذر غفاریؓ کو امیر معاویہ کے خلاف بھڑکایا جس کی وجہ سے ابوذر کو شام سے ہٹانا پڑا۔ مصر میں تو عبداللہ بن سبا کی تحریک نے خوب ترقی کی کیونکہ یہاں دو بااثر صحابی محمد بن حذیفہ فسادیوں سے مل گئے اور وہاں کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کے خلاف لوگوں کو ورغلایا۔

Marfat.com

اگرچہ حضرت عثمان لوگوں کے مطالبہ پر گورنروں کو برابر تبدیل کرتے رہے تاہم عراق اور مصر سے بے اطمینانی کی اطلاعات برابر موصول ہوتی رہیں۔ کیونکہ مفسدین نے اس طرح کی شکایات مسلسل بھیجنے کی اسکیم بنائی تھی۔ اس پر مدینہ میں جو صحابہ کرام تھے ان کو تشویش ہوئی اور انہوں نے حضرت عثمان کو مشورہ دیا کہ مختلف صوبوں میں تحقیقاتی وفد بھیجے جائیں۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ رض کو کوفہ، اسامہ بن زید کو بصرہ، عبداللہ بن عمر رض کو شام اور عمار بن یاسر کو مصر بھیجا گیا۔ تاکہ حقیقت حال کا جائزہ لیں اور رپورٹ بھیجیں۔ پہلے تین صحابہ نے تو یہ رپورٹ دی کہ عمال کے خلاف شکایات بالکل بے بنیاد ہیں۔ عمار بن یاسر البتہ مفسدوں کے بہکانے میں آگئے اور انہوں نے شکایات کو درست بتایا۔

عمال کی کانفرنس

حضرت عثمان نے اس تحقیقاتی کمیشن کے علاوہ تمام صوبوں میں احکام بھیجے کہ آئندہ حج کے موقع پر تمام عمال جمع ہوں تاکہ لوگ ان کے خلاف شکایات پیش کر سکیں۔ جب حج کا موقع آیا اور حکام جمع ہوئے، تو شکایات پیش کرنے والا کوئی بھی موجود نہ تھا۔ حضرت عثمان رض نے ان عمال سے اس فتنہ کے بارے میں صلاح مشورہ کیا۔ سب نے یہی کہا کہ یہ فساد چند شرارت پسند لوگوں نے پھیلا رکھا ہے۔ اس سازش کا علاج یہ ہے کہ مفسدوں کو سختی سے دبا دیا جائے، اور اس فتنہ کے بانی عبداللہ بن سبا کو قتل کر دیا جائے لیکن حضرت عثمان نے اپنی نرم دلی کے باعث یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ امیر معاویہ رض نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ ان کے ساتھ شام چلیں جہاں وہ بالکل محفوظ ہوں گے۔ مگر حضرت عثمان نے کہا کہ وہ کسی صورت میں بھی رسول اللہ کا قرب نہ چھوڑیں گے۔ اور جب امیر معاویہ رض نے ان کی حفاظت کے لئے ایک شاہی فوج بھیجنے کی پیشکش کی تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی اکیلی جان کے لئے بیت المال پر بوجھ نہ ڈالوں گا۔ اس طرح یہ کانفرنس ناکام رہی۔

سبائی پارٹی کا منصوبہ یہ تھا کہ جب عمال حج سے واپس جانے لگیں تو فساد شروع کر

Marfat.com

دیا جائے۔ مگر کسی وجہ سے وہ اپنی سکیم میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر سوچ سمجھ کر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کوفہ بصرہ اور مصر سے کچھ لوگ وفدوں کی صورت میں مدینہ جائیں۔ بہانہ یہ بنائیں کہ وہ حکام کی شکایات کرنے جا رہے ہیں تاکہ ان کو کوئی راستہ میں نہ روکے۔ چنانچہ تینوں مقامات سے وفود مدینہ پہنچے اور شہر سے دو میل دور ٹھہرے۔ حضرت عثمان کو جب ان کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ نے کچھ صحابہ کو ان کے پاس بھیجا تاکہ حقیقت حال سے آگاہ کریں۔ یہ صحابہ علیحدہ علیحدہ ہر وفد سے ملے اور حضرت عثمان کو آکر اطلاع دی کہ وہ آپ کی غلطیاں جتلا کر آپ کو خلافت سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ اور اگر آپ نے خلافت سے علیحدگی اختیار نہ کی تو آپ کو قتل کر دیں گے۔ آپ یہ سن کر مسکرائے اور معززین مدینہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ مفسدوں کو پکڑ کر قتل کر دینا چاہیئے تاکہ فتنہ یہیں ختم ہو جائے مگر آپ نے فرمایا کہ ایسا کرنے کے لئے میرے پاس کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔ پھر میں یہ کام کیسے کروں۔ اس پر تمام لوگ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے ان وفود کو بلا بھیجا اور صحابہ کبار کے سامنے ان کی شکایات سنیں اور سب کا تسلی بخش جواب دیا۔ مگر فتنہ پردازوں نے ان جوابات کو بڑی بے پروائی سے سنا اور اپنے ارادہ سے باز نہ آئے۔

حضرت عثمان کے خلاف الزامات

ان لوگوں نے حضرت عثمان پر جو الزامات تراشے وہ مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ **صحابہ کی برطرفی** : حضرت عثمان کے خلاف پہلا الزام یہ تھا کہ انہوں نے نامور صحابہ کو برطرف کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے نوجوان ناتجربہ کار اور نااہل افراد کو مقرر کیا مثلاً مغیرہ بن شعبہ۔ ابوموسیٰ اشعری۔ سعد بن ابی وقاص۔ عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن ارقم اور عمرو بن العاص کو ان کے عہدوں سے علیحدہ کر دیا۔ دراصل اس الزام کی کوئی حقیقت نہ تھی ان لوگوں کی برطرفی کے معقول اسباب تھے۔ اگر معقول وجوہ کی بنا پر حکام کو معزول کرنا گناہ ہے تو بڑے بڑے عادل خلفاء بھی اس گناہ سے مبرا نہیں ہیں۔ حضرت عثمان پر یہ الزام لگایا

Marfat.com

گیا کہ انہوں نے نامور صحابہ کو برطرف کیا تو ان کے اسباب یہ تھے:

۱۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کو حضرت عمر کی وصیت کی بنا پر معزول کیا گیا۔

۲۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو معزول کرنے کا سبب اہل بصرہ کی یہ شکایت تھی کہ ان کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا ہے۔

۳۔ سعد بن ابی وقاص کو برطرف کرنے کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے ایک رقم بیت المال سے قرض لی تھی اور متواتر تقاضوں کے باوجود واپس نہیں کی تھی۔

۴۔ عمرو بن العاص کی برطرفی کی وجہ یہ تھی کہ ان کے تحت مصر جیسے زرخیز صوبے کی آمدنی دن بدن گھٹ رہی تھی۔ جب خلیفہ نے اس کا سبب دریافت کیا اور اصلاح کے لیے لکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ "اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی"! لیکن ان کے جانشین عبداللہ بن ابی سرح نے تھوڑے ہی عرصے میں آمدنی دگنی کر دی۔ اس کے علاوہ ان پر اسکندریہ کے لوگوں پر سختی کی بھی شکایت تھی۔ اس لئے ان کو معزول کرنا پڑا۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن ارقم ناظم بیت المال کی برطرفی ضعف پیری اور کمزوری کی وجہ سے تھی۔

یہ الزام کہ ان اصحاب کی جگہ ناتجربہ کار نوجوان مقرر کیے گئے تو واقعات شاہد ہیں کہ حضرت عثمان نے جن اصحاب کو عہدوں پر مقرر کیا تھا وہ موزوں ترین اشخاص تھے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ نوجوان تھے لیکن عہدہ کے لیے انتخاب تو اہلیت کی بنا پر ہوتا ہے نہ کہ عمر کے لحاظ سے۔

حق تو یہ ہے کہ آپ کے مقرر کردہ نوجوان والی مثلاً ولید بن عقبہ۔ سعید بن العاص۔ عبداللہ بن عامر اگرچہ صحابہ کرام کی طرح زہد و تقویٰ کا جوہر نہ رکھتے تھے مگر لائق تجربہ کار فاتح تھے۔ ان لوگوں کی کوشش سے مشرق و مغرب میں ہر طرف اسلامی سلطنت وسیع ہو گئی اس کے علاوہ اس زمانہ تک بیشتر صحابہ پیرانہ سالی کے باعث اہم ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل نہ رہے تھے۔ ان کی جگہ بہرحال نوجوان لوگ ہی لے سکتے تھے۔

۲۔ **کنبہ پروری** مفسدین کا یہ الزام کہ آپ اپنے خاندان کے افراد کا بہت

Marfat.com

خیال رکھتے ہیں اور ان کو بڑے عہدوں پر فائز کرتے ہیں بالکل بے کار تھا۔ اگر حضرت عثمان کے خاندان کے کچھ افراد قابل تھے اور انھیں دوسروں کے حقوق کو نظرانداز کئے بغیر حکومت کے اہم عہدوں کے لئے منتخب کر لیا گیا تو اس میں کیا برائی تھی۔ حضرت عثمان نے ہمیشہ اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ اپنے کنبہ والوں کی سرپرستی کرتے ہیں اور اپنی گرہ سے ان کی امداد کرتے ہیں۔ اس کی دلیل میں وہ یہ فرماتے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم تمام قبائل عرب کے مقابلہ میں قریش کا خیال نہیں رکھتے تھے؛ اور بنو ہاشم کی خاص طور سے اعانت نہیں کرتے تھے؟

۳۔ معزّز صحابہ سے بدسلوکی

مفسدین کا تیسرا الزام یہ تھا کہ حضرت عثمان نے معزز صحابہ مثلاً ابوذر غفاری، عمّار بن یاسر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ساتھ ناانصافی کی۔ مگر یہ الزام بھی بے بنیاد ہے۔ حضرت ابوذر غفاری کو جلاوطن نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ خود ہی ایک ویرانہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ عمار بن یاسر کے ساتھ سختی کی وجہ یہ تھی کہ وہ سبائی جماعت کے ہم خیال ہو گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا وظیفہ اس لئے بند کر دیا گیا کہ حضرت عثمان تمام مسلمانوں کو ایک قرآن پر متحد کرنا چاہتے تھے۔ مگر انھوں نے اس کام میں رکاوٹ ڈالی تھی اور اپنا نسخہ قرآن جو اصل قرآن سے کچھ مختلف تھا۔ تلف کرنے پر رضامند نہ ہوئے۔

۴۔ بیت المال کا غلط استعمال

چوتھا الزام یہ تھا کہ آپ بیت المال کا مال بیجا طور پر صرف کرتے اور اپنے خاندان والوں کو بھاری وظیفے دیتے ہیں۔ لیکن یہ الزام بھی درست نہیں کیونکہ جتنے واقعات بھی اس کے ثبوت میں پیش کئے گئے وہ سب جھوٹے تھے۔ پھر حضرت عثمان جیسے تونگر اور دولت مند شخص ایسا کام بھلا کب روا رکھ سکتے ہیں۔ انھوں نے رشتہ داروں کو جو کچھ دیا وہ اپنی گرہ سے دیا۔ بیت المال سے ایک کوڑی تک نہ لی۔ اور اگر کسی وقت کوئی غلط تقسیم ہو بھی جاتی تو اس کا فوراً ازالہ کر دیا کرتے تھے۔ حکم بن عاص اور عبداللہ بن خالد کو جو رقوم دی گئیں وہ آپ نے

Marfat.com

خود اپنے پاس سے دی تھیں۔ مروان کو خمس دینے کا واقعہ بھی بہتان تھا مروان نے یہ حصہ خرید تھا عبداللہ بن ابی سرح کو آپ نے خمس کا جو حصہ دیا تھا اس کا مقصد ان کی حوصلہ افزائی کرنا تھا۔ مگر جب اس پر اعتراض ہوا تو رقم واپس لے لی گئی۔

۵۔ بقیع کی چراگاہ

مفسدین نے پھر یہ الزام لگایا کہ بقیع کی چراگاہ کو آپ نے اپنے لئے مخصوص کر لیا اور عام لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیے لیکن اس الزام کی بھی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ یہ چراگاہ عہد فاروقی ہی سے بیت المال کے مویشیوں کے لیے استعمال ہوتی تھی۔

۶۔ اُموی عمّال کا محاسبہ نہ کرنا

شورش پسندوں کا یہ الزام کہ آپ نے مجرموں پر شرعی حدود جاری کرنے میں غفلت برتی بالکل بے معنی تھا۔ عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں نے دو واقعات اس کی دلیل میں پیش کئے اوّل یہ کہ عبیداللہ بن عمرؓ سے ہرمزان کے قتل کا بدلہ نہیں لیا گیا تھا۔ دوسرے ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب خوری کی حد جاری کرنے میں تاخیر برتی گئی۔ پہلے واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ عبیداللہ بن عمرؓ نے ایک نو مسلم ایرانی ہرمزان کو اس شبہ میں قتل کر دیا تھا کہ حضرت عمرؓ کے قتل کرنے میں اس کا ہاتھ تھا۔ سوائے حضرت علی کے تمام صحابہ نے حضرت عبیداللہ کو اس کے بدلے میں موت کے گھاٹ اتارنا خلاف مصلحت سمجھا اور حضرت عثمان نے اپنی گرہ سے خون بہا کی رقم ادا کر دی تھی۔ دوسرا واقعہ ولید بن عقبہ کے شراب پینے کے متعلق مصدقہ شہادتیں بہت دیر بعد ملی تھیں اس وجہ سے تفتیش میں دیر ہوگئی اور جلد کوئی شرعی حد جاری نہ ہو سکی۔

۷۔ اقارب و اعزّہ میں تقسیم اراضی

مفسدوں نے آپ پر یہ الزام بھی تراشا کہ آپ اپنے عزیزوں اور دوستوں کو اطراف ملک میں زمینیں عطا کرتے ہیں اس الزام کی حقیقت یہ تھی کہ آپ کے

Marfat.com

عہد میں بہت سے اہل یمن گھر بار چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے۔ آپ نے ان لوگوں کی آبادکاری کے لیئے زمین کے قطعے دے دئے تھے اور اس کے بدلے میں ان کی یمن کی زمینیں لے لی تھیں۔ عراق میں کچھ زمین غیر آباد تھی۔ بعض لوگوں نے اس کو قابلِ کاشت بنایا۔ حضرت عثمان نے ان لوگوں کو اس کا مالک بنا دیا۔

۸۔ بدعات کی ترویج مذہب میں بدعات کو رواج دینے کا الزام نہایت لغو اور بے بنیاد ہے۔ اتباعِ سنت حضرت عثمان کا مقصدِ حیات تھا۔ مفسدین نے الزام لگایا تھا کہ حضرت عثمان منیٰ میں دوگانہ کے بجائے چار رکعت پڑھتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عثمان شرعی دلائل کی بنا پر منیٰ میں پوری نماز پڑھتے تھے اور قصر کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ جب صحابہ نے اس کو بدعت پر محمول کر کے اس پہ اعتراض کیا تو حضرت عثمان نے بھرے مجمعے میں چار رکعت نماز پڑھنے کی حسبِ ذیل وجہ بیان کی۔

"صاحبو! جب میں مکہ پہنچا تو یہاں اقامت کی نیت کر لی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں اقامت کی نیت کرے اس کو مقیم کی طرح نماز پڑھنا چاہیئے۔" (مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۶۲)

۹۔ نسخہ ہائے قرآن کو جلانا حضرت عثمان کے خلاف یہ الزام بھی لگایا گیا تھا کہ انھوں نے ایک قرآن کے علاوہ سب قرآنوں کو جلا ڈالا لیکن یہ ایک عظیم اسلامی خدمت تھی کہ آپ نے لوگوں کو ایک بہت بڑے فتنہ سے بچا لیا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو آج ایک قرآن کی بجائے مسلمان کئی قرآنوں کے پیرو ہوتے اور آپس میں طرح طرح کے اختلافات پیدا ہو جاتے۔

۱۰۔ حکم کو مدینہ بلانا حضرت عثمان پر ایک الزام یہ بھی تھا کہ آپ نے حکم بن عاص کو جسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف جلاوطن کیا ہوا تھا واپس بلا لیا۔ اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بن عاص کو

Marfat.com

طائف جلاوطن کیا تھا لیکن آپ نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں حضرت عثمان کی سفارش سے مدینہ آنے کی اجازت دیدی تھی۔ چونکہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو آنحضور کی اجازت کا علم نہ تھا اس لئے انہوں نے حکم کو مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جب حضرت عثمان نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تو اپنے ذاتی علم کی بنا پر ان کو مدینہ بلا لیا۔ ان کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر دیا اور صلۂ رحم کے طور پر جیب خاص سے حکم کو ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔ نیز مروان کو جہیز میں ایک لاکھ درہم کا عطیہ مرحمت فرمایا۔ اصل واقعہ کو مفسدین نے توڑ مروڑ کر پیش کیا۔

جب ان دونوں نے اعتراضات کے معقول جواب سنے تو خاموش ہو گئے مگر قائل نہ ہوئے اس وقت تو بظاہر وہ مطمئن ہو کر چلے گئے مگر اپنی شر پسندی پر قائم رہے۔ ادھر حضرت عثمان اس بے اطمینانی کو دور کرنے کی تدابیر سوچنے میں مشغول ہو گئے۔ ادھر شورش پسندوں نے فیصلہ کن قدم اٹھانے کی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

انقلاب کی کوشش

ادھر دربار خلافت میں اصلاحات کی تجویزیں پیش ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف ملک میں ایک عظیم الشان انقلاب کی سازش مکمل ہو چکی تھی۔ چنانچہ بصرہ۔ کوفہ اور مصر کے فتنہ پردازوں نے آپس میں طے کر کے اپنے اپنے شہر سے حاجیوں کی وضع میں مدینہ کا رُخ کیا تاکہ جبراً حضرت عثمان سے اپنے مطالبات تسلیم کرائیں۔ (کامل ابن اثیر صفحہ ۱۲۵)

مدینہ کے قریب پہنچ کر شہر سے دو تین میل کے فاصلہ پر قیام کیا۔ چند آدمی جو اس جماعت کے سرکردہ تھے باری باری حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت علیؓ کے پاس گئے کہ وہ اپنی وساطت سے معاملہ کا تصفیہ کرا دیں۔ لیکن سب نے اس جھگڑے میں پڑنے سے انکار کیا۔ حضرت عثمان رضؓ چونکہ فتنہ و فساد کو دبانا چاہتے

Marfat.com

تھے اس لیے حضرت علی کو بلا کر کہا کہ آپ اس جماعت کو راضی کر کے واپس کر دیجیے۔ میں جائز مطالبات تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں چنانچہ حضرت علی کی وساطت سے مفسدین واپس چلے گئے۔ (ابن اثیر)

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز مسجد میں خطبہ دیا اور متنازعہ امور پر روشنی ڈالی۔ لوگ بڑے خوش ہوئے کہ اب مدینہ میں امن قائم ہو جائے گا۔ مگر یہ امید بر نہ آئی۔ ایک دن اچانک مدینہ کی گلیوں میں تکبیر کے نعروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے شور قیامت برپا ہو گیا۔ کبار صحابہ گھبرا کر گھروں سے نکل آئے۔ دیکھا کہ مفسدین کی جماعت پھر واپس آ گئی ہے اور انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر واپس آنے کا سبب دریافت کیا۔ مصریوں نے کہا کہ راہ میں دربار خلافت کا ایک قاصد ملا جو نہایت تیزی سے مصر جا رہا تھا اس کی مشتبہ حالت سے بدگمانی پیدا ہوئی اور خیال ہوا کہ ضرور ہم لوگوں کے متعلق والئی مصر کے پاس احکام بھیجے جا رہے ہیں۔ تلاشی لی گئی تو ایک ایسا فرمان برآمد ہوا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ہم لوگوں کو قتل کر دیا جائے۔ اس لئے ہم اس بد عہدی اور فریب کاری کا انتقام لینے آئے ہیں۔

خلافت سے علیحدگی کا مطالبہ

حضرت عثمان کو اس واقعہ سے آگاہ کیا گیا۔ تو آپ نے حیرت کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کی اور قسم کھا کر کہا مجھے مطلقاً اس خط کی اطلاع نہیں ہے۔ حضرت عثمان کے حلفیہ انکار پر لوگوں نے قیاس کیا کہ یقیناً یہ مروان کی شرارت ہے مصریوں نے کہا کہ جو خلیفہ اس قدر غافل ہو کہ اس کی لاعلمی میں ایسے امور پیش آ جائیں اور اسے خبر نہ ہو وہ کس طرح خلافت کا اہل ہو سکتا ہے؟ اور حضرت عثمان سے مسند خلافت سے الگ ہو جانے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے فرمایا جب تک مجھ میں جان باقی ہے میں اس خلعت کو جو خدا نے مجھے پہنایا ہے خود اپنے ہاتھوں سے نہیں اتاروں گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

Marfat.com

کے مطابق اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کروں گا۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت عثمان کا محاصرہ

حضرت عثمان کے انکار پر مفسدین نے جن کی تعداد تقریباً پانچ سو تھی کاشانۂ خلافت کا نہایت سخت محاصرہ کر لیا یہ محاصرہ چالیس دن تک مسلسل قائم رہا۔ اس عرصہ میں اندر پانی تک پہنچانا جرم تھا۔ حضرت علی اور دیگر صحابہ نے اذن جنگ مانگا۔ لیکن آپ نے ہر بار انکار فرمایا اور کہا میں وہ خلیفہ نہیں بننا چاہتا جو مسلمانوں کا خون بہاتا ہے۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے ساتھ کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر حضرت عثمانؓ تک پہنچنے کی کوشش کی مگر مفسدین کے قلوب نورِ ایمانی سے خالی ہو چکے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا اور گستاخی کے ساتھ مزاحمت کر کے واپس کر دیا۔ (تاریخ طبری)
ہمسایہ گھروں سے کبھی کبھی رسد اور پانی کی امداد پہنچ جاتی تھی۔ مفسدین کی جرأت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن سلام۔ ابوہریرہ۔ سعد بن ابی وقاص اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ کی بھی توہین کی اور ان کی ایک نہ سنی۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے بلانے پر ان کے گھر کے اندر جانا چاہا تو لوگوں نے ان کو روک دیا۔ آپ نے مجبور ہو کر اپنا سیاہ عمامہ اتار کر قاصد کو دے دیا۔ اور کہا جو حالت ہے اس کو دیکھ لو اور بیان کر دو۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳)

کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کرنے والے باغیوں کو متعدد دفعہ حضرت عثمانؓ نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کے سامنے موثر تقریریں کیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے بھی تقریر کی مگر ان لوگوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے چھت کے اوپر سے مجمع کو یوں مخاطب فرمایا۔

دو کیا تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو مسجد تنگ تھی۔ آپ نے فرمایا کون اس زمین کو خرید کر وقف کرے گا؟ اس کے صلہ میں اس کو اس سے بہتر جگہ جنت میں ملے گی۔ تو میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ تو کیا اسی مسجد میں تم مجھے نماز پڑھنے نہیں دیتے۔ تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں بتاؤ کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو

Marfat.com

اس میں رُومہ کے سوا میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کون اس کو خرید کر عام مسلمانوں پر وقف کرتا ہے؟ اور اس سے بہتر اس کو جنت میں ملے گا۔ تو میں نے ہی اس کی تعمیل کی۔ تو کیا اسی کے پانی پینے سے مجھے محروم کر رہے ہو۔ کیا تم جانتے ہو کہ تبوک کے لشکر کو میں نے ہی ساز و سامان سے آراستہ کیا تھا؟ سب نے جواب دیا خدا کی قسم یہ سب باتیں سچ ہیں۔ مگر سنگدلوں پر اس کا بھی اثر نہ ہوا۔ پھر فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں تم میں کسی کو یاد ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ ہلنے لگا۔ آپ نے پہاڑ کو پاؤں سے ٹھوکر مار کر فرمایا اے حرا! ٹھہر جا تیری پشت پر اس وقت ایک نبی۔ ایک صدیق۔ اور ایک شہید ہے اور میں آپ کے ساتھ تھا۔ لوگوں نے کہا یاد ہے۔ پھر فرمایا تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں بتاؤ کہ حدیبیہ میں مجھے آپ نے مکہ کا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ تو کیا خود آپ نے دستِ مبارک کو میرا ہاتھ قرار نہیں دیا تھا! اور میری طرف سے خود ہی بیعت نہیں کی؟ سب نے کہا سچ ہے۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص۵۹ نیز بخاری و ترمذی)

شہادت

حضرت عثمان کا گھر بہت وسیع تھا۔ گھر میں صحابہ اور عام مسلمانوں کی خاصی جمعیت موجود تھی۔ جس کی تعداد سات سو تھی۔ اس جمعیت کے سردار حضرت زبیر کے بہادر صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر تھے۔ وہ حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے امیرالمومنین! اس وقت گھر کے اندر ہماری خاصی تعداد ہے۔ اجازت ہو تو ان باغیوں سے لڑوں۔ فرمایا اگر ایک شخص کا بھی ارادہ ہو تو میں اس کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لئے اپنا خون نہ بہائے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳)

گھر میں اس وقت بیس غلام تھے ان کو بھی بلا کر آزاد کر دیا۔ حضرت زید بن ثابت نے آکر عرض کیا امیرالمومنین! انصار دروازہ پر کھڑے اجازت کے منتظر ہیں کہ وہ دوبارہ اپنے کارنامے

Marfat.com

دکھائیں۔ فرمایا اگر لڑائی مقصود ہے تو اجازت نہ دوں گا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۴۹)
اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو میری مدافعت میں تلوار نہ اٹھائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ
نے اجازت مانگی تو فرمایا اے ابو ہریرہؓ! کیا تمہیں پسند آئے گا کہ تم تمام دنیا کو اور ساتھ ہی مجھے
بھی قتل کر دو۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا اگر تم نے ایک شخص کو بھی قتل کیا تو گویا سب قتل ہو گئے۔
ابو ہریرہؓ یہ سن کر لوٹ آئے۔ (طبقات ابن سعد)

ذوالحجہ کا مہینہ تھا اور جمعہ کا روز۔ حج پر ابھی تین چار روز ہی گذرے تھے۔ حضرت عثمان
روزہ سے تھے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ و عمرؓ کہہ
رہے ہیں کہ عثمانؓ صبر کیجئے۔ آج آپ ہمارے پاس افطار کریں گے۔ آپ سمجھ گئے کہ آج سفر آخرت
کا دن ہے۔ آپ ویسے تہمد باندھتے تھے پاجامہ منگا کر پہنا کہ شہادت کے وقت ستر نہ کھل
جائے۔ غلاموں کو آزاد کیا اور قرآن کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ باغیوں کے لیے
دروازہ سے داخل ہونا ممکن نہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ چاہتے بھی نہ تھے کہ قاتلوں کا سراغ ملے۔
کچھ آدمی عصر کے وقت چوری سے پیچھے کی طرف سے چھت سے گذر کر آپ کے پاس پہنچے۔
ان میں حضرت ابو بکر کے چھوٹے صاحبزادے محمد بن ابی بکر بھی تھے۔ یہ حضرت علی کی آغوش
تربیت میں پلے تھے۔ یہ کسی بڑے عہدے کے طلبگار تھے جس کے نہ ملنے سے حضرت عثمان کے
دشمن بن گئے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر حضرت عثمان کی ریش مبارک پکڑ لی اور زور سے کھینچی۔
حضرت عثمان نے فرمایا بھتیجے! اگر تمہارے والد زندہ ہوتے تو انکو یہ فعل پسند نہ آتا۔ یہ سن کر محمد بن
ابی بکر شرما کر پیچھے ہٹ گئے۔ ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے آگے بڑھ کر پیشانی مبارک پر
لوہے کی سلاخ اس زور سے ماری کہ پہلو کے بل گر پڑے۔ اس وقت بھی زبان سے بِسْمِ اللّٰہِ
تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ" نکلا۔ سودان بن حمران مرادی نے کاری ضرب لگائی جس سے خون کا
فوارہ جاری ہو گیا۔ ایک اور سنگدل عمرو بن الحمق سینہ پر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف حصوں پر پے
درپے نیزوں کے نو زخم لگائے۔ کسی بدبخت نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا۔ وفادار بیوی حضرت نائلہؓ

Marfat.com

نے جو پاس ہی بیٹھی تھیں ہاتھ پر روکا تینوں انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں۔ اس وار نے ذوالنورین کی شمع حیات بجھادی۔ ایسا حسین کی موت پر سب دنیا نے ماتم کیا۔ کائنات ارضی وسماوی نے خون ناحق پر آنسو بہائے۔ کارکنان قضاء قدر نے کہا جو خون آشام تلوار آج بے نیام ہوئی ہے۔ وہ قیامت تک بے نیام رہے گی۔ اور فتنہ و فساد کا جو دروازہ کھلا ہے وہ حشر تک کھلا رہے گا۔

(صحیح بخاری کتاب الفتن)

شہادت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جمعہ کے دن عصر کے وقت شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ دو دن تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ حرم رسول میں قیامت برپا تھی۔ باغیوں کی حکومت تھی۔ ان کے خوف سے کسی کو علانیہ دفن کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ہفتہ کا دن گذر گیا تو رات کو چند آدمیوں نے ہتھیلی پر جان رکھ کر تجہیز و تکفین کی ہمت کی اور غسل دیئے بغیر اسی طرح خون آلود پیراہن میں شہید مظلوم کا جنازہ اٹھایا۔ صرف سترہ آدمیوں نے کابل سے مراکش تک کے فرمانروا کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ مسند ابن حنبل کی روایت کے مطابق حضرت زبیر نے اور بروایت طبقات ابن سعد حضرت جبیر بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کا مزار مبارک جنتہ البقیع کے قبرستان کے آخری حصہ میں آج بھی موجود ہے۔

(مسند ابن حنبل جلد ۱ ص۷۳)

شہادت عثمانی کا ردعمل

حضرت عثمان کی شہادت تاریخ اسلام کا بہت بڑا المیہ ہے۔ آپ کی شہادت نے وحدت ملی کو پارہ پارہ کر دیا۔ اتحاد اور شیرازہ بندی کا خاتمہ ہو گیا۔ شہادت سے ایک دو دن پہلے آپ نے باغیوں سے کہا تھا "یاد رکھو بخدا اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو قیامت تک ایک ساتھ نماز نہ پڑھ سکو گے۔ آپ کا یہ فرمان حرف بحرف درست نکلا۔ مسلمان گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے۔ مسلمانوں کی تلواریں اپنے ہی بھائیوں کے خلاف بے نیام ہو گئیں۔ شیعہ سنی خارجی اور رافضی فرقے بن گئے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ اسلامی فتوحات کے لئے یہ تفریق بہت نقصان دہ ثابت ہوئی۔

Marfat.com

فتوحات کا قدم رک گیا۔ خانہ جنگی اسلامی قوت کے زوال کا باعث بنی۔ وہی قومیں جو مسلمانوں کے نام سے کانپ اٹھتی تھیں۔ باہمی خانہ جنگی کے باعث دلیر ہو گئیں اور انھیں جب کبھی موقع ملا مسلمانوں سے اپنا بدلہ دل کھول کر لیا۔ اسلام میں ایک ایسا رخنہ پیدا ہوا جو پھر کبھی بند نہ کیا جا سکا۔ اگر یہ شہادت واقع نہ ہوتی اسلامی سلطنت کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور مسلمانوں کی قوت کبھی نہ گھٹتی۔ اس شہادت نے خلافت کا وقار ختم کر دیا۔ اس کے باعث حضرت علی کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بنو امیہ نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مسئلہ کھڑا کر دیا اور اس نعرہ کو استعمال کر کے وہ برسرِ اقتدار آ گئے۔

حضرت عثمانؓ کی سیرت و سیاست

سیرتِ عثمان

حضرت عثمان فطرتاً بڑے پاکباز، نیک دل، دیانت دار اور راستباز تھے۔ حیاء اور رحمدلی ان کی خاص شان تھی۔ حضرت عثمان طبعاً فیاض اور سخی تھے۔ آپ اپنی فیاضی اور سخاوت کے باعث بڑے ہر دلعزیز اور مقبول خاص و عام تھے۔

دورِ جاہلیت میں جب کہ عرب کا ہر بچہ مست شراب رہتا تھا اس وقت بھی عثمان ذوالنورین کی زبان بادۂ گلگوں کی ذوق آشنا نہ تھی۔ جب کذب و افتراء اور فسق و فجور عالمگیر تھا آپ کا دامن ان دھبوں سے آلودہ نہیں ہوا۔

خوفِ خدا تمام محاسن کا سرچشمہ ہے حضرت عثمان اکثر خوفِ خداوندی سے آبدیدہ رہتے تھے۔ موت، قبر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامنگیر رہتا۔ سامنے سے جنازہ گزرتا تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔ قبروں سے گزرتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی۔ آپ کی حیاداری ضرب المثل کی حد تک مشہور ہے۔ بند غسلخانے میں بھی تہمد باندھ کر نہاتے تھے۔ معاملات کے دوران آپ کی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں

Marfat.com

نکلی جو قابل الزام ہے۔ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ عثمان کی حیا سے تو فرشتے بھی شرماتے ہیں۔

(مسند احمد و صحیح مسلم)

حضرت عثمان بدر کے سوا تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ آنحضرتؐ کا ادب و احترام اس قدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی پھر اس کو نجاست یا محلِ نجاست سے مس نہ ہونے دیا۔ (کنز العمال جلد ۶ صـ۳۷۶)

اہلِ بیت نبویؐ اور ازواجِ مطہرات کا خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ اپنے عہدِ خلافت میں جب لوگوں کے وظائف مقرر کیے تو ازواجِ مطہرات کا روزینہ سب سے زیادہ مقرر کیا۔

(تاریخ طبری)

سنتِ نبویؐ کے شیدائی تھے۔ اپنے ہر قول و فعل یہاں تک کہ حرکات و سکنات اور اتفاقی باتوں میں بھی محبوب آقاؐ کی اتباع کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وضو کر کے مسکرائے لوگوں نے اس بے موقع تبسّم کی وجہ پوچھی۔ فرمایا میں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کے بعد مسکراتے دیکھا تھا (مسند ابن حنبل جلد ۱ صـ۵۶)

آپ صبر و تحمل کا پیکر تھے۔ مصائب و آلام کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ شہادت کے موقع پر چالیس دن تک جس بردباری ضبط اور تحمل کا اظہار آپ کی ذات سے ہوا وہ اپنی آپ نظیر ہے۔

ذاتی حالات

آپ خوبصورت اور بارعب تھے رنگ گندمی قد معتدل ناک بلند رخسارے پر گوشت اور ان پر چیچک کے ہلکے ہلکے نشان تھے۔ داڑھی گھنی اور طویل۔ سر کے بال گھنے اور بڑے بڑے۔ بعض روایات کے مطابق بالوں میں خضاب فرماتے تھے۔ دانت پیوستہ اور چمکدار تھے۔

لباس

آپ خوش لباس تھے لیکن اس میں تکلف کو دخل نہیں ہوتا تھا۔ ایسے لباس سے پرہیز کرتے تھے جس سے مزاج میں غرور، تکبر اور

Marfat.com

خود بینی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ تمام عمر پائجامہ نہیں پہنا۔ صرف شہادت کے وقت ستر کے خیال سے پہن لیا تھا۔ عموماً تہمد باندھا کرتے تھے۔

ازواج و اولاد

مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں۔ پہلی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ تھیں۔ حبشہ کی ہجرت میں وہ آپ کے ساتھ تھیں۔ واپس آکر مدینہ منورہ کی ہجرت میں شریک ہوئیں۔ مدینہ میں ایک سال زندہ رہیں۔ ۲ھ میں غزوہ بدر کے موقع پر وفات پائی۔ ان سے عبداللہ نام ایک فرزند تولد ہوا تھا جس نے بچپن ہی میں وفات پائی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی صاحبزادی حضرت امّ کلثوم سے ۳ھ میں نکاح ہوا۔ انہوں نے بھی نکاح کے چھ سات برس بعد ۹ھ میں وفات پائی۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد یکے بعد دیگرے آٹھ نکاح کیے۔ کئی صاحبزادے ہوئے جن میں سے حضرت ابان نے کافی شہرت حاصل کی۔ انہوں نے اموی عہد خلافت میں خاصہ اعزاز حاصل کیا۔

سیاست اور کارنامے

خلافت عثمانی میں ممالک محروسہ کا دائرہ بہت وسیع ہوا۔ افریقہ میں طرابلس برقہ اور مراکش فتح ہوئے۔ ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی۔ افغانستان۔ خراسان اور ترکستان کا ایک حصہ زیر نگیں ہوا۔ دوسری طرف آرمینیہ اور آذربائیجان فتح ہو کر اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی۔ اسی طرح ایشیائے کوچک کا ایک وسیع خطہ ملک شام میں شامل کر لیا گیا۔ بحری فتوحات کا آغاز حضرت عثمان کے عہد خلافت سے ہوا۔ ذوالنورین کی اولوالعزمی نے خطرات سے بے پروا ہو کر ایک عظیم الشان بیڑا تیار کر کے جزیرہ قبرص پر اسلامی پھریرا بلند کیا۔ آپ کے ارادے اتنے بلند تھے کہ آپ نے سندھ میں ایک تحقیقاتی وفد بھیجا تاکہ اس سرزمین کی آب و ہوا پیداوار اور لوگوں کے حالات کا جائزہ لے سکیں۔ اس وفد کی رپورٹ چنداں ہمت افزا نہ تھی اس لیے فتح سندھ کا منصوبہ عارضی طور پر ملتوی کر دیا گیا۔

Marfat.com

حفاظتِ قرآن

قرآن کریم کی حفاظت کے سلسلہ میں آپ نے جو خدمت سرانجام دی وہ تاریخ اسلام کا زرین باب ہے۔ حضرت عثمان کے عہد میں ایک صحابی حضرت حذیفہ بن یمان نے جنگی مہمات کے دوران میں یہ دیکھا کہ قبائل میں قراءت کا اختلاف بہت بڑھ گیا ہے۔ انہوں نے خیال کیا کہ اگر اس کا تدارک نہ کیا گیا تو نفرت انگیز نتائج رونما ہوں گے واپس آکر حضرت عثمان سے تذکرہ کیا۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا سب نے متفق ہو کر کہا کہ اُمت کو ایک قراءت پر جمع کرنا چاہیئے۔ حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے گھر سے قرآن کریم کا وہ نسخہ منگوایا جو حضرت ابوبکر کے عہد میں لکھا گیا تھا۔ چند اشخاص کا ایک بورڈ مقرر کیا کہ اس سے نقل کر کے قرآن حکیم کے نسخے تحریر کریں۔ انھیں حکم دیا کہ ان میں جہاں اختلاف پیدا ہو قریش کی بولی کے مطابق لکھیں۔ آپ نے متعدد نسخے تیار کروائے اور مملکت کے سب حصوں میں بھجوا دئے جو سابقہ نسخے تھے ان کے بارہ میں حکم دیا کہ جہاں کہیں ہوں انھیں جلا دیا جائے تاکہ اختلاف کا احتمال نہ رہے۔ (ابن اثیر۔ ترمذی۔ الفہرست لابن الندیم)

آپ کا نظام حکومت تقریباً وہی تھا جو فاروق اعظمؓ نے قائم کیا تھا۔ اقتصادی لحاظ سے ملک میں بڑی ترقی ہوئی اور آمدنی بہت بڑھ گئی۔ سرکاری اور فوجی ملازمین کی تنخواہ میں اضافہ ہوا اور لوگ خوشحال ہو گئے۔ آپ نے رفاہ عامہ کے بہت سے کام انجام دئے۔ بہت سی سڑکیں۔ پل۔ مسافر خانے اور تالاب تعمیر کئے۔ کئی نئی فوجی چھاؤنیاں قائم کیں آپ کے زمانہ میں تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔ مفتوحہ علاقوں میں دعوتِ اسلام کا کام پوری سرگرمی سے جاری رہا۔

حکومت کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا گیا اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا۔ تمام صوبہ جات میں سرکاری دفاتر کے لئے عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ مسافروں کے لئے مہمان خانے بنائے گئے پہلے کوفہ میں کوئی مہمان خانہ نہ تھا۔ حضرت عثمان کو معلوم ہوا تو انہوں نے ایک نہایت عظیم الشان مہمان خانہ بنوایا۔ (تاریخ طبری)

خیبر کی جانب سے کبھی کبھی مدینہ میں نہایت ہی خطرناک سیلاب آیا کرتا تھا جس سے شہر کی

Marfat.com

آبادی کو سخت نقصان پہنچتا تھا مسجد نبوی کو بھی اس سے نقصان پہنچنے کا احتمال تھا اس لئے حضرت عثمان نے مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر ایک بند بندھوایا اور نہر کھدوا کر سیلاب کا رُخ دوسری طرف پھیر دیا۔ اس بند کا نام بند مہزور ہے۔ رفاہ عامہ کے کاموں میں یہ حضرت عثمان کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔

(وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۲۱۷)

مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع حضرت عثمان کا زریں کارنامہ ہے۔ ۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے خطبہ دیتے ہوئے صحابہ کرام کو مسجد نبوی کی توسیع کی جانب توجہ دلائی۔ اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے خوشی سے اپنے وہ مکانات دے دئے جو مسجد سے ملحق تھے۔ آپ نے نہایت اہتمام کے ساتھ تعمیر کا کام اپنی نگرانی میں شروع کرایا۔ اور شب و روز اسی میں مصروف رہنے لگے۔ دس مہینوں کی مسلسل جد و جہد کے بعد اینٹ چونہ اور پتھر کی ایک نہایت خوشنما اور مستحکم مسجد تیار ہو گئی۔ طول میں پچاس گز کا اضافہ ہوا۔ البتہ عرض میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی۔

(خلاصۃ الوفاء صفحہ ۱۲۴)

غرض یہ کہ آپ نے لاتعداد اسلامی خدمات انجام دیں جن کے مختصر تذکرہ کے لئے بھی دفتر درکار ہیں۔

سوالات

۱: حضرت عثمان کی ابتدائی زندگی اور انتخاب خلافت کے حالات قلمبند کیجئے۔

۲: حضرت عثمان کی سیرت و سیاست قلمبند کیجئے۔

۳: خلافت عثمانی کی فتوحات اور نظام حکومت پر تبصرہ کیجئے۔

۴: حضرت عثمان کی انتظامی پالیسی بیان کیجئے اور بتائیے کہ کیا انہوں نے کوئی اختراعات کیں؟

۵: حضرت عثمان کے عہد خلافت کا تجزیہ کیجئے اور ان کی شہادت کے نتائج بیان کیجئے۔

۶: حضرت عثمان کے کردار اور کارناموں کا تذکرہ کیجئے نیز ان نزاعات مختصر طور پر لکھئے جو ان کی شہادت کا باعث بنے تھے۔

Marfat.com

باب چہارم

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

نام و نسب نام نامی علی۔ کنیت ابوالحسن اور ابوتراب تھی۔ والدہ نے حیدر (دلیر) لقب رکھا تھا۔ آپ کے والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ آپ والد اور والدہ دونوں طرف سے ہاشمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔ آپ بعثتِ نبوی سے تقریباً دس برس پہلے پیدا ہوئے خوش قسمتی کی حد یہ ہے کہ آغوش نبوت میں تربیت پائی۔ نبی برحق نے اعلان نبوت کیا تو آپ نے فوراً اسلام قبول کیا۔

حضرت علی کے والد ابو طالب مکہ کے نہایت ذی اثر بزرگ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی شفقت میں پرورش پائی اور بعثت کے بعد ان ہی کے زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوتِ حق کا اعلان کیا تھا۔ ابو طالب ہر موقع پر آپ کے لئے سینہ سپر رہے۔ ابو طالب نے گو اسلام قبول نہیں کیا تاہم انہوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح پرورش و پرداخت کی اور کفار کے مقابلہ میں جس ثبات و استقلال کے ساتھ آپ کی نصرت و حمایت کا فرض انجام دیا۔ اس لحاظ سے اسلام کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ شکر گذاری اور احسان مندی کے ساتھ لیا جائے گا۔

حضرت علی کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے بھی حضرت آمنہ کے اس یتیم معصوم کی ماں کی طرح شفقت و محبت سے پرورش کی۔ مستند روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں۔ اُن کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا۔ لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابو طالب کے بعد سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنون احسان ہوں۔ (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۱۵)

Marfat.com

اسلام

حضرت علی کی عمر ابھی صرف دس سال کی تھی کہ ان کے شفیق مُربّی کو بارگاہِ خداوندی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا۔ صحبت نبوی میں رہ کر اصلاح باطن پہلے ہی ہو چکی تھی فوراً آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ آپ بچوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علی کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں چھپ کر عبادت خداوندی کا فریضہ بجا لاتے تو حضرت علی بھی اس میں شرکت کرتے تھے۔ حج کے موقع پر جب آنحضرت حضرت ابوبکر کی رفاقت میں مختلف قبائل کو دعوتِ اسلام دیتے تو حضرت علی بھی آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔ کبھی کبھی آنحضور کے ساتھ خانہ کعبہ تشریف لے جاتے اور بتوں کو توڑ پھوڑ کر عیب دار کر دیتے تھے۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۱۲ و مسند احمد)

ہجرت مدینہ

ہجرت مدینہ کا حکم ہوا تو سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو حضرت علی کو اپنے بستر پر لیٹنے کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر مدینہ روانہ ہو گئے۔ اس وقت حضور کے بستر پر سونا گویا موت کی سیج قبول کرنا تھا لیکن شیر خدا کے پاس موت کا خوف کب آ سکتا تھا۔ ارشادِ نبوی کی تعمیل کی۔ تین دن مکہ میں رہے۔ امانتیں مالکوں کو پہنچائیں اور پا پیادہ عازمِ مدینہ ہوئے۔ جون کا مہینہ تھا اور عرب کی جان سوز گرمی۔ تاہم آپ نے تین سو میل کا سفر صرف تین روز میں طے کیا۔ پاؤں زخموں سے چور ہو گئے۔ آنحضرت نے لعاب دہن لگایا تو ٹھیک ہو گئے اور پھر کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی۔

غزوات

بدر کی جنگ میں آپ نے شجاعت کی داد دی۔ کفار کے ستر مقتولوں کی تقریباً نصف تعداد آپ نے

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا نکاح آپ سے کر دیا۔ مہر کے لئے حضرت علی کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ کے پاس ایک گھوڑا تھا اور ایک زرہ۔ حضور نے فرمایا زرہ فروخت کر دو۔ آپ نے اسے ۴۸۰ درہم میں فروخت کر دیا۔ حضور نے ضروری

Marfat.com

اشیاء منگوائیں۔ نکاح پڑھا اور علیؓ و فاطمہؓ کو خیر و برکت کی دعا دی۔ حضرت فاطمہؓ کا کل جہیز ایک چادر ایک مشکیزہ۔ ایک چکی۔ دو گھڑے اور چمڑے کا ایک گدا تھا جو کھجور کی چھال سے بھرا تھا۔ عمر بھر سیدۃ النساء کا یہی متاعِ خانہ رہا۔ بیشتر غزواتِ نبوی میں بھی حضرت علی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار پڑے تو آپ نے تیمارداری کے فرائض نہایت جانفشانی سے ادا کئے۔ حضور کے حسبِ وصیت غسل دینے والوں میں ایک آپ بھی تھے۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں آپ اسلام کی خدمت میں ہمیشہ کوشاں رہے۔ آپ مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے۔ اور آپ کو ہر مشورہ میں شریک کیا جاتا تھا۔

بیعتِ خلافت

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی۔ اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علی سے اس منصب کے قبول کرنے کے لئے سخت اصرار کیا۔ آپ نے پہلے اس بارگراں کے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ لیکن آخر میں مہاجرین و انصار کے اصرار پر مجبور ہو کر اٹھانا پڑا۔ واقعہ شہادت کے تیسرے دن ۱۲ ذوالحجہ دوشنبہ کے دن مسجدِ نبوی میں آپ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئی۔ تمام باغیوں اور شہر کے بہت سے لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ کچھ لوگوں کو فوراً بیعت کرنے میں تامل تھا اور وہ حالات کا رخ دیکھ کر بیعت کرنا چاہتے تھے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی مگر شرط یہ لگائی کہ حضرت علیؓ قرآن و سنت کے مطابق شرعی حدود جاری کریں گے۔

اس طرح حضرت علی کا انتخاب بھی جمہوری طریقہ پر ہوا۔ حضرت عثمان کے بعد وہی اس منصب کے لئے موزوں ترین شخص تھے مگر اس زمانہ میں ایک گروہ اہلِ بیت کے حامیوں کا ایسا پیدا ہو گیا تھا جنہوں نے حضرت علی کی خلافت کو ان کی صلاحیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

سے رشتہ داری کی بنا پر قبول کیا تھا۔ اس طرح جمہوریت کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور آئندہ جمہوریت کی بجائے موروثی خلافت قائم ہوئی۔

حضرت عثمان کا قصاص

بیعت خلافت کے کچھ دنوں بعد حضرت علی کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے پہلے حضرت عثمان کے قصاص کا مسئلہ تھا۔ ہر مسلمان چاہتا تھا کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو فوراً پکڑ لیا جائے اور سخت سے سخت سزا دی جائے۔ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور چند دیگر صحابہ بھی آپ کے پاس آئے اور اس کے لیے زور دیا مگر اس معاملہ کا حل اس قدر آسان نہ تھا۔ تلاش بسیار کے باوجود حضرت عثمان کے قاتلوں کا پتہ نہ چل سکا۔ ان کی شہادت کے وقت ان کی بیوی حضرت نائلہؓ موجود تھیں اور وہ ضعف پیری کے باعث کسی کو پہچان نہ سکتی تھیں۔ اس لیے حضرت علیؓ نے سب کو یقین دلایا کہ وہ اس سے غافل نہیں ہیں۔ اس وقت ان کے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ قاتلوں پر قابو پاسکیں۔ قاتلوں سے قصاص لینے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔

حضرت علی کے لیے ایک مشکل یہ تھی کہ قاتلوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ اس لیے لوگوں کو شک تھا کہ وہ قاتلوں کی طرفداری کر رہے ہیں۔ بہر حال حضرت علی کوئی کام جلدبازی سے نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس طرح ایک دوسرے فتنہ کا اندیشہ تھا جو شہادت عثمان سے بھی زیادہ المناک ہو سکتا تھا۔

عثمانی عمال کی معزولی

حضرت علیؓ ایک دیندار اور بے باک انسان تھے۔ حضرت عثمان کے خلاف عائد کردہ الزامات آپ کے ذہن میں تھے اور وہ امور سلطنت میں کسی حاکم کی ذرا بھر غیر ذمہ داری برداشت کرنے کو تیار نہ تھے اس لیے آپ نے حضرت عثمان کے زمانہ کے تمام عامل جن پر لوگوں کو اعتماد نہ تھا برطرف کر دئے اور ان کی جگہ دوسرے عامل مقرر کر دئے مگر شام کے والی امیر

Marfat.com

معاویہ نے اس معزولی کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ امیر معاویہ کے دل میں حکومت کرنے کا خیال پیدا ہو گیا تھا اور وہ اپنے آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے۔ انھوں نے قصاص عثمان کا بہانہ بنا کر حضرت علی کی اطاعت سے انکار کر دیا اور حضرت عثمان کے خون آلود کپڑے اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی دمشق میں نمائش کر کے لوگوں کو حضرت علی کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا اور قاتلین عثمان سے بدلہ لینے کا عہد کر لیا۔

جب کئی مرتبہ خط لکھنے کے بعد حضرت امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تو وہ شام پر چڑھائی کرنے لگے تاکہ ان سے زبردستی بیعت لیں۔ مگر اسی وقت آپ کو اطلاع ملی کہ ایک فوج حضرت عائشہؓ کی سرکردگی میں مکہ سے بصرہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ آپ شام پر چڑھائی کا ارادہ ملتوی کر کے بصرہ کو روانہ ہوئے جہاں جنگِ جمل کا المناک واقعہ پیش آیا۔

جنگِ جمل

حضرت عائشہ شہادت عثمان کے وقت مکہ معظمہ میں تھیں۔ جب آپ مدینہ کو روانہ ہوئیں تو ایک آدمی نے خبر دی کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ فتنہ و فساد زوروں پر ہے اور لوگوں نے حضرت علی کی بیعت کر لی ہے۔ اس وقت حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی مکہ پہنچ گئے اور حضرت عائشہ صدیقہ کو مطلع کیا کہ حضرت علی قصاص عثمان میں سستی کر رہے ہیں۔ ان تینوں نے فیصلہ کیا کہ وہ خود بصرہ میں جا کر قاتلوں سے بدلہ لیں گے۔ یہ لوگ اپنے معاونین کرے کر بصرہ پہنچ گئے وہاں حضرت علی کا عامل عثمان بن حنیف مامور تھا۔ اس نے مقابلہ کیا مگر ناکام رہا اور بصرہ پر حضرت عائشہ کی فوج کا قبضہ ہو گیا۔ بصرہ کے ان سب لوگوں کو نذرِ شمشیر کیا گیا جو حضرت عثمان کے خلاف مظاہرہ میں شریک ہوئے تھے۔ (کامل ابن اثیر)

حضرت علی کو جس وقت علم ہوا کہ حضرت عائشہ کا لشکر عازم بصرہ ہو چکا ہے تو کچھ فوج لے کر ادھر کوچ کیا۔ راستہ میں چند قبائل شریک ہونے کو آئے لیکن آپ نے ان کو واپس کر دیا۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ زیادہ مسلمانوں کو جنگ کی آزمائش میں ڈالیں۔ کوفہ کے قریب پہنچے تو

Marfat.com

باہر ذی وقار کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ حضرت حسن کو کوفہ بھیجا وہاں کے حاکم ابو موسیٰ اشعری تھے۔ وہ لوگوں کو تلقین کرتے تھے کہ اس جھگڑے سے الگ رہیں اور کسی فریق کا ساتھ نہ دیں۔ حضرت حسنؓ پہنچے تو انھوں نے حضرت موسیٰ اشعری کو معزول کیا اور تقریباً بارہ ہزار فوج بھرتی کر لی۔ اب حضرت علی کے پاس تقریباً بیس ہزار سپاہ تھی۔ (ابن اثیر)

مصالحت کی سلسلہ جنبانی ہوئی تھی مگر وہ ناکام رہی۔ جمادی الآخری ۳۶ھ میں فریقین کی فوجیں بصرہ سے باہر خذیبیہ کے میدان میں آمنے سامنے خیمہ زن ہوئیں۔ حضرت عائشہ کی فوج کا شمار تقریباً تیس ہزار تھا اور اصحاب علی کا بیس ہزار۔ دونوں طرف اکابر صحابہ موجود تھے کشت وخون کسی کو گوارا نہ تھا۔ خیر خواہان ملت کی مساعی سے تین دن کی تگ و دو سے صلح ہو گئی۔ (ابن اثیر)

مسلمان اس رات خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ لیکن فسادیوں کے گروہ نے ان سب امیدوں کا خون کر دیا۔ ابھی پو نہیں پھٹی تھی کہ بد اندیش نہایت رازداری سے نکلے اور حضرت عائشہ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ مقابلہ پر تلواریں بے نیام ہو گئیں۔ وہ سمجھے حیدری فوج نے شب خون مار دیا۔ لشکر پاس پاس تھے۔ ایک دوسرے کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کو اس کی قطعاً خبر نہ تھی۔ ہر فریق نے دوسرے کو محرک جنگ سمجھا۔ حضرت عائشہ شہر میں تھیں۔ ان کو معلوم ہوا تو اونٹ پر بیٹھ کر آبادی سے باہر کھڑی ہو گئیں کہ شائد انہیں دیکھ کر لوگ ہاتھ روک لیں۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا دن تھا کہ فرزندانِ اسلام ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہو رہے تھے۔ قیامت کا رن پڑا اور معاملہ قابو سے باہر ہو گیا۔ حضرت عائشہ کی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور میدان سے ہٹنا شروع کیا۔ حضرت عائشہ بستی سے باہر کھڑی تھیں۔ آپ کو معلوم ہوا کہ فوج کو شکست ہوئی ہے تو آپ نے خیال کیا کہ اب شائد صلح ہو جائے۔ مگر سپاہ نے آپ کی سواری کے پاس پہنچ کر قدم جما لئے۔ جنگ نے نئے سرے سے زور باندھا۔ اصل معرکہ اب یہیں حضرت عائشہ کے اونٹ کے گرد چھڑا۔ اسی لئے اس جنگ کو جمل یعنی اونٹ کی جنگ کہتے ہیں۔ جنگ کا پہلا

Marfat.com

حصہ دوپہر تک رہا تھا۔ اب یہ دوسرا معرکہ دوپہر سے شروع ہوا اور عصر کے قریب ختم ہوا۔ اب کے مرتبہ کی جس قدر گرم بازاری ہوئی اور فریقین کی سپاہ نے جس سرفروشی کے مظاہرے کیے اس کا جواب جنگِ صفین کے علاوہ شاید ہی اور کہیں ملے۔ اندھا دھند شمشیر بازی ہوئی اور ہاتھ پیر کٹ کٹ کر خشک پتوں کی طرح جھڑنے لگے۔ حضرت عائشہ کے اونٹ کی نکیل تھام کر صرف ایک قبیلہ بنو ضبہ ہی کے ستر آدمیوں نے حقِ شجاعت ادا کر کے جان دیدی۔ چالیس کے قریب قریشیوں نے بھی ان کی مثال قائم رکھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اونٹ کی نکیل پکڑے تھے وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر پکڑ لی وہ مارا گیا تو تیسرے نے اس کی جگہ لی (تاریخ طبری و مستدرک حاکم)

حضرت علی نے دیکھا کہ جب تک حضرت عائشہ کا اونٹ ان کی فوج کا مرکزِ نگاہ ہے اس وقت تک وہ ہمت نہیں ہاریں گے۔ اس لیے آپ کے اشارے سے ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری۔ اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اونٹ کے بیٹھتے ہی حضرت عائشہ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی۔ اور حضرت علی کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ آپ نے حضرت عائشہ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو جو حضرت علی کے ساتھ تھے حکم دیا کہ اپنی ہمشیرہ محترمہ کی خبر گیری کریں اور عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں۔ مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے جو ہتھیار ڈال دیں وہ مامون ہیں۔ پھر خود حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس حاضر ہو کر مزاج پرسی کی۔ بصرہ میں چند دنوں تک آرام و آسائش سے ٹھہرانے کے بعد محمد بن ابی بکر کے ہمراہ عزت و احترام کے ساتھ بھیج دیا۔ بصرہ کی چالیس شریف و معزز خواتین کو پہنچانے کے لئے ساتھ روانہ کیا اور رخصت کرنے کے لیے خود چند میل تک ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو الوداع کہنے کے لیے بھیجا۔

حضرت عائشہؓ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا "میرے بچو! ہماری باہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی۔ ورنہ مجھ میں اور علی میں پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا" حضرت علی نے بھی مناسب الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا "یہ آنحضرت کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں ان کی تعظیم و توقیر ضروری

Marfat.com

ہے۔" غرض یکم رجب ۳۶ھ ہفتہ کے دن حضرت عائشہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

اس جنگ میں دس ہزار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ نقصان کے پلڑے برابر تھے۔ حضرت علی نے فریقین کے مقتولوں پر نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں دفن کر دیا۔ (ابن اثیر)

حضرت علی نے بصرہ کا انتظام درست کیا۔ ابن عباس کو یہاں کا والی بنایا اور خود لشکر لے کر رجب ۳۶ھ میں عازم کوفہ ہوئے۔ آپ نے مدینہ کی بجائے کوفہ کو دارالخلافہ قرار دیا۔ بظاہر اس کی تین وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت علی نے دیکھ لیا تھا کہ فتنہ و فساد کے زمانے میں حرم نبوی کی توہین ہوتی ہے۔ مدینہ میں فتنہ پردازوں کی خونریزی اس کی تعظیم و تکریم کے منافی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عراق میں حضرت علی کے حامیوں کی بڑی اکثریت تھی۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ مفتوحہ علاقوں کی دیکھ بھال کے لئے کوفہ زیادہ موزوں نظر آیا۔

جنگِ صفین

حضرت معاویہؓ شام کے تمام صوبہ کے حاکم تھے۔ حضرت عثمانؓ کے خاندان سے تھے۔ آپ کو یہ اصرار تھا کہ جب حضرت علی قاتلین عثمان سے انتقام نہیں لیتے اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا۔ حضرت علی نے عنان خلافت سنبھالتے ہی جناب معاویہ کی سبکدوشی کا حکم صادر کر کے ان کے بجائے اپنا حاکم بھیجا لیکن اسے شامیوں نے واپس کر دیا تھا۔ حضرت معاویہ کے ساتھ فاتح مصر عمرو بن العاص نے اپنے آپ کو حضرت عثمان کی مدد سے عاجز پایا تو یہ کہہ کر مدینہ سے رخت سفر باندھا کہ جو شخص عثمان کی مدد نہیں کر سکتا وہ کم از کم اس شہر میں نہ رہے۔ (تاریخ طبری)

حضرت عثمان کی شہادت کی خبر عمرو بن العاص کو فلسطین میں پہنچی۔ وہاں سے حضرت معاویہ کے پاس آئے اور خون عثمان کا انتقام طلب کرنے میں ان کے ہم خیال بن گئے۔ حضرت معاویہ اور عمرو بن العاص عرب کے مشہور مدبرین میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی خردمندی اور منصوبہ بندی نے وہ کام کیا جو بڑے بڑے لشکر بھی نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت علی نے حضرت معاویہ کو مدینہ سے ایک خط لکھا تھا۔ اس کے جواب میں حضرت معاویہ

Marfat.com

نے اپنا سفیر بھیجا۔ جس نے آکر بتایا تھا کہ شام کے ہزاروں شیوخ شہادتِ عثمان پر خون کے آنسو رو رہے ہیں اور قاتلوں سے بدلہ لینے کی قسمیں کھا رہے ہیں۔ جنگِ جمل سے فارغ ہو کر حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے پاس پھر ایک قاصد بھیجا۔ اسے حضرت معاویہ نے کئی ہفتے ٹھہرا لیا کہ شامیوں کے لاؤ لشکر اور ساز و سامان کا مشاہدہ کر کے حضرت علی کو آگاہ کرے۔ اس نے حضرت علی کی خدمت میں تمام حالات بیان کئے اور بتایا کہ شام میں یہ پروپاگنڈہ ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان کے قاتلوں کے پناہ دہندہ ہیں۔ (کامل ابن اثیر)

حضرت علی نے مجبوراً شام پر فوج کشی کی تیاریاں شروع کیں۔ ادھر حضرت معاویہ نے بھی ایک گراں اور آراستہ پیراستہ لشکر لے کر عراق کی طرف پیشقدمی کی۔ راستہ میں کئی قبائل ان کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ شامی فوج ۳۶ھ کے آخری دنوں میں دریائے فرات کے کنارے صفین کے میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔ شامی لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ (ابن اثیر)

حضرت علی بھی تقریباً اسی نوے ہزار کی فوج لے کر چلے۔ آپ کے ہراول دستے پہلے پہنچ گئے۔ آپ نے انہیں جنگ کی ابتداء کرنے سے منع کیا تھا۔ لیکن آپ کے پہنچنے سے پہلے شامی دستوں سے ان کی کچھ جھڑپیں ہو گئیں مگر ابتدائی نتیجہ خیز نہ تھیں۔ (ابن اثیر)

حضرت معاویہ نے گھاٹ پر قبضہ کر لیا اور علوی فوج پر پانی بند کر دیا۔ جناب عمرو بن العاصؓ نے اس اقدام کے خلاف مشورہ دیا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔ حضرت علیؓ نے کہلا بھیجا کہ پانی نہ روکا جائے۔ مگر حضرت معاویہؓ نہ مانے۔ مجبوراً آپ نے ایک دستہ بھیجا ایک خونی معرکہ ہوا۔ شامی بھاگ اٹھے اور حضرت علی کے ساتھیوں نے گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔ آپ نے فراخدلی سے کام لیتے ہوئے شامی فوج کو دریا سے پانی لینے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ دونوں فوجیں ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگیں اور باہم اس قدر اختلاط پیدا ہو گیا کہ دونوں کیمپ کے سپاہیوں میں دوستانہ آمد و رفت شروع ہو گئی۔ تین ماہ تک جنگ رکی رہی اور مصالحت کی کوششیں ہوتی رہیں مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ یکم صفر ۳۷ھ سے فیصلہ کن معرکوں کا دروازہ کھلا۔

Marfat.com

ایک ہی دین کے پیرو دو بدو صف آرا ہوئے اور ایک ہی خاندان اور ایک ہی قبیلہ کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف تلواریں سونت کر نکلے۔ دونوں فریق اپنے کو حق پر سمجھتے تھے۔ جناب معاویہ کی فوج کو یہ دعویٰ تھا کہ حضرت علی نے قاتلین کو پناہ دے رکھی ہے اور ان سے قصاص لینا عین خدمتِ اسلام ہے۔ ادھر حضرت علیؓ کے فداکاروں کا یہ خیال تھا کہ حضرت معاویہ اور ان کا گروہ باغی ہے ان کو مطیع کرنا فرض ہے۔ یہ معرکے تقریباً دو ہفتہ تک مسلسل جاری رہے۔ کوئی دن نہ جاتا تھا کہ سینکڑوں آدمی خاک و خون میں ڈھیر نہ ہوتے ہوں۔ رات سایہ ڈالتی تو زخمیوں کی چیخ و پکار ایک لشکر سے دوسرے لشکر تک فضا میں درد و کرب کی لہریں پیدا کر دیتی تھی۔ حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کو کئی دفعہ مقابلہ کی دعوت دی کہ خلقِ خدا کا خون بہانے سے کیا فائدہ۔ آؤ ہم دونوں آپس میں لڑ کر فیصلہ کر لیں۔ جو بچ گیا وہ جیت جائے گا۔ حضرت معاویہ ہمیشہ ٹال دیتے (ابن اثیر) ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آئے اور بڑی مشکل سے زندہ بچے۔ (تاریخ مسعودی)

جنگ نے جب طول کھینچا تو ایک دن حضرت علی نے پوری قوت کو میدان میں جھونک دینے کی ٹھان لی۔ جناب معاویہ کی فوج بھی زندگی سے ہاتھ دھو کر میدان میں اتری۔ تیر و شمشیر اور نیزہ و سناں نے قیامت برپا کر دی۔ زمین خونِ مسلم سے لالہ زار بن گئی۔ دن گزر گیا مگر جنگ کا زور نہ ٹوٹا۔ رات کی سیاہی بھی جنگ کو نہ روک سکی۔ شب بھر ہتھیار بجتے اور خون کے فوارے اُبلتے رہے۔ فریاد و شیون اور شور و غل سے زمین دہل دہل جاتی تھی۔ اس لیے اس رات کا لیلۃ الہریر (غرغراہٹ کی رات) نام پڑا۔ (کامل ابن اثیر)

ثالثوں کا فیصلہ

اگلے روز آفتاب جہاں تاب نے چہرہ بے نقاب کیا تو بازارِ فنا کی گرمی اور بڑھی۔ یوں نظر آتا تھا کہ آج کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو کر رہے گا۔ خیال تھا کہ حضرت علی کی فوج جیت جائے گی۔ اتنے میں شامی فوج نے نیزوں پر قرآنِ حکیم کے نسخے بلند کیے اور حضرت علی کی سپاہ کی طرف یہ پکارتے ہوئے بڑھے کہ خون ریزی ختم کر کے قرآن پاک کی رو سے فیصلہ کیا جائے۔ فوج کے سردار حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے

Marfat.com

بھائی ہمیں قرآن کی طرف بلا رہے ہیں۔ ہمیں جنگ بند کرنے کا حکم دیجئے۔ کچھ تامل کے بعد آپ نے جنگ بندی کا حکم دے دیا۔ طرفین کے درمیان فیصلہ ہوا کہ دونوں طرف سے ایک ایک حَکَم (ثالث) مقرر کیا جائے اور وہ مل کر کتاب الٰہی کے مطابق فیصلہ کریں۔

شامی فوج نے حضرت عمرو بن العاص کو ثالث مقرر کیا اور عراقی فوج نے جناب ابو موسٰی اشعریؓ کو۔ حضرت ابو موسیٰ صفین میں موجود نہ تھے۔ ایک قافلہ گیا اور انھیں لے کر آیا۔ اب ایک معاہدہ لکھا گیا کہ عمرو بن العاص اور ابو موسیٰ اشعری کو حکم مقرر کیا جاتا ہے۔ وہ جو فیصلہ کریں گے فریقین کو منظور ہو گا۔ ان کی جان و مال محفوظ ہو گی۔ ثالث چھ ماہ تک فیصلہ کریں گے۔ اس دوران جنگ نہیں ہو گی اور فوجیں اپنے اپنے علاقوں کی طرف کوچ کر جائیں گی۔

(ابن اثیر۔ ابو الفداء)

حضرت علی کا ایک سردار یہ عہد نامہ اپنی فوج کو سنانے لگا۔ ایک شخص نے تلوار مار کر اس کے گھوڑے کو زخمی کر دیا اور بولا "لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ" (خدا کے سوا کسی کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں) ممکن تھا کہ فساد ہو جائے مگر بیچ بچاؤ ہو گیا۔ یہ شخص پہلا خارجی تھا۔ شامی فوجوں نے شام کی اور عراقی لشکروں نے عراق کی راہ لی۔ صفین کی لالہ زار سرزمین ستر ہزار شہداء کی نعشوں کو اپنے سینہ سے چمٹائے تنہائی کی وحشت میں کھو گئی۔

دونوں ثالثوں نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور مسلمانوں کو حق دیا جائے کہ جس کو چاہیں اپنا خلیفہ مقرر کر لیں۔ جب یہ لوگ دُومَۃُ الْجَنْدَل کے مقام پر فیصلہ سنانے کے لیے جمع ہوئے تو اکابر صحابہ کے علاوہ جو حجاز سے آئے تھے اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے۔ فیصلہ سناتے وقت عمرو بن العاص نے منبر پر چڑھ کر کہا کہ جو اعلان ابو موسیٰ نے حضرت علی کے متعلق کیا ہے میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں اور ساتھ ہی امیر معاویہ کو ان کی جگہ خلیفہ مقرر کرتا ہوں جو کہ حضرت عثمان کے جانشین بننے کے سب سے زیادہ اہل ہیں۔

Marfat.com

اس فیصلہ نے حضرت علی کے ساتھیوں کو ششدر کر دیا اور بہت برہم ہوئے انہوں نے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ایک بہت بڑا فساد ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اس فیصلہ کے بعد اہل شام نے امیر معاویہؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔ جب حضرت علی کو اس نامنصفانہ فیصلہ کی خبر ملی تو آپ کو سخت افسوس ہوا۔ مگر آپ نے خلافت سے دست برداری اختیار نہ کی اور امیر معاویہؓ سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کی تیاری شروع کر دی لیکن اسی عرصہ میں ان کو معلوم ہوا کہ خارجیوں نے عراق میں شورش برپا کر رکھی ہے اس لئے آپ نے شام پر حملہ ملتوی کر دیا اور خارجیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔

جنگ صفین کے نتائج

جنگ صفین اور ثالثی سے مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا۔ جنگ میں تقریباً ستر ہزار مسلمان مارے گئے اور مالی نقصان کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ ان واقعات نے مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر کر دیا۔ اور ان میں قومی اتحاد کا عرصہ تک فقدان رہا۔ سب سے زیادہ نقصان حضرت علی کو پہنچا۔ ان کی مشکلات بڑھ گئیں اور خلافت کا وقار گر گیا۔ مملکت اسلامیہ میں دو خلیفہ ہو گئے۔ دونوں میں حصول اقتدار کے لیے کشمکش شروع ہو گئی۔ امیر معاویہؓ نے عمرو بن العاص کو بھیج کر حضرت علی کے گورنر محمد بن ابی بکر سے مصر کا علاقہ چھین لیا اور پھر فوج دے کر بسر بن ارطاۃ کو حجاز بھیجا جس نے حجاز و یمن کا علاقہ دوبارہ فتح کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ آخر کار حضرت علی کو اس جنگ و جدال سے گھبرا کر امیر معاویہ سے صلح کرنا پڑی۔ اس ثالثی کے فیصلہ سے حضرت علی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ان کے اپنے ساتھیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ان کے حامیوں کا ایک گروہ جس نے پہلے تو انھیں ثالثی قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اب ان کے خلاف ہو گیا اور یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت علی نے قرآن کے فیصلے کے بجائے، دو آدمیوں کو ثالث تسلیم کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ انہوں نے یہ نعرہ لگانا شروع کیا کہ "ہم خدا کے سوا کسی کا فیصلہ نہیں مانیں گے"! جب یہ لوگ علیحدہ ہو کر عراق میں فتنہ پیدا کرنے

Marfat.com

لگے تو حضرت علی کو مجبوراً ان کے خلاف نہروان کے مقام پر جنگ کرنا پڑی جس میں ہزاروں مسلمان مارے گئے۔ خارجی اس جنگ کے بعد ختم نہ ہوئے بلکہ مملکتِ اسلامیہ میں ہمیشہ فتنہ فساد برپا کرتے رہے۔ خارجیوں سے جنگ کے باعث حضرت علی امیر معاویہ سے فیصلہ کن جنگ نہ لڑ سکے اور آخر ایک خارجی کے ہاتھوں ہی حضرت علی کی شہادت واقع ہوئی۔

خوارج

جنگ صفین کے دوران جب ثالثی کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت علی نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر اپنے ساتھیوں کے اصرار پر اسے ماننا پڑا۔ جب طرفین کے درمیان معاہدہ ہو گیا تو اس کو نباہنا لازمی ہو گیا مگر اس وقت حضرت علیؓ کی فوج میں سے ایک جماعت اس تحکیم (ثالث مقرر کرنے) کے خلاف ہو گئی۔ اس جماعت نے تحکیم کو کفر قرار دیا۔ اس جماعت نے حضرت کے پاس آکر کہا آپ نے ثالث مقرر کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ آپ توبہ کیجیے۔ آپ خلیفۂ برحق تھے آپ نے اپنا معاملہ انسانوں کے سپرد کیوں کیا؟

حضرت علی نے جب اس کا یہ جواب دیا "عجیب بات ہے کہ میں اس کے خلاف تھا تو آپ لوگوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں یہ بات مان لوں اور اب جبکہ میں راضی ہو گیا ہوں تو آپ لوگ مجھ کو اعتراض کرتے ہیں۔ اب میں معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔"

Marfat.com

یہ سن کر حضرت علی کی فوج سے یہ جماعت علیحدہ ہو گئی اور خوارج (خبرا شدہ) کہلائی۔ حضرت علی نے ان کو بہت سمجھایا کہ اب معاہدہ ہو چکا ہے اس کو توڑنا بہت برا ہے اور اس میں برائی بھی کوئی نہیں کیونکہ ثالث بھی تو قرآن و حدیث کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ مگر خارجی کہتے تھے کہ سوائے اللہ کے کوئی انسان حَکَم نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم نے آپ کو ایسا کرنے کے لیے کہا ہے تو ہم بھی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے گناہ سے توبہ کرتے ہیں۔ اگر آپ بھی اپنے گناہ سے توبہ کر لیں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں ورنہ ہم آپ کا ساتھ نہیں دیں گے بلکہ مخالفت کریں گے۔ اس کے بعد جب ثالثوں نے اپنا فیصلہ سنایا تو ان لوگوں نے حروراء کے مقام پر عبداللہ بن وہب راسبی کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور علانیہ طور پر حضرت علیؓ کی مخالفت شروع کر دی۔

غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کر لی۔ اور کوفہ بصرہ اور مدائن کے شہروں میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ خارجیوں کا عقیدہ تھا کہ دینی معاملات میں کسی کو حکم مقرر کرنا کفر ہے لہٰذا ان کے نزدیک یہ دونوں حکام اور ان کو منتخب کرنے والے کافر تھے۔ اس عقیدے سے جس کو اتفاق نہ ہو اس کا خون ان کے نزدیک مباح ہے چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن خبّاب اور ان کی اہلیہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ حضرت علیؓ اس وقت از سر نو شام پر فوج کشی کی تیاری کر رہے تھے۔ لیکن جب خارجیوں کی سرکشی اور قتل و غارت اس حد تک پہنچ گئی تو اس ارادہ کو ملتوی کر کے ان خارجیوں کی تنبیہ کے لئے نہروان کا قصد کرنا پڑا۔

جنگ نہروان ۳۸ھ

حضرت علی لشکر جرار لے کر نہروان کے میدان میں جا اترے خارجیوں کو دعوت اتحاد دیتے ہوئے حضرت علی نے ہر چند سمجھانے کی کوشش کی۔ کچھ خارجی تو بات سمجھ

Marfat.com

کر علیحدہ ہو گئے لیکن ان کی اکثریت اپنی ضد پر قائم رہی۔ جب اصلاح کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تو سوائے لڑائی کے اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی جس میں تقریباً تین ہزار خارجی مارے گئے۔ صرف چند لوگ زندہ بچ سکے۔

خارجیوں کی سرکوبی سے فارغ ہونے کے بعد علی کوفہ واپس آئے اور اہل شام کے خلاف لڑنے کے لئے لوگوں کو تیار کرنے لگے لیکن ساتھیوں نے ہمت ہار کر عرض کیا "اے امیر المومنین! ہماری تلواریں کند ہو گئی ہیں۔ ہمارے نیزے ٹوٹ گئے ہیں۔ ہم جنگ سے تنگ آ گئے ہیں۔ کچھ عرصہ سستانے کے بعد تیاری شروع کریں۔ چنانچہ حضرت علی رض نے لشکر کو حکم دیا کہ کوفہ سے باہر ڈیرے ڈال کر آرام کریں اور آئندہ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ ساتھ ہی انہیں حکم دیا کہ کوئی شخص اپنے گھر کا ارادہ نہ کرے۔ جب تک کہ شام کی مہم کو سر کر کے واپس نہ آ جائیں۔ لشکر فوجی جنگ سے اکتا چکے تھے۔ وہ چپکے چپکے گھروں کو کھسکنے لگے یہاں تک کہ چھاؤنی خالی ہو گئی۔ حضرت علی نے انہیں بارہا جوش دلایا اور جہاد کی ترغیب دی۔ لیکن کسی نے کان نہ دھرا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی نے شام کی جنگ مجبوراً ملتوی کر دی۔

مصر پر حضرت امیر معاویہ کا قبضہ

ملک مصر حضرت علی کے قبضہ میں تھا اور حضرت قیس بن سعد انصاری حضرت علی کی طرف سے والی مقرر تھے۔ حضرت قیس بڑے بہادر اور ہوش مند والی تھے۔ امیر معاویہ اور حضرت عمرو ابن عاص مصر کو اپنے قبضہ میں لینے کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ لیکن حضرت قیس انصاری نے ان کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ آخرکار امیر معاویہ رض نے یہ تدبیر سوچی کہ قیس بن سعد کو کسی نہ کسی طرح مصر سے نکال باہر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ انھوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ قیس بن سعد تو حضرت عثمان کے حامیوں میں سے ہے اور امیر معاویہ سے اس کی خط و کتابت بھی ہے۔

جب حضرت علی نے یہ افواہ سنی تو فوراً قیس بن سعد انصاری کو معزول کر کے اشتر بن

Marfat.com

مالک کو والی مقرر کر دیا۔ اشتر بن مالک ابھی بحیرہ قلزم میں پہنچنے نہ پایا تھا کہ کسی نے شہد میں زہر دے کر مار دیا۔ بعد ازاں حضرت علی نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا والی مقرر کیا۔ وہ ماہ رمضان ۳۷ھ میں مصر پہنچ گئے۔ محمد بن ابی بکر بڑے پرجوش تھے مگر ناتجربہ کار نوجوان تھے۔ انہوں نے جوش کے عالم میں غرور و نخوت کا اظہار کرتے ہوئے حامیان انتقام عثمان سے سخت بدسلوکی کی۔ جب عثمانیوں کے سرداروں نے بیعت علی سے انکار کیا تو محمد بن ابی بکر نے ان کے گھروں کو منہدم کر دیا۔ ان کا مال و دولت لوٹ لیا۔ ان کی اولاد کو اذیت پہنچائی اور قید و بند کی مصیبتوں میں ڈالا۔ اس طرح اپنے طرز عمل سے ملک کے بہت سے لوگوں کو اپنا مخالف اور دشمن بنا لیا تھا۔

امیر معاویہؓ مصر پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھے۔ انہوں نے عمرو بن عاص کو چھ ہزار شامی سپاہیوں کے ساتھ مصر روانہ کیا۔ مصری اور شامی لشکروں میں معرکہ کارزار خوب گرم ہوا۔ عمرو بن عاص فتح پا کر فسطاط میں داخل ہو گئے۔ محمد بن ابی بکر شکست کے بعد روپوش ہوتے ہوئے مارے گئے۔ امیر معاویہ نے حسب وعدہ مصر کی حکومت حضرت عمرو بن العاص کے سپرد کر دی۔ یہ ماہ صفر ۳۸ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت عمرو ابن عاص نے دوسری مرتبہ مصر پر پانچ برس کے قریب (۳۸ھ تا ۴۳ھ) حکومت کی۔ امیر معاویہ نے مصر کو خود مختار صوبہ قرار دے دیا تھا۔ مصر کی تمام آمدنی مصریوں پر خرچ ہوتی تھی۔ فوجوں اور رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ ہونے کے بعد جو کچھ بچ رہتا وہ مصر کے بیت المال میں جمع رہتا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص نے بڑی دانائی، ہوشمندی اور عدل و انصاف سے مصر پر حکومت کی۔ ان کی ذات میں بڑی خوبیاں اور اوصاف جمع ہو گئے تھے۔ وہ بیک وقت تاجر، شاعر، سیاست دان، مدبر، قائد اور فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ عدل و انصاف و بردباری، شجاعت، بہادری اور حکمت و دانش میں نظیر نہ رکھتے تھے۔ مصر پر قابض ہو جانے کے بعد امیر معاویہؓ کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور انہوں نے دوسرے علاقوں پر بھی پیش قدمی کر کے

Marfat.com

قبضہ کرنا چاہا۔ امیر معاویہ کی جرأت قابلِ تحسین ہے کہ ایک آدمی بھیج کر اہلِ مکہ اور اہلِ مدینہ کو تابع کرنا چاہا۔ اسی اثنا میں حضرت علی کی شہادت کا واقعہ پیش آگیا۔

حضرت علی کی شہادت

اس جان گداز واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جنگ نہروان کے بعد خارجیوں نے حج کے موقع پر جمع ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو شروع کی۔ بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے پایا کہ جب تک تین آدمی علیؓ معاویہؓ اور عمرو بن عاص زندہ ہیں دنیائے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات نہیں مل سکتی۔ چنانچہ تین آدمی، ان تینوں کے قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن ملجم نے کہا کہ میں علی کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں۔ دوسرے دونوں نے حضرت معاویہ اور عمرو بن عاص سے نپٹنے کا عہد کیا۔

عبدالرحمٰن بن ملجم پہلے حضرت علی کی فوج میں تھا۔ صفین کی جنگ میں آپ کے زیرکمان شریک ہوا تھا اور غالباً نہروان کے موقع پر بھی آپ کے ساتھ تھا۔ لیکن بعد میں خارجی ہو گیا۔ حضرت علی کو شہید کرنے کے ارادہ سے جب کوفہ آیا تو اس کی ملاقات ایک حسین عورت قطام نامی سے ہوئی۔ اس سے شادی کی درخواست کی۔ قطام کا باپ اور بھائی خارجی تھے اور نہروان میں کام آئے تھے اس نے مہر میں حضرت علی کا خون بھی شرط ٹھہرایا۔ اس واقعہ نے ابن ملجم کے ارادوں کو پختہ تر کر دیا۔ اس نے ناکامی سے بچنے کے لئے دو تین اور آدمیوں کو بھی ساتھ ملا لیا۔

(تاریخ ابن خلدون البدایہ والنہایہ)

رمضان کا وسط تھا اور ہجرت کا چالیسواں برس۔ حضرت علی ایک دن حسب معمول نماز فجر کے لئے گھر سے نکلے۔ ابن ملجم قریب ہی اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھات لگا کر بیٹھا تھا۔ آپ پاس سے گذرے تو ابن ملجم کے ایک ساتھی نے وار کیا جو خطا گیا۔ اب ابن ملجم نے تلوار چلائی جو آپ کی پیشانی پر پڑی۔ ابن ملجم پکڑا گیا۔ اس کے ساتھی روپوش ہو گئے۔ حضرت علی اتنے سخت زخمی ہوئے تھے کہ زندگی کی امید نہ تھی۔ جناب امیرالمومنین کو اٹھا کر لے گئے۔ تلوار زہر آلود تھی۔ اس لئے آپ کی حالت تشویشناک ہو گئی۔

Marfat.com

اسی دن ابن ملجم کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے اُسے بیٹھنے کا حکم دیا اور نرمی سے پوچھا کہ تم نے میری جان کا قصد کیوں کیا؟ اس کے پاس کوئی معقول جواب نہ تھا۔ اس کا جرم ثابت تھا۔ آپ نے حضرت حسن سے کہا کہ اگر میں جانبر نہ ہو سکا تو ابن ملجم کو اسی طرح ایک وار سے قتل کرنا جس طرح اس نے ایک وار سے مجھے زخمی کیا ہے اسے اذیت نہ دینا اور نہ ہی اس کے اعضاء کاٹنا۔ کیونکہ ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔ اپنے خاندان والوں کو مخاطب کر کے میرے قتل کے نام سے مسلمانوں میں خونریزی نہ کرنا۔ سوائے میرے قاتل کے اور کسی پر ہاتھ نہ اٹھانا (تاریخ طبری) قاتل کو قید میں ڈال دیا گیا۔ آپ وصیاں رکھتے تھے کہ اس پر سختی نہ ہونے پائے۔ کھانے کے وقت پوچھتے کہ میرے قیدی کو کھانا دیا گیا ہے؟ زخمی ہونے کے قریباً دو روز بعد واصل حق ہو گئے۔

وفات سے قبل آپ نے اہل بیت کے نام ایک وصیت تحریر فرمائی جو اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ آپ کے اہل بیت نے آپ کو رات کی تاریکی میں پوشیدہ دفن کیا۔ دشمنوں کی کینہ وری کے خوف سے آپ کا مزار مبارک خفیہ رکھا گیا۔ دوسرے روز ابن ملجم کو حضرت حسن کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے حضرت علی کی وصیت کے مطابق ایک ہی وار میں اس کا سر اڑا دیا۔ حضرت علی نے تقریباً اکسٹھ برس کی عمر پائی۔ خلافت کی مدت چار سال نو ماہ ہے

حضرت علیؓ کی سیرت و سیاست

سیرت علیؓ

حضرت علیؓ نے ایام طفولیت ہی سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عاطفت میں تربیت پائی تھی۔ اس لیے وہ محاسن اخلاق اور حسن سیرت کے نمونہ تھے۔ آپ کی زبان نہ کبھی کلمۂ شرک و کفر سے آلودہ ہوئی اور نہ آپ کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی۔ دور جاہلیت میں ہر قسم کے گناہ سے پاک رہے شراب

Marfat.com

کے ذائقہ سے اسلام سے پہلے بھی آپ کی زبان آشنا نہ ہوئی۔ صحابہ کرام میں حضرت علی اپنے علم و فضل اور جرأت و شجاعت کے باعث ممتاز تھے۔ آپ بڑے بلند حوصلہ اور غیر معمولی ہمت و استقلال کے مالک تھے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات اخلاقِ حسنہ کا پیکر اور اوصافِ حمیدہ کا مجسمہ تھی۔

آپ کی ذاتِ گرامی نمونۂ زہد تھی۔ بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات پر زہد کا خاتمہ ہوگیا۔ آپ کے کاشانۂ فقر میں دنیاوی شان و شکوہ کا گذر نہ تھا۔ کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے۔ اور فرمایا کہ عمر بن خطاب نے ہمیشہ ان عالیشان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔ اپنے عہدِ خلافت میں آپ نے مسلمانوں کی امانت بیت المال کی جس طرح حفاظت کی اس کا اندازہ حضرت امّ کلثوم کے اس بیان سے ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ نارنگیاں آئیں۔ امام حسنؓ، امام حسینؓ نے ایک نارنگی اٹھالی۔ حضرت علیؓ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی۔ (ازالۃ الخفاء بحوالہ ابن ابی شیبہ)

ایام خلافت میں بھی زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لئے دنیا کی بڑی نعمت تھی۔ معاش کی یہ حالت تھی کہ ہفتوں گھر سے دھواں نہیں اٹھتا تھا۔ بھوک کی شدت ہوتی تو پیٹ پر پتھر باندھ لیتے۔ ایک دفعہ بھوک کی شدت میں کاشانہ اقدس سے مزدوری کے لئے نکلے۔ دیکھا کہ ایک ضعیفہ اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے اس کے پاس پہنچ کر اجرت طے کی۔ اور پانی سینچنے لگے۔ یہاں تک ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے۔ اس محنت و مشقت کے بعد ایک مٹھی کھجور اجرت میں ملی لیکن تنہا خوری کی عادت نہ تھی۔ کھجوریں لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے تمام کیفیت سن کر نہایت شوق کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا۔ (مسند ابن حنبل ۱۳۵)

درِ دولت پر کوئی دربان نہ تھا۔ عین اس وقت جب قیصر و کسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لئے زر و جواہر اگل رہی تھی۔ اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔

Marfat.com

تمام غزوات میں آپ نے نمایاں حصہ لیا اور بے مثال دلیری کا ثبوت دیا۔ آنحضرتؐ نے غزوہ بدر میں بہادری کے جوہر دکھانے پر آپ کو ایک تلوار "ذوالفقار" عطا فرمائی تھی۔ آپ نے بڑے بڑے بہادروں کو شکست دی کسی معرکہ میں آپ کے قدم پیچھے نہ ہٹے۔ لوگ آج بھی آپ کو "شیر خدا" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

علم و فضل میں بھی آپ اپنے ہمعصروں سے ممتاز تھے۔ قرآن و حدیث پر آپ کو جو عبور حاصل تھا وہ بہت کم صحابہ کو نصیب ہوا۔ ایک مفتی اور فقیہہ کی حیثیت سے آپ کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں" جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک جادو بیان خطیب بھی تھے۔ آپ شاعری کا بھی بہت عمدہ مذاق رکھتے تھے۔ عربی نحو کے قواعد آپ نے مرتب کئے تھے۔ قرآن کے حافظ تھے اور اس کے نکتوں کو خوب سمجھتے تھے۔ حضرت علی بڑے حق گو حق پسند اور بے باک انسان تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں:۔

"بڑے بڑے لوگوں میں جو عظیم الشان اخلاق ہوتے ہیں مثلاً شجاعت، سخاوت، حمیت اور وفا وہ مکمل طور پر ان میں موجود تھے" (ازالۃ الخفاء)

ذاتی حالات

حضرت علی میانہ قد اور فربہ اندام تھے۔ سینہ چوڑا اور کلائیاں نہایت مضبوط تھیں۔ رنگ گندمی، آنکھیں بڑی بڑی، چہرہ پُر رونق اور خوبصورت تھا۔ سینہ پر بال تھے۔ بازو اور تمام بدن گٹھا ہوا۔ پیٹ بڑا اور باہر کو نکلا ہوا۔ سر پر بال نہ تھے۔ ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی کہ ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک پھیلی ہوئی تھی۔ جب چلتے تو ادھر اُدھر جھکتے ہوئے چلتے تھے اور جب کسی کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے۔ تو وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا۔ جب میدانِ جنگ میں جاتے تھے تو بے باکانہ دوڑتے ہوئے جاتے تھے۔ طاقتور اور دل کے مضبوط تھے۔ جس شخص سے کشتی لڑتے تھے۔ اس کو پچھاڑ دیتے تھے۔ بہادر تھے اور جس جنگ میں مقابلہ کرتے تھے اس پر غالب آتے تھے۔
(ابن خلدون جلد اول)

Marfat.com

ازدواج و اولاد

سیدۂ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی نے مختلف اوقات میں شادیاں کیں۔ ان کے جیتے جی دوسرا نکاح نہ کیا۔ ان کے بطن سے حضرت حسنؓ۔ حضرت حسینؓ۔ حضرت محسنؓ اور لڑکیوں میں زینب الکبرٰی اور امّ کلثوم کبرٰی پیدا ہوئیں۔ محسنؓ نے بچپن ہی میں وفات پائی۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد یکے بعد دیگرے چودہ نکاح کئے۔ ان کے یہاں چودہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں پیدا ہوئیں ان میں پانچ سے سلسلہ نسل جاری رہا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔ (۱) امام حسنؓ (۲) امام حسینؓ۔ (۳) محمد بن حنفیہؓ (۴) عباس علم دارؓ (۵) عمر بن تغلبیہؓ۔

سیاست

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا۔ اس وقت نہ صرف دار الخلافہ بلکہ تمام دنیائے اسلام پُر آشوب تھی۔ حضرت عثمان کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس نے مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان کے مخالفین نے بھی مفسدین کے اس فعل کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ طلحہؓ اور خود ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمان کی حکومت سے شاکی ہونے کے باوجود قصاص کا علم بلند کیا۔ دوسری طرف شام میں بنو امیہ حضرت معاویہؓ کے زیر قیادت برسر اقتدار آنا چاہتے تھے۔ ان کے لئے اس سے بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے حضرت عثمان کے قصاص کا دعویٰ کر کے بڑی آسانی سے عظیم قوت پیدا کر لی۔

ان وجوہ و اسباب کی بنا پر حضرت علی کو پنجسالہ عہدِ خلافت میں ایک روز بھی چین کا نصیب نہ ہوا۔ نظم و نسق کی ترقی اور امن و امان کی بحالی کے لئے آپ کو فرصت ہی کب تھی؟ تاہم نظامِ خلافت کی استواری عمّال کی نگرانی اور رعیت کی بہبود سے آپ کبھی بھی غافل نہیں ہوئے؟ حضرت علیؓ انتظام مملکت میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ نجران کے یہودیوں نے حضرت فاروق اعظمؓ

Marfat.com

نے حجاز سے جلا وطن کر کے نجران میں آباد کیا تھا۔ نہایت لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن میں واپس آنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت علیؓ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ عمرؓ سے زیادہ کون صائب الرائے ہو سکتا ہے؟ (کتاب الخراج قاضی ابو یوسف و ابن ابی شیبہ)

انتظامی معاملات

ملکی نظم و نسق میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے۔ حضرت علیؓ نے اس کا خاص اہتمام مدنظر رکھا۔ وہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تھے تو اس کو نہایت مفید اور گراں بہا نصیحتیں کرتے تھے۔ کبھی کبھی عمال کے طرز عمل کی تحقیق کرتے تھے۔ جہاں سخت گیری کی ضرورت ہوتی تھی آپ کی طبیعت لچک سے نا آشنا تھی۔
حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ جس زہد و تقویٰ امانت اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے۔ اور لوگوں کو جس راستہ پر لے جانا چاہتے تھے زمانہ کے تغیر اور حالات کے انقلاب سے لوگوں کے دلوں میں اس کی صلاحیت باقی نہیں رہی تھی۔ ایک طرف امیر معاویہ اپنے طرفداروں کے لئے بیت المال کا خزانہ لٹا رہے تھے۔ دوسری طرف حضرت علیؓ ایک ایک کوڑی کا حساب لیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؓ کے حامی اور ان کے بعض اعزہ تک دل برداشتہ ہو کر ان سے جدا ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کی طرح کوڑا ہاتھ میں لے کر اکثر راتوں کو گشت کرتے تھے۔

حضرت علیؓ نے محاصل کے صیغہ میں خاص اصلاحات جاری کیں۔ حضرت عمرؓ نے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں حاصل کیا تھا۔ آپ کے عہد میں جنگل کو بھی محاصل ملکی کے ضمن میں داخل کیا گیا۔ اور اس پر مالگذاری عائد کی گئی۔ عہد نبوی میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے۔ عہد فاروقی میں جب عام طور سے ان کی تجارت ہونے لگی تو اس پر بھی زکوٰۃ مقرر کر دی گئی۔ حضرت علیؓ کے نزدیک تمدنی اور جنگی فوائد کے لحاظ سے گھوڑوں کی افزائش نسل میں سہولت بہم پہنچانا ضروری تھا۔ اس لئے اپنے زمانہ میں زکوٰۃ موقوف کر دی۔ (کتاب الخراج ابو یوسف)

حضرت علیؓ کا وجود باجود رعایا کے لئے آیۂ رحمت تھا۔ بیت المال کے دروازے غرباء اور

Marfat.com

مساکین کے لئے کھلے رہتے تھے۔ اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی۔ نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کردی جاتی تھی۔ ذمیوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ کرتے تھے۔ ایران میں کئی بار بغاوتیں ہوئیں لیکن حضرت علی نے ہمیشہ لطف و کرم سے کام لیا۔ یہاں تک کہ ایرانی اس لطف و شفقت سے متاثر ہو کر کہتے تھے۔ خدا کی قسم اس عربی نے نوشیروان کی یاد تازہ کردی۔

فوجی انتظامات حضرت علی خود ایک بڑے تجربہ کار جنگ آزما تھے اور جنگی امور میں آپ کو پوری بصیرت حاصل تھی۔ اس لئے اس سلسلہ میں آپ نے بہت سے انتظامات کئے۔ چنانچہ شام کی سرحد پر نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں۔ ۴۰ھ میں جب امیر معاویہ نے عراق پر یورش کی تو پہلے ان ہی سرحدی فوجوں نے ان کو آگے بڑھنے سے روکا۔ اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کے باعث بیت المال اور عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے نہایت مضبوط قلعے بنوائے۔ جنگی تعمیرات کے سلسلہ میں دریائے فرات کا پل بھی جو معرکۂ صفین میں فوجی ضروریات کے خیال سے تعمیر کیا تھا قابلِ ذکر ہے۔

مذہبی خدمات مسند خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سے آخر وقت تک گو خانہ جنگیوں نے فرصت نہ دی تاہم اس فرض سے بالکل غافل نہ تھے۔ ایران اور آرمینیہ میں بعض نومسلم عیسائی مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت علی نے نہایت سختی سے ان کی سرکوبی کی اور ان میں اکثر تائب ہو کر پھر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت علی نے مسلمانوں کی اخلاقی نگرانی کا بھی نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا۔ مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دیں۔ جرم کی نوعیت کے لحاظ سے نئی سزائیں تجویز کیں۔ جو ان سے پہلے اسلام میں رائج نہ تھیں مثلاً زندہ جلانا۔ مکان مسمار کرا دینا۔ چوری کے علاوہ دوسرے جرم میں بھی ہاتھ کاٹنا لیکن اس سے یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت علی شرعی حدود کے اجراء میں کسی اصول کے پابند نہ تھے۔ زندہ جلا دینے کی سزا صرف چند زندیقوں کو دی تھی مگر جب حضرت ابن عباسؓ نے آپ کو بتایا

Marfat.com

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سزا کی ممانعت فرمائی ہے تو آپ نے اس فعل پر ندامت ظاہر فرمائی۔ شراب نوشی کی سزا میں کوڑوں کی تعداد متعین نہ تھی۔ حضرت علی نے اس کے لئے اسّی کوڑے تجویز کئے۔

(ترمذی۔ کتاب الخراج نیز سنن ابو داؤد)

خلاصہ یہ کہ حضرت علی کا عہد خلافت اپنے مخصوص حالات کے پیش نظر کامیاب تھا۔ آپ نے شوریٰ کو برقرار رکھا جس کی وجہ سے نظام حکومت میں جمہوریت اور مساوات کی روح کارفرما رہی۔ مقدمات کے فیصلے کتاب و سنت کی روشنی میں طے کرتے اور علم کی اشاعت میں سرگرم عمل رہتے تھے۔ عدل و انصاف کے لئے آپ کا دور ہمیشہ یادگار رہے گا۔ ذمیوں کے حقوق کی آپ کے عہد میں پوری نگہداشت ہوتی تھی اور وہ نہایت پُرسکون زندگی بسر کرتے تھے۔ البتہ اندرونی خانہ جنگی کی وجہ سے آپ فتوحات کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ اس لئے آپ کے عہد خلافت میں ملکی حدود میں توسیع نہ ہو سکی۔

حضرت حسنؓ کا عہدِ خلافت

سنہ ۴۱ھ مطابق سنہ ۶۶۱–۶۶۲ء

ابتدائی حالات حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔

آپ کا نام حسن کنیت ابو محمد اور لقب ریحانۃ النبی تھا۔ آپ ۱۵ رمضان سنہ ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمۃ الزہراء جگر گوشۂ رسول تھیں۔ امام حسن شکل و صورت میں اپنے نانا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ملتے جلتے تھے۔ اُدھر بُرائیاں نانا کی

Marfat.com

آغوشِ محبت اور دامنِ نبوت میں پرورش پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام حسن کو بڑے لاڈ اور پیار سے رکھتے اور ہر طرح ان کی ناز برداری کرتے تھے۔ بلوغت کو پہنچنے کے بعد کسی میدان میں آپ کا قدم پیچھے نہ رہا۔ حضرت عثمان کی حفاظت کرتے ہوئے زخمی ہوئے۔ جنگ جمل و صفین میں اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ تھے۔

خلافت

حضرت علی رضہ کی شہادت کے بعد سب سے پہلے قیس رضہ بن سعد انصاری نے حضرت حسن کی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور کہا میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کتاب اللہ اور سنتِ رسول کافی اور تمام شرائط کی جامع ہے۔ قیس بن سعد کی بیعت کے بعد تمام اہلِ عراق نے بیعت کی اور ماہِ رمضان سنہ ۴۰ھ میں حضرت حسن مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ (تاریخ طبری جلد ۷ صفحہ ۲)

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد سے امیر معاویہ رضہ والی شام کے دل میں عالم اسلام پر حکومت کرنے کی تمنا تھی۔ اس کے لئے انہوں نے جنگ بھی کی لیکن حضرت علی کی زندگی میں ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔ حضرت حسن بڑے نرم مزاج بردبار اور امن پسند تھے۔ جنگ و جدل سے آپ کو طبعی نفرت تھی۔ امیر معاویہ رضہ کو اس کا اندازہ تھا اس لئے حضرت علی کی شہادت کے بعد ان کو دیرینہ تمنا پوری کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ انھوں نے فوراً عراق پر فوج کشی کر دی۔ اور علی الیمن سے ہوتے ہوئے مدائن کا رخ کیا۔ حضرت امام حسن کو شامی فوج کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو قیس بن سعد انصاری کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے بھیجا اور خود بھی روانہ ہو گئے اس عرصے میں یہ افواہ اڑی کہ قیس بن سعد قتل کر دیئے گئے۔ افواہ کا پھیلنا تھا کہ عراقی فوج بھاگ نکلی۔ کچھ لوگوں نے حضرت حسن کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا۔ فوج کا یہ رنگ دیکھ کر آپ مصالحت کے لئے آمادہ ہو گئے۔

(تاریخ طبری جلد ۷ صفحہ ۱)

آپ نے لوگوں کے سامنے تقریر کر کے مصالحت کی تجویز پیش کی۔ خارجی یہ سن کر کہنے لگے۔

Marfat.com

حسن بھی اپنے باپ کی طرح کافر ہو گئے۔ انہوں نے آپ پر حملہ کیا مگر چند جاں نثاروں نے بچا لیا۔ آپ ساباط سے مدائن روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک خارجی نے آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ کی ران میں زخم آیا۔ خارجی کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔ حضرت حسن مدائن میں داخل ہو گئے اور زخم بھرنے تک یہاں مقیم رہے۔ اسی اثناء میں امیر معاویہؓ فوجیں لے کر انبار کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہاں حضرت حسن کے سپہ سالار قیس بن سعد انصاری پہلے سے موجود تھے۔ امیر معاویہ کی فوج کے سپہ سالار عبید اللہ بن عامر نے حضرت حسن کو پیغام بھیجا کہ "میں جنگ نہیں کرنا چاہتا۔ میں صرف امیر معاویہ کے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوا تھا۔ اب وہ خود یہاں پہنچ چکے ہیں لہذا اپنی جماعت کے حال پر رحم کریں"۔

یہ پیام سن کر عراقیوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا۔ حضرت حسن نے یہ رنگ دیکھا تو جنگ کا خیال ترک کر کے مدائن چلے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد عبید اللہ بن عامر نے محاصرہ کر لیا۔ تاہم حضرت حسن کے ساتھ ایسی فوج کی کمی نہ تھی جو آپ کے حکم پر جان نثار کرنے کو تیار تھے۔ مگر آپ مسلمانوں کے خون کی قیمت پر خلافت خریدنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے چند شرائط پر امیر معاویہ کے حق میں دست بردار ہونے پر تیار ہو گئے۔ صلح کی شرائط یہ تھیں۔

۱۔ کسی عراقی کو محض پرانی عداوت کی بنا پر نہ پکڑا جائے۔

۲۔ سب کو امان دی جائے۔

۳۔ اہل عراق کی گستاخی کو گوارا کیا جائے۔

۴۔ امام حسین کو دو لاکھ درہم سالانہ دیئے جائیں۔

۵۔ حضرت حسن کو ایک مخصوص علاقہ کا خراج بطور وظیفہ دیا جائے۔

۶۔ تنخواہوں میں بنو ہاشم کو بنو امیہ پر ترجیح دی جائے۔

امیر معاویہ نے بلا ترمیم یہ تمام شرطیں منظور کر لیں اور اپنے قلم سے اقرار نامہ لکھ کر اس پر مہر لگا کر امام حسن کے پاس بھجوا دیا۔ مصالحت کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے دست راست حضرت عمرو بن عاصؓ نے ان کو مشورہ دیا کہ حضرت حسنؓ سے مجمع

Marfat.com

عام میں دست برداری کا اعلان کرا دیں تاکہ لوگ خود ان کی زبان سے بھی سن لیں حضرت حسن سے جب یہ درخواست کی گئی تو انہوں نے یہ اعلان کر دیا۔

دست برداری کے بعد امام حسن اپنے جملہ متعلقین سمیت مدینہ منورہ روانہ ہوئے اہل کوفہ دور تک روتے ہوئے الوداع کہنے آئے۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے باقی زندگی وہیں گذاری۔ آپ کی مدتِ خلافت چھ مہینہ سے لے کر سات مہینہ تک ہے۔ آپ کی تخت نشینی کا زمانہ رمضان سنہ ۴۰ھ متعین ہے لیکن دست برداری کے زمانہ میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ ربیع الاول سنہ ۴۱ھ میں دست بردار ہوئے اس لحاظ سے آپ کی مدت خلافت چھ ماہ ہوتی ہے۔

مصالحت کے اثرات و نتائج

امیر معاویہ اور حضرت حسن کی مصالحت کے نتائج ملک و ملت کے لئے بہت مفید ثابت ہوئے۔ مسلمانوں کی خون ریزی کا سلسلہ جو مدتوں سے چلا آ رہا تھا۔ بند ہو گیا۔ ملک میں امن و سکون پیدا ہو گیا اور جو طاقت خانہ جنگی میں پارہ پارہ ہو رہی تھی وہ پھر دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہونے لگی۔ بیرونی فتوحات اور اندرونی اصلاح و ترقی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس لئے اس سال کو "عَامُ الْجَمَاعَۃِ" (اتحاد و اتفاق کا سال) کہتے ہیں۔

وفات

دستبرداری کے نو سال بعد سنہ ۵۰ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی موت کے متعلق مشہور ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے امیر معاویہ کے اشارہ سے زہر دیا تھا۔ یہ بے بنیاد روایت ہے جس کی کوئی سند نہیں۔ امیر معاویہ کا دامن اس افتراء سے پاک ہے۔ (تاریخ ابن خلدون ج [illegible])

Marfat.com

آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی حضرت عائشہ سے اس کی اجازت طلب کی۔ آپ نے بخوشی اس کی اجازت دے دی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پھر وصیت کر دی کہ میری وفات کے بعد دوبارہ اجازت لینا۔ ممکن ہے زندگی میں میری مروت سے اجازت دی ہو۔ اگر بعد از وفات بھی وہ اجازت دے دیں تو روضۂ نبوی میں دفن کرنا۔ مجھ کو خطرہ ہے کہ اس میں بنی اُمیہ مزاحم ہوں گے۔ اگر یہ صورت پیش آ جائے تو روضہ نبوی میں دفن کرنے پر اصرار نہ کرنا اور بقیع کے گورِ غریباں میں دفن کر دینا۔

(استیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۴۵ نیز مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۸۰)

وفات کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خیال درست نکلا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو حسب سابق اجازت دیدی مگر بنو اُمیہ نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ جب حضرت عثمان کو یہاں دفن نہیں کیا گیا تو حسن رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز کیوں کر مل سکتا ہے؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بزور دفن کرنے پر آمادہ ہو گئے اور قریب تھا کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں تلواریں چل جائیں کہ اتنے میں مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ پہنچ گئے یہ دیکھ کر چلائے کہ "یہ کیا ستم ہے کہ ابن رسول اللہ کو نانا کے پہلو میں دفن کیے جانے سے روکا جاتا ہے" پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت یاد دلائی۔ کہ اگر خون ریزی کا خطرہ ہو تو بقیع کے قبرستان میں دفن کر دینا" اس یاد دہانی پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ سعید بن العاص والی مدینہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اور اقلیم مصالحت کے تاجدار اور حلم و بردباری کے پیکر کو ان کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

(استیعاب و اسد الغابہ)

Marfat.com

سوالات

۱۔ حضرت علی رض کی سیرت و سیاست پر تبصرہ کیجیے۔

۲۔ حضرت علی رض کو اپنے عہد خلافت میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور وہ ان مشکلات پر قابو پانے میں کس حد تک کامیاب ہوئے؟

۳۔ جنگِ جمل کے وجوہ و اسباب اور تفصیلات قلمبند کیجیے۔

۴۔ جنگِ صفین اور عمرو بن العاص اور ابو موسیٰ اشعری کی ثالثی کے واقعات و نتائج بیان کیجیے۔

۵۔ جنگ صفین کے اسباب واقعات اور نتائج پر سیر حاصل تبصرہ کیجیے۔

۶۔ خوارج کون تھے اور انہوں نے حضرت علی کے خلاف کیوں بغاوت کی؟

۷۔ خوارج کے مذہبی اور سیاسی افکار و عقائد کی تفصیلات بیان کیجیے۔

۸۔ جنگِ نہروان کی تفصیلات بیان کیجیے۔

۹۔ حضرت امام حسن کی سیرت بیان کیجیے اور بتایئے کہ وہ خلافت سے کیوں دست بردار ہو گئے۔

Marfat.com

خلافتِ راشدہ پر ایک نظر

خلافت کا مفہوم

لفظ خلافت خلف یخلف سے مصدر ہے۔ خلافت کے لغوی معنی "جانشینی" اور "کسی کی جگہ پر اس کے بعد بیٹھنے" کے ہیں۔ خلیفہ جانشین اور نائب کو کہتے ہیں۔ اصطلاحی اعتبار سے خلافت کا لفظ خاص ہے اور صرف خاتم الانبیاء و الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور جانشینی کے لئے بولا جاتا ہے۔ جب خلافت کے لفظ کے ساتھ راشدہ کی صفت کا اضافہ کیا جاتا ہے تو اس سے مراد تاریخ کا وہ تیس سالہ زرین دور ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت صدیق کی خلافت سے شروع ہو کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانشینی پر ختم ہوا۔ تاریخ کی زبان میں ان کو خلفائے راشدین (راست رو جانشین) کہا جاتا ہے۔

دیگر الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ دینی اور دنیوی امور کے انتظامات کے لئے ایک ایسی جمہوری ریاست قائم کی جائے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور نیابت ہو۔ اس ریاست کے رئیس کو خلیفہ یعنی رسول کا جانشین اور قائم مقام کہتے ہیں۔ خلیفہ مسلمانوں کے تمام دینی و دنیوی امور و ضروریات کا کفیل ہوتا ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے صحابہ میں سے چار حضرات یکے بعد دیگرے مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ یہ چاروں اصحاب رسالت مآبؐ کے تربیت یافتہ تھے چونکہ نورِ نبوت سے براہِ راست ہدایت یافتہ تھے اس لئے راشدین کہلائے اور ان کا عہد حکومت خلافتِ راشدہ کے نام سے مشہور ہوا۔ خلفائے راشدین نے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چل کر جمہور مسلمانوں کو اسلامی زندگی کا عادی بنائیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی، عوام کی فلاح و بہبود اور اتباعِ سنت ان کا مقصدِ حیات تھا۔

دستورِ خلافت

اسلامی حکومت کے اصول و قوانین کا سرچشمہ کتاب و سنت ہے۔ کتاب و سنت کے

Marfat.com

احکام ابدی اور ناقابلِ تبدیل ہیں۔ یہاں قانون بنائے نہیں جاتے بلکہ خلیفہ اور حاکم خداوندِ تعالےٰ کے بنے بنائے قوانین کو دنیا میں نافذ کرتا ہے۔ اسلام میں قانون سازِ حقیقی صرف ذاتِ خداوندی ہے۔ رسولوں کو بھی قانون بنانے کا حق حاصل نہیں۔ البتہ وہ قانونِ الٰہی کی تعبیر و تشریح کرتے ہیں۔ علماء و فقہا کتاب و سنت کے دائرہ میں محدود رہ کر مقدمات فیصل کرتے ہیں۔ صحیح اسلامی جمہوریت کی مثال ہم کو خلافتِ راشدہ میں ملتی ہے۔

شورےٰ

اسلامی جمہوریت کی بنیاد شورےٰ پر رکھی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں مسلمانوں کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے معاملات باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں۔ خلافتِ راشدہ میں شورےٰ کی روح کارفرما تھی اور سب اہم امور شورےٰ کی روشنی میں طے کئے جاتے تھے البتہ اس وقت وہ رسمی ادارے اور تکلفات موجود نہ تھے جو آجکل کی جمہوریت کے لوازم میں سے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق کے عہدِ خلافت میں شورےٰ کو بڑا اہم مقام حاصل تھا۔ سب امورِ خلافت صحابہ کبار کے مشورہ سے انجام پاتے تھے۔ رعایا کے تمام افراد خلیفہ پر تنقید کر سکتے تھے۔ عوام کو عام اجازت تھی کہ جب بھی خلیفہ کو غلطی پر دیکھیں تو برملا اپنی رائے کا اظہار کریں۔

خلیفہ کا انتخاب

خلیفہ کا انتخاب اُمّت کی رضا سے کیا جاتا تھا۔ خلفائے راشدین کے انتخاب میں ہمیں اسلامی جمہوریت کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ دورِ حاضر میں انتخاب کا جو طرز و انداز رائج ہوا ہے وہ اس وقت مفقود تھا۔ اس مبارک عہد میں ہمیں گروہ بندی اور تفرقہ بازی کا نشان تک نظر نہیں آتا۔ کسی خلیفہ نے اپنے کسی عزیز و قریب کو اپنا

Marfat.com

جانشین نہیں بنایا تھا۔ حضرت ابو بکر کا انتخاب عوام الناس کی موجودگی میں ہوا۔ حضرت عمر کا نام اگرچہ حضرت ابو بکر نے پیش کیا تھا مگر سب لوگوں نے باتفاق رائے آپ کو خلیفہ چن لیا۔ حضرت فاروق اعظم نے اپنا جانشین منتخب کرنے کے لیے ایک کمیشن مقرر کر دیا تھا۔ اس پر سب کو اعتماد تھا۔ جب اس کمیشن نے حضرت عثمان کے حق میں رائے دی تو سب لوگوں نے آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیا اور حضرت علی کو لوگوں نے خلافت سنبھالنے پر خود مجبور کیا۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ اگرچہ خلفائے اربعہ میں سے ہر ایک کا طرزِ انتخاب جداگانہ نوعیت کا تھا۔ تاہم عوام کی رضا اور جمہوریت کی روح ہر انتخاب میں مکمل طور پر کار فرما تھی۔

نظامِ حکومت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد رکھی تھی۔ آپ صرف مذہبی اور روحانی پیشوا ہی نہ تھے بلکہ اسلامی حکومت کے موسس اور بانی بھی تھے خلفائے راشدین آپ ہی کے نقشِ قدم پر گامزن رہے۔

خلافتِ راشدہ میں حکومت کے دو شعبے تھے۔ مرکزی اور صوبائی ——— مرکزی نظام براہ راست خلیفہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ صوبوں پر والی مقرر تھے جن کے تحت مختلف محکموں کے افسر کام کرتے تھے۔ والی کا تقرر خلیفہ خود کرتا تھا۔ حضرت ابو بکر کے عہد تک بعض عہدہ دار تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ حضرت عمر نے سب کو تنخواہ لینے پر مجبور کیا۔

مرکزی نظام

حضرت عثمان کے عہد تک مدینہ مرکزِ خلافت رہا۔ حضرت علی نے بعض مصلحتوں کے پیشِ نظر کوفہ کو دارالخلافہ قرار دیا۔ مرکزی حکومت کے زیادہ شعبے نہ تھے اس دور میں کاتب کا عہدہ بڑا اہم تھا۔ اس کے بعد قاضی کاتب دیوان خزانچی اور صاحب الخراج کے عہدے تھے۔ حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں جو نظامِ حکومت بنایا وہ آپ

Marfat.com

کے بعد بھی جاری رہا۔ خلیفہ کو سب مسلمان منتخب کرتے تھے۔ اس لیے سب پر اس کی اطاعت فرض تھی۔ البتہ یہ اطاعت اس شرط کے ساتھ مشروط تھی کہ خلیفہ شرعی احکام کی پیروی کرتا رہے اور رعایا کو کوئی غیر شرعی حکم نہ دے خلیفہ آمر مطلق نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ اس کو مشورہ دینے کے لیے صحابہ کی ایک مجلس بنائی گئی جس کو شوریٰ کہتے ہیں۔ اس کی مدد سے خلیفہ احکام خداوندی کے مطابق عمل کرتا تھا۔ اس کو آنحضرت کی چادر انگوٹھی اور مہر استعمال کرنے کا حق تھا۔ وہ نماز جمعہ کی امامت کرتا اور خطبہ دیتا تھا خلیفہ کے فرائض اسلام کی اشاعت مفتوحہ علاقوں کا انتظام سرحدوں کی حفاظت امن وامان کا قیام عدالتوں کا بندوبست وغیرہ تھے خلیفہ کے لئے امیر المومنین کا لقب پہلی مرتبہ حضرت فاروقِ اعظم نے اختیار کیا۔

صوبائی نظام

خلافت راشدہ میں ملک کو کئی صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پہلے پہل بہت کم صوبے تھے جب اسلامی فتوحات کا دائرہ پھیلا تو صوبوں کی تعداد بھی بڑھ گئی۔ صوبے کا سب سے بڑا افسر والی یا امیر کہلاتا تھا۔ اس کے انتخاب میں خلفائے راشدین بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اہلیت و صلاحیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ حج کے موقعہ پر خلیفہ سب والیوں کو بلاتا اور ان کے خلاف عوام کی شکایات سنتا تھا۔ والیوں کو شرعی حدود کے سوا دیگر معاملات میں لوگوں سے نرمی برتنے کا حکم تھا ہر شخص کو والی کے پاس بلا جھجک آنے کی اجازت تھی۔ والی کی قیام گاہ جسے دارلامارت کہتے تھے مسجد سے ملحق ہوا کرتی تھی۔ وہ مسجد میں نماز پڑھاتا اور وہاں بیٹھ کر لوگوں سے ملاقات کرتا تھا۔

Marfat.com

مالی نظام

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی مستقل خزانہ قائم نہیں کیا تھا۔ چنانچہ خلفائے راشدین کے عہد میں بیت المال کی بنیاد رکھی گئی حضرت عمر نے محکمہ مال قائم کیا جو دیوان کہلاتا تھا۔ بیت المال کو مستقل خزانہ کی شکل دی گئی ہے۔ مدینہ میں اس کے دفاتر قائم کئے گئے۔ ہر صوبے میں بیت المال کی شاخیں قائم کی گئیں۔ صوبے کے اخراجات سے جو رقم بچ جاتی تھی، وہ مرکزی بیت المال میں جمع کر دی جاتی تھی۔ آمدنی کے بڑے بڑے ذرائع عشر، زکوٰۃ، خراج، جزیہ اور مال غنیمت ہے۔ خلافت راشدہ میں مالگذاری کا باقاعدہ بندوبست کیا گیا۔

فوجی نظام

عہد رسالت میں کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی۔ ہر مسلم مجاہد تھا۔ خلافت راشدہ میں فوج کا مستقل نظام قائم کیا گیا۔ حضرت عمر نے ایک رجسٹر تیار کر کے اس میں فوجی خدمت کے لائق لوگوں کے نام درج کئے اور ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک باقاعدہ فوج تھی جسے چھاؤنیوں میں رکھا جاتا تھا۔ دوسری فوج رضا کاروں پر مشتمل ہوتی تھی۔ یہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ رضا کاروں کی فوج ضرورت کے وقت طلب کی جاتی تھی۔ تمام مفتوحہ علاقوں میں فوجی مراکز قائم کئے گئے۔ اور ان مرکزوں کا نہایت معقول انتظام کیا گیا فوجیوں کی صحت اور آرام و آسائش کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ فوجیوں کو ہدایت کی جاتی تھی کہ مفتوحہ اقوام سے اچھا برتاؤ کریں۔ خلفائے راشدین فوجی افسروں پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ حضرت عمر نے حضرت خالد جیسے عظیم فاتح کو سبکدوش کر دیا تھا۔

Marfat.com

اسلامی افواج سادگی کی تصویر ہوتی تھیں۔ جنگ کے لمحوں میں خوش الحان قاری بلند آواز سے سورۂ انفال کی آیات تلاوت کرتے تھے۔ جس کے پُر تاثیر الفاظ دلوں کو جوشِ ایمانی سے لبریز کر دیتے تھے۔ غازیوں کی تکبیریں دشمن کی فوج کو لرزہ براندام کر دیتی تھیں۔ مشکلات کے ہجوم سامان کی کمی اور سپاہ کی قلت کے باوجود عربوں نے تاریخ میں پہلی بار بڑی بڑی حکومتوں کو زیر نگین کیا۔

مفتوحہ علاقوں کی تنظیم

خلافت راشدہ میں جو ممالک فتح کئے گئے تھے۔ خلفائے راشدین نے ان کے انتظام کی طرف خاص توجہ دی۔ وہاں کے ظالمانہ قوانین کو منسوخ کر کے عادلانہ نظام جاری کیا۔ زمینوں کو ان کے قدیم مالکوں کے پاس ہی رہنے دیا گیا۔ عربوں کو مفتوحہ اقوام کی زمینیں خریدنے اور وہاں کاشت کار کی حیثیت سے آباد ہونے کی ممانعت کر دی گئی۔ ان علاقوں میں امن و امان بحال رکھنے کے لئے فوجیں متعین کی گئیں۔

رفاہِ عامہ اور ذمیوں سے سلوک

خلفائے راشدین نے رعایا کے لئے ہر قسم کی سہولتیں مہیا کیں۔ پل بنوائے۔ کنوئیں کھدوائے۔ زراعت کو فروغ دینے کے لئے نہریں نکالیں۔ مجرموں کے لئے قید خانے تعمیر کئے گئے۔ بہت سی سڑکیں بنوائیں۔ چوکیاں تعمیر کیں۔ بہت سے شہر آباد کئے۔ اس طرح لوگوں کی معاشی و معاشرتی حالت کو سنوارنے کے لئے بڑی کوشش کی۔ ذمیوں کی جان و مال اور مذہب کی حفاظت حکومت کے فرائض میں شامل تھی۔ اہل ذمہ کو پورے حقوق حاصل تھے۔ ان پر کوئی مسلمان جبر نہیں کر سکتا تھا۔ اہلِ ذمہ کے باہمی مقدمات کے لئے ان کے اپنے جج ہوتے تھے۔ خلافت راشدہ میں اہلِ ذمہ کو اہم اور کلیدی عہدے نہیں دیئے جاتے تھے۔

Marfat.com

اس لئے کہ ان سے اس وفاداری کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ جو مسلمانوں کی طرف سے تھی۔

اشاعتِ دین

خلافتِ راشدہ میں دعوتِ اسلام اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنے اور فروغ دینے کے سلسلے میں بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ خلفائے راشدین اس بات پر کڑی نگاہ رکھتے تھے کہ دین کی روح کمزور نہ ہونے پائے۔ قرآن و حدیث کی خوب اشاعت ہوئی۔ جگہ جگہ مسجدوں کی تعمیر ہوئی۔ دینی تعلیمات کو فروغ دینے کے لئے اطرافِ ملک میں مبلغ بھیجے جاتے تھے خلیفہ اور والی بذات خود جمعہ کا خطبہ دیتا اور لوگوں کو اسلامی تعلیمات سکھاتا تھا۔

تہذیب و ثقافت

فتوحات کے سلسلہ میں بہت سی عراقی ایرانی شامی مصری اور رومی عورتیں، مسلمانوں کے حرم میں آگئیں۔ اس طرح مختلف نسلوں کی آمیزش سے ایک نئی تہذیب عالم وجود میں آئی۔ فاروقِ اعظم رضہ کے عہدِ خلافت میں شاہِ ایران یزدگرد کی تین بیٹیاں قیدی ہو کر مدینہ آئیں تو ایک لڑکی حضرت عبداللہ بن عمر رضہ کے نکاح میں آئی اور اس کے بطن سے سالم پیدا ہوئے۔ دوسری لڑکی امام حسین رضہ کے حرم میں داخل ہوئی اور اس کے بطن سے امام زین العابدین پیدا ہوئے۔ تیسری لڑکی محمد بن ابی بکر صدیق کے حرم میں شامل ہوئی اور اس سے قاسم پیدا ہوئے۔ اس طرح عجمی عورتوں کے بطن سے بڑے بڑے اہل علم اور متقی لوگ پیدا ہوئے۔

ملکی فتوحات کے بعد رومی شامی ایرانی اور عراقی لوگ ہزاروں کی تعداد میں حجاز پہنچے قدرتی طور پر حجاز اور دیگر علاقوں میں رومیوں ایرانیوں اور عربوں کا اختلاط بڑھ گیا۔ اس میل جول اور اختلاط سے لوگوں

Marfat.com

نے ایک دوسرے کے اخلاق عادات علم و ادب اور صنعت و حرفت کو اپنا لیا عربوں کا مذہب اور زبان یعنی دین اسلام اور عربی زبان مفتوحہ ملکوں پر چھا گئے۔ عربوں نے مفتوحہ قوموں کے علوم و آداب کو اپنے ہاں رواج دیا۔

حضرت عمر کے عہد خلافت میں مدینہ میں دولت کی ریل پیل ہو گئی۔ تاہم حکومت کی یہ کوشش رہی کہ لوگ تن آسان اور عشرت کوش نہ ہونے پائیں۔ اسلامی افکار کا مفتوحہ اقوام کے خیالات اور طریقہ زندگی پر بہت گہرا اثر پڑا اور ہر جگہ سادگی کا رجحان پیدا ہوا۔

اشاعتِ علوم

ظہورِ اسلام سے قبل عرب جہالت کا گہوارہ تھا۔ پڑھے لکھے لوگ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے آنحضور صلعم کی بعثت کے وقت مکہ میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھ پڑھ سکتے تھے۔ اسلام نے پڑھنے پڑھانے پر اس قدر زور دیا کہ عرب کے جاہل بھی زیورِ علم و حکمت سے آراستہ ہو کر علمی مجالس کی زینت بننے لگے۔ سرورِ کائنات صلعم کی زندگی ہی میں اشاعت علم کا آغاز ہوا۔ خلافت راشدہ میں اس میں مزید ترقی ہوئی۔ اور جا بجا علمی مراکز قائم کیے گئے۔ حکام و عمال کے فرائض میں ایک فریضہ یہ بھی تھا کہ علم دین کو فروغ دیں۔ فوجی امراء اچھے خاصے تعلیم یافتہ ہوا کرتے تھے شہروں میں معلم مقرر تھے جو کتاب و سنت کی تعلیم دیتے تھے علم کو طلب دنیا کیلیے حاصل نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ حصول علم کا مقصد فقط دین اسلام کی خدمت تھی مسجدوں میں مکتب قائم تھے۔ لوگوں کو فقہ حدیث اور قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس دور میں علم کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ لوگ دیوانہ وار اس متاع عزیز کو حاصل کرنے کے لیے مصروف سعی و جہد رہتے تھے۔

اس وقت علم کا بیشتر سرمایہ قرآن و سنت کی تعلیمات تھیں۔ فقہ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ فقہ حکومت عبادات معاملات اور ذاتی اخلاق و کردار وغیرہ کے بارے میں تمام قوانین و قواعد کے علم کا نام ہے۔ خلفائے راشدین سب بلند پایہ فقیہہ تھے۔ اس

Marfat.com

دور میں احادیث کو یاد کرنے اور محفوظ رکھنے کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ خلافتِ راشدہ میں حدیث کے کئی مجموعے لکھے گئے۔ حضرت ابوہریرہ نے اپنی روایات قلم بند کرا کر رکھی تھیں۔ یہ بہت عظیم سرمایہ تھا۔ ان کے شاگردوں نے بھی ان کی روایات کے مجموعے تیار کئے جن میں سے ایک مجموعہ صحیفۂ ہمام بن منبہ اب بھی ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے احادیث نبویہ کو تحریر کرنے کا وسیع پیمانے پر بیڑا اٹھایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک مجموعۂ احادیث تیار کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی روایات حضرت سعید بن جبیر نے لکھیں یہ مجموعے کافی ضخیم تھے۔

اقتصادی اور تمدّنی حالت

اسلام کے ابتدائی دور میں اہلِ عرب کی اقتصادی حالت بہت خراب تھی۔ جوں جوں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا ان کی حالت بھی تبدیل ہوتی گئی۔ مالِ غنیمت کی فراوانی عراق فارس شام اور مصر جیسے زرخیز ملکوں کے خراج نے مسلمانوں کی اقتصادی زندگی کی کایا پلٹ دی اب ان کے مکانات عالی شان نفیس سامان زیبائش اعلیٰ ترین لباس اور گھروں میں ایرانی قالین بچھائے جاتے تھے۔ پختہ مکانات تعمیر کئے جانے لگے۔ غذا میں بہت کچھ تبدیلی آگئی عرب میں عام طور پر جَو کی روٹی کھائی جاتی تھی۔ جب مسلمان شام میں فاتحانہ داخل ہوئے تو میدے کی سفید روٹی اور پرندوں کا گوشت کھانے لگے۔ باریک کپڑا جو ابتدائی دور میں نایاب تھا اب عام استعمال ہونے لگا تھا۔ اسی لئے حضرت عمر اپنے عمال کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ باریک کپڑا نہ پہنیں۔ خلافتِ راشدہ کے عہد میں اقتصادی اور تمدنی ترقی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ بہت سی پڑوسی حکومتوں کے لئے قابلِ رشک تھی۔

معاشرتی حالت اقتصادی ترقی کی وجہ سے قدرتی طور پر معاشرہ میں تین طبقات اعلیٰ، اوسط، اور ادنیٰ پیدا ہونے لگے تھے لیکن ابھی ان میں اتنا بُعد نہیں پیدا ہوا تھا کہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔ لباس رہن سہن اور کھانے پینے میں مختلف طبقات کا فرق نمایاں تھا۔ عام لوگ کمر تہ کمر پر چمڑے کی پیٹی اور اونٹ کے بالوں کی ڈھیلی عبا پہنتے تھے۔ سروں پر عقال باندھا جاتا تھا۔ متوسط اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ پاجامہ

Marfat.com

لمبا کرتہ اور ٹخنوں تک لمبا چوغہ پہن کر اس پر ریشمی پٹکا لپیٹے لیتے تھے۔ سر پر عمامہ باندھتے۔ کندھوں پر طیلسانی چادر پڑی رہتی تھی۔ عورتوں کا لباس بھی عمامہ اور عبا کے سوا ایسا ہی ہوتا تھا۔

سیاسی حالت

حضرت ابوبکر کے عہد سے حضرت عثمان کے ابتدائی دور تک اسلامی ریاست برابر وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی مسلمانوں کی سیاسی قوت کا یہ عالم تھا کہ روم کی عظیم الشان سلطنت جس کا اقتدار یورپ تک پھیلا ہوا تھا۔ ہمیشہ لرزہ اندام رہتی تھی۔ عہدِ عثمانی میں جب مسلمانوں کا بحری بیڑا تیار ہوگیا۔ تو ان کی عزت و عظمت کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ گیا۔ مشرق میں اسلامی حکومت کا اقتدار روسی ترکستان تک پہنچ چکا تھا۔ افغانستان کے بیشتر علاقے اسلامی علوم کے سامنے سرنگوں تھے۔ مجاہدین کی نگاہیں ہندوستان کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ بدقسمتی سے اس زمانہ میں وہ عظیم فتنہ اٹھا جس نے مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مسلمان مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ حضرت علی کے عہد خلافت میں مسلمان خانہ جنگی کا شکار ہو کر خود آپس میں ہی قتل و غارت گری کرتے رہے۔ جو تلوار حضرت عثمان کی شہادت کیلئے بے نیام ہوئی تھی۔ حضرت حسن کی خلافت ... برادری تک لاکھوں توحید پرستوں کا خون چاٹ گئی۔ اس خانہ جنگی سے مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچا اور امتِ مسلمہ میں جو تفرقہ پڑ گیا تھا۔ وہ آج تک ختم نہ ہو سکا۔ اگر مسلمانوں کا سیاسی اور مذہبی اتحاد قائم رہتا تو دعوتِ اسلام کو تمام یورپ اور افریقہ کے جنوبی کونوں تک پہنچا دیتے۔ لیکن خلافتِ راشدہ کے عہد میں جو فتنہ بپا ہوا اس نے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک دیا اور اس کے بعد بھی تاریخِ اسلام مختلف ادوار میں اپنوں ہی کے خون سے لالہ زار ہوتی رہی۔

غلام احمد حریری عفا اللہ عنہ

تجدید نظر —— یکم نومبر ۱۹۷۸ء

Marfat.com